کتاب الطہارۃ سے کتاب الایمان والنذور تک ۶۱۲ فتاوی کا مستند ذخیرہ

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاویٰ مرکزِ تربیتِ افتا

بفیضِ روحانی

استاذ الفقہا فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی قدس سرہ العزیز

تصدیق و تصحیح

محققِ عصر مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی

نائب فقیہ ملت مفتی محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

ترتیب

فیض محمد قادری مصباحی

جلد اوّل

فقیہ ملت اکیڈمی
اوجھا گنج، بستی

فہرست مضامین

كتابُ الصّلاة

نماز کا بیان

قرأت کا بیان

امامت کا بیان

جماعت کا بیان

نوافل کا بیان

جنازہ کا بیان

طعام میت اور ایصالِ ثواب کا بیان

كتابُ الزكاة

زکاۃ کا بیان

صدقۂ فطر کا بیان

روزہ کا بیان

کتابُ الحج
حج کا بیان

کتابُ النکاح

نکاح کا بیان

کتابُ الطلاق

طلاق کا بیان

پرورش کا بیان

نفقہ کا بیان

كتابُ الايمان والنذور

قسم اور نذر کا بیان

كِتَابُ الطَّهَارَةِ

پاکی کا بیان

مردار کی کھال بعد دباغت بیچنا جائز ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ
زید کی بھینس مرگئی تو بھنگیوں سے چمڑا نکلوا کر نمک لگا کر چند روز بعد مسلمان کے ہاتھ فروخت کرلیا اب یہ روپیہ اپنے خرچ میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ بہار شریعت ص ۱۰۷ ح ۲ پر یہ لکھا ہے کہ مردار جانور کی کھال سکھانے سے پاک ہوجاتی ہے، خواہ اس کو کھاری نمک وغیرہ کسی دوا سے پکایا ہو یا فقط دھوپ یا ہوا میں سکھالیا ہو اور اس کی تمام رطوبت فنا ہوکر بدبو جاتی رہی ہو کہ دونوں صورتوں میں پاک ہوجائے گی اس پر نماز درست ہے اور ص ۹۰ ح ۱۱ میں ہے کہ مردار کے چمڑے کی بھی بیع باطل ہے جب کہ پکایا نہ ہو اور دباغت کرلی ہو تو بیع جائز ہے اور اس کو کام میں لانا بھی جائز ہے؟ مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت جواز کی ہے۔ لہٰذا جواب سے آگاہ فرمائیں؟ **المستفتی:** محمد جمیل اختر رضوی، تحریک تلاش کتب رضویہ، قصبہ وپوسٹ بارا، کان پور

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب خنزیر کے سوا ہر مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اگر نمک یا دوا یا دھوپ وغیرہ سے اس کی رطوبت و بدبو دور کردی جائے یعنی دباغت دے دی جائے تو کھال پاک ہوجائے گی اس پر نماز بھی پڑھ سکتے ہیں اور اسے فروخت بھی کرسکتے ہیں اور جب بیع جائز، تو اس کے عوض میں جو ثمن ملے وہ بھی حلال و جائز، لہٰذا اس کو اپنی ضروریات وصدقہ وخیرات سب میں صرف کرسکتے ہیں کوئی حرج نہیں۔ اس تفصیل کے پیش نظر اگر زید دباغت کے بعد بیچتا ہے تو وہ بیع حلال وصحیح ہے اور اس کا دام بھی حلال وطیب ہے۔

ہدایہ میں ہے: "ولا بیع جلود المیتة قبل ان تدبغ لانه غیر منتفع به ولا بأس ببیعها والانتفاع بها بعد الدباغ لانها طهرت بالدباغ" اھ ملخصا (ص ۳۹ ج ۳۔ کتاب البیوع

باب البیع الفاسد) درمختار میں ہے "جلد میتة قبل الدبغ لو بالعرض ولو بالثمن فباطل و بعده ای الدبغ یباع الاجلد انسان وحیة وینتفع به لطهارته حینئذ" اھ ملخصاً۔
(ص ۱۴۳ ج ۵ کتاب البیوع باب البیع الفاسد)

فتاوی رضویہ میں ہے "کھال اگر پکا کر یا دھوپ میں سکھا کر دباغت کر لی جائے تو بیچنا جائز ہے لطهارته وحل الانتفاع به ورنہ حرام وباطل ہے لانه جزء میتة وبیع المیتة باطل" اھ (ص ۳۶ ج ۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد صدیق عالم القادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۸ ربیع الآخر شریف ۱۴۲۷ھ

بوقت غسل ماء مستعمل کے قطرات بالٹی میں پڑیں تو غسل کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ زید ٹپ یا بالٹی وغیرہ میں غسل کرنے سے پرہیز کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ ٹپ وغیرہ میں غسل کرنے سے جسم وغیرہ پر پانی ڈالتے وقت استعمال شدہ پانی کے قطرے ٹپ یا بالٹی میں گرتے ہیں جس سے یہ پانی پاک کرنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے اس لیے بہتر ہے کہ شاور کے ذریعہ غسل کیا جائے جب کہ عمرو کا کہنا ہے کہ غسل کرتے وقت جو قطرات جسم سے ٹکرانے کے بعد ٹپ وغیرہ میں گرتے ہیں اس سے ٹپ یا بالٹی کا پانی پاک ہی رہتا ہے اس لیے غسل کرنا درست ہے دونوں میں سے کس کے قول پر عمل کیا جائے۔

المستفتی: قاری محمد فاروق مظاہری موریشش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب عمرو کا قول صحیح ہے کہ ٹپ یا بالٹی کا پانی پاک رہتا ہے اس سے غسل کرنا درست ہے گو کہ وقت غسل مستعمل پانی کے قطرات ٹپ یا بالٹی میں پڑتے ہوں اس لیے کہ مستعمل پانی اگر اچھے پانی میں مل جائے مثلاً وضو یا غسل کرتے وقت قطرے لوٹے یا ٹپ میں ٹپکیں تو حکم یہ ہے کہ اچھا پانی اگر زیادہ ہو تو یہ وضو اور غسل کے قابل ہے ورنہ سب بیکار ہو گیا ایسا ہی بہار شریعت ح ۲ ص ۴۹ پر ہے درمختار میں ہے یرفع الحدث بماء مطلق لا بماء مغلوب کمستعمل فبالا جزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطهیر بالکل (ج ۱ ص ۱۷۱، ۱۷۲) ظاہر ہے کہ غسل کرتے وقت ٹپ یا بالٹی کا پانی مستعمل پانی سے عموماً زائد ہی ہوتا ہے اس لیے اس سے وضو اور غسل جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد احمد مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۳۰ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

غیر مسلموں کو برتن کرایہ پر دینا کیسا ہے؟

مسئلہ فاسقوں اور غیر مسلموں کے یہاں شادی وغیرہ کے موقع پر برتن وغیرہ کرایہ پر دینا کیسا ہے جب کہ غالب گمان ہو کہ اس میں فاسقوں کی دعوت کی جائے گی بعدہ کتے وغیرہ بھی چاٹیں گے؟

المستفتی: فاروق احمد چلبلا نہوالی الہٰ آباد

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب فاسقوں اور غیر مسلموں کے یہاں شادی وغیرہ کے موقع پر برتن وغیرہ کرائے پر دینا جائز ہے اس لیے کہ ان کے ان برتنوں میں کھانے سے برتن میں نجاست سرایت نہیں کرتی ہے اور جو نجاست بھی ہے دھونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے مگر تقویٰ احتراز میں ہے اس لیے کہ ہندوستان کے غیر مسلموں کے بارے میں مشاہدہ ہے کہ عموماً سخت ناپاکیوں میں آلودہ رہتے ہیں حتیٰ کہ گائے کے پیشاب اور گوبر کو بھی پاک اور پاک کرنے والا مانتے ہیں جو نجس العین ہے ہاں اگر یہ غالب گمان ہو کہ برتن جوٹھا چھوڑ دیں گے جسے کتے وغیرہ چاٹیں گے تو نہ دیں کہ برتن کو تنجیس سے بچانا واجب ہے واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد ارشد نظامی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۱ر صفر ۲۴ھ

ناپاک گھی کو پاک کرنے کا طریقہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک برتن میں گھی رکھا ہوا ہے جس کو کتے نے جھوٹا کر دیا ہے اس کو پاک کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا

المستفتی: عبداللہ رضوی واصف القادری رمول، مکتول، دربھنگہ بہار

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

والصلوٰة والسلام علی رسوله الاعلی

الجواب گھی اگر جما ہوا ہے تو اس کے منہ لگنے کی جگہ سے تھوڑا سا گھی کھرچ کر پھینک دیں باقی پاک ہے، حدیث پاک میں ہے:

اذا وقعت الفارة فی السمن فان کان جامدا فالقوها و ماحولها . عن میمونة ان فارة وقعت فی سمن فماتت فسئل عنها النبی صلی الله علیه وسلم فقال القوها وماحولها

فکلوہ"اھ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲)

اگر گھی جمنے کے قریب ہے تو آگ پر پگھلالیں اور ویسا ہی پاک گھی پگھلا ہوا اس برتن میں ڈالتے جائیں یہاں تک کہ گھی سے بھر کر ابل جائے سب گھی پاک ہو جائے گا، جامع الرموز میں ہے:

"المائع کالماء والدبس وغیرهما طهارته باجرائه مع جنسه مختلطا به" اھ

اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر گھی گرم ہے تو اتنا ہی پانی اس میں ملا کر جنبش دیتے رہیں یہاں تک کہ سب گھی اوپر آجائے تو اسے اتار لیں، اور دوسرا پانی اتنا ہی ملا کر ویسے ہی کریں پھر اتار کر تیسرے پانی سے ویسے ہی کریں، فتاوی افریقہ میں درر سے ہے: لو تنجس الدهن يصب عليه الماء فيغلى فيعلوا الدهن الماء فيرفع بشئ هكذا ثلاث مرات"اھ (ص ۲۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہ: محمد صابر حسین فیضی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۴؍ذی القعدہ ۱۴۲۵ھ

بارش کا پانی ناپاک جگہوں سے ہوتا ہوا کہیں اکٹھا ہو تو اس سے وضو وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ بارش کا پانی ناپاک جگہوں سے بہہ کر ایک جگہ اکٹھا ہوا تو اس پانی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ **المستفتی**: فاروق احمد چلبلا نہوالی، الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بارش کے پانی کا صرف نجاستوں سے گزر جانا نجاست کا موجب نہیں "فان الماء الجاری یطهر بعضه بعضا" اھ (فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۲۳۵)

البتہ بارش کا پانی اگر ناپاک جگہوں سے بہہ کر ایک جگہ اکٹھا ہوا تو دیکھا جائے کہ اس کا رنگ، بو، مزہ بدل گیا ہے یا نہیں، پہلی صورت میں پانی ناپاک ہے اس سے وضو وغیرہ جائز نہیں اور دوسری صورت میں پاک ہے اس سے وضو وغیرہ کرنا جائز ہے جیسا کہ ہدایہ کتاب الطہارۃ میں ہے:

"الطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء والاودية والعيون والآبار والبحار لقوله تعالىٰ انزلنا من السماء ماء طهورا وقوله عليه السلام الماء طهور لا ينجسه شئ الا ما غير لونه او طعمه او ريحه" اھ (ج ۱ ص ۱۶) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہ: محمد ارشد نظامی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۱؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

فاسق یا غیر فاسق پانی کی پاکی یا ناپاکی کی خبر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ اگر کسی فاسق یا غیر فاسق نے پانی کے پاک یا ناپاک ہونے کی خبر دی تو اس کا کیا حکم ہے جب کہ غالب گمان ہو کہ مخبر جھوٹا ہے؟ **المستفتی: فاروق احمد چلبلا نہوالی الہ آباد**

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب جب تک پانی کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو وہ طاہر مطہر ہے اس لیے کہ "الاصل فی الاشیاء الطھارۃ" اھ اور پانی کی اصل بھی پاک ہونا ہے ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۵۶۹ پر ہے۔

نیز جب مخبر کے جھوٹے ہونے کا غالب گمان ہے تو اس کی خبر کا کوئی اعتبار نہیں وجہ یہ ہے کہ فاسق کی خبر واجب التوقف ہے بے تحقیق فوراً اس کی بات پر اعتماد جائز نہیں تفسیرات احمدیہ میں ص ۴۵۱ پر ہے "المعنی ان جاء کم فاسق بخبر فتوقفوا الی ان تبین لکم الحال" اھ ملخصاً چاہے کیسی ہی وہ خبر ہو اور کیسا ہی وہ شخص ہو جب اس کی خبر غیر معتبر تو پانی اپنی اصل پر باقی اھ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد ارشد رضا مصباحی
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

پائپ سے آنے والے پانی کی بو اور مزہ بدلا ہو تو وضو جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ مسجد میں پائپ لائن سے نل کے ذریعہ پانی آتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا پانی نہیں۔ اس سے وضو کرتے وقت ناک کے اندر بدبو محسوس ہوتی ہے اور حلق کے اندر پانی کا مزہ بھی ٹھیک محسوس نہیں ہوتا۔ پائپ لائن دیکھی گئی کوئی خرابی نہیں۔ شاید دو چار کلومیٹر پہلے پائپ لائن گڑبڑ ہو، مسجد والوں کو علم نہیں ہے۔ کیا اس سے وضو اور نماز ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی: عبد الرشید قادری نوری بھوپال**

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ پائپ لائن کے ذریعہ جو پانی آتا ہے وہ ماء جاری کے حکم میں ہے۔ اور ماء جاری کا رنگ یا بو یا مزہ اگر نجاست کی وجہ سے بدل جائے تو وہ ضرور ناپاک ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ تحقیق نہ ہو کہ یہ تبدیلی کس وجہ سے ہے تو حکم جواز ہی کا ہوگا اور محض شک کی بنیاد پر اس پانی کے ناپاک ہونے پھر اس سے وضو کے ناجائز ہونے کا حکم نہ ہوگا۔ درمختار "باب المیاہ" میں ہے:

" ینجس بتغیر احد او صافه من لون او طعم اوریح ینجس، لالو تغیر بطول

مکث" ملخصًا (ج ۱۸ ص ۵) وفی الاشباہ والنظائر شك فی وجود النجس فلا بقاء الطهارة اھ

فتاویٰ رضویہ ج ۲، ص ۹۳ میں تاتارخانیہ ورد المحتار کے حوالے سے ہے:

"من شك فی انائه او ثوبه او بدنه اصابته نجاسة اولا فهو طاهر مالم یستیقن و کذا الآبار و الحیاض والحباب الموضوعة فی الطرقات ویستقی منها الصغار و الکبار والمسلمون والکفار۔" اھ

فتاویٰ ہندیہ "الباب الثالث فی المیاہ" میں ہے:

"یجوز التوضوء فی الحوض الکبیر المنتن اذا لم تعلم نجاسة کذا فی فتاویٰ قاضیخان اھ (ج ۱، ص ۱۸)

یہ اصل حکم ہے اور بہتر یہ ہے کہ جب کبھی پانی میں ایسی کیفیت پیدا ہوجائے اور تحقیق حال نہ ہوسکے تو ٹونٹی کھول دیں تاکہ پانی بہتا رہے یہاں تک کہ یہ بو زائل ہوجائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبهٗ:** محمد صابر حسین فیضی نظامی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۴/ ذی القعدہ ۱۴۲۵ھ

دھوپ سے گرم پانی کب قابل استعمال ہے کب نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

آج کل جو فلیٹ (رہائشی بلند وبالا عمارتیں) اور مساجد تعمیر کی جارہی ہیں عام طور پر سبھی میں پانی کی ٹنکی سب سے اوپر منزل یعنی چھت پر رہتی ہیں جس میں پانی کو بذریعہ موٹر پہنچایا جاتا ہے۔ پھر اس ٹنکی میں سے پانی ذیلی پائپوں کے ذریعہ کمروں، غسل خانوں اور وضو خانوں تک پہنچتا ہے جس کا استعمال وضوء وغسل کے لیے بھی کیا جاتا ہے۔ جب کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مفہوم حدیث جو پانی دھوپ سے گرم ہوجائے اس سے وضوء وغسل منع ہے کہ اس سے برص کا مرض ہوسکتا ہے۔ (بیہقی)

لہٰذا ایسی صورت میں کس طرح وضو بنایا جائے کہ بعض دفعہ مسافر بھی نماز کے لیے مسجد میں آتے ہیں تو وہ بھی اسی پانی کو بطور وضو استعمال کرنے کو مجبور ہوتے ہیں؟ ساتھ ہی یہ بھی صاف کردیں کہ جو ائمہ حضرات خود سے یا مسجد کمیٹی کے دباؤ پر یہ ٹنکی مسجد میں لگوائے ہیں۔ ان کا اور اراکین مسجد کمیٹی کا مذکورہ بالا فعل شرعاً کیسا ہے کیا وہ گنہگار ہیں؟ **المستفتی:** فاروق احمد رضوی درویش پوری بانی رضا اسلامک مشن کولکاتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب دھوپ سے گرم ہونے والے پانی کو وضو، غسل یا کسی اور کام میں استعمال کرنے سے اس وقت اندیشہ برص ہے جب کہ گرم ملک میں گرم موسم میں چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی ٹنکی یا برتن میں دھوپ سے گرم ہوا ہو جب تک ٹھنڈا نہ ہو جائے اس وقت تک کسی طرح بھی بدن پر پہنچانے سے برص کی بیماری ہونے کا اندیشہ ہے البتہ جو ٹنکیاں دھات کے علاوہ پلاسٹیک، فائبر یا اینٹ پتھر وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں ان میں دھوپ سے گرم ہونے والے پانی کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر کہیں مسجدوں یا گھروں میں لوہے یا اس جیسی دھات کی بنی ہوئی ٹنکیاں پائی جاتی ہوں تو ان میں دھوپ سے گرم ہونے والا پانی جب تک ٹھنڈا نہ ہو جائے استعمال نہ کیا جائے اور اگر ممکن ہو تو انہیں فائبر کی ٹنکی سے بدل دیں۔

درمختار" کتاب الطهارة، باب المیاہ" میں ہے: "بماء قصد تشمیسه بلا کراهة"
اور اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"واستعماله یخشی منه البرص کما صح عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه واعتمده بعض محققی الاطباء لقبض زهومته علی مسام البدن فتحبس الدم وذکر شروط کراهته عندهم و هی ان یکون بقطر حار وقت الحر فی اناء منطبع غیر نقد وان یستعمل وهو حار. اھ (ج:۱،ص ۳۲۴)
فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''دھوپ کا گرم پانی مطلقاً مگر گرم ملک گرم موسم میں جو پانی سونے چاندی کے سوا کسی اور دھات کے برتن میں دھوپ سے گرم ہو جائے وہ جب تک ٹھنڈا نہ ہو لے بدن کو کسی طرح پہنچانا نہ چاہئے نہ وضوء سے نہ غسل سے نہ پینے سے یہاں تک کہ جو کپڑا اس سے بھیگا ہو جب تک سرد نہ ہو جائے پہننا مناسب نہیں کہ اس پانی کے بدن کو پہنچنے سے معاذ اللہ احتمال برص ہے۔'' اھ (ج:۱ ص: ۴۱۲)

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ**: محمد حسن رضا رضوی گجراتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۸ر رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

صابن اور واشنگ پاؤڈر کا استعمال کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

آج کل عام طور پر بدن یا کپڑا صاف کرنے کے لیے جو صابن یا واشنگ پاؤڈر استعمال کیا جاتا ہے، کیا شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بہار شریعت اور قانون شریعت میں مردہ کے نہلانے کا بیان میں ہے کہ گل خیرو سے دھوئیں یہ نہ ہو تو پاک صابن اسلامی کارخانہ بنا ہوا یا بیسن یا کسی چیز سے دھوئیں نہیں تو خالی پانی بھی کافی ہے کتاب کی اس عبارت میں پاک صابن اسلامی کارخانہ کا بنا ہوا جو قید لگائی گئی ہے عام طور

سے بازار سے جو صابن دستیاب ہوتا ہے کیا وہ ناپاک ہے؟ اس کو بدن میں لگا کر نہانے اور کپڑا دھونے سے بدن یا کپڑا پاک ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ زندہ آدمی اگر غسل کرنے اور کپڑا دھونے میں استعمال کرے تو اس کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ **المستفتی: منور الدین**

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اشیاء میں اصل طہارت واباحت ہے لہٰذا جب تک کہ صابن میں ناپاک چیز کی ملاوٹ کا یقین نہ حاصل ہو اسے پاک ہی جانا جائے گا۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: شریعت مطہرہ میں طہارت وحلت اصل ہیں اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں اور حرمت ونجاست عارضی کہ ان کے ثبوت کو دلیل خاص درکار اور محض شکوک وظنون سے ان کا اثبات ناممکن کہ طہارت وحلت پر بوجہ اصالت جو یقین تھا اس کا زوال بھی اس کے مثل یقین ہی سے متصور، نرا ظن لاحق یقین سابق کے حکم رفع نہیں کرتا۔

فی الطریقۃ المحمدیۃ و شرحھا الحدیقۃ الندیۃ للعلامۃ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ القدسی، الاصل فی الاشیاء الطھارۃ لقول سبحانہ و تعالیٰ "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا والیقین لا یزول بالظن بل یزول بیقین مثلہ۔ وھذا اصل مقرر فی الشرع منصوص علیہ فی الاحادیث مصرح بہ فی کتب الفقھاء من الحنفیۃ والشافعیۃ وغیرھم ولم ارفیہ مخالفًا من احد من العلماء اصلا فاذا شك أو ظن فی طھارۃ ماء اوطعام او غیرذلك مما لیس بنجس العین فذلك الشی طاھر فی حق الوضو وحل الاکل وسائر التصرفات و کذا اذا غلب الظن علی نجاسۃ الخ ملتقطا وفی الاشباہ والنظائر شك فی وجود النجس فالاصل بقاء الطھارۃ۔ الخ اھ (ج:۲ص:۸۹، ۹۰)

ہاں اگر کسی صابن کے تعلق سے یقین ہو جائے کہ اس میں مردار یا ناپاک جانور کی چربی کا استعمال کیا گیا ہے تو ضرور وہ ناپاک قرار دیا جائے گا اور اس کا استعمال ناجائز ہوگا۔

اور قانون شریعت اور بہار شریعت میں جو اسلامی کارخانہ کی قید ہے وہ استحباب پر محمول ہے کہ بہتر ہے کہ غسل میت مسلمانوں کے ہاتھ کے بنائے ہوئے صابن سے ہو۔ لہٰذا آج کل جو صابن بازار میں نہانے اور دھونے کے لیے دستیاب ہیں جب تک ان میں کسی نجس شی کے وجود کا یقینی علم نہ ہو جائے وہ پاک ہیں اور ان کا استعمال جائز اور ان سے دھلے ہوئے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد شمیم المصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۲۳ ربیع الغوث ۱۴۳۰ھ

پکے دال چاول میں چوہے گرگٹ یا گائے وغیرہ کا پاخانہ ملے تو اسے کھانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

بعض اوقات کھانا کھاتے وقت بھات (چاول) میں یا دال میں سے چوہے کا پاخانہ نکل آتا ہے تو ایسی حالت میں کیا کھانے کو پھینک دینا چاہئے؟ یا پھر اس کھانے کو پاک کر کے کھانا چاہئے؟ اسی طرح چھپکلی و گرگٹ کے پاخانے کا کیا حکم ہوگا؟ یوں ہی اگر کھانے میں گائے کا گوبر ملے تو اس کھانے کا کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: ڈاکٹر محمد منیر نظامی، ہند مارکیٹ، سبزی باغ، پٹنہ (بہار)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب چوہا، چھپکلی، گرگٹ، گائے، بھینس کا پیشاب و پاخانہ ناپاک ہے، لیکن چوہا کے تعلق سے فقہا فرماتے ہیں کہ اگر کھانے یا دال میں چوہے کی بیٹ پائی جائے اور اس کا اثر ظاہر نہ ہو تو ناپاکی کا حکم نہ ہوگا بلکہ بوجہ ضرورت کھانا پاک مانا جائے گا۔ لہذا اس دال و چاول کو کھایا بھی جاسکتا ہے، کیونکہ بہت ایسا ہوتا ہے کہ چاول، گیہوں، دال وغیرہ میں چوہے کی بیٹ پائی جاتی ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے، جیسے فقہائے کرام نے چمگادڑ کی بیٹ و پیشاب کو اسی ضرورت کی وجہ سے پاک قرار دیا ہے، اصول فقہ کا قاعدہ ہے: "المشقة تجلب التيسير" اھ یعنی مشقت آسانی لاتی ہے، نیز اصول فقہ کا قاعدہ ہے: "ما ابيح للضرورة يتقدر بقدرها" اھ یعنی جو چیز ضرورت کی بنا پر جائز ہو وہ صرف بقدر ضرورت ہی جائز ہوتی ہے۔ اس لئے اگر چھپکلی یا گرگٹ کی بیٹ یا گائے بھینس کے گوبر کا ٹکڑا کھانے یا چاول میں پایا جائے تو ناپاک ہو جائے گا کیونکہ یہاں ضرورت متحقق نہیں۔ کہ گرگٹ عموماً گھروں میں نہیں پائے جاتے اور چھپکلیاں دیواروں سے چپکی رہتی ہیں جس کی وجہ سے کھانے میں ان کی بیٹ پڑنے کا امکان نادر ہے کثیر الوقوع نہیں ہے اس کے برخلاف چوہے ہر جگہ دوڑتے رہتے ہیں ان کی شرارت سے بچنا دشوار ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "بول مالايوكل و الروث و اخثاء البقر و العذرة نجاسة غليظة. بعرة الفارة وقعت فی وقر الحنطة فطحنت و البعرة فيها أو وقعت فی و قر دهن لم يفسد الدقيق و الدهن مالم يتغير طعمهما. قال الفقيه ابو الليث و به نأخذ و فی مسائل ابی حفص فی بعر الفارة اذا وقع فی الرب او الخل انه لايفسد هكذا فی المحيط اھ ملخصاً (ص ۴۲، ج ۱، الفصل الثانی فی الاعيان النجسة) درمختار میں ہے: بول الخفاش و خرأه طاهر و كذا بول الفارة لتعذر التحرز عنه و عليه الفتوى كما فی التاتارخانية و ان خرأها لايفسد

مالم يظهر أثره" اھ ردالمحتار میں ہے: "بول الخفافيش و خرؤها ليس بنجس لتعذر صيانة الثوب و الاواني عنها و مقتضاه ان سقوط النجاسة للضرورة. و لو طحن بعر الفارة مع الحنطة ولم يظهر أثره يعفى عنه للضرورة" اھ ملخصاً (ص۳۱۹، ج۱ باب الانجاس)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحيح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد صدیق عالم القادری المنظری

الجواب صحيح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ

مصنوعی دانتوں کے ہوتے ہوئے وضو و غسل صحیح ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید مصنوعی دانت لگا رکھا ہے تو کیا زید کو وضو اور غسل میں ان مصنوعی دانتوں کو نکال کر ان کی تہہ تک پانی پہنچانا ضروری ہوگا؟ اور دانت فکس ہو تو کیا حکم ہے؟ **المستفتی:** مصبر حسین، دار العلوم اہلسنت فیض النبی، کپتان گنج، بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب غسل کرتے وقت مصنوعی دانتوں کو نکالنے میں اگر کوئی حرج و دشواری نہ ہو بلکہ بہ آسانی نکل سکتے ہوں تو انھیں نکال کر تہہ تک پانی پہنچانا ضروری ہے اور وضو میں فرض نہیں کہ اس میں کلی کرنا سنت ہے اور اگر نکالنا باعث حرج ہو تو ان کی تہہ تک پانی پہنچانا غسل میں بھی لازم نہیں ہے۔ یہی حکم فکس دانتوں کا بھی ہے کہ انھیں نکالنے میں حرج ضرور ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے "ہلتا ہوا دانت اگر تار سے جکڑا ہے معافی ہونی چاہئے اگرچہ پانی تار کے نیچے نہ بہے کہ بار بار کھولنا ضرر دے گا نہ اس سے ہر وقت بندش ہو سکے گی۔ یونہی اگر اکھڑا ہوا دانت کسی مسالے مثلاً برادۂ آہن و مقناطیس وغیرہ سے جمایا گیا ہے۔ جمے ہوئے چونے کی مثل اس کی بھی معافی چاہئے۔"

(ج۱، ص۹۹، کتاب الطہارت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحيح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی علیمی

الجواب صحيح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۲ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

ریح کہیں اور سے خارج ہوتی ہے اور دھویا کسی دوسرے عضو کو جاتا ہے ایسا کیوں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید کا کہنا ہے کہ اخراج ریح سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن ہم اس جگہ کو نہیں دھوتے علاوہ مواضع وضو کے

آخر ایسا کیوں؟ بکر کا کہنا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم فرمایا ہے جس کی وجہ سے ہم ایسا کرتے ہیں تو زید نے کہا کہ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں لیکن اس میں کیا حکمت تھی کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کا حکم دیا باتفصیل جواب رقم فرمائیں اور اگر کچھ غلطی ہو تو اصلاح فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد حیدر رضا، مجمع دار الهدی، کیرلا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب پاخانہ کے مقام سے نکلنے والی ہوا خود نجس نہیں اس وجہ سے اس جگہ کو ہم نہیں دھوتے، رہا اخراج ریح کا ناقض وضو ہونا تو یہ اس وجہ سے ہے کہ ریح محل نجاست سے نکلتی ہے اور اس کے ساتھ کچھ نجاست کے خروج کا احتمال ہے اس لئے شریعت نے اسے بھی زوال طہارت کے لئے کافی مانا اور مخرج کو دھونے یا پاک کرنے کا حکم اس وجہ سے نہ دیا کہ اس میں حرج ہے اور حرج مدفوع ہے، زوال طہارت کے لئے خروج نجاست کا پایا جانا کافی ہے اگر چہ قلیل ہی مقدار میں کیوں نہ ہو اور وہ یہاں پالیا گیا تو وہ ناقض وضو رہے گا اور حدث اصغر ہو یا اکبر وہ پورے جسم میں حلول کر جاتا ہے مگر چونکہ حدث اصغر کا وقوع کثیر ہے اور بار بار غسل کرنا دشوار ہے تو شرع نے تخفیفاً اس میں اعضائے وضو یعنی اطراف بدن کے دھونے کا حکم دیا اور اسے غسل کے قائم مقام فرمادیا تاکہ لوگ حرج میں نہ پڑیں، بدائع الصنائع میں ہے:

"قوله ان خروج النجس عن البدن زوال النجس عن البدن فكيف يوجب تنجسه مسلم انه يزول به شئ من نجاسة الباطن لكن يتنجس به الظاهر لان القدر الذى زال اليه اوجب زوال الطهارة عنه و البدن فى حكم الطهارة و النجاسة لايتجزا و العزيمة هى غسل كل البدن الا انه اقيم غسل اعضاء الوضوء مقام غسل كل البدن رخصة و تيسرا و دفعاً للحرج و به تبين ان الحكم فى الاصل معقول فيتعدى الى الفرع و قوله لا نجاسة على اعضاء الوضو حقيقة ممنوع بل عليها نجاسة حقيقية معنوية و ان كان الحس لايدرکها" انتقضت الطهارة لوجود الحدث وهو خروج النجس" نیز اسی میں ہے:" كذا الريح الخارجة من الدبر لان الريح و ان كان جسماً طاهرا فى نفسه لكنه لا يخلو عن قليل نجس يقوم به لانبعاثه من محل الانجاس" اھ (ج۱،ص۱۲۱) ایسا ہی فتاویٰ رضویہ، ج۱،ص۲۵۶ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: فیاض احمد برکاتی مصباحی
۱۰ ربیع النور ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

ناخن پالش یا مہدی لگی ہو تو وضو وغسل ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

اگر عورتوں کے ناخن پر ناخن پالش یا مہندی لگی ہو تو وضو یا غسل ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مصبر حسین مصباحی دارالعلوم اہل سنت فیض النبی کپتان گنج، یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب عورتوں کے ناخن پر لگی ہوئی ناخن پالش اتنی گاڑھی ہوتی ہے کہ اس کی ایک تہہ ناخن پر جم جاتی ہے جس کی وجہ سے پانی ناخن تک سرایت نہیں کر پاتا اس لئے وضو وغسل کرتے وقت اگر وہ ناخن پر لگی رہ گئی اور اس کو چھڑایا نہیں تو نہ وضو ہوگا اور نہ ہی غسل۔

رہی مہندی تو ناخن پر اس کی کوئی تہہ نہیں جمتی بلکہ صرف اس کا رنگ چڑھ جاتا ہے یہ مانع وضو وغسل نہیں۔ اگر ہاتھ یا پاؤں پر اس کا جرم لگا رہ گیا اور خبر نہ ہوئی تو وضو وغسل ہو جائے گا مگر جب معلوم ہو جائے تو اسے چھڑا کر وہاں پانی بہادے۔ اسی طرح حاشیۂ فتاویٰ رضویہ ج ۱، ص ۱۴ پر ہے۔ درمختار میں ہے:

"لا یمنع الطهارة خرء ذباب و بر غوث لم یصل الماء تحته و حناء ولو جرمه به یفتی"

(فوق رد المحتار ج ۱، ص ۱۵۴، کتاب الطهارة) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۱۲؍ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

گھڑے کی مٹی میں جانور کی بیٹ ملی ہو تو وہ قابل استعمال ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ہمارے یہاں کچھ لوگ گھڑا بنانے کا کاروبار کرتے ہیں گھڑے میں جو مٹی استعمال ہوتی ہے اس میں جانور کی مینگنی ڈالتے ہیں پھر گھڑا بنا کر اینٹ کی طرح اسے آگ میں پکاتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ گھڑا پاک ہے یا ناپاک بہر حال اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: مناف کھاکھو برکاتی، ناندیر (مہاراشٹر)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب یہ گھڑا پاک ہے اگرچہ وہ ناپاک اشیاء مثلاً جانور کی مینگنی وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔ وجہ یہ

کہ ناپاک مٹی سے بنائے گئے برتن جب تک کچے ہیں وہ ناپاک ہیں مگر جب ان کو آگ میں پکا دیا گیا تو اس کی نجاست زائل ہو گئی اور وہ پاک ہو گئے تو اب ان کا استعمال جائز و درست ہے۔ بہار شریعت میں ہے" ناپاک مٹی سے برتن بنائے تو جب تک کچے ہیں ناپاک ہیں بعد پختہ ہونے کے پاک ہو گئے۔" (ج ۱، حصہ دوم، صفحہ ۹۲) فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"الطین النجس اذا جعل منہ الکوز والقدر فطبخ یکون طاھرا کذا فی المحیط.
(ج ۱ ص ۴۴، الباب السابع فی النجاسات واحکامھا) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد احمد قادری مصباحی
۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

چمڑے کے موزے کے نیچے اونی یا سوتی موزہ پہنا ہو تو مسح کر سکتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

اگر چمڑے کے موزے کے نیچے اونی یا سوتی وغیرہ موزہ پہنا ہو تو اس صورت میں اس چمڑے کے موزے پر مسح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبد الغفار روانی سویہ بگ، بڑگام کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر چمڑے کے موزے کے نیچے اونی یا سوتی وغیرہ موزہ پہنا ہو تو بھی اس چمڑے کے موزے پر مسح کر سکتے ہیں غنیہ شرح منیہ میں ہے:

"وقالا یجوز اذا کانا ثخینین لا یشفان فان الجورب اذا کان بحیث لا یجاوز الماء منہ الی القدم فھو بمنزلۃ الادیم والصرم فی عدم جذب الماء الی نفسہ ھو علیہ ای علی قول ابی یوسف ومحمد الفتوی اہ ملخصاً۔ (ص ۱۲۰، فصل فی المسح علی الخفین)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں جو پائتابے ان تینوں وصف مجلد منعل ثخین سے خالی ہوں ان پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے ہاں اگر ان پر چمڑا منڈھ لیں یا چمڑے کا تلا لگا لیں تو بالاتفاق صاحبین کے نزدیک مسح جائز ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۲۳۲، ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد حسین الرضوی
۲۵ / جمادی الاخرہ ۱۴۲۷ھ

مصنوعی بال جمانا اور اس کے ساتھ وضو وغسل کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

مصنوعی بال جمانا جائز ہے یا ناجائز اور اس کی وجہ سے وضو وغسل ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد صدیق، ہاتھی پالا، اندور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سر پر مصنوعی بال لگانا اگر اس طور پر ہو کہ سر میں چھوٹے چھوٹے سوراخ کر کے اس میں بال نصب کیے جاتے ہیں تو یہ حرام وگناہ ہے کہ یہ بلا ضرورت شرعیہ اپنے سر کو زخمی کرنا اور اپنے آپ کو ایذا میں ڈالنا ہے۔

بہار شریعت میں ہے "انسان کے بالوں کی چوٹی بنا کر عورت اپنے بالوں میں گوندھے یہ حرام ہے حدیث میں اس پر لعنت آئی ہے جس نے کسی دوسری عورت کے سر میں ایسی چوٹی گوندھی اور اگر وہ بال جس کی چوٹی بنائی گئی خود اسی عورت کے ہیں جس کے سر میں جوڑی گئی ہے جب بھی ناجائز، اور اگر اُون یا سیاہ تاگے کی چوٹی بنا کر لگائے تو اس کی ممانعت نہیں، سیاہ کپڑے کا موباف بنانا جائز ہے۔" (ج ۱۶، ص ۲۰۷)

رہا اس کی وجہ سے وضو وغسل تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطے کہ ہر عضو کے ہر حصے پر پانی بہہ جائے۔ واللہ تعالیٰ أعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: غلام احمد رضا قادری**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۲ / ربیع الغوث ۱۴۲۹ھ

ڈرین پائپ کا پانی کپڑوں پر لگ جائے تو نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

میں ایک لاج کے چھوٹے سے کمرہ میں رہتا ہوں کمرہ کے ایک کونے میں پانی کی نکاسی کے لئے ڈرین پائپ لگا ہوا ہے جو گاہے بگاہے جام ہو جاتا ہے اور پائپ کے جوڑوں کے سوراخوں سے پانی نکل کر کمرہ میں موجود کتابوں کپڑوں بستر وغیرہ پر پڑتا ہے پھر اس پائپ کو لوہے کا راڈ یا بانس کی بتی ڈال کر صاف کیا جاتا ہے تب کچھ دن کے لئے ٹھیک ہوتا ہے یہ سلسلہ قریب ایک سال سے ہے میرے اوپر کے کمرہ میں لاج کا مالک (جو دیوبندی ہے) اپنی فیملی کے ساتھ رہتا ہے اور اس ڈرین پائپ سے میرے قیاس کے مطابق

مندرجہ ذیل قسم کے پانی گراتا ہے، وضو کا پانی منہ ہاتھ دھونے والا پانی، جوتا چپل دھونے والا پانی خاص کر بیت الخلاء سے آنے کے بعد یا پھر سڑک پر گندے نالے کے ناپاک پانی وغیرہ میں ملوث چپل وغیرہ بہر کیف اب مندرجہ ذیل امور دریافت ہیں۔

(۱) اس پائپ کے سوراخوں سے جو پانی نکل کر میرے سامانوں میں گاہے بگاہے پڑا کرتا ہے اس پانی کے متعلق کیا حکم ہے کیا وہ پانی ناپاک مانا جائے گا یا پاک؟ ناپاک ہونے کی صورت میں مجھے سارا کپڑا بستر و دیگر سامان پاک کرنا ہوگا اور ایسی حالت میں پڑھی گئی ایک سال کی کل نماز بھی دوبارہ پڑھنی ہوگی یا نہیں؟

(۲) اگر گاہے بگاہے اس پائپ سے یقینی طور پر ناپاک پانی بھی گرایا جاتا ہو مثلاً بچے کے پیشاب کے کپڑے وغیرہ دھوئے جاتے ہوں تو ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: ڈاکٹر قاضی منیر احمد نظامی، ہند مارکیٹ سبزی باغ، پٹنہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) جب اس پانی کا نجس ہونا معلوم نہیں تو محض شک کی وجہ سے اسے ناپاک نہیں قرار دیا جاسکتا کہ اشیاء میں اصل طہارت ہے، لہٰذا طہارت یقینی اور نجاست مشکوک ہے۔ فقہ کا قاعدۂ کلیہ ہے: "الیقین لایزول بالشک" اشباہ و نظائر میں ہے: "شک فی وجود النجس فالاصل بقاء الطهارة" لہٰذا آپ کے کپڑے بستر اور دوسرے سامان جس پر پائپ کے قطرات ٹپکے پاک ہیں نماز کے دہرانے کی حاجت نہیں، تاہم حتی الامکان ایسے مشکوک پانی سے اپنا بدن کپڑا، برتن، سامان وغیرہ بچانے کی کوشش کرنی چاہئے اس لئے آئندہ احتیاط کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) مذکورہ پائپ سے اگر کبھی کبھی نجس پانی بھی گرایا جاتا ہے تو یہ صورت مسئولہ میں گرانے والوں کی زیادتی ہے تاہم جس کے بدن، یا کپڑے وغیرہ پر وہ پانی گرا اگر اسے یہ نہیں معلوم کہ جو پانی اس کے کپڑے وغیرہ پر گر رہا ہے خاص وہ پانی ناپاک ہے بلکہ صرف اس میں شبہ ہے تو جیسا کہ ابھی واضح کیا گیا کہ صرف شبہ سے پانی کے، پھر کپڑے وغیرہ کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور اس کے متعلق تحقیق و تفتیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ طہارت ہی اصل ہے اور اصل اپنے اثبات میں دلیل کا محتاج نہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: "شریعت مطہرہ میں طہارت و حلت اصل ہیں اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں اور حرمت و نجاست عارضی کہ ان کے ثبوت کو دلیل خاص درکار اور محض شکوک و ظنون سے ان کا اثبات ناممکن کہ طہارت و حلت پر بوجہ اصالت جو یقین تھا اس کا زوال بھی اس کے مثل یقین ہی سے متصور نرا ظن لاحق یقین سابق کے حکم رفع نہیں کرتا" اھ (ص ۸۹، ج ۲)

البتہ آئندہ اگر کبھی ایسا ہو تو احتیاطاً کپڑے بدل کر نماز ادا کریں اسی میں سلامتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہ:** فیض محمد القادری المصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

کپڑا دھلنے کا طریقہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

کپڑا دھلنے کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟ نجس کپڑا کمزوروں، عورتوں، بچوں سے دھلانا کیسا ہے، اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی:** قاری شبیر احمد، مدرسہ حنفیہ جونپور، یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب کپڑا دھلنے سے مقصود اسے صاف کرنا ہے اور عموماً پاک پانی وصابن سے کپڑے کا میل دور ہو کر کپڑا صاف ہو جاتا ہے، لہٰذا کپڑا پاک پانی سے اس طرح دھوئے کہ وہ صاف ہو جائے اور پھٹے نہ کمزور ہو، پانی کا استعمال بھی ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔ بعض کپڑوں کو دھلائی کے لئے پٹرول کی ضرورت ہوتی ہے، یہ بھی جائز ہے۔

نجس کپڑا کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نجاست مرئیہ لگی ہے تو اسے زائل کر دیں۔ اگر ایک مرتبہ میں زائل ہو جائے تو ایک ہی مرتبہ دھوئے ورنہ تین بار یا اس سے زیادہ کی ضرورت ہو تو تین بار یا زیادہ دھوئے۔ درّ مختار میں ہے:

يطهر محل نجاسة مرئية بقلعها اى بزوال عينها واثرها ولو بمرة او بما فوق ثلث فی الأصح ملخصاً۔ (ج۱، ص۵۳۵، فی باب الانجاس)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وازالتها ان كانت مرئية بازاله عينها واثرها ان كانت شيئاً يزول اثره ولا يعتبر فيه العدد كذا فی المحيط۔ (ج۱، ص۱۴۱، الباب السادس فی النجاسة واحكامها)

اور اگر نجاست غیر مرئیہ ہے اور نچوڑنے کے قابل ہے تو تین بار دھوئے اور ہر بار نچوڑے اور نچوڑنے کی حد یہ ہے کہ اگر پھر نچوڑے تو قطرہ نہ ٹپکے اور اس میں خود اس کی قوت کا اعتبار ہے اور اگر دوسرا جز زیادہ قوی ہے کہ اس کے نچوڑنے سے قطرہ ٹپکے گا تو قوی کے لئے کپڑا پاک نہ ہوگا اور کمزور کے لئے پاک ہو گیا۔ درّ مختار میں ہے:

وقدر بغسل وعصر ثلاثاً فيما ينعصر مبالغاً بحيث لا يقطر ولو كان لو عصره غيره

قطر طهر بالنسبة اليه دون ذلك الغير. ملخصاً. ردالمحتار میں ہے (يطهر بالنسبة اليه لان كل احد مكلف بقدرته ووسعه ولا يكلف ان يطلب من هو اقوى ليعصر ثوبه شرح المنية قال في البحر خصوصاً على قول ابي حنيفة ان قدرة الغير غير معتبرة عليه الفتوى.

اھ (ج۱،ص۵۴۰فی باب الانجاس) ایسا ہی فتاویٰ امجدیہ، ج۱،ص۳۵پر بھی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد شاہد رضا الہشامی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۰؍ربیع الآخر،۱۴۳۱ھ

غسل خانہ میں کوئی دُعا نہیں پڑھنی چاہئے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

موجودہ دور میں عام طور پر کمرے میں اٹیچ استنجاخانہ وغسل خانہ بنایا جاتا ہے۔اس طرح کے غسل خانہ میں نماز کے لئے وضو بھی کیا جاتا ہے تو کیا وضو کی دعائیں اس جگہ پڑھی جاسکتی ہیں؟ اگر دعائیں نہ پڑھی جائیں تو بھولنے کا خطرہ ہے۔بینوا توجروا۔ **المستفتی** :صوفی محمد صدیق نوری، ۲۰؍جواہر مارگ، اندور (ایم پی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب غسل خانہ میں کوئی دعا نہ پڑھنی چاہئے،خواہ وہ لیٹرین سے اٹیچ ہو یا نہ ہو۔حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں ''غسل خانہ میں کوئی دعا نہ پڑھنی چاہئے۔'' (فتاویٰ مصطفویہ،ص۱۳۷)

رہا یہ کہ اگر نہ پڑھی جائے تو بھول جانے کا خطرہ ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ غسل خانہ میں وضو ہی نہ کرے۔ اسی جگہ وضو کا اہتمام کرے جہاں اسے وضو کی دعائیں پڑھنے کی اجازت ہو۔غسل خانہ وضو کے لئے نہیں ہے تو اسے وضو کے لئے نہ استعمال کریں،تاکہ دعا نہ پڑھنے پر بھولنے کا خطرہ ہی پیدا نہ ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد شمیم المصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۳؍ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ

لینس لگا کر وضو، غسل اور نماز کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

آج کل لوگ چشمہ کی جگہ لینس کا استعمال کرتے ہیں جو چشمہ ہی کا کام کرتا ہے اور اس میں کمانی وغیرہ نہیں ہوتی ہے، بلکہ آنکھ کے اندرونی حصے میں چسپاں کیا جاتا ہے، جو کئی دنوں تک اسی حالت میں رہتا ہے اور

کبھی کبھی اسے اتارتے بھی ہیں۔اس کولگا کر نماز،غسل،وضووغیرہ سب کچھ انجام دیتے ہیں۔ایسی صورت میں اس کولگا کرنماز پڑھنا،نیز وضووغسل کرنا بحکم شرعی کیا معنی رکھتا ہے؟شرعی حکم تحریر فرمائیں،مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد مطیع الرحمن حشمتی،مدرسہ افضل حسین،براں گاؤں،کانپور

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب لینس لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔یوں ہی اسے لگا کر وضو وغسل بھی صحیح ہے،اگرچہ اتارنے میں دشواری نہ ہو،کیونکہ لینس آنکھ کے اندرونی حصے میں چسپاں ہوتا ہے،جہاں وضو وغسل میں پانی پہنچانے کا حکم نہیں۔فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وایصال الماء الی داخل العینین لیس بواجب ولاسنة ولا یتکلف فی الاغماض والفتح حتی یصل الماء الی الأشفار وجوانب العینین کذا فی الظهیریة۔ (کتاب الطهارات،باب الوضو،ج۱،ص۴)

اورفقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ خاص لینس کے متعلق فرماتے ہیں:خاص عینک کے نکالنے میں اگر دشواری نہ بھی ہوتی ہوتو بھی اس کے ہوتے ہوئے وضو وغسل جنابت صحیح ہوگا،اس لئے کہ وضو وغسل میں آنکھ کے اندر کا حصہ دھونا ضروری یا واجب نہیں۔(ماہنامہ اشرفیہ،شوال المکرم،۱۴۲۲ھ)

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد انوار الحق القادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۳رربیع الآخر ۱۴۳۱ھ

چھوٹے حوض کو پاک کرنے کا طریقہ

مسئلہ کیافرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

اکثر گھر اور مسجدوں میں پانی کی کمی کی وجہ سے زمین کے اندر بڑا حوض بنالیتے ہیں،جو دہ دردہ سے چھوٹا ہوتا ہے،جس کے نچلے حصے میں گندہ پانی یا ناپاک پانی نکالنے کے لئے راستہ نہیں ہوتا۔اگر نالی بنا بھی لی جائے تو بھی اندر کا پانی باہر نکل نہیں پائے گا۔ایسے حوض کے پانی سے وضو اور غسل جائز ہے یا نہیں؟کیونکہ اس قسم کے حوض کو پاک کرنا ناممکن ہے۔ایسے حوض کو پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟یا ایسے حوض نہ بنانا چاہئے؟

المستفتی: شیخ منورالدین،موتی گنج،بالاسور،اڑیسہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ایسا حوض جو دہ دردہ سے چھوٹا ہو،اگراس میں ایک قطرہ بھی نجاست گر جائے تو اس کا پانی

ناپاک ہے۔اس سے وضو وغسل جائز نہیں۔

ہدایہ ''کتاب الطہارات'' میں ہے:

"وکل ماء وقعت النجاسة فیه لم یجز الوضوء به قلیلا کانت النجاسة أو کثیراً.

(ج۱،ص۱۸)

ایسے حوض کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے ایک طرف سے پانی ڈالا جائے اور دوسری طرف سے بہتا جائے۔اتنا بہے کہ اندر کی نجاست دور ہو جائے اور دل مطمئن ہو جائے،اگر چہ وہ اوپری حصہ سے بہے یا اس حوض میں اتنا پاک پانی ڈالا جائے کہ حوض لبریز ہو کر بہہ جائے وہ پاک ہو گیا،اس سے وضو وغسل جائز ہے۔

بحرالرائق- کتاب الطهارة" میں ہے:

"واذا کان حوض صغیر یدخل فیه الماء من جانب ویخرج من جانب یجوز الوضوء فی جمیع جوانبه وعلیه الفتوی۔"اھ(ج۱،ص۷۸)واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد علی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۱۸؍رجب المرجب،۱۴۳۰ھ

■❖■

بَابُ الْوَضُوْءِ

وضو کا بیان

وضو کا پانی کام میں لا سکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت ان مسائل میں (۱) کیا وضو کا پانی ڈائرکٹ یا انڈائریکٹ کسی کام میں لا سکتے ہیں؟ اگر اس پانی کو جمع کر کے کھیت میں استعمال کریں۔ یا کھاد تیار کر کے اس کھاد کو کھیت میں ڈالیں تو جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ پانی کی کمی کی وجہ سے زراعت بہت متاثر ہوتی ہے اگر ہزاروں لیٹر پانی روزانہ وضو میں استعمال ہوتا ہے۔ تو کیا ہم اسے ضرورت کے پیش نظر کسی بھی پروڈکٹ میں استعمال کر سکتے ہیں؟

المستفتی: عرفان رضوی بھورا مالیگاؤں عثمان آباد مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب وضو کا پانی یعنی وضو کرتے وقت جو پانی گرتا ہے وہ طاہر غیر مطہر ہے طہارت کے کام میں نہیں لا سکتے۔ اس کے سوا سینچائی اور دوسرے ایسے کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں جن میں پانی نجاست سے آلودہ نہ ہو۔ یوں ہی کھاد اگر پاک چیزوں سے تیار کی جائے تو اس میں بھی وضو کا پانی (غسالہ) بہا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اب یہ بات ذہن میں رہے کہ اسے ناپاک چیز میں نہ بہایا جائے۔ نہ ملایا جائے۔ پاک چیزوں اور جگہوں میں استعمال کرنا جائز ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وضو کی نسبت کی وجہ سے یہ پانی غیر مطہر ہونے کے باوجود بھی محترم ہے، مگر مسجد کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کے عالیشان ورفعت مکان کی بنا پر یہ آلودہ ہے، اس لیے مسجد اور اس طرح کے مقدس مقامات میں اسے نہ بہائیں، اور ناپاک جگہوں میں بھی نہیں درمختار میں ہے:

"وَمَن منهياته التوضوء بِفَضْلِ ماء المراة وفي موضع نجس لان ماء الوضوء حرمة اوفي المسجد الا في اناء او في موضع أعد لذلك اھ (الدر المختار فوق رد المحتار ج ا ص ۱۳۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ** محمد شاہ عالم قادری

الجواب صحیح محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۸ رشعبان ۲۴ھ

کیا دستانہ لگا کر بے وضو قرآن چھونا جائز ہے؟

مسئلہ دستانہ لگا کر کوئی قرآن کریم بے وضو چھوئے تو اس کا یہ فعل کیسا ہے نیز زید تفسیر کی کتابیں بے وضو پڑھتا ہے اور چھوتا ہے اس کا ایسا کرنا کہاں تک درست ہے؟ **بینوا توجروا**

المستفتی۔ محمد احمد رسول آباد، سلطان پور، یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب دستانہ لگا کر بے وضو قرآن مجید چھونا حرام ہے۔ جس طرح کرتے کی آستین سے چھونا حرام ہے اور اس طرح جس رومال کا ایک سرا اس کے مونڈھے پر ہو دوسرے سرے سے چھونا کہ یہ سب اس کے تابع ہیں اور تفسیر کی کتابوں کا بے وضو چھونا مکروہ ہے مگر موضع آیت پر اس میں بھی ہاتھ رکھنا حرام ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "والخلاف فیه جار فی الکم ایضاً. ففی المحیط لا یکره عند الجمهور، واختاره فی الکافی معللاً بان المس اسم للمباشرة بالید بلا حائل. وفی الهدایة انه یکره هو الصحیح لانه تابع له. وعزاه فی الخلاصة الی عامة المشائخ. فهو معارض لما فی المحیط فکان هو اولی. اھ

اقول: بل هو ظاهر الروایة کما فی الخانیة. والتقیید بالکم اتفاقی فانه لا یجوز مسه ببعض ثیاب البدن غیر الکم کما فی الفتح عن الفتاوی. وفیه قال لی بعض الاخوان: ایجوز بالمندیل الموضوع علی العنق؟ قلت: لا اعلم فیه نقلاً. والذی یظهر انه ان تحرك طرفه بحرکته لا یجوز والا جاز. لاعتبارهم ایاه تبعاً له کبدنه فی الاول دون الثانی فیما لو صلی وعلیه عمامة بطرفها الملقی نجاسة مانعة. واقره فی النهر والبحر" اھ (ص ۱۷۴ ج ۱)

اور اسی میں ہے: " الا اظهر والاحوط القول الثالث: ای کراهته فی التفسیر دون غیره" اھ (ص ۱۷۷ ج ۱)

اور اسی میں ہے: " وفی السراج عن الایضاح ان کتب التفسیر لا یجوز مس موضع القرآن منها" اھ (ص ۱۷۶ ج ۱) ایسا ہی فتاوی رضویہ ص ۲۶ جلد ۹ نصف اوّل اور بہار شریعت ص ۴۳ حصہ دوم میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ غلام نبی نظامی علیمی امجدی
۱۰ ر شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا بچہ کو دودھ پلانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے؟ کیا لٹکے ہوئے بالوں پر مسح جائز ہے؟

مسئلہ (۱) خالدہ نے وضو کیا نماز کے لیے بعدہ بچے کو دودھ پلایا تو بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے وضوٹوٹ گیا یا نہیں؟

(۲) اکثر عورتیں سر کے پورے بال کو جمع کر کے سر کے پیچھے حصے میں نیچے کر کے ایک گول بڑی چوٹی باندھتی ہیں اور وضو کرتے وقت اسی چوٹی کے اوپر سے مسح کر لیتی ہیں تو ان کا مسح ہوا یا نہیں۔

المستفتیہ بی بی ثمرین سلطانہ، قاضی پور گلبرگہ شریف، ضلع بیدر (Bidar) کرناٹک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) بچہ کو دودھ پلانے کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا کہ پاک رطوبتیں جو بدن سے عادۃً نکلتی ہیں وہ ناقض وضو نہیں۔ فتاوی رضویہ میں ہے:

"ما کان خروجه معتادا ولا ینقض لا ینقض ایضاً اذا فحش وان عد حینئذ علة فیما یعد الاتری ان العرق لا ینقض فاذا فحش جدا کما فی بحران الحموم او بعض الامراض لم ینقض ایضاً و کذلك الدمع واللبن والریق" اھ

یعنی جو چیز عادۃً خارج ہوتی ہو اور ناقض نہ ہو وہ خواہ کتنی ہی مقدار میں کیوں نہ ہوں ناقض وضو نہ ہوگی، اور وہ خواہ بیماری ہی کیوں نہ سمجھی جائے جیسے پسینہ وضو کو نہیں توڑتا ہے۔ اب اگر یہ بہت زائد ہو جائے جیسے بخار کی صورت میں اور بعض دوسرے امراض میں تو بھی ناقض وضو نہ ہوگا، یہی حال آنسو، دودھ، تھوک کا بھی ہے۔ (ص ۴۴۰ ج ۱)

(۲) سر سے لٹکے ہوئے بال پر مسح کرنے سے مسح نہیں ہوتا کہ مسح میں سر کے چوتھائی حصے تر کرنا فرض ہے۔ لہٰذا وضو میں صرف سر کے پیچھے حصے میں نیچے بندھی ہوئی گول چوٹی پر مسح کرنے سے مسح نہیں ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ان المسح وقع علی شعر تحته جبهة او رقبة لا یجوز ولو کان له ذوابتان مشدودتان حول الرأس کما تفعله النساء فوقع مسحه علی رأس الذوابة وعامتهم علی انه لا یجوز ارسلهما اولم یرسلهما کذا فی المحیط" اھ (کتاب الطهارة، ص ۵ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد صابر عالم قادری مصباحی
۱۸ ربیع الغوث ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

پیشاب کا قطرہ آیا اسے دھوئے بغیر وضو کر کے نماز پڑھی تو ہوئی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل ہیں کہ
ایک شخص کو پیشاب گاہ سے کسی قسم کا قطرہ نکلا۔ اس نے ذکر دھوئے بغیر وضو کیا اور نماز پڑھی، کیا اس کی نماز ہوگئی؟

المستفتی غلام محی الدین اکولہ مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) صورت مسئولہ میں جب شخص مذکور نے قطرہ نکلنے کے بعد وضو کرلیا ہے تو اب اسے یہ غور کرنا چاہیے کہ پیشاب گاہ سے نکلا ہوا قطرہ بدن یا کپڑے پر اگر ایک درہم سے زیادہ ہے تو اس کا پاک کرنا فرض ہے بے پاک کیے نماز پڑھی تو ہوگی ہی نہیں اور اگر قصداً پڑھی تو گناہ بھی ہوا، اور اگر بہ نیت استخفاف ہے تو کفر ہوا۔ اور اگر ایک درہم کے برابر ہے تو پاک کرنا واجب ہے کہ بے پاک کیے نماز پڑھ لی تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی یعنی ایسی نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب، اور قصداً پڑھی تو گنہگار بھی ہوا، درمختار میں ہے "کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا" اھ (ج ۱ ص ۴۵۷)

اور اگر ایک درہم سے کم ہے تو پاک کرنا سنت ہے کہ بے پاک کیے پڑھی تو نماز ہوگئی مگر خلاف سنت ہوئی اور اس کا اعادہ بہتر ہے۔ یہاں درہم سے مراد یہ ہے کہ اگر نجاست گاڑھی ہے تو کم یا زیادہ ہونے میں وزن مراد ہے، اور اگر پتلی رقیق ہے تو اس سے لمبائی چوڑائی مراد ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"عفی منھا قدر الدرھم واختلفت الروایات فیہ والصحیح ان یعتبر بالوزن فی النجاسۃ المتجسدۃ وھوان یکون وزنہ قدر الدرھم الکبیر المثقال وبالمساحۃ فی غیرھما وھو قدر عرض الکف. فاذا أصاب الثوب اکثر من قدر الدرھم یمنع جواز الصلاۃ کذا فی المحیط" اھ ملخصاً (ج ۱ ص ۴۵)

ایسا ہی بہار شریعت ج ۲ ص ۹۶۔ و ۹۷ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ محمد نیاز برکاتی
۶؍شعبان ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بَابُ الْغُسْلِ

غسل کا بیان

غسل میں کانوں کے سوراخ تک پانی پہونچانا ضروری ہے؟ وسوسے کا علاج دانتوں میں پیلا پن یا لکیر ہوں یا بیچ میں کوئی چیز حائل ہو تو غسل ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ

(۱) ناپاکی کے غسل میں کانوں کے اندر کیسے پانی پہنچایا جائے بعض علماء کہتے ہیں کہ انگلی ہاتھوں سے کانوں کے اندر جتنی آسانی سے گھمائی جاسکے اتنا گھمائے۔ بعض علماء فرماتے ہیں دونوں کانوں کے اندر پانی پہنچایا جائے سچ کیا ہے؟ بتائیں۔

(۲) مجھے بار بار وسوسے آتے ہیں جیسے میرے غسل میں ایسا تو نہیں کسی عضو پر پانی نہ بہا ہو، نماز میں کوئی سورت رہ گئی ہو، التحیات رہ گئی ہو، کسی کافر نے ہاتھ ملایا تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں ناپاک ہوگیا وغیرہ وغیرہ اس کا علاج کیا ہے؟

(۳) دانتوں کا پیلا پن اور کہیں کہیں کالی لکیریں ہیں کیا ان دو چیزوں کا دانتوں پر ہونے سے غسل ہوجائے گا۔

(۴) دانتوں کے اندر سونف وغیرہ کا ٹکڑا یا ڈلی اٹک جائے اور غسل کے بعد معلوم ہوئی تو غسل ہوا یا نہیں؟ اس درمیان میں نے کھانا کھایا اور کئی چیزوں کو چھوا جیسے جانماز قرآن شریف وغیرہ تو کیا ان تمام چیزوں کو پاک کرنا ہوگا؟ **المستفتی:** عبدالغفار حاجی عبدالعزیز، مقام و پوسٹ سارکھنی، تھانہ کنور ضلع ناندیڑ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱): غسل جنابت میں کانوں تک پانی پہنچنا ضروری ہے اس کے بغیر نہ غسل جنابت ہو اور نہ پاکی البتہ کان کے سوراخ میں پانی بہنا ضروری نہیں بلکہ سوراخ کے منھ تک پانی بہنا ضروری ہے اور کان

کے بیرونی حصے پر اگر بال وغیرہ ہوں تو انہیں ہٹا کر وہاں پانی بہائیں کہ یہ مواضع احتیاط سے ہیں۔ یہاں بہ آسانی پانی نہیں پہنچتا درمختار میں ہے۔ "یجب ای یفرض غسل کل مایمکن من البدن بلاحرج مرۃ کاذن۔" اھ (ج ۱ ص ۱۶۹)

ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۹۸ا اور بہار شریعت ج ۲ ص ۳۵ پر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) وسوسے شیطان کی جانب سے انسان کو مشقت میں ڈالنے کے لیے ہوتے ہیں اگر انسان اس کی طرف توجہ اور ان کا لحاظ کرنے لگے تو اس کی مشکلیں دو چار ہو جائیں اس لے ان کی جانب توجہ نہیں کرنا چاہیے۔ وسوسے کا بہترین علاج اس کی جانب توجہ نہ کرنا ہے اور بہار شریعت ج ۲ ص ۲۳ پر اس کا علاج یوں مذکور ہے:

(۱) رجوع الی اللہ (۲) اعوذ باللہ پڑھنا (۳) ولاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھنا (۴) سورہ ناس (۵) آمنت باللہ ورسولہ (۶) ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شی علیم (۷) سبحان الملک الخلاق ان یّشا یذھبکم و یات بخلق جدید وما ذلک علی اللہ بعزیز پڑھنا کہ وسوسہ جڑ سے کٹ جائے گا۔

(۳، ۴) دانتوں کے صرف پیلا پن سے وضو وطہارت پر اثر نہ پڑے گا ہاں اگر اس کی تہ جم گئی ہو تو اس کو دور کریں اور اگر دور کرنے میں حرج ومشقت ہو تو عفو ہے۔ فتاوی رضویہ میں ہے۔ "اگر کوئی سخت چیز کہ پانی بہنے کو روکے کہ دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں وغیرہ میں حائل ہو تو لازم ہے کہ اسے جدا کر کے کلی کرے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ ہاں اس کے جدا کرنے میں حرج وضرر واذیت ہو جس طرح پانوں کی کثرت سے جڑوں میں چونا مستحجر ہو جاتا ہے کہ جب تک زیادہ ہو کر آپ ہی جگہ نہ چھوڑ دے چھڑانے کے قابل نہیں ہوتا یا عورتوں کے دانتوں میں مسی کی ریخیں جم جاتی ہیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑھوں کی مضرت کا اندیشہ ہے تو جب تک یہ حالت رہے گی اس قدر کی معافی ہوگی۔ "فان الحرج مدفوع بالنص۔" (ج ۱ ص ۹۵) یوں ہی ڈلی وغیرہ لگی ہو تو اسے چھڑانا ضروری ہے اس کے بغیر غسل نہ ہوگا اور قرآن پاک چھونا گناہ ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"لو کان سنہ مجوفا فبقی فیہ او بین اسنانہ طعام او درن رطب فی انفہ ثم غسلہ علی الأصح و الاحتیاط أن یخرج الطعام عن تجویفہ ویجری الماء علیہ وکل ذلک یجزیھم للحرج والضرورۃ ومواضع مستثناۃ عن قواعد الشرع۔" اھ (ج ۱ ص ۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ غلام احمد رضا القادری
۳۰ر ذی القعدۃ الحرام ۱۴۲۸ھ

برہنہ ہوکر غسل کیا تو کیا بعد غسل پھر وضو ضروری ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حمام خانہ میں بالکل برہنہ ہوکر غسل کی تمام باتوں کی دعائیں کرتے ہوئے، ہندہ نے غسل کیا بعدہ نماز کا وقت آگیا تو کیا ہندہ کو دوبارہ نماز کے لیے وضو کرنا ضروری ہے یا غسل کے ساتھ وضو بھی ہوگیا؟

المستفتیہ: بی بی ثمرین سلطانہ قاضی پور گلبرگہ شریف بیدر کرناٹک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب غسل خانہ میں جانے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھیں، غسل خانہ میں جاکر کوئی دعا نہیں پڑھنا چاہیے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال شرنبلالی ویستحب ان لا یتکلم بکلام مطلقًا امر کلام الناس فلکراهته حال الکشف واما الدعا فلانه فی مصب المستعمل ومحل الاقذار والأوحال"۔اھ

(مطلب سنن الغسل ص۱۵۶ ج۱)

غسل کے بعد نماز کے لیے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں جب کہ بعد غسل کوئی حدث لاحق نہ ہوا ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں فرماتے۔ الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت کان النبی صلی الله علیه وسلم لا یتوضا بعد الغسل"۔ (مشکوٰۃ باب الغسل ص۴۸)

اور دوسری حدیث میں ہے:"من توضا بعد الغسل فلیس منّا"۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غسل کے بعد وضو کرے تو وہ میرے طریقہ پر نہیں۔" (کنز العمال حدیث نمبر ۲۶۲۴۹ ج۹) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ محمد صابر عالم قادری مصباحی
۱۸ ربیع الغوث ۱۴۲۸ھ

(۱) مَنی، مَذِی اور وَدِی میں فرق (۲) صبح پیشاب سے پہلے گاڑھی رطوبت خارج ہوئی سونے سے پہلے شہوت نہیں تھی تو غسل ہے یا نہیں؟ (۳) ''کھڑے بیٹھے چلتے ہوئے سو گیا آنکھ کھلی تو مذی پائی غسل واجب ہے ایسا کیوں؟ (۴) بہار شریعت کے ایک مسئلہ سے متعلق سوال

مسئلہ (۱) جریان منی، جریان مذی، اور جریان ودی میں فرق کیا ہے؟ مرض کی صورت میں تو یہ تینوں پتلے ہو جاتے ہیں؟

(۲) زید ایسا مریض ہے کہ وہ جب جب پیشاب کو جاتا ہے ایک گاڑھی بوند اولاً خارج ہوتی ہے۔ ایک دن سو کر اٹھا (نہ سونے سے پہلے شہوت تھی نہ سونے کے بعد نہ احتلام یاد ہے نہ کوئی ایسا ویسا خواب) اسی قسم کی بوند پیشاب سے قبل برآمد ہوئی مگر مقدار میں زیادہ تو کیا زید پر غسل واجب ہو گیا؟

(۳) بہار شریعت (مطبوعہ فرید بکڈپو صفحہ ۹۳) میں باب غسل کن چیزوں سے فرض ہوتا ہے'' میں ایک مسئلہ درج ہے ''کھڑے یا بیٹھے یا چلتے ہوئے سو گیا آنکھ کھلی تو مذی پائی تو غسل واجب ہے)

کیا اس مسئلہ میں کاتب نے مذی ''منی'' کی جگہ غلطی سے لکھ دیا ہے؟

(۴) اسی باب میں لکھا ہے ''اگر سونے سے پہلے شہوت تھی آلہ قائم تھا اب جاگا اور اس کا اثر پایا اور مذی ہونا غالب گمان ہے اور احتلام یاد نہیں تو غسل واجب نہیں جب تک کہ اس کے منی ہونے کا ظن غالب نہ ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ جس شخص کی منی پتلی پڑ گئی ہو اس کے ساتھ یہ مسئلہ درپیش ہوا تو وہ تحری (غور) کس طرح کرے اور اس پر غسل کب واجب ہوگا۔ **بینوا توجروا المستفتی:** غلام محی الدین اکولہ مہاراشٹر

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) ''منی'' وہ سفید لیسدار رطوبت جو عضو تناسل سے بوقت انزال نکلتی ہے، بدائع الصنائع میں ہے ''المنی خاثر ابیض ینکسر منه الذکر'' اھ (ج ۱ ص ۱۴۹)

''مذی'' وہ پتلا مادہ جو شہوت کے غلبہ سے انزال سے قبل نکلتا ہے، بدائع الصنائع میں ہے ''والمذی رقیق یضرب الی البیاض یخرج عند ملاعبة الرجل أهله'' اھ (ج ۹۱ ص ۱۴)

''ودی'' وہ سفید پتلا پانی جو پیشاب کے بعد نکلتا ہے، بدائع الصنائع میں ہے۔ ''والودی رقیق یخرج بعد البول'' اھ (ج ۱ ص ۱۴۹) تینوں میں فرق یہی ہے کہ منی شہوت کے ساتھ وقت جماع خارج ہوتی ہے، اور

مذی شہوت کی وجہ سے منی کے خروج سے پہلے نکلتی ہے، اور ودی پیشاب کرنے کے بعد خارج ہوتی ہے۔ تینوں کے خروج کا وقت جداگانہ ہے جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خارج ہونے والا رقیق کیا ہے۔ البتہ اگر کسی کو جریان کا مرض ہو جائے اور منی پتلی پڑ جائے اور کسی عورت کا خیال دل میں جمانے یا معمولی چھیڑ چھاڑ سے یا پیشاب کے وقت ویسے ہی بلاشہوت منی خارج ہو جائے تو غسل واجب نہیں البتہ وضو ٹوٹ جائے گا۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر منی پتلی پڑ گئی کہ پیشاب کے وقت یا ویسے ہی کچھ قطرے بلاشہوت نکل آئیں تو غسل واجب نہیں البتہ وضو ٹوٹ جائے گا" اھ (بہار شریعت ج ۲ ص ۳۸ مطبوعہ فاروقیہ بکڈپو)

نیز فتاوی عالمگیری میں ہے "ولو خرج بعد ما بال أو نام أو مشى لا يجب عليه الغسل اتفاقا كذا في التبيين" اھ (ج ۱ ص ۱۴) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) صورت مسئولہ میں زید پر غسل واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ غسل واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ منی شہوت کے ساتھ خارج ہو، اگر پیشاب کرتے وقت آلہ منتشر تھا تو غسل واجب ہے اور اگر آلہ منتشر نہیں تھا تو غسل واجب نہیں ہے، کیونکہ مرض کی وجہ سے بھی منی خارج ہو جاتی ہے، فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر منی پتلی پڑ گئی کہ پیشاب کے وقت یا ویسے ہی کچھ قطرے بلاشہوت نکل آئیں تو غسل واجب نہیں البتہ وضو ٹوٹ جائے گا" اھ (بہار شریعت ج ۲ ص ۳۸) اور فتاوی عالمگیری میں ہے "رجل بال فخرج من ذكره مني ان كان منتشرا عليه الغسل و ان كان منكسرا عليه الوضوء كذا في الخلاصة" اھ (ج ۱ ص ۱۴) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) عبارت میں "مذی" ہی تحریر ہے، مطبوعہ فاروقیہ اور المجمع المصباحی میں بھی عالمگیری کے حوالے سے مذی ہی تحریر ہے، کاتب کی غلطی نہیں ہے اس صورت میں وجوب غسل کی وجہ یہ ہے کہ نیند سے احتلام کا ظن پیدا ہو رہا ہے کہ وہ تری منی ہی ہے اور مظنۂ احتلام ہی کی وجہ سے غسل واجب قرار دیا گیا ہے اعلیٰ حضرت رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ "نیند مظنۂ احتلام ہے لہٰذا اسے منی ٹھہرائیں گے اور رقت وغیرہ سے مذی کا اشتباہ معتبر نہ رکھیں گے کہ منی بھی گرمی پہنچ کر رقیق ہو جاتی ہے" (فتاوی رضویہ جلد ۱ ص ۱۳۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) صورت مستفسرہ میں اگر سونے سے پہلے آلہ منتشر تھا اور بیدار ہونے کے بعد کپڑے یا بدن پر تری پائی خواہ وہ تری گاڑھی ہو یا پتلی اور تری کے مذی ہونے کا ظن غالب ہے اور احتلام بھی یاد نہیں ہے تو غسل واجب نہیں ہوگا، اور اگر شہوت ہی نہ تھی یا تھی مگر سونے سے پہلے دب چکی اور جو کچھ خارج ہوا تو صاف کر چکا تھا اب بیدار ہوا تو تری پائی خواہ وہ تری گاڑھی ہو یا پتلی تو غسل واجب ہوگا کیوں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ تری منی ہی ہو۔ اور اس صورت میں احتمال منی ہی سے غسل واجب ہے، اس میں ظن اور تحری کی ضرورت نہیں

کہ وہ مذی ہے یا منی، کیوں کہ منی بھی گرمی کی وجہ سے پتلی پڑ جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ ''شہوت خروج مذی کی باعث ہے تو پیش از خواب قیام شہوت بتائے گا کہ یہ مشکوک تری مذی ہے اور مذی بیداری میں نہ تھا، اور نیند مظنۂ احتلام ہے، لہٰذا اسے منی ٹھہرائیں گے اور رقت وغیرہ سے مذی کا اشتباہ معتبر نہ رکھیں گے کہ منی بھی گرمی پہنچ کر رقیق ہو جاتی ہے، غیاثیہ میں ہے:

"ان كان منتشرا عند النوم فعليه الوضوء لا غير لانه وجد سبب خروج المذى فيعتقد كونه مذيا ويحال به اليه إلا اذا كان اكبر رأيه انه منى رق فحينئذٍ يلزمه الغسل" اهـ واطال فى الحلية فى بيانه بما حاصله ان النوم مظنة للمنى والانتشار للمذى وقد سبق والسبق سبب الترجيح مع ان الاصل برائة الذمة وعدم التغير فى المنى" اهـ

(فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۱۳۴-۱۳۳)

نیز فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"اذا استيقظ الرجل فوجد البلل فى احليله ولم يتذكر حلما ان كان ذكره منتشرا قبل النوم فلا غسل عليه الا ان تيقن انه منى وان كان ذكره ساكنا قبل النوم فعليه الغسل قال شمس الائمة الحلوانى هذا المسئلة يكثر وقوعها والناس عنها غافلون فيجب ان تحفظ كذا فى المحيط" اهـ (ج ۱ ص ۱۵) ایسا ہی بہار شریعت ج ۲ ص ۳۹ میں بھی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ محمد نیاز برکاتی مصباحی
۶ رشعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

■❖■

كِتَابُ الصَّلٰوةِ

نماز کا بیان

حضور نے نماز میں درود شریف پڑھا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ
نماز میں التحیاب واجب ہے اور درود ابراہیم بھی نماز میں پڑھی جاتی ہے تو کیا نماز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف پڑھی ہے جب کہ درود وسلام نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اوپر بھیجا جاتا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا۔

المستفتی حافظ وقاری محمد عثمان صاحب، استاذ دار العلوم امجدیہ ارشد العلوم اوجھا گنج بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں درود شریف پڑھا یا نہیں اس کے تعلق سے کوئی صراحت میری نظر میں نہیں ہے اور نہ ہی سائل کو اس کی کوئی حاجت، ظاہر یہ ہے کہ ''صلوا'' کے خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں اس لیے آپ پر درود شریف واجب نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے:

وفی المجتبیٰ لا یجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی علی نفسہ ردالمحتار میں ہے **لا یجب الخ لانہ غیر مراد بخطاب "صلوا" ولا داخل تحت ضمیرہ. کما ھو المتبادر من ترکیب صلوا علیہ** (ج۱ص۵۱۵)

یہ حکم نماز کے باہر کا ہے اور نماز کے اندر درود شریف پڑھنے کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح کے خطاب میں شامل نہیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ** محمد احمد قادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۹؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

مسافر نے مقیم کے پیچھے آخر کی دو رکعتیں یا ایک رکعت یا صرف قعدہ اخیرہ پایا تو نماز کیسے پوری کرے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
مسافر نے مقیم امام کی اقتدا کی اخیر والی دو رکعتیں اس کو ملیں تو اب کتنی ادا کرے اور صرف ایک رکعت پایا، یا قعدہ اخیرہ پایا تو کتنی رکعتیں ادا کرے؟ المستفتی: راشد محمد سمیع پرسا کھنیاؤں، سدھارتھ نگر، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب مسافر نے جب مقیم امام کے اقتدا کی تو وہ بھی مقیم کے حکم میں ہوگیا چار رکعت نماز ادا کرے گا۔ فتاوی ہندیہ "الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر" میں ہے "وان اقتدی مسافر بمقیم اتم اربعاً" اھ (ج ۱ ص ۱۴۲) اور جب اس کو دو رکعت ملی ہے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد فاتحہ اور سورہ کے ساتھ دو رکعت پڑھ کر اپنی نماز پوری کرے اور جب ایک رکعت پایا ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو اگر پہلے ثنا نہیں پڑھا تھا تو ثنا پڑھے پھر تعوذ، پھر فاتحہ اور سورہ پڑھے، پھر رکوع سجود کے بعد قعدہ کرے اس کے بعد کھڑا ہو اور ایک رکعت مع فاتحہ وسورہ پڑھ کر پوری کرے اب اس کی ایک رکعت اور رہ گئی ہے اس میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے اور رکوع وسجود کر کے نماز پوری کرے اور صرف قعدہ اخیرہ پایا تو چار رکعتیں پوری کرے دو میں ضم سورہ کرے اور دو اخیر رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔

درمختار میں ہے: "والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها وهو منفرد حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ، ويقضى اول صلاته فى حق قرأة وآخرها فى حق تشهد، فمدرك ركعة من غير فجر يأتى بركعتين بفاتحة وسورة وتشهد بينهما وبرابعة الرباعى بفاتحة فقط ولا يقعد قبلها الا فى اربع" اھ ملخصاً

ردالمحتار میں ہے: (والمسبوق من سبقه الامام بها) اى بكل ركعات او ببعضها (حتى يثنى منفرد الخ) فيما يقضيه بعد فراغ امامه فيأتى بالثنا والتعوذ لانه للقرأة ويقرأ لانه يقضى اول صلاته فى حق القرأة ولو ادركه فى ركعة الرباعى يقضى ركعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين اولاهما بفاتحة وسورة وثانيتهما بفاتحة خاصة" اھ ملخصاً

(ج ۱ ص ۵۹۷) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی
۴ ؍ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بعد فرض بآواز بلند کلمہ طیبہ کی تکرار کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ فرض نماز کے بعد بآواز بلند کلمۂ طیبہ کا تین بار ذکر کرنا کیسا ہے حالانکہ جس کی کچھ رکعتیں چھوٹ جاتی ہیں وہ بعد میں پوری کرتے ہیں تو ان کی نماز میں اس ورد سے خلل بھی ہوسکتا ہے تو اس ورد کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: حبیب الرحمن امجدی کبولی بھروچ، گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اللہ اکبر پڑھنا ثابت ہے مگر یہ منقول نہیں کہ آپ کتنی بار پڑھتے تھے جس سے ظاہر یہ ہے کہ ایک بار پڑھتے تھے۔ مسلم شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

"ما کنا نعرف انقضاء صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر"

(ج ۱، ص ۲۱۷، باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

اس لیے ایک بار کی اجازت تو حدیث پاک سے ثابت ہے اور تین بار میں بھی حرج نہ ہونا چاہیے مگر اب عموماً نمازوں میں مسبوقین بھی ہوتے ہیں اس لیے ایک بار سے زیادہ تکبیر بلند آواز سے نہ پڑھیں کہ ان کی نمازوں میں خلل واقع ہوگا اور قلیل بہر حال عفو ہے اور پورا کلمۂ طیبہ کثیر ہے اس لیے اس کے بجائے تکبیر ہی پر اکتفا کریں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقمطراز ہیں: ''ایسا جہر جس سے کسی کی نماز یا تلاوت یا نیند میں خلل آئے یا مریض کو ایذا پہونچے ناجائز ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۹، ص: ۱۲۶ نصف آخر) نیز دوسرے مقام پر آپ تحریر فرماتے ہیں: ''جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ بآواز پڑھنے سے اس کی نماز یا نیند میں خلل آوے گا وہاں قرآن مجید یا وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے، مسجد میں جب اکیلا تھا اور بآواز پڑھ رہا تھا جس وقت کوئی شخص نماز کے لیے آئے فوراً آہستہ ہو جائے'' (فتاوی رضویہ ج ۳، ص ۵۹۷، باب احکام المسجد) یہ جہر کثیر پر محمول ہے کہ وہی مخل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی
۱۷ رمحرام الحرام ۱۴۲۹ھ

معراج سے قبل حضور، صحابہ نیز دیگر انبیاء علیہم السلام کس طرح نماز پڑھتے؟ نیز کس موقع سے کون سی نماز پڑھی گئی؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت ومفتیان عظام مسئلہ میں:

کہ پانچ وقت کی نماز شب معراج حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض ہوئی اس سے قبل خود آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا آپ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عبادت وریاضت یا نماز کا کیا طریقہ تھا؟ یا سابقہ انبیاء کرام کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔ نیز کس موقع پر کونسی نماز پڑھی گئی؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد فخر الدین حشمتی مسجد انوار رضا، رضا نگر، مہاڈا کالونی ندی ناکہ بھیونڈی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب پانچ وقتوں کی نماز کی فرضیت شب معراج میں ہوئی اس سے قبل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز پڑھتے تھے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ دو نمازیں تھیں ایک طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے درمختار میں ہے:

فرضت فی الاسراء لیلۃ السبت سابع عشر رمضان قبل ھجرۃ بسنۃ ونصف وکانت قبلہ صلاتین قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا۔ (ج۱ص۲۵۸)

حدیث حراء کے بعض طرق میں یہ ہے کہ نزول اقراء کے بعد حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پاؤں زمین پر مارا جس سے چشمہ جاری ہوگیا اس سے آپ نے وضو کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے رہے پھر جبرئیل علیہ السلام نے سرکار سے عرض کی آپ بھی وضو فرمالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضو فرمایا پھر جبرئیل امین نے دو رکعت کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی ان کے ساتھ حضور نے بھی پڑھی پھر دولت کدہ پر تشریف لائے اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا انہوں نے بھی وضو کیا اور حضور کے ساتھ نماز پڑھی امتیوں میں نماز پڑھنے کا شرف سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا اور ان کے بعد اسد اللہ الغالب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوشنبہ کی صبح میں نماز پڑھی اور حضرت خدیجہ نے اس روز آخری حصہ میں اور حضرت شیر خدا نے سہ شنبہ کو۔ فتاویٰ رضویہ میں مواہب لدنیہ وزرقانی وغیرہ سے ہے:

ان جبرئیل ہذا لہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ضرب برجلہ الارض فنبعث عین ماء

فتوضأ منها جبريل ثم امره ان يتوضأ وقام جبرئيل يصلي و امره ان يصلي معه فعلمه الوضوء والصلوٰة حتى اتٰى الى خديجة فاخبر ها ثم امرها فتوضأت و صلى بها كما صلى به جبريل رکعتين۔

اورطبرانی سے ہے: قال صلى النبي صلى الله عليه وسلم اول يوم الاثنين و صلت خديجة اخره وصلى على يوم الثلثاء "اھ (ج۲ص۱۸۰)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت وریاضت کا حال تو یہ تھا کہ رمضان المبارک کے مہینے میں غار حرامیں چلے جاتے تھے:

"وروى ابن اسحق وغيره انه عليه السلام كان يخرج الى الحراء كل عام شهراً يتنسك فيه قال و عندى ان هٰذالتعبد يشتمل على انواع من الانعزال عن الناس والانقطاع الى الله والافكار و عن بعضهم كانت عبادته عليه السلام فى حراء التفكر "اھ (ج۱ص۲۶۳)

فتاویٰ رضویہ میں مواہب سے ہے: "كانت الصلوٰة اول فرضها ركعتين بالغداة وركعتين بالعشى اھ(ج۲ص۱۷۷)

یعنی سب سے پہلے دووقت کی نمازیں فرض تھیں ایک قبل طلوع آفتاب اور دوسری بعد غروب آفتاب"
تاہم اس قدر یقیناً معلوم ہوا کہ معراج مبارک سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نمازیں پڑھتے تھے۔نماز شب کی فرضیت تو خود سورہ مزمل شریف سے ثابت ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

وقال النووى اول ما وجب الانذار والدعاء الى التوحيد ثم فرض الله من قيام الليل ما ذكرهٗ فى اول سورة مزمل ثم نسخه "اھ (ج۲ص۱۷۷)

اب یہاں چند سوالات ہیں (۱) معراج سے پہلے کتنے وقت کی نماز پڑھتے تھے؟ (۲) اور یہ سب فرض تھیں یا ان میں کچھ فرض اور کچھ نفل یا سب نفل تھیں؟ (۳) ان نمازوں کے شرائط اور ارکان علیحدہ تھے یا یہی تھے؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اپنے رسالے "جمان التاج فى بيان الصلوٰة قبل المعراج" میں ان سب پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ معراج سے پہلے دووقت کی نمازیں فرض تھیں طلوع آفتاب سے پہلے، غروب آفتاب سے قبل اور "اصابہ" میں ہے کہ نماز پنجگانہ کے فرض ہونے سے پہلے مسلمان نماز چاشت اور عصر پڑھا کرتے تھے، عصر کے وقت پہاڑ

کی گھاٹیوں میں جا جا کر الگ الگ پڑھتے تھے۔ فتاوی رضویہ میں اصابہ سے ہے:

" کان المسلمون قبل ان تفرض الصلوٰۃ الخمس یصلون الضحیٰ والعصر فکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ اذا صلوا اٰخر النھار تفرقوا فی الشعاب فصلوھا فرادی" اھ (ج ۲ ص ۱۷۹)

ان اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ چاشت بھی پڑھتے تھے اور فجر بھی اور عصر بھی مگر اصح یہ ہے کہ قبل معراج صرف تہجد فرض تھا وہ بھی بعد میں امت کے حق میں منسوخ ہوگیا جیسا کہ "ثم فرض اللہ من قیام اللیل ماذکرہ فی اول سورۃ المزمل ثم نسخہ" کی عبارت گزری ہی بر بنائے تحقیق قبل معراج کی نمازیں بھی اسی طرح کی تھیں جیسی اب پنجگانہ نمازیں ہیں یعنی ان کے لیے وضو اور بدن کپڑے کی طہارت ضروری تھی اور جماعت بھی قبلہ اور تکبیر تحریمہ قیام، رکوع، سجود، بلند آواز سے قرأت بھی تھی اور جماعت بھی۔ نزہۃ القاری شرح بخاری میں مواہب الدنیہ سے ہے:

ثم ان اللہ تعالیٰ اقرھا ای شرعھا علی ھیئۃ ما کان یصلی قبل فی السفر کذلک رکعتین واتمھا فی الحضر

اور سابقہ انبیاء کرام کی نمازیں بھی ایسی تھیں جیسی اب ہیں فرق اتنا تھا کہ کسی کے لیے صرف فجر کی نماز تھی تو کسی کے لیے صرف ظہر کی، کسی کے لیے عصر تھی تو کسی کے لیے مغرب اور عشاء کے بارے میں بعض علماء کا یہ قول ہے کہ وہ خاص ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ ان سے پہلے کسی نے نہ پڑھی فتاوی رضویہ شریف میں حلیہ سے ہے

فی الحلیہ عن بعضھم قال ھٰذہ الصلوات تفرقت فی الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام و جمعت فی ھٰذہ الامۃ فذکر الفجر لادم والظھر لابراھیم والعصر لسلیمان والمغرب لعیسی علیھم الصلوٰۃ والسلام ثم قال امّا العشاء فخصصت بھا ھٰذہ الامۃ۔ (ج ۲ ص ۱۶۸)

مگر اصح یہ ہے کہ یہ پانچوں وقت اگلے انبیاء کرام کے تھے اگرچہ متفرق ہوں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس قول کی تائید میں مدلل بحث فرمائی ہے چند ملاحظہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث صحیح کہ جبرئیل امین نے دو روز حضور کی امامت کی ایک دن پانچوں نمازیں اول وقت دوسرے دن آخر وقت پڑھیں پھر حضور سے عرض کی ھٰذا وقت الانبیاء من قبلک یہی وقت حضور سے پہلے انبیاء کے تھے" اھ (ج ۲ ص ۱۷۰) اسی میں اشعۃ اللمعات سے ہے ایں وقت نماز پیغمبراں است کہ پیش از تو بودہ اند کہ ہر کدام از ایشاں بعض اوقات داشتند اگرچہ مجموعہ خمس اوقات مخصوص ایں امت است فافھم اھ (ج ۲ ص ۱۷۱) یعنی

یہی نمازوں کا وقت سابقہ پیغمبروں کا ہے انہیں وقتوں میں سے کسی وقت میں وہ نماز پڑھا کرتے تھے اگرچہ پانچ وقت کو پڑھنا اس امت کے لیے مخصوص ہے اور بر بنائے تحقیق قبل معراج سب کی نمازیں خواہ پیغمبران عظام ہوں یا صحابہ کرام ایسی تھیں جیسی اب ہیں حتی کہ رکوع بھی تھا عام طور پر علماء لکھتے ہیں کہ اگلی امتوں میں رکوع نہ تھا مگر یہ بظاہر متعدد نصوص قرآنیہ کے معارض ہے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا گیا: طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ (بقرہ ۱۲۵) ترجمہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک رکھنا۔ معلوم ہوا کہ رکوع اس امت کے خصائص سے نہیں ملخصا (از نزہۃ القاری ج ۲ ص ۳۱۰)۔ کس موقعہ سے کون سی نماز پڑھی گئی اس میں چار اقوال ہیں مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس قول کی ترجیح فرمائی ہے کہ وہ حدیث کے امام اجل رافعی نے شرح مسند میں ذکر فرمائی کہ صبح آدم ظہر داؤد، عصر سلیمان، مغرب یعقوب وعشاء یونس علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے ہے:

ذکرہ عنہ الزرقانی فی شرح المواہب والحلبی تماما فی الحلیہ قال دوارد فی ذلک خبرا۔ (ج ۲ ص ۱۷۵)

نماز فجر حضرت آدم نے صبح ہونے کے شکریہ میں ادا کی کیوں کہ انہوں نے جنت میں رات نہ دیکھی تھی ردالمحتار میں ہے۔

(قولہ و اول من صلاۃ آدم) ای حین اہبط من الجنۃ و جن علیہ اللیل ولم یکن رآہ قبل فخاف فلما انشق الفجر صلی رکعتین شکرا اللہ تعالی اھ (ج ۲ ص ۱۲)

نماز ظہر حضرت داؤد علیہ السلام نے ادا کی توبہ قبول ہونے کے شکریہ میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی ۔۔۔ **کتبہٗ:** محمد اکبر علی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی ۔۔۔ مدرسہ فیض العلوم دھنوجی خرد فاضل نگر کشی نگر

۴ ر جمادی الآخر ۱۴۲۸ھ

ثنا سے پہلے بسم اللہ کیوں نہیں؟ نماز میں رکوع ایک ہی ہے سجدے دو ایسا کیوں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت درج ذیل مسائل میں کہ (۱) نماز میں ثنا سے پہلے بسم اللہ کیوں نہیں پڑھی جاتی ہے؟ (۲) نماز میں ایک رکوع اور دو سجدے کیوں دوسرے سجدے کا راز کیا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قادری نوری بھوپال (ایم پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) اس لیے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسا ہی منقول ہے اور کیفیت نماز کے تعلق سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صلوا کما رایتمونی اصلی جیسا تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو ویسے ہی پڑھو اور حضور سے ثنا سے پہلے بسم اللہ پڑھنا منقول نہیں اور بسم اللہ شریف سے جو مقصود ہے وہ تکبیر تحریمہ اللہ اکبر سے حاصل ہو جاتا ہے یعنی اللہ عزوجل کے نام سے آغاز اس لئے ثنا سے پہلے بسم اللہ کی حاجت نہیں رہ جاتی واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) نماز میں ایک رکوع اور دو سجدے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہی قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے البتہ بعض مشائخ نے ایک رکوع اور دو سجدے ہونے کی کچھ اور بھی وجہیں اور حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ بعض نے کہا دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لیے ہے کہ جب اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے نہیں کیا تو ہم دو سجدے شیطان کو ذلیل وخوار کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بعض نے یہ کہا ہے کہ پہلا سجدہ حکم خداوندی کی بجا آوری کے لیے ہے اور دوسرا سجدہ شیطان کو ذلیل وخوار کرنے کے لیے ہے کہ اس نے تکبر کی وجہ سے سجدہ نہیں کیا تھا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ پہلا سجدہ ایمان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہے دوسرا سجدہ تحفظ ایمان کے لیے ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ بعض نے یہ کہا کہ پہلے سجدے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور دوسرے سجدے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ بعض نے یہ کہا ہے کہ جب ابن آدم سے اللہ نے عہد و پیمان لیا تھا تو انہیں اپنے قول کی تصدیق کرانے کے لیے سجدہ کا حکم دیا تھا تو تمام مسلمانوں نے سجدہ کیا اور کفار باقی رہ گئے پھر جب مسلمانوں نے اپنے سروں کو اٹھائے تو دیکھے کہ کفار سجدہ نہیں کیے تو انہوں نے شکریے کے طور پر دوبارہ سجدہ کئے اور رکوع ایک ہی رہا۔ بحر الرائق میں ہے:

المراد من السجود السجدتان فاصله ثابت من الکتاب والسنة الاجماع و کونه مثنی فی کل رکعة بالسنة والاجماع وهو امر تعبدی لم یعقل له معنی علی قول اکثر مشائخنا تحقیقاً لابتلاء ومن مشائخنا من یذکر له حکمة فقیل انما کان مثنی ترغیما للشیطان حیث لم یسجد فانه امر بسجدة فلم یفعل فنحن نسجد مرتین ترغیما له وقیل الاولیٰ لامتثال الامر والثانیة ترغیما له حیث لم یسجد استکبارا وقیل الاولیٰ لشکر الایمان الی انه یعاد الیها فقیل لمّا اخذ المیثاق علی ذریة آدم امرهم بالسجود

تصديقا لما قالوا فسجد المسلمون كلهم و بقي الكفار فلما رفع المسلمون روسهم راؤا لكفار لم يسجدوا فسجدوا ثانيا شكرا للتوفيق كما ذكره شيخ الاسلام. (ج۱ص۲۹۳)

فتاوی رضویہ میں دو سجدے فرض ہونے کی حکمت بیان فرمائی یہ اس بنا پر ہے کہ جو روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اولاد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عہد لیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے واذاخذ من بنی آدم من ظهورهم و ذريتهم الاٰية اور یاد کرو اس وقت کو جب اے حبیب آپ کے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں میں ان کی اولاد سے عہد لیا تو انہیں بطور تصدیق کے دو سجدوں کا حکم دیا تو اللہ کے حکم سے تمام مسلمان سجدہ ریز ہو گئے لیکن کافر کھڑے محروم رہ گئے جب مسلمانوں نے سجدے سے سر اٹھائے اور دیکھا کہ کفار نے سجدہ نہیں کئے تو وہ دوبارہ شکر الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے کہ اللہ نے انہیں سجدہ اول کی توفیق دی لہٰذا نماز میں دو سجدے فرض ولازم ہو گئے اور رکوع ایک ہی رہا۔ (ج۳ص۵۸) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: محمد احمد المصباحی القادری**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۳/رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

بے کار باتوں کے بارے میں سوال نہیں کرنا چاہیئے؟ مکبر رکھنے کا رواج کب ہوا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت درج ذیل مسائل میں کہ

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں انبیاء کرام علیہم السلام اور حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات ومزدلفہ میں مسلمان حجاج کی امامت فرمائی تو اس وقت آپ کی آواز تمام انبیاء کرام ومسلمان حجاج تک پہنچی تھی یا نہیں۔ نیز امام کی تکبیرات انتقالات وقرأت کی آواز کا تمام مقتدیوں تک پہنچنا اور تمام مقتدیوں پر سننا فرض ہے، یا واجب یا سنت یا مستحب، نیز مذکورہ تینوں مقام پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز مقدس اگر مقتدیوں تک نہیں پہنچی تھی تو پیچھے مکبرین تھے یا نہیں؟ اگر مکبرین تھے تو بیت المقدس کے مکبرین انبیاء کے اسماء کیا ہیں؟ یوں ہی مزدلفہ وعرفات میں مکبرین تھے یا نہیں اگر نہیں تھے تو آئمہ اربعہ یا ان کے پہلے ان کے بعد کسی امام ومجتہد نے جماعت میں مکبر رکھنے کا حکم دیا، اور اگر تھے تو ان کے اسماء کیا ہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد مجیب رضوی دار العلوم نوری افتخاریہ

کارکردہ منڈل غریب نواز نگر پیلی ندی ناگپور۔ مہاراشٹر نمبر ۲۶ ۴۰۰۰

الجواب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ الرضوان سے سنبھل ضلع مرادآباد کے ایک شخص نے سوال کیا کہ بعد شہادت کس قدر سرمبارک دمشق روانہ ہوئے تھے؟ اور کس قدر واپس آئے؟ تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ

والرضوان نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ

"حدیث شریف میں فرمایا آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتیں چھوڑ دے۔ (فتاوی رضویہ ج۹ نصف آخر ص ۲۷۴) حدیث مذکور کے الفاظ یہ ہیں "من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ" اھ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۴۸)

اور آپ کا یہ سوال بھی کچھ اسی طرح کا ہے ایسے سوال سے آئندہ پرہیز کریں اور نماز روزہ وغیرہ روز مرہ کے پیش آنے والے ضروری مسائل حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

رہا یہ کہ بیت المقدس اور حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات ومزدلفہ میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اس میں مکبر تھے یا نہیں اس سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری اور نہ ہی اس وقت مکبر رکھنا مشروع ہوا تھا کہ قبل معراج نماز ہی نہ فرض ہوئی تھی اور بعد معراج مکبر رکھنے کا رواج ۱۱ھ میں اس وقت شروع ہوا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ نماز پڑھائیں اور لوگوں کی امامت کریں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت کی امامت کررہے تھے اسی اثنا حضور نے مرض میں کچھ تخفیف پائی تو حجرۂ اقدس سے برآمد ہوئے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کررہے تھے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ حضور تشریف لارہے ہیں تو آپ پیچھے ہٹنے لگے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر ان کے پہلو میں تشریف فرما ہوئے اور امامت فرمائی۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز پر نماز ادا کررہے تھے اور تمام جماعت کے لوگ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کے ساتھ نماز ادا کررہے تھے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر وتسمیع وسلام پر صدیق اکبر نے تکبیر وتسمیع وسلام کہا اور لوگوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز پر نماز ادا کی یہیں سے نماز میں مکبر رکھنا شروع ہوا اور یہ واقعہ حجۃ الوداع کے بعد پیش آیا کہ حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد عبدالمقتدر نظامی المصباحی
۲۳ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بعد نماز جنوب کی طرف منھ کرکے دُعا کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

امام صاحب سلام پھیرنے کے بعد نماز فجر اور عصر میں جنوب کی طرف منھ کرکے دعا مانگتے ہیں قرآن و

سنت کی روشنی میں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس پر اچھی طرح روشنی ڈالیں اور حوالہ سے نوازیں اور کس طرف منھ کر کے دعا مانگنا صحیح ہے اس کا مدلل جواب عنایت فرمائیں عین وکرم ہوگا،

المستفتی: الحاج تاج محمد، رحمت نگر سیڈرم پوسٹ سیڈرم ضلع گلبرگہ کرناٹک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب امام صاحب کا سلام پھیرنے کے بعد جنوب کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا جائز ہے کیونکہ نماز کے بعد انحراف چاہیے خواہ جنوباً کرے یا شمالاً اور اگر جنوباً یا شمالاً انحراف کا موقع نہ ہو تو قبلہ کو پشت کرے اور نمازیوں کی طرف منھ، لیکن اس کے لیے یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ کوئی سامنے نماز میں نہ ہو اگر چہ وہ کسی پچھلی صف میں نماز پڑھتا ہو۔ البتہ داہنی طرف پھرنا اولیٰ ہے کہ ہر بات میں تیامن مستحب ہے۔

غنیۃ شرح منیہ میں ہے اذا تمت صلٰوۃ الامام فھو مخیر ان شاء انحرف عن یسارہ و جعل القبلۃ عن یمینہ، و ان شاء انحرف عن یمینہ وجعل القبلۃ عن یسارہ وھٰذا اولی" وان شاء استقبل الناس بوجھہ وھٰذا اذا لم یکن بحذائہ مصل حتی لو کان بحذائہ مصلٍّ لایستقبلھم بل ینحرف یمنۃ او یسرۃ سواء و کان ذٰلک المصلی فی الصف الاول قریباً من الامام اوفی الصف الآخر بعیداً عنہ اذا لم یکن بینھما حائل اھ ملحضاً"۔

یعنی جب امام کی نماز پوری ہوگئی تو اسے اختیار ہے چاہے بائیں طرف پھر جائے اور قبلہ داہنی طرف ہو جائے یا داہنے طرف پھر جائے اور قبلہ بائیں طرف ہو جائے اور یہ افضل ہے۔ اور اگر چاہے نمازیوں کی طرف منہ کرے اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ امام کے سامنے کوئی نماز میں نہ ہو اگر سامنے کوئی نماز میں ہے تو نمازیوں کی طرف منہ نہ کرے بلکہ دائیں یا بائیں گھوم جائے چاہے وہ نمازی پہلی صف میں امام سے قریب ہو یا آخری صف میں امام سے دور ہو جب کہ ان دونوں کے درمیان کوئی حائل نہ ہو، اھ (باب صفۃ الصلٰوۃ ص ۳۴۰ تا ۳۴۱) ایسا ہی فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۲۶ و بہار شریعت حصہ سوم ص ۴۷ میں ہے" واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد صدیق عالم القادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۶ / ربیع الغوث ۱۴۲۶ھ

فتاویٰ مرکز میں ایک جگہ ہے کہ قبل معراج جو دو نمازیں تھیں ان میں دوسری کا وقت قبل غروب تھا دوسری جگہ بعد غروب ہے ایسا کیوں؟

مسئلہ محترم و مکرم جناب عالی السلام علیکم آپ کی کتاب فتاوی مرکز تربیت افتاء سال دوازدہم کو بار بار پڑھا اس بار پڑھنے پر ص، ۱۰۱، لائن نمبر ۳ پر آپ نے لکھا ہے کہ حضور مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دو نمازیں اول طلوع آفتاب سے پہلے اور دوئم غروب آفتاب سے پہلے ادا کیا مگر ص ۱۰۲ لائن نمبر ۸۔۹ لکھا ہے کہ سب سے پہلے دو وقتوں کی نمازیں فرض تھیں ایک قبل طلوع آفتاب دوسری نماز بعد غروب پھر ص ۱۰۲ لائن نمبر ۱۸ پر لکھا ہے کہ پہلے دو وقتوں کی فرض تھی میرا خیال ہے چھپنے میں غلطی ہوگئی ہے امید ہے کہ آپ نظر ثانی کر کے مجھ کو مطلع فرمائیں گے کہ دوسری نماز کا صحیح وقت کیا تھا؟

المستفتی: صابر حسین ان سائڈ امام باڑہ ایسٹ گیٹ مین بازار گورکھپور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب قبل معراج حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو نماز پڑھتے تھے اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں بعض روایات میں ہے کہ قبل معراج دو نمازیں فرض تھیں ایک طلوع آفتاب سے پہلے دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ کسی روایت میں ہے کہ ابتداء میں دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں رات کو فرض تھیں۔ کسی روایت میں ہے کہ فرضیت پنجگانہ سے پہلے مسلمان چاشت اور عصر پڑھا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ پہلے دو وقت کی نمازیں فرض تھیں ایک قبل طلوع آفتاب دوسری بعد غروب آفتاب۔ جیسا کہ فتاوی رضویہ میں ہے "پیش از اسراء دو وقت یعنی قبل طلوع شمس و قبل غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو اختلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیام لیل کی فرضیت ثابت باقی پر کوئی دلیل صریح قائم نہیں۔

فی الدر المختار اول کتاب الصلوٰۃ فرضت فی الاسراء لیلۃ السبت سابع عشر رمضان قبل الھجرۃ بسنۃ ونصف وکانت قبلہ صلاتین قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا و فی المواھب من المقصد الاول قبیل ذکر اول من آمن قال مقاتل کانت الصلوٰۃ اول فرضھا رکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی" اھ (ص ۱۷۷ ج ۲)

نیز اسی میں ہے "کان المسلمون قبل ان تفرض الصلوات الخمس یصلون الضحیٰ والعصر" اھ (ص ۱۷۹ ج ۲)

حاصل یہ کہ دوسری نماز کے وقت میں علماء کرام کا اختلاف ہے کسی نے دوسری نماز کا وقت قبل غروب آفتاب بتایا کسی نے بعد غروب آفتاب یوں ہی پہلی نماز کا وقت کسی نے قبل طلوع آفتاب بتایا اور کسی نے بعد طلوع آفتاب بتایا اس لیے دوسری نماز کے لئے خاص کسی ایک وقت کی تعیین نہیں کی جاسکتی البتہ ان اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ وہ چاشت بھی پڑھتے تھے، فجر بھی اور عصر وعشاء بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد سفیر الحق النظامی
۸ / رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

سجدہ میں ناک زمین سے نہیں لگی تو نماز ہوئی یا نہیں؟، صاحب ترتیب کی فجر قضا ہوگئی اور خطبہ جمعہ کے وقت مسجد میں آیا تو قضا پڑھے یا نہیں، فجر میں کتنی آیتیں پڑھی جائیں اس کا وقت مستحب کیا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) مقتدی یا امام کے سجدے میں ناک زمین سے نہیں لگی ایسی صورت میں نماز ہوگی یا نہیں تحریر فرمائیں۔

(۲) جمعہ کی فجر قضا ہوگئی اور نمازی صاحب ترتیب ہے لیکن کسی وجہ سے فجر کی قضا نہیں پڑھ سکا اور جمعہ کا وقت آگیا خطبہ شروع ہے یا شروع ہونے والا ہے ایسی صورت میں نمازی کے لیے کیا حکم ہے تحریر فرمائیں؟

(۳) فجر کی فرض جماعت میں امام کو کتنی آیت کی قرأت دونوں رکعت میں پڑھنا چاہیے اور اگر نماز میں کوئی غلطی ہوگئی اور نماز دہرانے کا حکم ہے تو فجر کی جماعت سردیوں میں اور گرمیوں میں یا طلوع آفتاب سے پہلے کس وقت جماعت ہونی چاہیے اور اگر دوبارہ جماعت کرنی پڑے تو کتنی آیت کی قرأت امام کو کرنا چاہیے تحریر کریں۔

جمعہ کی فجر کی فرضوں کی جماعت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۂ الم تنزیل السجدہ پڑھا کرتے تھے تحریر فرمائیں کیوں کہ اس میں تین رکوع ہیں تو کیا دونوں رکعت میں پوری سورت پڑھی تھی تحریر فرمائیں کیا پیش امام کو یہی صورت جمعہ کے دن فجر کی فرض رکعت میں پڑھنا چاہیے اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد رضی خان قادری تلہری، محلہ نظر پور قصبہ تلہر ضلع شاہ جہاں پور یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) سجدے میں بلا عذر ناک زمین سے نہیں لگی یا لگی لیکن ہڈی تک نہیں دبی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگئی اور اگر وہ شخص امام ہے تو اس کے پیچھے جتنے لوگوں نے نماز پڑھی سب کی نمازوں کا یہی حکم ہے۔

فتاوی ہندیہ کتاب الصلاۃ میں ہے:

وإن كان من غير عذر فان وضع جبهته دون انفه جازا جماعا ويكره اه (ج ا ص ۰، الفصل الاول من الباب الرابع فی صفة الصلوٰة)

ایسا ہی بہار شریعت حصہ سوم ص ۶۰ میں بھی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جمعہ کے دن فجر کی نماز قضا ہوگئی اور خطبہ ہو رہا ہو تو اگر نمازی فجر پڑھ کر جمعہ میں شریک ہوسکتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ فجر پڑھے پھر جمعہ میں شریک ہو اور اگر جمعہ نہ ملے گا لیکن ظہر کا وقت باقی رہے گا جب

بھی یہی حکم ہے کہ فجر پڑھ کر ظہر پڑھے اور اگر وقت اتنا تنگ ہے کہ فجر پڑھے گا تو جمعہ بھی جاتا رہے گا اور ظہر کا وقت بھی تو پہلے جمعہ پڑھے پھر فجر اس صورت میں ترتیب ذمہ سے ساقط ہے۔

فتاوی ہندیہ کتاب الصلوٰۃ میں ہے:

ولو أن مصلی الجمعة تذکر أن علیه الفجر فان کان بحیث لو قطعها واشتغل بالفجر تفوته الجمعة ولا یفوته الوقت فعند ابی حنیفة و أبی یوسف رحمهما الله تعالیٰ یقطع الجمعة ویصلی الفجر ثم یصلی الظهر و عند محمد رحمه الله تعالیٰ یتم الجمعة ولو کان بحیث انه اذا قضی الفجر ادرك الجمعة مع الامام فانه یشتغل بالفجر اجماعا وان کان بحیث اذا قطع الجمعة واشتغل بالفجر یفوته الوقت اتم الجمعة اجماعاً ثم یصلی الفجر بعدها کذا فی السراج الوهاج ویسقط الترتیب عند ضیق الوقت کذا فی محیط السرخسی" اھ (ج ۱ ص ۱۲۲) ایسا ہی بہار شریعت حصہ چہارم میں بھی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) فجر کی نماز میں چالیس سے ساٹھ آیتیں ترتیل کے ساتھ پڑھنا چاہیے اور سردی وگرمی دونوں میں فجر میں اسفار مستحب ہے یعنی اتنی تاخیر کی اجالا ہوجائے اور سلام پھیرنے کے بعد اتنا وقت باقی رہے کہ اگر کوئی غلطی ہوجائے تو طہارت کے ساتھ چالیس سے ساٹھ آیتیں ترتیل کے ساتھ پڑھنے کی گنجائش ہو اور اتنی تاخیر بھی مکروہ ہے کہ طلوع آفتاب کا شک ہوجائے۔

فتاوی ہندیہ کتاب الصلوٰۃ میں ہے:

"یستحب تأخیر الفجر ولا یؤخرها بحیث یقع الشك فی طلوع شمس بل یسفر بها بحیث لو ظهر فساد صلاته یمکنه ان یعیدها فی الوقت بقرائة مستحبة کذا فی التبیین" اھ (ج ۱ ص ۵۱، ۵۲)

اور تنویر الابصار درمختار اور ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ میں ہے:

"والمستحب للرجل الا بتداء فی الفجر بإسفار والختم به هو المختار بحیث یرتل اربعین آیة الی ستین ثم یعیده بطهارة ای صلاته مع ترتیل القرأة المذکورة و یعید الطهارة لو فسد بفسادها او ظهر فساده بعد مها ناسیا" اھ (ج ۲ ص ۲۴) واللہ تعالیٰ اعلم

نبی علیہ السلام جمعہ کی فجر میں پہلی رکعت میں الم تنزیل السجدہ پوری سورہ اور دوسری میں ھل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے تو آج بھی کوئی شخص ان سورتوں کو برائے حصول برکت پڑھ سکتا ہے لیکن اس کی عادت نہ بنائے کیوں کہ تعیین سورت مکروہ ہے بلکہ یوں کرے کہ کبھی انہیں پڑھے اور کبھی دوسری سورت بھی

پڑھ لیا کرے تاکہ عوام اسے واجب نہ سمجھ بیٹھیں:

صحیح مسلم شریف کتاب الجمعة فصل فی القرأة الم تنزیل وھل اتی فی صلاة الفجر یوم الجمعة میں ہے

عن ابی ھریرة ان النبی صلی اللہ علیہ سلم کان یقرأ فی الصبح یوم الجمعة بآلم تنزیل فی الرکعة الاولی وفی الثانیة ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئًا مذکورا" اھ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز فجر میں پہلی رکعت میں سورہ الم تنزیل پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں سورہ ھل اتی علی الانسان پڑھتے تھے" اھ (ج ۱ ص ۲۸۸)

اور تنویر الابصار درمختار کتاب الصلوٰۃ میں ہے:

"ولا یتعین شی من القرآن لصلاة علی طریق الفریضة ویکرہ التعیین کالسجدة وھل اتی لفجر کل جمعة بل یندب قرائتھما احیانا" اھ (ج ۲ ص ۲۶۵، ۲۶۶)

اور اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"وذکر فی وتر البحر عن النھایة انه لا ینبغی ان یقرا سورة متعینة علی الدوام لئلا یظن بعض الناس انه واجب" اھ (ج ۲ ص ۲۶۶) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد فیضل علی المصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۹/ جمادی الآخرہ ۱۴۳۲ھ

کیا نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ

جو مسلمان نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟ نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا — المستفتی: مستری یار حسین، جواہر پور، ہری دوار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب جو مسلمان نماز نہیں پڑھتا وہ کافر نہیں بلکہ مسلمان ہی ہے لیکن سخت گنہگار، مستحق عذاب نار ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"خمس صلوات کتبھن اللہ تعالیٰ علی العباد من جاء بھن لم یضیع منھن شیئًا استخفافاً بحقھن کان لہ عند اللہ عھد ان یدخلہ الجنۃ و من یأت بھن فلیس لہ عند اللہ عھد ان شاء عذبہ وان شاء ادخلہ الجنۃ"

یعنی پانچ نمازیں خدا نے بندوں پر فرض کیں جو اسے پڑھے اس کے لیے اللہ عزوجل کے پاس عہد ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے اور جو انہیں نہ پڑھے اس کے لیے خدا کے پاس کوئی عہد نہیں مگر چاہیے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو جنت میں داخل کرے (نسائی ص ۸۰ ج ۱) اس حدیث شریف سے واضح ہے کہ بے نمازی مسلمان ہے اگر کافر ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم یہ نہ فرماتے کہ تارک نماز کو اللہ تعالیٰ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو جنت میں داخل کرے۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ص ۱۹۱ ج ۲ میں بھی ہے۔

جماہیر علمائے دین وائمہ معتمدین تارک نماز کو سخت فاجر جانتے ہیں مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہتے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے، اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت میں یہی ہے کہ بے نمازی کافر نہیں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلیہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"ذھب الجمھور منھم اصحابنا و مالك و الشافعی و احمد فی روایۃ الی انہ لا یکفر" (فتاوی رضویہ۔ ص ۱۹۰ ج ۲)

خلاصہ یہ ہے کہ بے نمازی مسلمان ہے مگر سخت فاسق ہے کافر نہیں درمختار میں ہے: "وتارکھا عمداً مجانۃ ای تکاسلا فاسق" اھ (ص ۲۵۹ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی | **کتبہٗ:** غلام نبی النظامی العلیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی | ۲۱ ر ربیع الغوث ۱۴۲۷ھ

جماعت سے ایک دو منٹ پہلے

اگر کوئی جماعت کی جگہ سنت پڑھنا چاہے تو اسے روکنا کیسا ہے؟

مسئلہ اکثر ایسا تجربہ ہوتا ہے کہ فرض نماز اور خصوصاً عصر کی جماعت شروع ہونے سے کچھ قبل پہنچنے پر نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں لوگ کہنے لگتے ہیں ٹائم نہیں ہے جب کہ اس دوران دو ہلکی رکعتیں بہ آسانی پڑھی جاسکتی ہیں ایسے لوگوں کو محتاط ہونا چاہیے کیونکہ دانستہ طور پر گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں یہ صحیح ہے کہ عصر مغرب اور عشاء کے قبل کی سنتیں غیر موکدہ ہیں آپ پڑھیں یا نہ پڑھیں آپ کی مرضی لیکن پڑھنے والوں

کوروکنا گویا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے سے منع کرنا ہے جب کہ اللہ تعالی نے قرآن میں واضح کردیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بولتے ہیں اپنی خواہش یا مرضی سے نہیں بولتے بلکہ وہ اللہ کی طرف سے وحی ہوا کرتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کسی کا مذکورہ بیان اور قرآن وحدیث کے استدلال قائم کرنا کس حد تک درست ہے اور عصر وغیرہ کے وقت کی قلت کے سبب کسی کو سنت پڑھنے سے روکنا کس حد تک شرعا درست ہے؟ اس سلسلے میں فقہائے عظام کا کیا حکم ہے؟ **المستفتی: محمد فاروق رضوی درویش پوری کولکاتہ**

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب جو لوگ وقت جماعت کے قریب مسجد میں آئیں انہیں خود ہی لحاظ کرنا چاہیے تا کہ انہیں کوئی نہ روکے۔ اور اگر وہ لوگ جماعت سے فاصلے پر کہیں اور سنت پڑھیں تو کوئی بھی انہیں نہ روکے گا وہ سنت پڑھنے سے نہیں روکتے بلکہ جماعت کی جگہ کو مشغول کرنے سے روکتے ہیں کہ وہاں پڑھنا اقامت جماعت میں خلل کا باعث ہے اس وقت سنن پڑھنے سے ممانعت خود حدیث میں وارد ہے چنانچہ ارشاد رسالت ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبه اھ (ترمذی جلد اول ص ۹۶)

اس لئے ضرورت ہے کہ عوام کو اس طرح کے مسائل سے بہ نرمی آگاہ کریں اور ممکن حد تک ان کو گناہ سے بچائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: محمد راشد انور مصباحی رضوی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۴ / رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

مسلمان اور عالم دین کی تحقیر کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ذیل کی عبارت کے بارے میں کہ عبدالرحمن نامی شخص نے ایک سنی صحیح العقیدہ حنفی امام کے بارے میں یہ عبارت لکھ کر ٹرسٹی علیم عیسی کتھری کے ہاتھ میں دیا جس کی عبارت تحریر شدہ ثبوت کے طور پر نیچے موجود ہے۔

(۱) امام جھوٹا ہے (۲) عالم نہیں ظالم ہے (۳) اللہ ورسول کا منکر ہے (۴) ضدی ہے (۵) گھمنڈی ہے (۶) یہودیوں کا بھیجا ہوا ہے (۷) دو طرح کا حرام کھایا ہے اگر رتی بھر بھی ایمان ہوگا تو امامت سے ہٹ جائے گا ورنہ رسوا کر کے نکالا جائے گا ساتھ میں ٹرسٹیوں کو بھی رسوا کریں گے ایسی عبارت تحریر کرنے والے

شخص کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟ نیز شخص مذکور اس عبارت کے لکھنے کے بعد ایک عرصہ تک اسی امام کی اقتداء میں نماز پڑھتا رہا از روئے شرع اس کی اقتداء کیسی ہے؟

(۲) عبدالرحمن ہی نے ایک مرتبہ نماز میں رکوع وسجود اور قرأت لمبی کرنے کے بارے میں کہا جب کہ نماز سنت طریقہ پر ادا کی جاتی رہی پس امام نے جواب میں حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش کی کہ حضور فرماتے ہیں نماز مختصر پڑھاؤ اس لے کہ تمہارے پیچھے بیمار، عمر دراز اور کام کاج والے بھی ہیں اور جب تنہا پڑھو تو جتنی لمبی چاہو پڑھو اس پر عبدالرحمن نے جواب دیا جیسا میں کہتا ہوں ویسا کرو حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سننے کے بعد ایسا جواب دینے والے کے لیے حکم شرعی کیا ہے؟

(۳) مذکورہ بالا شخص بحیثیت کارگزار تقریباً ۲۵ سال تک مسجد کی دیکھ ریکھ کرتا رہا اور ائمہ کرام کو ایک ڈیڑھ سال میں ذلیل ورسوا کرکے نکالتا رہا لیکن اب اس سال سے اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں پھر بھی موجودہ امام کو جو تقریباً دس سال سے منصب امامت پر فائز ہیں انہیں مختلف قسم کی اذیتیں دیتا ہے گالی دیتا ہے اور رسوا کرنے کی دھمکی دیتا ہے لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں عالم دین کی فضیلت اور ان کا درجہ تحریر فرمائیں نیز جو شخص ایسے کلمات قبیحہ امام کے بارے میں کہے اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ ایسے شخص کا ساتھ دیں ان کے لیے حکم شرعی کیا ہے؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں اور شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: المصلیان بلال مسجد (ہری مسجد) وڈالا قدوائی نگر، ممبئی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱ تا ۳) بلا وجہ شرعی کسی مسلمان کی تحقیر اور ان کو ذلیل ورسوا کرنا حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: بحسب امری من الشرّ ان یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ آدمی کے برا ہونے کے لیے یہ بہت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی تحقیر کرے مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے خون آبرو مال (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱۵) تو اسی طرح کسی مسلمان کو بھی بے اذن شرع گالی دینا حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ سباب المسلم فسوق مسلمان کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں سباب المسلم کا المشرف علی الھلکۃ مسلمان کو گالی دینے والا اس کی مانند ہے جو عنقریب ہلاکت میں پڑا چاہتا ہے (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں من اذی مسلما فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی (کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۰) تو جب عام مسلمان کو ذلیل ورسوا اور گالی دینے کے

بارے میں یہ حکم ہے تو عالم دین کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے اور چونکہ مذہبی پیشوا مقتدا ہے تو ان کو گالی دینا اور ذلیل و رسوا کرنا اور زیادہ اشد ہوگا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لا یستخف بحقھم الا منافق بین النفاق ان کے حق کو ہلکا نہ سمجھے گا مگر کھلا ہوا منافق (کنز العمال ج۱۶ ص ۳۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لیس من امتی من لم یعرف لعالمنا حقه جو ہمارے عالم کا حق نہ پہنچانے وہ میری امت سے نہیں (الترغیب والترہیب ج۱ ص ۶۴) ائمہ فرماتے ہیں عالم دین کی اہانت کفر ہے تو اگر عالم کو اس لیے برا کہتا ہے کہ وہ عالم ہے جب تو صریح کفر ہے اور اگر یہ جانتا ہے کہ علم کی وجہ سے ان کی تعظیم فرض ہے مگر کسی دنیوی خصومت کے باعث برا کہتا ہے گالی دیتا اور تحقیر کرتا ہے تو فاسق و فاجر ہے اور بے وجہ رنج رکھتا ہے تو اس کے کفر کا اندیشہ ہے:

مجمع الانہر میں ہے والاستخفاف بالا شراف والعلماء کفر و من قال للعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا به الاستخفاف کفر و من ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر ا ھ (ج۱ ص ۶۹۵)

لہٰذا امام کی شان میں ایسا تحریر کرنے والا شخص سخت فاسق و فاجر حق العبد میں گرفتار ہے بلا تاخیر امام صاحب اور کمیٹی کے افراد سے معافی مانگے اور پھر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرے اور ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا سماجی بائیکاٹ کر دیں اور جو حضرات ایسے کی مدد کرتے ہیں اور ان کا ساتھ دیتے ہیں وہ بھی انہیں میں سے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من مشیٰ مع ظالم بیعینه وھو یعلم انه ظالم فقد خلع من عنقه ربقة الاسلام
جو دانستہ ظالم کی مدد کو چلے تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی کو نکال دی (فتاویٰ رضویہ ج۹ ص ۳۰۷ نصف اخیر) رہا یہ کہ شخص مذکورہ ایک عرصہ تک امام کی اقتدا میں نماز ادا کرتا رہا تو اس کی نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور حدیث شریف سننے کے بعد امام صاحب سے اس کا یہ کہنا کہ میں جو کہتا ہوں ویسا کرو اس کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے ایسا کہنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد راشد انور مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۶؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

نمازوں کے سری اور جہری ہونے کی حکمت کیا ہے؟

مسئلہ زید کا کہنا ہے کہ پانچوں وقت کی نمازوں میں تین وقت کی نماز جہری پڑھتے ہیں اور دو وقت

میں سری کیوں؟ بکر نے کہا پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی ہی تعلیم دی ہے جس کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، تو زید نے کہا ہم اسے تسلیم کرتے ہیں لیکن اس میں کیا حکمت تھی کہ سرکار نے ایسا کر کے امت کو بتایا، بالتفصیل جواب رقم کریں۔ بینوا توجروا۔ **المستفتی: محمد صابر القادری، جامعہ رضویہ عزیزیہ، قصبہ دیوگاؤں، ضلع اعظم گڑھ**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب شروع زمانۂ اسلام میں کفار کا غلبہ تھا وہ قرآن شریف سن کر اللہ تعالیٰ، قرآن مقدس، جبریل علیہ السلام اور حضور سید عالم صلی اللہ وسلم کو گالیاں دیتے تھے، چونکہ ظہر وعصر میں وہ آوارہ گھومتے تھے اس لیے ان دو نمازوں میں آہستہ قرأت کا حکم ہوا اس کے برخلاف مغرب میں کھانے میں مشغول ہوتے، عشاء میں سوجاتے اور فجر میں جاگتے نہ تھے اس لیے ان نمازوں میں جہری قرأت کا حکم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا"

اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے درمیان راستہ چاہو" (سورہ اسراء ۱۷ آیت ۱۱۰) اب اگرچہ وہ حالت نہ رہی مگر حکم وہی رہا کہ مسلمان اس مغلوبیت کو یاد کر کے اب غلبۂ اسلام پر خدا کا شکر کریں۔

"الدر المنثور فی التفسیر المأثور" میں ہے "عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنه فی قوله "ولا تجهر بصلوتك" الخ قال نزلت و رسول الله صلی الله علیه وسلم بمكة متوار فكان اذا صلى باصحابه رفع صوته بالقرآن فاذا سمع ذلك المشركون سبوا القرآن ومن انزله ومن جاء به فقال الله لنبيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "ولا تجهر بصلوتك" ای لقرأتك فيسمع المشركون فيسبوا القرآن" ولا تخافت بها" عن اصحابك" فلا تسمعهم القرآن حتى يأخذوه عنك "وابتغ بين ذلك سبيلاً" يقول بين الجهر والمخافة". (ص ۳۷۳، ج ۴)

اور تفسیر کبیر میں ہے "معناه بان تجهر بصلاة الليل و تخافت بصلاة النهار" اھ (ص ۴۱۹، ج ۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: شمس الدین احمد العلیمی
۴ ر جمادی الاول ۱۴۲۶ھ

کرسی پر باجماعت نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کرسی درمیان صف میں ہو تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

کیا مسجد میں باجماعت کرسی پر نماز پڑھنا درست ہے، نیز اگر یہ کرسی درمیان صف میں لگائی جائے تو حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: خوشتر نورانی، دارالعلوم حسینیہ ہمت نگر، گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اگر کسی کو عذر ایسا ہو کہ وہ قیام اور رکوع وسجود پر قادر نہیں ہے تو وہ معذور ہے اور اسے عذر کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے اور اشارہ سے رکوع وسجود کرنے کی اجازت ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وان عجز عن القيام والركوع والسجود وقدر على القعود يصلى قاعدا بايماء ويجعل السجود اخفض من الركوع كذا فى فتاوى قاضيخان.

(ج۱،ص۱۳۶، الباب الرابع عشر فى صلاة المريض)

کرسی کو حتی الامکان صف سے متصل کنارے پر لگائیں، تاہم اگر کنارے پر لگانا ممکن نہ ہو مثلاً یہ کہ ایک صف بھی مکمل نہ ہوئی یا دوسری صف کے وسط میں کچھ لوگ تھے اس وقت یہ آیا تو اب چونکہ کنارے لگانے پر قطع صف ہوگی اس لیے کنارے نہ لگا کر بیچ ہی میں لگائیں لیکن خیال رہے کہ کرسی ایسی ہو جو زیادہ جگہ نہ گھیرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد احمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۶ ربیع النور ۱۴۲۹ھ

ثنا ہر نماز میں سنت ہے، ثنا سے پہلے یا ثنا پڑھتے وقت امام قرأت شروع کردے تو، اُونی اور بالوں والی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟، کوٹ کا بٹن کھلا ہو تو نماز میں حرج تو نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت مسئلہ ذیل کے بارے میں:

(۱) نماز یعنی فرض ونفل وتر وسنت میں نیت کر کے سبحانک اللھم پڑھنا کیا واجب یا سنت یا فرض کیا ہے؟

(۲) جماعت میں امام کے پیچھے مقتدی نے ابھی ثنا نہیں پڑھا یا پڑھ رہا تھا کہ امام نے قرأت شروع کردی تو ایسی صورت میں مقتدی کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) سردیوں میں اونی ٹوپی یا ٹوپا جو بازاروں میں بکتا ہے یا بالوں والا اس کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے۔ ٹوپی اندر پہننا ضروری ہے؟ پیش امام کا کہنا ہے کہ ٹوپے کے اندر ٹوپی پہننا ضروری ہے ورنہ نماز ہی نہیں ہوگی۔ ایسی صورت میں کیا صحیح کیا غلط ہے تحریر فرمائیں؟

(۴) سردیوں میں گرم کوٹ اور قمیص نیچے پہنتے ہیں کوٹ اوپر سے پہنتے ہیں لیکن کوٹ کا گلا کھلا رہتا ہے کسی کوٹ میں ایک بٹن ہوتا ہے کسی میں دو تین ہوتے ہیں ایسی صورت میں کوٹ پہن کر نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: ازمحمد رضی خان رضوی تلہری محلہ نظر پور ضلع شاہجہاں پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) تکبیر تحریمہ کے بعد ہر نماز میں ثناء پڑھنا سنت ہے۔

تنویرالابصار میں ہے: وسننها رفع اليدين للتحريمة ونشر الاصابع والثناء والتعوذ والتسمية والتامين۔ (ج ۲ ص ۱۷۰-۱۷۲)

ردالمحتار میں ہے "اما الثناء فهو سنة مقصودة بذاتها"۔ (ج ۲ ص ۱۹۰)

فتاوی رضویہ میں ہے سبحانک پڑھنا سنت ہے بغیر اس کے نماز ہو جاتی ہے مگر بلا ضرورت ترک سنت کی اجازت نہیں۔ اور عادت ڈالنے سے گنہگار ہوگا۔ (ج ۳، ص ۶۱) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) صلاۃ جہریہ میں مقتدی کے لئے اس وقت تک ثناء پڑھنے کی اجازت ہے جب تک امام نے قرأت شروع نہ کی ہو۔ لہٰذا جب امام نے قرأت شروع کر دی تو مقتدی اب ثناء نہ پڑھے اور اگر پڑھ رہا تھا تو خاموش ہو جائے اور بغور قرأت سنے۔

قرآن پاک میں ہے "اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا

جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ (اعراف آیہ ۲۰۴)

منیۃ المصلی میں ہے "اذا ادرك الامام وهو يجهر يستمع وينصت" جب امام کو بلند آواز سے قرأت کرتا ہوا پالے تو غور سے سنے اور چپ رہے۔ (ص ۲۸۳، ۲۸۴)

البتہ سری نماز میں اگرچہ امام نے قرأت شروع کر دی ہو پھر بھی مقتدی ثناء پڑھ لے۔ ردالمحتار میں ہے:

"اختاره قاضي خان حيث قال. ولو ادرك الامام بعدما اشتغل بالقراءة قال ابن الفضل لا يثني وقال غيره يثني وينبغي التفصيل. ان كان الامام يجهر لا يثني وان كان يسر يثني وهو مختار شيخ الاسلام خواهر زاده۔ (ج ۲ ص ۱۹۰) والله تعالیٰ اعلم

(۳) اونی اور بال والی ٹوپی پہن کر بلاشبہ نماز ہو جائے گی۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ہر قسم کی ٹوپی جائز ہے مگر جو کفار و فساق کی علامت ہے اسے نہیں پہننا چاہیے۔ (فتاوی امجدیہ، ج ۱ ص ۱۹۸) اور اس ٹوپی کے اندر دوسری ٹوپی پہننے کی حاجت نہیں کہ یہ شرعاً کسی طور پر مطلوب نہیں۔ امام

صاحب کا یہ قول ''اگر اس ٹوپی کے اندر دوسری ٹوپی نہ پہنی جائے تو نماز ہی نہیں ہوگی'' غلط اور بے بنیاد ہے شرع میں اس کا ثبوت نہیں۔ اور انہوں نے مسائل فقہیہ سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے یہ بات کہی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ ایسے غلط مسائل بیان کرنے سے پرہیز کریں۔ اور غلط مسئلہ بتانے پر توبہ کریں۔ اس لئے کہ فقہاء نے اس امر کی صراحت فرمائی ہے کہ بغیر ٹوپی ننگے سر بھی نماز ہوجائے گی البتہ سستی کی وجہ سے بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: وصلاته حاسرا ای کاشفا راسه للتکاسل ولاباس به للتذلل (ج ۲ص ۴۰۷ باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا)

لہٰذا جب بغیر پوٹی کے نماز ہوجائے گی تو صرف اونی ٹوپی میں بدرجہ اولیٰ ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) آج کل لوگ کرتے کے اوپر کوٹ پہنتے ہیں اور عام طور سے اس کا گلا کھلا رہتا ہے یا ایک دو بٹن بند رہتا ہے باقی کھلا رہتا ہے۔

تو اگر کرتے کی وجہ سے سینہ ڈھکا ہو تو کوٹ کا بٹن یا گلا کھلا رہنے سے نماز میں کوئی نقصان نہیں کہ کوٹ عادۃً اسی طور پر پہنا جاتا ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''انگرکھے پر جو صدری یا چغہ پہنتے ہیں اور عرف عام میں ان کا کوئی بوتام (بٹن) وغیرہ بھی نہیں لگاتے اور اسے معیوب بھی نہیں سمجھتے تو اس میں حرج نہیں ہونا چاہئے کہ یہ خلاف معتاد نہیں۔'' (فتاوی رضویہ ج ۳، ص ۴۴۷)

لہٰذا اس کو پہن کر نماز بلا کراہت ہوجائے گی۔ لیکن اگر کرتے کا بھی بٹن کھلا ہوا ہو جس سے سینہ دکھائی دیتا ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

فتاوی فیض الرسول میں ہے ''الحاصل اگر بٹن اس طرح کھلے ہوئے تھے جس سے سینہ ظاہر ہے تو نماز قطعاً مکروہ تحریمی ہوگی۔'' (ج ۱ ص ۳۷۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: عبدالرحیم الفیضی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۱۰ جمادی الآخر ۱۴۳۲ھ

سجدے میں عورتوں کو پیر کی انگلیوں کا زمین سے لگانا فرض و واجب اور سنت نہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

نمازی کی حالت سجدہ میں پیر کے ایک انگلی کا پیٹ زمین سے لگنا فرض ہے اور سجدہ میں ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگنا واجب ہے تو عورتیں حالت سجدہ میں اپنے پیر کی تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین

سے لگائیں یا نہیں، کیونکہ عورتیں سجدہ کی حالت میں دونوں پیر داہنے طرف نکالتی ہیں، جیسا ان کے قعدہ مسیں بیٹھنے کا طریقہ ہے۔ خلاصہ جواب دیجئے، کرم ہوگا۔ **المستفتی:** شیخ منور الدین، حبیبی سنی لائبریری (اڑیسہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب یہ حکم صرف مردوں کے لئے ہے کہ حالت سجدہ میں کم سے کم ایک انگلی کا پیٹ لگنا فرض ہے اور اکثر انگلیوں کا پیٹ لگنا واجب اور دسوں انگلیوں کا قبلہ رو ہونا سنت ہے، جیسا کہ فتاویٰ رضویہ شریف میں ہے: ''سجدہ میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے۔ یوں ہی ناک کی ہڈی زمین پر لگنا واجب ہے۔'' (ص ۵۵۶، ج ۱)

اور عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، اس لئے کہ بہار شریعت میں عورتوں کے سجدہ کی ہیئت کی تفصیل یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ''عورت سمٹ کر سجدہ کرے، یعنی بازو کروٹوں سے ملا دے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے۔'' (حصہ سوم، ص ۶۹) ایسا ہی ہدایہ، ج ۱، ص ۱۱۰، باب صفة الصلوٰة میں بھی ہے۔

جب ان کے لئے حکم یہ ہے کہ پنڈلیاں زمین سے چپکائے رہیں تو پھر کسی طرح ممکن نہیں کہ پاؤں کی انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگے کہ اس کے لئے پاؤں کو کھڑا کرنا ضروری ہوگا، جس کے نتیجہ میں پنڈلیاں زمین سے جدا ضرور ہوں گی۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "والمرأة لا تجافي في ركوعها وسجودها وتقعد على رجليها وفي السجدة تفترش بطنها على فخذيها كذا في الخلاصة۔" (ج ۱، ص ۷۵، الفصل الثالث في سنن الصلوٰة وآدابها وكيفيتها)

حق یہ ہے کہ عورت کو سجدہ کی حالت میں پاؤں کھڑا کر کے تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر لگانا واجب نہیں۔ واجب ہونا تو دور کی بات ہے، ان کے لئے ایسا کرنا خلاف سنت ہے، جیسا کہ احادیث اور فقہ کی کثیر عبارتوں سے مستفاد ہے اور تصریح ہے کہ عورتیں پنڈلیوں کو زمین پر چپکائیں اور دونوں پاؤں کو موڑ کر داہنی طرف کر دیں، جو عورتیں سجدہ میں پیر کھڑا کرتی ہیں اور پیر کی انگلیوں کے پیٹ کو زمین پر لگاتی ہیں وہ سنت کی تارک ہیں اور ایسا واجب سمجھتی ہیں تو گنہگار بھی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: سید نعمان احمد
۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

سلام پھیرتے وقت کس کی نیت کی جائے اور نگاہ کہاں ہو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

نماز سے فارغ ہونے کے وقت جو سلام دائیں بائیں کیا جاتا ہے وہ سلام کسے کیا جاتا ہے۔اس وقت دل میں کیا ہونا چاہئے اور امام ومقتدی کی نگاہ کہاں ہونا چاہئے۔زید کہتا ہے کہ امام اپنے مقتدی اور فرشتوں کو سلام کرتا ہے۔اس پر عمرو کہتا ہے کہ مقتدی کو سلام کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس دور میں اب منافقین ودیوبندی جماعت میں شامل رہتے ہیں،اس لئے مقتدی کو سلام کرنا جائز نہیں۔حضور کے زمانہ میں حضور کے پیچھے منافقین نماز پڑھتے تھے تو حضور کی کیا نیت سلام کے وقت ہوتی تھی؟ المستفتی: قاری شبیر احمد جونپوری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب نماز سے باہر ہونے کے لئے دائیں بائیں جو سلام پھیرا جاتا ہے، اس میں امام داہنی طرف کے سلام میں ان مقتدیوں کی نیت کرے جو داہنی طرف ہیں اور بائیں طرف کے سلام سے بائیں طرف والوں کی نیت کرے، نیز دونوں سلاموں میں کراماً کاتبین اوران ملائکہ کی بھی نیت کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے اور نیت میں کسی عدد کی تعیین نہ کرے۔

رہے مقتدی تو وہ بھی ہر طرف کے سلام میں اس طرف والے مقتدیوں اور ملائکہ کی نیت کریں اور جس طرف امام ہو اس طرف کے سلام میں امام کی بھی نیت کریں اور منفرد صرف ان فرشتوں کی ہی نیت کرے گا کہ اس کے داہنے بائیں نہ مقتدی ہیں نہ امام۔اور مقتدی وامام کے لئے مستحب یہ ہے کہ سلام کے وقت اپنی نگاہ کو مونڈھوں پر رکھے۔

رہا عمرو کا یہ کہنا کہ جماعت میں وہابیہ ودیابنہ شامل رہتے ہیں، اس لئے امام کا مقتدیوں کو سلام کرنا جائز نہیں، مطلقاً یہ ممانعت اور عدم جواز کا حکم غلط ہے۔ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ امام صرف مسلمان مقتدیوں کی نیت کرے، وہابیوں اور دیوبندیوں کی نیت نہ کرے۔

علاوہ ازیں وہابی ودیوبندی نیت اقتداء کے باوجود مقتدی نہیں ہوتے، بلکہ اپنے کفر کے سبب نماز سے باہر ہوتے ہیں، اس لئے مقتدیوں کی نیت میں وہ ہرگز شامل نہ ہوں گے، وہ خود ہی خارج ہیں، اس لئے امام مقتدیوں کی بھی نیت کرے۔عمرو شرعی حکم بتانے میں اس طرح کی جرأت نہ کرے اور غلط مسئلہ بتانے پر توبہ کرلے۔

حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يسلم على اخيه من على يمينه وشماله۔ (جامع ترمذی، ص۱۸۱، ج۱، باب النهی عن

رفع البصر الى السماء فی الصلوۃ)

اور ہدایہ میں ہے:

ثم يسلم عن يمينه فيقول السلام عليكم ورحمة الله وعن يساره مثل ذلك بما روى ابن مسعود ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يسلم عن يمينه حتى يرئ بياض خدة الايمن وعن يساره حتى يرى بياض خدة الايسر وىنوى بالتسليم الاولى من على يمينه من الرجال والنساء والحفظة وكذلك فى الثانية لان الاعمال بالنيات ولا ينوى النساء فى زماننا ولا من شركت فى صلوته هو الصحيح لان الخطاب حظ للحاضرين ولا بد للمقتدى من نية امامه فان كان الامام من جانب الايمن او الايسر نواه فيهم. اه (ج۱، ص ۹۴، باب صفة الصلوة) والله تعالىٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: سید نعمان احمد
۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

مسجد کی جانب اٹھنے والے ہر قدم پر دس نیکیاں ہیں سواری سے جانے والوں کے لئے یہ نیکیاں ہیں یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

نماز کے لئے مسجد جاتے وقت ہر قدم پر دس نیکیاں ملتی ہیں، اگر کوئی سائیکل یا موٹر سائیکل سے نماز پڑھنے جاتا ہے تو کیا اس ثواب سے محروم رہ جاتا ہے؟ المستفتی: قاری شبیر احمد جونپوری

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب پیدل چل کر مسجد جانے کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے:

عن عقبة ابن عامر رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من توضأ فجمع ثيابه ثم خرج الى المسجد كتب له كاتب بكل خطوة عشرة حسنات والمرء فى الصلوة ما كان ينتظر الصلوة يكتب من المصلين من حين يخرج من بيته حتى يرجع۔ اھ

(کنز العمال، ج ۴، ص ۱۲۳/ ۱۲۲، حدیث ۲۶۳۹)

(ترجمہ) عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو وضو کرے اور کپڑے پہن کر تیار ہو اور مسجد کو نکلے، ہر قدم کے بدلے فرشتہ دس نیکیاں لکھتا ہے اور نمازی جس وقت

گھر سے نکلتا ہے واپسی تک نماز پڑھنے والوں میں لکھا جاتا ہے۔"

اور دوسری حدیث پاک میں ہے:

عن ابن عباس قال كانت الانصار بعيدة منازلهم من المسجد فارادوا يقتربوا فنزلت ونكتب ما قدموا اٰثارهم قال فثبتوا۔ اھ (سنن ابن ماجه، ج۱،ص۵۷،باب الابعد فالابعد من المسجد اعظم اجری)

(ترجمہ) ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں کہ انصار کے گھر مسجد سے دور تھے۔ انھوں نے قریب آنا چاہا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جو انھوں نے نیک کام آگے بھیجے وہ اور ان کے نشان قدم ہم لکھتے ہیں تو ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ وہیں رہ گئے۔

ان احادیث میں ثواب کی بشارت پیدل چل کر آنے پر دی گئی ہے اور قدموں کے لحاظ سے حسنات عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ یہ فضیلت پیدل چلنے پر ہے اور سواری سے جانے پر یہ ثواب ملے گا یا نہیں ملے گا، اس کی صراحت میری نظر سے نہیں گزری، البتہ اتنا ضرور ہے کہ سواری پر جانے کا ثواب پیدل جانے کے ثواب سے کم ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ولا بأس بالركوب في الجمعة والعيدين والمشي افضل في حق من يقدر عليه كذا في الظهيرية۔ اھ (ج۱،ص۱۴۹) واللہ تعالٰی اعلم

کتبہٗ: سید نعمان احمد
۲ / ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

ہر پندرہ، بیس منٹ پر ریاح خارج ہو تو معذور ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

رمضان المبارک میں کھانے پینے کا وقت بدلنے سے اکثر ریاح کی بیماری ہو جاتی ہے۔ ہر ۱۵-۲۰ منٹ پر ریاح خارج ہوتی رہتی ہے تو کیا ایک مرتبہ وضو کر کے ایک ہی مجلس میں دیر تک تلاوت کی جاسکتی ہے؟ جبکہ پڑھنے والا حافظ نہیں ہے، اسے قرآن مجید کے ورق کو ہاتھ سے الٹنا پڑتا ہے اور کیا جسے یہ بیماری ہو وہ ایک ہی وضو سے پوری تراویح پڑھ سکتا ہے یا ریاح خارج ہونے پر ہر مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: صوفی محمد صدیق نوری، ۲۰ / جواہر مارگ، اندور (ایم پی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ایسا شخص جسے ہر ۱۵-۲۰ منٹ پر ریاح خارج ہوتی ہے وہ شرعی معذور نہیں بلکہ شرعی معذور وہ ہے کہ جس کی بیماری اسے اتنی مہلت نہ دے کہ وہ کسی ایک وقت میں وضو کر کے فرض نماز باطہارت ادا کر سکے۔ بہار شریعت، ج ۲، ص ۸ میں ہے "ہر وہ شخص جس کو کوئی ایسی بیماری ہے کہ ایک وقت پورا ایسا گزر گیا کہ وضو کے ساتھ نماز فرض ادا نہ کر سکا وہ معذور ہے۔" لہٰذا صورت مذکورہ میں جبکہ ۱۵-۲۰ منٹ کا وقفہ ملتا ہے، جس میں فرائض واجبات بآسانی ادا کئے جاسکتے ہیں تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ ہر بار تازہ وضو کر کے نماز پڑھے اور یوں ہی قرآن پاک بھی بغیر وضو چھونا حرام ہے، لہٰذا قرآن شریف چھونے اور اس کا ورق الٹنے کے لئے ہر مرتبہ وضو کرے یا ہاتھ میں کپڑا لے کر ورق پلٹے۔ قرآن پاک میں ہے:

لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "(ومنها) حرمة مس المصحف لا يجوز لهما وللجنب والمحدث مس المصحف الا بغلاف متجاف عنه كالخريطة والجلد الغير المشرز لا بما هو متصل به هو الصحيح هكذا في الهداية۔" (ج ۱، ص ۳۸)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: شرط ثبوت العذر ابتداء ان يستوعب استمراره وقت الصلوٰة كاملا وهو الاظهر كالانقطاع لا يثبت مالم يستوعب الوقت كله حتى لو سال دمها في بعض وقت صلاة فتوضأت وصلت ثم خرج الوقت ودخل وقت صلاة اخرى وانقطع دمها فيه اعادت تلك الصلوة لعدم الاستيعاب۔ (ج ۱، ص ۴۰) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد شمیم المصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۷ ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ

چوڑی دار پاجامہ پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

چوڑی دار پاجامہ پہننا اور پہن کر مرد و عورت کو نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: قاری شبیر احمد جونپوری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب چوڑی دار پاجامہ مرد و عورت دونوں کے لئے ممنوع ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ شریف

میں ہے: "چوڑی دار پاجامہ پہننا منع ہے کہ وضع فاسقوں کی ہے۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آداب اللباس میں فرماتے ہیں "سراویل کہ در عجم متعارف است، اگر زیر ستالنگ باشد یا دو سہ چہین واقع شود بدعت و گناہ است۔" (ترجمہ) شلوار جو عجمی علاقوں میں مشہور و معروف ہے، اگر ٹخنوں سے نیچے ہو یا دو تین انچ (سکن) نیچے ہو تو بدعت و گناہ ہے۔" (ص ۱۰۷، ج ۹، نصف اول)

اب اگر وہ کپڑا دبیز ہے جس سے بدن چھپ جاتا ہے، جھلکتا نہیں ہے، مگر وہ بدن سے اس قدر چمٹا ہوا ہے کہ بدن کا نشیب و فراز ظاہر ہوتا ہے تو ایسے کپڑے میں گو کہ نماز ہو جائے گی، مگر ایسا کپڑا لوگوں کے سامنے پہننا عورتوں کو ناجائز و گناہ ہے اور مردوں کو بھی نہ چاہئے۔

درمختار میں ہے:

اما لو كان غليظا لا يرى منه لون البشرة الا انه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئيا فينبغي ان لا يمنع جواز الصلوة لحصول الستر. (ج ۲، ص ۸۴، باب شروط الصلوٰۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: سید نعمان احمد**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲ رذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

چپل پہن کر نماز پڑھنے کا حکم، کرسی پر نماز پڑھنے والا سجدہ اشارے سے کرے، چند سورتیں ایک ساتھ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پینا کیسا ہے؟ دم کئے تیل کو پیروں پر لگانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

آٹھ ماہ ہوئے، میرا ایک پیر فریکچر ہو گیا۔ چونکہ مجھے Asthama (دمہ) کی شکایت ہے اور کمزوری کی وجہ سے آپریشن نہیں کر سکے۔ ہڈی فریکچر ہو کر ہڈی پر چڑھ گئی ہے، جس کی وجہ سے میرا وہ پیر سکڑ کر لمبائی میں چھوٹا ہو گیا اور اس کے بیلنس کے لئے میں اونچے تلوے والی چپل استعمال کرتی ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ فریکچر والا پیر فولڈ نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے میں دوزانوں بیٹھ کر نماز ادا نہیں کرتی ہوں۔ اگر بیٹھ کر نماز ادا کروں تو وہ پیر کا رخ قبلہ کی جانب ہوتا ہے جو کہ خلاف ادب ہے، اس لئے اب میں کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرتی ہوں، البتہ قیام، رکوع، قومہ کے لئے کھڑی رہ سکتی ہوں ایک پیر پر، لیکن بعض اوقات ایک پیر پر کھڑے ہونے کی وجہ سے

بیلنس بگڑ جاتا ہے اور نادانستہ طور پر فریکچر والے پیر کا سہارا لینا پڑتا ہے، جس سے نماز میں جنبش ہو کر خلل پیدا ہوتا ہے۔ (۱) سوال یہ ہے کہ نماز کے وقت کیا میں ایک پیر کی اونچے تلوے والی چپل پہن کر نماز ادا کر سکتی ہوں۔ (۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ کرسی پر نماز میں سجدہ کرتے وقت دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں کہاں رکھے اور سجدہ کے لئے کتنا جھکنا چاہئے؟ (۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ ایک گلاس پانی میں سورۂ یٰسین، سورۂ ملک، دعائے گنج العرش، اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۹۹ اسمائے حسنیٰ، آیتیں شفا کی پڑھ کر ایک ساتھ میں دم کر کے پی سکتی ہوں؟ اسی طرح پیروں کے مساج کے لئے جو تیل استعمال کرتے ہیں، اس تیل پر آیتیں پڑھ کر کمر اور پیروں کی مالش کر سکتے ہیں؟ **المستفتی:** صغریٰ بشیر قادری، دربار کالونی، مکند نگر، احمد نگر (مہاراشٹر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) آپ کے بیان سے معلوم ہوا کہ آپ بیلنس کے لئے اونچے تلوے والی چپل استعمال کرتی ہیں۔ استعمالی چپل عند التحقیق پہن کر نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ ہاں اگر وہ چپل نئی بالکل غیر استعمالی ہو تو اسے پہن کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں، بلکہ افضل ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۴۴۴ میں ہے، للہذا آپ غیر استعمالی چپل پہن کر نماز ادا کر سکتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں مسنون طور پر سجدہ نہیں ہو سکتا، اس لئے یہاں اشارے سے سجدہ کا حکم ہے۔ بس یہ لحاظ رکھیں کہ سجدہ کے لئے رکوع سے کچھ زیادہ جھکیں۔ ایسا ہی بہار شریعت ج ۴ ص ۶۰ میں ہے۔ درمختار میں ہے:

ویجعل سجودہ اخفض من رکوعہ لزوماً۔

ردالمحتار میں اسی کے تحت ہے: وانہ لایلزمہ تقریب جبھتہ من الارض باقصیٰ ما یمکنہ کما بسطہ فی البحر عن الزاھدی۔ (ج ۲، ص ۵۶۸)

چند سطر بعد اسی میں ہے: (وھو یخفض برأسہ لسجودہ اکثر من رکوعہ صح) علی انہ ایماء لا سجود۔ (ج ۲، ص ۵۶۸) اور سجدہ کے لئے اشارہ کے وقت دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ساتھ پیر رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ایک گلاس پانی میں سورۂ یٰسین، سورۂ ملک، دعائے گنج العرش، اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۹۹ اسمائے حسنیٰ اور آیت شفا پڑھ کر ایک ساتھ دم کر کے آپ وہ پانی پی سکتی ہیں۔ فتاویٰ امجدیہ میں ہے: پانی پر دم کرنا اور اسے پینا جائز ہے۔ صحابۂ کرام نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے فعل کو جائز رکھا۔ (ج ۴، ص ۳۴۳) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ میں فرمایا: یا حفیظ پڑھ کر دم

کرے اور وہ پانی پی لے۔ (ج ۱۲، ص ۲۹۹) پیروں کے مساج کے لئے جو تیل استعمال کرتے ہیں اس تیل پر آیتیں پڑھ کر کمر اور پیروں کی مالش حصول برکت وشفا کے لئے جائز ہے، جیسا کہ پینا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: محمد اکبر علی المصباحی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — **۸ ررجب المرجب ۱۴۲۳ھ**

نماز کا فدیہ کیا ہے؟

مسئلہ زید کے ذمہ کچھ نمازیں ہیں جسے وہ بحالت مرض نہ پڑھ سکا اس کے فدیہ کی کیا صورت ہوگی۔ ایک نماز کے بدلے آدھا صاع یا ایک صاع کہا جاتا ہے اسے روپئے یا غلہ کی وہ صورت بتایئے کہ ایک نماز کے بدلے اتنا روپیہ یا اتنا کلو غلہ دینا ہوگا؟

المستفتی: محمد حنیف خاں ذائقہ بریانی سینٹر چاندنی چوک رائیگڈھ (پنجاب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ایک نماز کا فدیہ ایک صاع جو یا آدھا صاع گیہوں ہے۔ ایک صاع کا وزن ۴ کلو ۹۴ گرام ہے اور آدھا صاع کا وزن ۲ کلو ۴۷ گرام ہے اور اگر اس کی قیمت کا فدیہ ادا کرنا چاہیں تو بازار میں متوسط گیہوں یا جو کی جو قیمت ہو وہ ادا کی جائے۔

فتاویٰ امجدیہ میں ہے: اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی تحقیق یہ ہے کہ نصف صاع کی مقدار ایک سو چھتر روپے اٹھنی بھر اوپر ہے۔ لہٰذا اگر گیہوں دیں تو نصف صاع جس کی مقدار ذکر کی گئی اور اگر جو دینا چاہیں تو پورا ایک صاع جس کی مقدار تین سو اکاون بھر روپے بھر ہے اور اگر کسی دوسرے غلہ سے صدقہ دینا چاہیں تو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو کی قیمت کا وہ غلہ دیں یا قیمت ہی کو صدقۂ فطر میں دے دیں۔ (ج ۱، ص ۳۸۳)

محقق عصر حضرت مفتی نظام الدین صاحب رضوی برکاتی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ گیہوں سے صدقۂ فطر کی مقدار ۲ کلو ۴۷ گرام ہے اسی پر عامۂ علمائے اہل سنت مدارس اہل سنت وعوام اہل سنت کا تعامل ہے اور عند التحقیق یہی حق وصحیح ہے۔ لہٰذا مسلمان اسی پر عمل کریں اور کسی شک وشبہ میں نہ پڑیں۔ (ماہنامہ اشرفیہ اگست ۲۰۰۴ء ص ۷)

فتاویٰ امجدیہ میں ہے ”صدقۂ فطر میں گیہوں اور جو کی جگہ پر ان کی قیمت دینا بھی جائز ہے اور قیمت میں بازار کے نرخ کا اعتبار ہوگا آج کل جہاں کنٹرول ہے کنٹرول ہی کی قیمت مقرر کردہ اصلی قیمت شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا کنٹرول کے حساب سے گیہوں کی قیمت ادا کرنے سے۔ ان شاء اللہ صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا

(ج۱ص۳۸۶) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی
کتبہٗ: محمد محسن المصباحی
۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

قیام پر قادر ہے مگر رکوع وسجود پر نہیں تو قیام فرض نہیں قیام رکوع وسجود پر قادر نہ ہو تو کرسی پر پڑھ سکتا ہے، کرسی کہاں لگائی جائے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

(۱) جو شخص رکوع وسجود پر قادر نہیں ہے لیکن کچھ دیر قیام کر سکتا ہے تو کیا اس پر اتنی دیر کا قیام فرض ہے؟

(۲) جو شخص قیام پر قادر نہیں ہے تو کیا کرسی پر بیٹھ کر با جماعت نماز پڑھنے کی اجازت ہے اس سے قطع صف ہوگی یا نہیں؟

(۳) کچھ لوگ عذر کی وجہ سے مسجد میں کرسی بچھا کر نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کے لیے آگے ٹیبل رکھتے ہیں اسی ٹیبل پر سجدہ کرتے ہیں تو کیا طریقہ مذکورہ پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟ جزئیات کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام۔

المستفتی: محمد جیلانی ابن ذوالفقار علی غریب نواز کالونی، سائی نگر، رضا چوک ناندیڑ، مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) جو شخص مرض یا کسی عذر کی وجہ سے رکوع وسجود پر قدرت نہیں رکھتا ہے، البتہ کچھ دیر قیام کر سکتا ہے تو اس پر اتنی دیر کا قیام فرض نہیں ہے اسے چاہیے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے اور اگر کھڑے ہو کر اشارہ سے پڑھی تو بھی اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ ہندیہ "باب صلوٰۃ المریض" میں ہے

"وكذا لو عجز عن الركوع والسجود وقدر على القيام فالمستحب ان يصلي قاعدا بايماء وان صلى قائماً بايماء جاز عندنا هكذا في فتاوى قاضيخان" اھ (ج۱ ص۱۳۶) ایسا ہی قدوری ص۲۸ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲-۳) جو شخص قیام اور رکوع وسجود پر قادر نہیں ہے وہ معذور ہے اور اسے عذر کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر اور ٹیبل پر سجدہ کرنے کی اجازت ہے اس کی وجہ سے صف کا منقطع ہونا لازم نہیں آئے گا۔ ہاں کرسی صف سے متصل کنارے پر لگائیں تاکہ بیچ میں خلا نہ رہے اور اگر کنارے لگانا ممکن نہ ہو مثلاً صف مکمل نہ ہوئی اس وقت آیا تو اب چونکہ کنارے لگانے پر قطع صف لازم آئے گا اس لیے بیچ ہی میں لگائے، البتہ کرسی اور ٹیبل

ایسے ہوں جو زیادہ جگہ نہ گھیریں۔ فتاویٰ ہندیہ "باب صلوٰۃ المریض" میں ہے

"وان عجز عن القيام والركوع والسجود وقدر على القعود يصلى قاعدا بايماء ويجعل السجود أخفض من الركوع كذا في فتاوى قاضيخان." اھ (ج ۱ ص ۱۳۶) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: زبیر احمد القادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۱ / ذی القعدہ ۱۴۲۹ھ

قیام میں دونوں پیروں میں چار انگل کا فاصلہ مسنون ہے

وہابیہ کے مذہب "پیر سے پیر ملانے" کا رد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

انوار شریعت میں نماز پڑھنے کے طریقہ میں لکھا ہے کہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہونے پر دونوں پاؤں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھا جائے اور ہم تمام مسلمان اسی طریقے سے نماز پڑھتے ہیں لیکن اس وقت ہم لوگ جیل میں نماز جماعت سے پڑھتے ہیں مگر یہاں کے عالم جب ہم لوگ جماعت میں کھڑے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک دوسرے سے پیر سے پیر ملا کر کھڑے ہوں اور یہاں ہم لوگ پیر نہیں ملاتے اس لیے بحث ہو جاتی ہے۔ ہم کو بخاری شریف میں حوالہ کے ساتھ دیکھاتے ہیں جو یہ ہے:

"كتاب الصلوٰة، كتاب الاذان، كتاب الامامة، باب الزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في الصف."

یہ صحیح ہے کہ آپ کی کتاب "انوار شریعت" میں صحیح ہے؟

المستفتی: بوعبد المنان خاں، ایریرروڈ جیل ممبئی، سرکل نمبر 8/2 یوٹی، نمبر 763 ممبئی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب حالت نماز میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنا مسنون ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے "يسن تفريج القدمين في القيام قدر اربع اصابع۔" (ص ۱۴۳، فصل في بيان سننها) نیز اس طرح کھڑا ہونا ادب اور خشوع وخضوع کے زیادہ قریب ہے، ردالمحتار میں ہے۔

"وينبغي ان يكون بينهما مقدار اربع اصابع اليد لانه اقرب إلى الخشوع كذا روي عن ابي نصر الدبوسي انه كان يفعله كذا في الكبرى۔" (ج ۱ ص ۴۴۴ بحث القيام)

جس عالم نے یہ مسئلہ بتایا کہ ایک دوسرے کے پیر سے پیر ملا کر کھڑے ہوں اور حدیث کا غلط مفہوم

بتایا وہ وہابی غیر مقلد ہے، اس کے مذہب کی بنیاد اسلام کے خلاف ایک نئے مذہب پر ہے جس میں بہت سے کفری عقائد پائے جاتے ہیں اس لیے اس کے پیرو کار کافر اسلام سے خارج ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کے بتائے ہوئے مسئلہ پر کان نہ دھریں، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کہ ان کی نماز باطل ہے، ان سے دور ونفور رہیں۔

اس غیر مقلد عالم نے "الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم" کا جو معنی بیان کیا کہ پیر سے پیر ملا کر یعنی دونوں ٹانگوں کو پھیلا کر کھڑے ہوں یہ امت کے تعامل کے بالکل خلاف ہے، پوری امت نے "الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم" کے یہ معنیٰ مراد لیے ہیں کہ صفوں میں ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہوں اور یہ اتصال صفوف میں مبالغہ پر محمول ہے۔ انسان کی ساخت ایسی ہے کہ مونڈھا سے مونڈھا ملانے کے بعد پاؤں سے پاؤں ملانے میں کافی دقت ودشواری پیدا ہوگی اور کھڑے ہونے کی ہیئت بھی بھونڈی ہو جائے گی، دقت ودشواری کی وجہ سے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوگا۔ کوئی بھی غیر مقلد ایسی حدیث نہیں پیش کر سکتا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم سے قدم ملانے کا حکم دیا ہو اور اس حدیث میں جو مذکور ہے یہ دراصل راوی کی جانب سے ہے کہ انہوں نے جو اتصال کا منظر دیکھا اس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے نزھۃ القاری ج ۳، ص ۱۸۳ دیکھیں۔

امام بدرالدین عینی علیہ الرحمہ "کان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ۔" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"وأشار بھذا إلی المبالغۃ فی تعدیل الصفوف وسد الخلل فیہ وقد وردت احادیث کثیرۃ فی ذلک۔" (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج: ۵، ص ۲۵۹، باب تسویۃ الصفوف فی الصلوٰۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد وقار علی احسانی علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۸ ربیع النور ۱۴۲۹ھ

فوم، قالین، کمبل وغیرہ پر سجدہ کرنا کیسا ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

نرم فرش پر سجدہ کرنا کیسا ہے؟ آج کل کشمیر میں اکثر مساجد میں فوم کا فرش بچھا ہوا ہوتا ہے اور اس کے یعنی فوم کے اوپر ٹاٹ یا وال ٹو وال (Wall to wall) یا کمبل یا قالین یا نمدہ وغیرہ لگایا جاتا ہے جس

سے فرش نرم پڑ جاتا ہے اور سجدہ کرنے میں دشواری ہوتی ہے تو ایسی صورت میں اس پر نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفار وانی، ہمدانیہ مشن، انسٹی ٹیوٹ، مونگہامہ، پلوامہ، کشمیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب نرم فرش مثلاً قالین، کمبل وغیرہ پر سجدہ کرنا اس وقت جائز ہے جب اس پر ناک اور پیشانی خوب اچھے طریقے سے جم جائیں یعنی اتنا دب جائیں کہ اب دبانے سے نہ دبے، ورنہ نہیں اور جب سجدہ نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی کیونکہ سجدہ فرائض نماز سے ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"لو سجد على الحشيش أو التبن أو على القطن أو الطنفسة أو الثلج ان استقرت جبهته وانفه ويجد حجمه يجوز وان لم تستقر لا." اھ (ص۷۰، ج۱) ایسا ہی بہار شریعت ص۷۱ حصہ سوم میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: غلام نبی النظامی العلیمی
۲۲ر شوال المکرم ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

تبلیغی جماعت و جماعت اسلامی سے میل جول رکھنے والا فاسق ہے

امام کسی دن بڑی کے بجائے چھوٹی تراویح پڑھادے

تو بدگمانی صحیح نہیں، تراویح میں درود کے بعد سلام پھیر سکتے ہیں

مسئلہ میری دوکان جس مسجد کے پاس ہے وہاں کے امام صاحب تعویذ وغیرہ کا کام کرتے ہیں اور مسجد میں امامت بھی کرتے ہیں اور ان کا تعلق جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت سے بھی ہے۔ ان سے مصافحہ کرتے ہیں فاتحہ بھی پڑھتے ہیں لیکن وہ کبھی جشن عید میلاد النبی اور دینی جلسوں میں شریک نہیں ہوتے وہ اپنے آپ کو سنی بھی کہتے ہیں۔ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

میرا گھر جامع مسجد کے قریب ہے فجر و عشاء کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتا ہوں باقی تینوں دوکان کے پاس کی مسجد میں، جامع مسجد کے امام کا حال یہ ہے کہ خود کو حافظ کہتے ہیں مگر گزشتہ سال رمضان میں ایک دن ایک دوسرے حافظ صاحب آ گئے تو انہوں نے بڑی تراویح کے بجائے چھوٹی تراویح پڑھائی پوچھنے پر کہا کہ میری طبیعت علیل ہے۔ امسال تراویح تو بڑی پڑھائی لیکن درود ابراہیمی کے بعد سلام پھیر دیتے ہیں مقتدیوں نے جب اعتراض کیا کہ ہماری دعائے ماثورہ پوری نہیں ہوتی اور آپ سلام پھیر دیتے ہیں تو وہ بولے آپ کی نماز ہو جائے گی دریافت یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہم مسجد میں جائیں گے تو ہمیں

ان کو دیکھ کر بغض وحسد پیدا ہوگا اور ہم غیبت کریں گے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب اوّل الذکر امام کا اہل سنت وجماعت سے ہونا مشتبہ ہے اور اگر وہ سنی ہو بھی تو جب وہ تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی والوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان سے سلام ومصافحہ کرتا ہے تو وہ فاسق معلن ضرور ہے اور فاسق معلن کی اقتدا میں نماز مکروہ تحریمی یعنی پڑھنی گناہ اور پڑھ لیا تو پھیرنی واجب۔ ردالمحتار میں ہے:

"لاینبغی ان یقتدی بالفاسق اھ" (ص ۵۶۰، ج ۱)

اور فتاویٰ رضویہ میں ہے: "فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب" اھ (ص ۲۵۲، ج ۳) لہٰذا اگر قریب میں کوئی سنی مسجد ہو جس کا امام سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق جامع شرائط امامت ہو تو وہاں جائے ورنہ تنہا پڑھ لے۔

جامع مسجد کے مذکورہ امام کے پیچھے نماز جائز ودرست ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو، اگر اس نے کسی دن بجائے بڑی کے چھوٹی تراویح پڑھا دی تو اس سے یہ سمجھنا کہ اسے قرآن یاد نہیں بدگمانی ہے بلاتحقیق اس کی اجازت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

"ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث" اھ (بخاری ص ۹۹۵، ج ۲)

اور تراویح کی نماز میں درود کے بعد سلام پھیر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ لوگوں کی آسانی کے پیش نظر ایسا کرنا جائز ہے۔ البتہ جب مقتدی چاہتے تھے تو امام کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا تاہم نماز تراویح ہوگئی اور یہ کہنا کہ ہم مسجد میں جائیں گے تو ہمیں ان کو دیکھ کر بغض وحسد پیدا ہوگا اور ہم غیبت کریں گے یہ ترک جماعت کے لئے عذر نہیں سائل پر لازم ہے کہ اپنے سینے کو اس سے پاک رکھے اور بلا وجہ شرعی کسی امام یا مسلمان کی غیبت نہ کرے نہ کسی سے بغض وحسد رکھے اور نہ ہی اپنی اس کی کو ترک جماعت کا حیلہ بنائے۔ نیز سائل پر لازم ہے کہ مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرے اور ان باتوں سے باز رہے کہ یہ امام مشتبہ الحال نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** فیض محمد القادری المصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

جس کے والدین کافر ہوں ایسی دُعائے ماثورہ پڑھے جس میں والدین کے لئے دُعائے مغفرت نہ ہو، زندگی میں کافر کے لئے ہدایت کی دُعا جائز ہے بعد موت ہدایت ومغفرت کی دُعا جائز نہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

علی رضا نو مسلم ہے اس کے گھر والے ابھی تک غیر مسلم ہیں علی رضا کے ماں باپ کی موت حالت کفر میں ہوئی تھی علی رضا ایک نمازی آدمی ہے اور پانچوں وقت پابندی کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے زید نے علی رضا کو بتایا کہ تم نماز میں دعائے ماثورہ مت پڑھا کرو تمہاری نماز بغیر دعائے ماثورہ کے ہو جائے گی اس لئے تمہارے والدین کافر ہیں اور کافروں کے لئے دعائے مغفرت درست نہیں اور دعائے ماثورہ میں والدین کے لئے مغفرت کی دعا ہے تشریح فرمائیں کہ کیا واقعی علی رضا نو مسلم کے لئے قعدہ اخیرہ میں دعائے ماثورہ نہیں پڑھنی ہے؟ بغیر دعائے ماثورہ کے نماز ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی: محمد ریاض الدین، رضوی سوروپ نگر، دہلی**

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب یہ تو صحیح ہے کہ نماز بغیر دعائے ماثورہ کے بھی ہو جائے گی مگر مطلقاً اس سے ممانعت بجا نہیں حدیث پاک میں بہت سی ماثورہ دعائیں وارد ہیں جن میں کچھ وہ بھی ہیں جن میں کافر ماں باپ کے لئے دعائے مغفرت نہیں پائی جاتی وہ پڑھیں اور وہ دعائے ماثورہ جس میں والدین کے لئے مغفرت کی دعا ہے کافر ماں باپ کے لئے نہ پڑھے کہ اسے فقہا نے کفر تک لکھا ہے، لہٰذا جس شخص کے والدین کافر ہوں وہ شخص یہ دعا نہ پڑھے نہ نماز کے اندر نہ بیرون نماز کہ مرے ہوئے کافر کے لئے مغفرت کی دعا کفر ہے۔ ہاں ان کی زندگی میں ہدایت کی دعا مانگ سکتا ہے لیکن بعد وفات تو مطلقاً کسی کافر کے لئے کسی قسم کی دعا مانگنی جائز نہیں، نہ ہدایت کی کہ اب یہ بیکار ہے نہ بخشش کی کہ یہ کفر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ" (التوبہ، الآیت ۱۱۳)

یعنی نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ انھیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"فی الحلیة نقلا عن القرافی و اقره الدعاء بالمغفرة للكافر كفر لطلبه تكذيب الله تعالى فی ما اخبر به" اھ (ص ۵۳، ج ۴)

یہ شخص اس کی جگہ حدیث میں وارد دوسری دعا پڑھے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعلیم فرمائی حدیث شریف میں ہے:

"حدثنا قتيبة ابن سعيد عن ليث عن يزيد بن ابی حبيب عن ابی الخير عن عبد الله ابن عمرو عن ابی بكر ن الصديق رضی الله عنه انه قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم علمنی دعاء ادعوا به فی صلاة قال قل اللهم انی ظلمت نفسی ظلما كثيرا و لا يغفر الذنوب

الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم۔

حضرت قتیبہ ابن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے نماز کے اندر پڑھنے کے لئے کوئی دعا سکھائیے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نماز میں پڑھا کرو۔

"اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم۔" (بخاری باب الدعا قبل السلام، ص ۱۱۵، ج۱)

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد حسین الرضوی

الجواب صحیح: محمد ابراراحمد امجدی برکاتی — ۲۹ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ

نماز کا وقت جارہا ہو اور سواری میں بھیڑ کے سبب وضو و نماز ممکن نہ ہو تو جس طرح ممکن ہو پڑھ لے پھر اعادہ کرلے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

بس سے سفر کررہا ہے اور اجنبی جگہ ہے نماز کا وقت جارہا ہے، کہنے پر بھی ڈرائیور بس نہیں روکتا یا سواری کے لئے اتنی قلیل مدت میں روک کر گاڑی چالو کردی کہ وضو و نماز کا ادا کرنا ممکن نہ ہوا، تو ایسی شکل میں نماز قضا کرے یا بس چھوڑ دے یا کیا کرے، یونہی کبھی ٹرین میں اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ ذرا بھی اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ رکوع یا سجدہ کیا جاسکے، ایسی شکل میں کبھی مسافر بیٹھا ہوتا ہے، کبھی کھڑا، نہ وضو کرنے کے لئے باتھ روم تک جانے کی آسانی ہوتی ہے تیمم بھی ممکن نہیں ہوتا ایسی شکل میں نماز کیسے پڑھے یا کیا کرے؟

المستفتی: صوفی محمد صدیق نوری ۲۰ ر جواہر مارگ، اندور (ایم۔ پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ایسی صورت میں کہ بس نہ رکنے کی وجہ سے اور ٹرین میں اتنی بھیڑ ہونے کی وجہ سے کہ نہ اس میں وضو کرنے کی گنجائش ہو اور نہ اس میں نماز پڑھنا ممکن ہو اور نماز کا وقت جارہا ہے تو جس طرح بھی ممکن ہو اشارے وغیرہ سے نماز پڑھ لے، پھر جب موقع ملے اس نماز کا اعادہ کرلے، کہ جہاں بندوں کی طرف سے کوئی شرط یا رکن مفقود ہو اس کا یہی حکم ہے اور وضو و تیمم ممکن نہ ہو تو احترام وقت کے لئے پڑھے بعد میں باوضو نماز پڑھے۔ درمختار میں ہے:

"و المحصور فاقد الماء و التراب الطھورین بان حبس فی مکان نجس ولا یمکنه

اخراج تراب مطهر، و كذا العاجز عنهما لمرض يوخرها عنده و قالا: يتشبه بالمصلين وجوباً فيركع و يسجدان وجد مكانا يابساً و الا يومي قائماً ثم يعيد كالصوم به يفتي و اليه صح رجوعه اى الامام كما في الفيض اه (ص ۲۵۲، ج ۱)

ردالمحتار میں ہے:

"مسافر لايقدر ان يصلي على الارض لنجاستها و قد ابتلت الارض بالمطر يصلي بالايماء اذا خاف فوت الوقت" اه۔ (ص ۴۱، ج ۲)

اور اسی میں ہے: "و الحاصل ان كلامن اتحاد المكان و استقبال القبلة شرط في صلاة غير النافلة عند الا مكان لايسقط الا بعذر فلو امكنه ايقافها مستقبلاً فعل، اما اذا كانت سائرة يصلي حيث شاء اه يعني اذا كان لايمكنه ايقافها لخوف فوت الرفقة مثلا يصلي إلى اي جهة كانت۔" اه ملخصاً (ص ۴۲، ج ۲)

اور اسی میں ہے: "قوله لا يعيد اي في سقوط الشرائط أو الاركان لعذر سماوي بخلاف مالو كان من قبل العبد" اه (ص ۱۰۰، ج ۲)

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: "جب اسٹیشن پر گاڑی ٹھہرے اس وقت یہ نمازیں پڑھے اور اگر دیکھے کہ وقت جاتا ہے تو جس طرح بھی ممکن ہو پڑھ لے پھر جب موقع ملے اعادہ کرے کہ جہاں من جهة العباد کوئی شرط یا رکن مفقود ہو تو اس کا یہی حکم ہے۔" اھ (بہار شریعت ص ۱۹، حصہ چہارم) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: غلام نبی النظامی العلیمی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۲ ر ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

امام ایک بالشت اونچائی پر ہو تو نماز مکروہ ہوگی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ملت اس مسئلہ میں:

نماز میں اگر امام ایک بالشت اونچائی پر اور اندرونی جگہ میں ہو اور مقتدی برآمدے میں نیچی جگہ میں ہو تو کیا نماز میں کراہت تو نہیں ہوگی؟ **المستفتی: قاری شبیر احمد مدرسہ حنفیہ محمد عالم خان، جون پور**

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب یہ صورت مکروہ ہے کہ امام کا مقام مقتدیوں کے مقام سے الگ و ممتاز ہے اور امام اور مقتدیوں کی جگہ میں ایسا فرق و امتیاز مکروہ ہے۔ ردالمحتار

"مطلب مکروہ الصلاۃ" میں ہے:"الأصح ما روی عن أبی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه انه قال اکره للامام أن یقوم بین الساریتین أو زاویة أو ناحیة المسجد أو إلی ساریة لأنه بخلاف عمل الأمة." اھ (ص ٦٤٦، ج١)

درمختار "باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیھا" میں ہے:

"کره انفراد الإمام علی الدکان... و قیل ما یقع به الامتیاز و هو الاوجه ذکر الکمال وغیرہ" ملخصاً (ص ٦٤٦، ج١)

رد المحتار میں ہے: "هو ظاهر الروایة کما فی البدائع قال فی البحر و الحاصل أن التصحیح قد اختلف و الاولیٰ العمل بظاهر الروایة و إطلاق الحدیث اھ و کذا رجحه فی الحلیة." اھ (ص ٦٤٦، ج١) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد رئیس برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۰ ربیع النور ۱۴۲۸ھ

سجدے میں دُعا مانگے تو ہاتھ کہاں رکھے؟

دُعا میں ہاتھوں کو ملا رکھیں یا جدا رکھیں اور کتنے اوپر اٹھائیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ آداب دعا کے بارے میں کچھ حدیثوں میں بتایا گیا ہے۔ حدیث شریف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سجدہ کی حالت میں بندہ خدا سے بہت نزدیک ہوتا ہے لہٰذا سجدہ میں بہت دعا مانگا کرو (مسلم) اور فرمایا سجدہ کی حالت میں دعا قبول ہوتی ہے۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ جب سجدہ میں آدمی/انسان دعا مانگے تو دعا مانگتے وقت (سجدہ میں) ہاتھ کیسے رکھے جائیں؟ کیا ہاتھ اس طریقہ پر (یعنی الٹے) رکھے جائیں جیسے نماز میں سجدہ کی تسبیح پڑھتے وقت رکھے جاتے ہیں۔ یا سیدھے جیسے عام طور پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔

(۲) دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں تو کیا ہاتھوں کو ملا کر رکھنا چاہیے۔ یا درمیان میں تھوڑا فاصلہ رکھنا چاہیے۔ اور کس قدر اوپر اٹھائے جائیں؟ بینوا توجروا المستفتی: الحاج غلام حسین مغل جموں و کشمیر

الجواب (۱) سجدہ کی حالت میں دعا مانگتے وقت ہاتھ اسی طریقہ پر رکھے جائیں جیسے نماز میں سجدہ کی تسبیح پڑھتے وقت رکھے جاتے ہیں۔

(۲) سجدہ کے علاوہ دعاؤں کے لیے ہاتھ سینے کے بالمقابل رکھے جائیں اور دونوں ہاتھوں کے

کے ادا کرنے میں اتنی تاخیر شرعاً جائز ہے؟

المستفتی: (ڈاکٹر) عبدالوحید رضوی، ہیلتھ ریکین مین روڈ۔ آزادنگر۔ جمشید پور۔ ۸۳۲۱۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) فتاویٰ رضویہ میں ترمذی کے حوالہ سے جو حدیث منقول ہے وہ جامع ترمذی للامام محمد بن عیسی الترمذی کے کتاب الدعوات، وکتاب الوصایا میں نہ ملی اغلب یہ ہے کہ یہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی مراد ترمذی سے حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ جس پر قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے سابق سے انہیں کی تخریج کردہ حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز کنز العمال جلد دوم ص ۶۳۹ میں مسند ابی بکر صدیق کے عنوان کے تحت بعینہ یہی حدیث حکیم ترمذی کے حوالہ سے منقول ہے۔

ہاں فتاویٰ رضویہ میں ایک لفظ "لا علق" ہے یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح "لا اثق" ہے جیسا کہ اس کے بعد الا سے استثنا اس پر دال ہے۔

البتہ جامع ترمذی شریف میں دوسرے الفاظ میں ایک حدیث یوں ہے:

"ان ابابکر الصدیق قال یا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اعلمنی ما اقول اذا اصبحت واذا امسیت قال ابابکر! قل، اللهم فاطر السموٰات والارض، عالم الغیب والشهادة لا اله الا انت رب کل شیء و ملکه اعوذ بك من شر نفسی و من شر الشیطان سوء واجرہٗ الی السکم، اھ (ترمذی شریف دوم)

(۲) الف: امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں جو حدیث نقل فرمائی ہے وہ انك لا تخلف المیعاد" پر ختم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ب) آیت مذکورہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر جنہوں نے رحمن کے پاس قرار رکھا ہے، اھ (پ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۸۷)

اس کے تحت خزائن العرفان میں ہے یعنی جنہیں شفاعت کا اذن مل چکا ہے وہی شفاعت کریں گے۔ یا یہ معنی ہے کہ شفاعت صرف مومنین کی ہوگی اور وہی اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے "جو ایمان لایا، جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اس کے لیے اللہ کے نزدیک عہد ہے، اھ واللہ تعالیٰ اعلم

(د) حدیث پاک میں (من الصلوٰۃ) سے مراد مطلق نماز ہے خواہ ان نمازوں کے بعد سنت ہو یا نہ ہو البتہ ان نمازوں میں جن کے بعد سنن ونوافل ہیں طویل اوراد ووظائف پڑھنا خلاف اولی ہے اور امام کے حق میں اور سخت ہے کہ غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

درمیان کشادگی رکھی جائے۔

تنویر الابصار میں ہے "وسننها رفع یدیه فی السجود" اھ (کتاب الصلاۃ ج ۲ ص ۱۷۲)

درمختار "باب صفة الصلاة" میں ہے " (یرفعهما کالدعاء فبسط یدیه) حذاء صدره (نحو السماء) ویکون بینهما فرجه۔" اھ (ج ۲ ص ۲۱۵) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: زبیر احمد القادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۸ رجمادی الآخر ۱۴۲۵ھ

"اَللّٰھُمَّ فاطر السمٰوٰت الخ" حدیث کی واضح تشریح

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ان سوالات کے بارے میں کہ

(۱) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کتاب فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۱۲۸، اور فتاوی رضویہ مترجم میں تحریر فرماتے ہیں کہ ترمذی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اللهم فاطر السمٰوٰت والارض (الی آخره) اصل کتاب ترمذی شریف کا حوالہ صفحہ نمبر اور مطبع کیساتھ تحریر فرمائیں بڑا کرم ہوگا۔

(۲) امام حکیم ترمذی اپنی کتاب حدیث "نوادر الاصول" صفحہ ۲۱۷) پر تحریر فرماتے ہیں:

الاصل الرابع والسبعون والمائة (الی) وحسبك من الدارین ان کی یہ پوری عبارت اصل کتاب کے جس صفحہ پر ہے اس صفحہ کی زیراکس کاپی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہے اس پوری عبارت سے متعلق دریافت طلب امور یہ ہیں کہ

(الف) اس حدیث پاک میں حضور سرور عالم علیہ الصلاۃ والسلام کا قول مبارک کس جملے پر ختم ہوا ہے؟ انك لا تخلف المیعاد پر ختم ہوا ہے۔ یا وحسبك من الدارین پر ختم ہوا ہے۔

(ب) اس عبارت میں آیت کریمہ۔ لایملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمن عهداً (پ ۱۶ آیت نمبر ۹) کا معنی و مفہوم کیا ہے؟ تحریر فرمائیں؟

(ج) الاصل الرابع سے وحسبك من الدارین تک پوری عبارت کا سلیس اردو ترجمہ فرمادیں تو مہربانی ہوگی۔

(د) اس حدیث پاک میں (من الصلاۃ) سے کیا مراد ہے؟ خاص کر فرض نماز کے بعد سلام کے بعد ہی یہ دعا پڑھی جائے؟ یا سنن و نوافل نمازوں کے بعد پڑھی جائے؟ اگر فرض نماز کے سلام کے بعد یہ دعا پڑھی جائے تو اس دعا کے پڑھنے کی مقدار میں اتنی تاخیر ضرور ہوگی۔ فرض نماز کے بعد جو نماز سنت ہے کیا اس سنت

ان حديث عائشة المتقدم انه عليه السلام لم يكن يقعد الامقدار ما يقول اللهم انت السلام الخ

اس میں چند سطر بعد ہے:"ان المستحب فی حق الكل وصل السنة بالمكتوبة من غير تاخير الاان الاستحباب فی حق الامام اشد حتی یودی تاخيره الى الكراهة" اھ ملخصاً۔

(غنیۃ ص ۳۴۴)

جس نمازوں کے بعد سنن ہیں ان میں یہ دعا پڑھیں: اللهم انت السلام الخ واللہ تعالیٰ اعلم"

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد شاہ عالم قادری جونفوری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۸ رشعبان المعظم ۱۴۲۴ھ

تسبیح فاطمہ ہر نماز کے بعد پڑھی جائے یا صرف فجر وعصر کے بعد؟

مسئلہ تسبیح فاطمہ ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا چاہیے یا جیسا کہ عموماً رائج ہے کہ بعد العصر والفجر قبل الدعا پڑھتے ہیں یہ صحیح ہے؟ نیز صلاۃ وسلام ہورہا ہو ذکر واذکار افضل ہے یا سلام وقیام افضل ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی: رضوی کتاب گھر نز درو ڈ بڑا تالاب لو ہر دگا جھارکھنڈ۔ ۸۳۵۳۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں سلام کے بعد مختصر دعاؤں پر اکتفا کرنا چاہیے، تا کہ سنتوں میں زیادہ تاخیر نہ ہو کہ زیادہ تاخیر کو فقہاء کرام نے مکروہ فرمایا ہے، درمختار میں ہے:

"ويكره تاخير السنة الا بقدر اللهم انت السلام الخ" اھ (ج۱ص ۵۳۰)

رہی تسبیح فاطمہ تو اس کی فضیلت احادیث کریمہ میں سو مرتبہ پڑھنے کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا اس کا شمار اذکار طویلہ میں ہوگا، اس لیے سنتوں کے بعد پڑھنا افضل ہے اور فجر وعصر میں چونکہ فرض نماز کے بعد سنت نہیں ہے اس لیے قبل الدعا پڑھنا بہتر ہے اور صلاۃ وسلام اگر لوگ اجتماعی طور سے پڑھ رہیں ہوں تو صلاۃ وسلام پڑھنا افضل ہے کہ جماعت میں برکت ہے، بشرطیکہ لوگ اس وقت نماز میں نہ مشغول ہوں ورنہ، ان کی نماز میں خلل ہوگا، اور دعائے مجمع مسلمین اقرب بقبول علماء فرماتے ہیں، جہاں چالیس مسلمان صالح جمع ہوتے ہیں ان میں ایک ولی اللہ ضرور ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے:

اذاشهدت امة من الامم وهم اربعون فصاعدا اجاز الله تعالىٰ شهادتهم" رواه الطبرانی فی الكبير، تيسير شرح جامع صغیر میں ہے" قيل وحكمة الاربعين انه لم يجتمع

هٰذا العدد الا و فيهم ولي" اھ ایسا ہی فتاوی رضویہ ج۹ نصف اول ص ۱۷۵ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہ: محمد صابر حسین امجدی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۴؍ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

کوڑھ اور ابرص والے کے پیچھے نماز کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ایک شخص عرصہ دراز سے امامت کرتا ہے مگر چند برس سے کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے پاؤں ہمیشہ ڈھانک کر رکھتا ہے اور چہرے و چمڑی وغیرہ سے برص ظاہر ہوتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟ جب کہ اہل امامت اس علاقے میں بکثرت موجود ہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: حاجی محمد اسمٰعیل رضوی گولہ بازار بلاس پور، ایم پی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اگر لوگ جزامی یعنی کوڑھ کے مرض والے سے نفرت کرتے ہیں تو اس وجہ سے جماعت میں لوگوں کی کمی واقع ہوتی ہے تو اس کی امامت مکروہ ہے اور اگر مرض میں اتنی شدت آجائے کہ ٹپکنے لگے تو صرف اس کے پیچھے اس جیسے معذوروں کی نماز ہوگی باقی دوسرے لوگوں کی نماز نہ ہوگی فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۱۵ میں ہے "جذام جب تک ٹپکنا نہ شروع ہوا ہو تو حکم یہ ہے کہ اگر لوگوں کی نفرت کی حد تک ہے جس کے سبب اس کی امامت میں جماعت کی کمی ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ اھ۔ یوں ہی برص کے مریض کی امامت بھی مکروہ ہے جب کہ جماعت کی نفرت کا باعث ہو۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۲۲ میں ہے "برص وجذام والے کی امامت مکروہ ہے جب کہ باعث تنفیر جماعت ہو" اھ درمختار باب الامامۃ میں ہے "**تکرہ خلف ابرص شاع برصه**" اھ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۱ ص ۴۱۵) اور ردالمحتار باب الامامۃ ج ۱ ص ۴۱۶) میں ہے:

"**مفلوج و ابرص شاع برصه و كذلك اعرج يقوم ببعض قدمه فالاقتداء بغيره اولىٰ و كذا اجذم والظاهر ان العلة النفرة**" اھ۔ ملخصاً

کراہت کا یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ کوئی دوسرا اس سے بہتر ہو ورنہ اگر وہی مستحق امامت ہے اور اس سے بہتر کوئی دوسرا امام نہیں تو اس کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہے۔ درمختار باب الامامۃ میں ہے: "**ان وجد غيرهم والافلا كراهة**" اھ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۱ ص ۵۶۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہ: محمد عبدالقادر رضوی ناگوری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی
۲۵؍ ذی القعدہ ۱۴۲۲ھ

گمراہ کی اقتدا کا حکم

مسئلہ کیا گمراہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے اور حالت اختیار میں گمراہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے کا کیا حکم ہے؟ (حالت اختیار سے مراد نہ جان کا خطرہ ہے نہ مال کا مثلاً حرمین طیبین میں آدمی جماعت کے وقت ہوٹل میں رہ کر بعد میں نماز مسجد شریف میں پڑھے؟ کوئی خطرہ نہیں ہوتا)

المستفتی: محمد نظام الدین مصباحی بولٹن (لندن)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب وہ گمراہ امام جس کی گمراہی حد کفر کو پہنچ گئی ہو جیسے رافضی، دیوبندی، وہابی نجدی وغیرہ کہ یہ لوگ اللہ عزوجل اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرتے ہیں یا توہین کرنے والوں کو اپنا پیشوا یا کم از کم مسلمان ہی جانتے ہیں، ان کی پیچھے نماز پڑھنے سے ثواب ملنا تو درکنار نماز ہی نہیں ہوتی۔

فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ" میں ہے:

"ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ لانہ کافر لتوارث ھذہ الامور عن الشارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومن قال لا یری لعظمتہ وجلالہ فھو مبتدع وروی محمد عن ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ ان الصلوٰۃ خلف اھل الاھواء لا تجوز اھ ملخصاً۔" (ج:۱،ص:۳۶۰)

اور اگر گمراہی حد کفر کو نہ پہنچی ہو تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ ومکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے خواہ حالت اختیار میں پڑھے یا اضطرار میں۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب الصلوٰۃ "الباب الخامس فی الامامۃ" میں ہے:

"لا تجوز خلف الرافضی والجھمی وحاصلہ ان کان ھوی لا یکفر بہ صاحبہ تجوز الصلوٰۃ خلفہ مع الکراھۃ والا فلا ھٰکذا فی التبیین والخلاصۃ وھو الصحیح ولو صلّی خلف مبتدع او فاسق فھو محرز ثواب الجماعۃ لکن لا ینال مثل ما ینال خلف تقی اھ ملخصاً۔" (ج:۱،ص:۸۴)

لہٰذا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے توبہ واستغفار کریں اور جتنی نمازیں پڑھ چکے ہیں ان کا اعادہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد حسن خان رضوی
۲۵ رذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

امام نیت کیسے کرے؟ اسے امامت کی نیت ضروری ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

امام کس طرح نیت کرے گا، کیا امام کو امامت کی نیت کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: نیاز احمد ٹیلرس، حسن گڑھ، پریلا، ضلع بستی (یوپی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب امام منفرد کی طرح نیت کرے گا کیونکہ وہ بذات خود منفرد کے منزل میں ہے، اور امام کو امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ بغیر اس کے بھی مقتدیوں کی نماز صحیح ہے۔ مگر فضیلت جماعت کے حصول کے لئے وہ حاضرین کی امامت کی بھی نیت کرے مثلاً فجر کی نیت یوں کرے "نیت کی میں نے آج کی دو رکعت نماز فرض فجر کی اور حاضرین کی امامت کی" فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

"الامام ینوی ما ینوی المنفرد لانه منفرد فی حق نفسه و لایحتاج الی نیة الامامة حتی لونوی ان لایؤم فلانا فجاء فلان واقتدی به جاز" اھ (ج۱،ص۸۴)

درمختار میں ہے: "الامام ینوی صلاته فقط و لایشترط لصحة الاقتداء نیة امامة المقتدی بل لنیل الثواب عند اقتداء احد به قبله" اھ (ج۱،ص۴۲۴)

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: "ای بل نیة امامة المقتدی لنیل الامام ثواب الجماعة" اھ

بہار شریعت میں ہے: "امام کو نیت امامت مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر امام نے یہ قصد کر لیا کہ فلاں کا امام نہیں ہوں اور اس نے اس کی اقتداء کی، نماز ہوگئی مگر امام نے امامت کی نیت نہ کی تو ثواب جماعت نہ پائے گا۔" اھ (ح۳،ص۴۷) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: محمد معراج احمد مصباحی قادری
۸ ربیع النور ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

امام کے آپریشن کا خرچ مقتدیوں نے دیا پھر امام نے کارروائی کر کے حکومت سے بھی وصول کر لیا تو اس کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید امام ہے امامت کے دوران زید کو ایسا مرض لاحق ہوا کہ آپریشن کروانا پڑا آپریشن کا پورا خرچ

مقتدیوں میں سے چند افراد نے بخوشی برداشت کیا تکلیف دور ہونے کے بعد امام صاحب نے گورنمنٹ سے کسی طرح کاروائی کر کے آپریشن کا پورا خرچ لے لیا اور اس سے کہیں زیادہ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا امام صاحب کا یہ فعل درست ہے اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محبوب حسین رام نگر اترانچل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب امام صاحب کا یہ فعل جائز ہے اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں اور اس کی وجہ سے ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنے میں بھی شرعاً کوئی قباحت نہیں کیوں کہ ائمہ کے لیے حکومت کی جانب سے وظائف مقرر ہونا چاہئے، یہ حکومت پر ان کا حق ہے مگر یہاں کی حکومت انہیں کچھ نہیں دیتی تو اگرچہ امام صاحب نے کچھ رقم علاج ومعالجہ کے نام پر لی مگر حقیقت میں انہوں نے اپنا حق وصول کیا ہے اور جو کچھ بھی وصول کیا ہے وہ ان کے حق سے کم ہی ہے۔ اس لیے اس رقم کو لینے میں شرعاً ان پر کوئی الزام نہیں۔ علاوہ ازیں حکومت کی طرف سے جس طرح حادثات کے شکار ہونے والوں کو رقم مل جاتی ہے اور یہ رقم حکومت کی رضا سے ملتی ہے اس میں مریض کی طرف سے کوئی غدر وبدعہدی نہیں ہوتی اس لیے مریض کا اس رقم کو لینا جائز ومباح ہے۔

فتح القدیر میں ہے: "وانما یحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر. فاذا لم یاخذ غدرا فبای طریق یاخذہ حل بعد کونہ برضا۔ "اھ (ج ۷ ص ۸۳)

یہ الگ بات ہے کہ لوگوں کی بدگمانی سے بچنے کے لیے ایسے کام سے احتراز کیا جائے تو انسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: زبیر احمد قادری
۹؍ جمادی الآخرہ ۱۴۲۹ھ

اندھے کی امامت کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید ایک مسجد کا امام ہے جو تقریباً ۲۷ سال سے منصب امامت پر فائز ہے اور بکر کا زید پر یہ الزام ہے کہ زید کی نظر چلی گئی ہے اس لئے زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، جب کہ زید اپنی ضروریات کو خود پوری کرتا ہے کتب بینی بھی کر لیتا ہے، جواب طلب یہ ہے کہ زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید وبکر کے لئے کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کے آئینے میں جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید مرتضیٰ حسین، مقام وپوسٹ گول موری، جمشید پور، جھارکھنڈ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب بکر کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ ’’زید کی نظر چلی گئی ہے اس لئے زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں‘‘ اگر وہ سنی صحیح العقیدہ، صحیح القرأت ہے تب تو اس کی اقتدا میں نماز بلا شبہ جائز و درست ہے اور کوئی ادنیٰ سی کراہت بھی نہیں۔ ہاں اگر وہ نابینا ہو گیا ہوتا اور جماعت میں کوئی دوسرا اس سے بہتر ہوتا تو اس صورت میں اس کی امامت خلاف اولیٰ ہوتی مگر ناجائز اب بھی نہ ہوتی کہ خلاف اَولیٰ جائز ہوتا ہے گو کہ اس سے بچنا بہتر ہو، درمختار میں ہے:

’’یکرہ تنزیھا امامۃ اعمی الا ان یکون اعلم القوم فھو اولی‘‘ اھ ملخصاً (ص ۵۵۹، ج ۱، باب الامامۃ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ’’تجوز امامۃ الاعرابی والاعمی‘‘ اھ (ص ۸۵، ج ۱، الباب الخامس فی الامامۃ)

غنیۃ شرح منیہ میں ہے: ’’ذکر فی المحیط لابأس بأن یؤم الاعمی۔ و البصیر اولی۔ و فی الانفع: ذکر الامام المعروف بخواھر زادہ فی مبسوطہ انما یکرہ تقدیم الاعمی اذا کان غیرہ افضل منہ و قد ثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استخلف ابن أم مکتوم یوم الناس وھو اعمی‘‘ اھ (فصل فی الامامۃ ۴۱۵)

ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ص ۱۶۱ و ۱۹۴، ج ۳ - اور بہار شریعت ص ۹۶، حصہ ۳ میں بھی ہے۔

بکر غلط مسئلہ بتانے کی وجہ سے سخت گنہگار ہوا اس پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور آئندہ بغیر علم کے مسئلہ نہ بتانے کا پختہ عہد کرے۔ حدیث شریف میں ہے:

’’من افتی بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السماء والارض‘‘

جو بغیر جانکاری کے مسئلہ بتائے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ (کنز العمال ص ۱۹۳، ج ۱۰) ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ص ۲۷۵، ج ۹ - نصف آخر میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد صدیق عالم قادری منظری
۲۲؍ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

امام بعد توبہ پھر دوبارہ وہی گناہ کرے تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید نے ایک گناہ سے توبہ کیا مثلاً چوری، جھوٹ مشت زنی اور حرام کھانے وغیرہ سے اور گناہ سے توبہ

کرتے وقت ایک مزار شریف کو گواہ بنا کر توبہ کیا کہ اب فلاں کام نہیں کروں گا لیکن کچھ روز کے بعد وہ بدل گیا یعنی اس نے پھر وہ گناہ کیا۔ اب بتایئے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اس کے لئے حکم شرعی کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حافظ محمد رضوان رضا قادری، ٹھکرائن پور، شادی پور، ضلع سلطان پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب زید نے دوبارہ جس گناہ کا ارتکاب کیا اگر وہ گناہ کبیرہ ہے مثلاً کسی کا مال چوری کیا تو اگر اس نے علانیہ لوگوں کے سامنے کیا ہو تو وہ فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ اور اگر اس نے وہ گناہ علانیہ نہیں کیا ہے بلکہ چھپ کر کیا ہے اور بعض افراد کو کسی ذریعے سے معلوم ہو گیا یا وہ گناہ صغیرہ ہے تو وہ فاسق غیر معلن ہے۔ اس صورت میں اس کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے یعنی اگر دوسرا امام صالح سنی صحیح العقیدہ ہو تو زید کو امام نہ بنانا چاہئے غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں ہے:

"لو قدموا فاسقاً يأثمون بناء على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بامور دينه وتساهله في الإتيان بلوازمه فلا يبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة" اھ (ج۱، ص۵۱۳)

ردالمحتار میں ہے: "كل صلاة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها" اھ (ج۱، ص۴۵۷)

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "إن كان فاسقا غير معلن فما الكراهة خلفه إلا تنزيهية" اھ (ج۳، ص۲۵۶) واللہ تعالیٰ أعلم۔

کتبہٗ: غلام احمد رضا قادری مصباحی
۱۲؍ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

■❖■

بَابُ اَوْقَاتِ الصَّلٰوةِ

اوقات نماز کا بیان

فجر کی قضا اگر زوال سے پہلے کرے تو سنت کی بھی قضا کرے بقیہ نمازوں میں صرف فرائض وواجبات کی قضا ہے

مسئلہ حضور فقیہ ملت نور اللہ مرقدہ و دیگر مصنفین اپنی محررہ کتب میں تحریر فرماتے ہیں کہ اجالا ہوجانے سے فجر کا وقت شروع ہوتا ہے اور سورج نکلنے سے پہلے تک رہتا ہے جب کہ طلوع آفتاب کے کچھ دیر بعد یا زوال سے پہلے جب نماز فجر پڑھنا چاہے تو غالباً حکم یہ ہے کہ فجر کی سنت و فرض دونوں پڑھی جائے حالانکہ دیگر نمازوں میں ختم اوقات کے بعد پڑھی جانے والی نماز صرف فرض یا وتر کی قضا پڑھی جاتی ہے تو ایسا کیوں؟ اور قبل زوال جو نماز فجر پڑھی جائے اگر اسی دن کی فجر ہے تو کیا قضا یا ادا کی نیت کی جائے گی باعتبارۂ محررہ مذکورہ نماز کی کسی طرح زبان سے نیت کریں گے عرض یہ ہے کہ آسان لفظوں میں واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد اقلیم رضا قادری خادم الجامعۃ الرضویہ شمس العلوم ایل نمبر 693 منگول پوری دہلی

الجواب جب کسی کی نماز فجر قضا ہوجائے اور زوال سے پہلے اسے ادا کرنا چاہے تو حکم یہی ہے کہ فرض کے ساتھ ساتھ سنت کی بھی قضا کرے اور دوسرے اوقات کی نمازیں فوت ہوجائیں تو صرف فرائض و وتر کی قضا پڑھنے کا حکم ہے سنتوں کی قضا نہیں۔ فقہا نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ فجر کی دو رکعت سنت قریب بواجب ہے اس لیے اگر زوال سے پہلے ادا کی جائے تو فرض کے ساتھ سنت کی بھی قضا پڑھنے کا حکم ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"سنة الفجر قيل انها قريبة من الواجب كذا فى التتارخانية ناقلاً عن النافع"

(ج۱،ص ۱۱۲، الباب التاسع فى النوافل) نیز سرکار علیہ الصلاۃ والسلام سے ایسا ہی ثابت ہے۔

فوت شدہ نماز فجر کی قضا اسی دن زوال سے پہلے پڑھی جائے تو بھی قضا کی نیت کی جائے گی اور ادا کی نیت کرلی پھر بھی قضا ہی ہوگی، نہ کہ ادا۔ ردالمحتار میں ہے۔ "يصح القضاء بنية الاداء" (ج۱،ص ۴۲۲،

مطلب یصح القضاء بنیة الادا) اور نیت دل کے پکے ارادہ کو کہتے ہیں مگر زبان سے کہنا مستحب ہے۔ زبان سے کرنا چاہے تو اس طرح کرے نیت کی میں نے آج کی دو رکعت نماز فرض فجر قضا کی واسطے اللہ تعالیٰ کے منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر۔ اور سنت فجر کی نیت اس طرح کرے کہ نیت کی میں نے آج کی دو رکعت نماز سنت فجر قضا کی اللہ تعالیٰ کے لیے سنت رسول اللہ کی منہ کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر۔ اگر آج کی قضا ہو تو آج کی دو رکعت کہیں گے اور کل کی ہو تو کل گزشتہ کی دو رکعت۔

درمختار میں ہے: النية وهي الارادة المرجحة لا حد المتساويين والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للارادة، والتلفظ عند الارادة بها مستحب هو المختار، (فوق ردالمحتار ج۱، ص ۴۱۴-۴۱۵، بحث النية) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۳۰ر شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

مغرب میں دو رکعت سے زائد کی تاخیر مکروہ تنزیہی اور بلا عذر اتنی تاخیر کی ستارے گتھ جائیں تحریمی ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ

ہمارے یہاں رمضان میں مغرب کی اذان کے دس منٹ بعد افطار و کھانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے کیا مغرب کی اذان کے بعد اتنی تاخیر جائز ہے؟ **المستفتی: محمد احمد رسول آباد سلطان پور**

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الجواب نماز مغرب میں دو رکعت سے زائد کی تاخیر مکروہ تنزیہی اور بغیر عذر اتنی تاخیر کی کہ ستارے گتھ جائیں مکروہ تحریمی ہے سفر میں ہو یا بھوکا ہو اور اگر کھانا سامنے حاضر ہو تو یہ تاخیر کے لے عذر ہے درمختار میں ہے:

"(واخر المغرب الى اشتباك النجوم) اى كثرتها (كره) اى التاخير لا الفعل لانه مامور به (تحريما) الا بعذر كسفر و كونه على اكل اه

ردالمحتار میں ہے "وان مافي القنية من اشتباك النجوم مكروه تنزيها وما بعده تحريما الا بعذر اه (ص ۳۶۹ ج۱) ایسا ہی بہار شریعت ص ۲۰ ج ۳ میں بھی ہے۔ تاہم دس منٹ سے زیادہ تاخیر سے گریز کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد ابوبکر مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

عصر کا مثل ثانی کے بعد پڑھنا مفتی بہ ہے اگر مثل اوّل کے بعد پڑھے تو بھی ہو جائے گی مگر ایسا نہ چاہئے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں

(۱) زید کہتا ہے کہ عصر کی نماز اگر کسی شئی کا سایہ اس کے مثل ہو جائے تو جائز ہے اور پڑھ سکتے ہیں اور دلیل دیتا ہے کہ اگر کوئی مثل ظل کے وقت نماز عصر پڑھے تو اعادہ فرض نہیں ہے اور فتوی دونوں قول پر ہے (الملفوظ اعلیٰ حضرت مکمل ج ۱ ص ۲۶ رضا اکیڈمی) اور

وقت الظهر من زواله الى بلوغ الظل مثلية سوى فئ و عنه مثله وهو قولهما و قول زفر و الائمة الثلثة و الامام الطحاوى و به نأخذ فى غرر الاذكار وهو ماخوذ به او فى البرهان وهو الاظهر لبيان جبرئيل عليه السلام (الدر المختار شرح تنوير الابصار)

المستفتی: دار الہدیٰ اسلامک اکیڈمی ہدایا نگر ترو گاڑی ملا پرم کیرالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب امام اعظم رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ عصر کا وقت مثل ثانی کے بعد شروع ہوتا ہے اور یہی ہمارے نزدیک مفتی بہ ہے لیکن مثل اول کے بعد پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی کہ کچھ فقہا نے اس پر بھی فتوی دیا ہے اختلاف فتوی کی وجہ سے یہ گنجائش ہے مگر جو قول امام کے راجح ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے اس کو انہیں کے مذہب مفتی بہ پر عمل چاہئے اور بلا عذر قول صاحبین کی طرف عدول نہ چاہئے ہدایہ میں ہے:

"اول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر على القولين و آخر وقتها مالم تغرب الشمس لقوله عليه السلام من ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادركها" (ج ۱ ص ۶۴ کتاب الصلوٰۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد احمد قادری
۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

حرمین شریفین میں حنفیوں کی نماز عصر مثل ثانی میں ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

حرمین شریفین میں عصر کی نماز بحساب مثل یعنی احناف کے نزدیک وقت ظہر میں ہوتی ہے کیا احناف

کی نماز جائز ہوگی؟

المستفتی: محمد سمیع انصاری نوری رضوی گورکھپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر چہ صحیح و معتمد قول امام ہے کہ مثل ثانی میں عصر پڑھنے سے ادا نہ ہوگی بفرض ذمہ پر باقی رہے گا، مگر صاحبین کے مذہب پر ہو جائے گی، اور قول صاحبین پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے اس لیے جس قول پر عمل کیا جائے گا ہو جائے گا مگر احتراز اولیٰ ہے، ہاں اگر یہ جانے کہ جماعت ہونے کے بعد میرے ساتھ کوئی نہ ہوگا تو جماعت میں شریک ہو جائے، پھر وقت ہونے پرا کیلے عصر کی نماز ادا کر لے، ایسا ہی الملفوظ حصہ اول ص ۲۶/۲۷ پر ہے۔

پھر فتاویٰ رضویہ میں ہے بے شمار کتب ائمہ میں تصریح ہے اس وقت عصر کا پڑھنا بے احتیاطی ہے پس محتاط فی الدین کو لازم کہ اگر جانے کہ مجھے مثل ثانی کے بعد جماعت مل سکتی ہے اگر چہ ایک ہی آدمی کے ساتھ تو اس جماعت باطلہ یا کم از کم مکروہ بکراہت شدیدہ میں شریک نہ ہو بلکہ وقت اجماعی پر اپنی جماعت صحیحہ نظیفہ ادا کرے، اگر جانے کی پھر میرے ساتھ کوئی نہ ملے گا تو بتقلید صاحبین شریک جماعت ہو جائے اور تحصیل صحت متفق علیہا و رفع کراہت کے لیے مثل ثانی کے بعد پھر اپنی تنہا ادا کرے“ اھ (ج ۲ ص ۲۱۳)

مگر یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ امام سنی صحیح العقیدہ حنفی ہو، اور وہاں تو مجدیوں کی حکومت ہے امام حرمین شریفین بھی مجدی ہی ہوتے ہیں، لہٰذا ان کی اقتداء میں سرے سے نماز ہی نہ ہوگی خواہ وہ مثل ثانی میں عصر پڑھیں یا اس کے بعد اس لیے مذہب حنفی کی رو سے وقت ہو جائے اور ان کی جماعت ختم ہو جائے تو خود الگ سے اپنی جماعت کر لیں یا پھر تنہا پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی	کَتَبَہٗ: محمد صابر حسین فیضی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی	۱۴/ ذی القعدہ، ۱۴۲۵ھ

حنفی، شافعی امام کے پیچھے شافعی اوقات کے مطابق نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ملت اس مسئلہ میں:

کیرل کے ایک مدرسہ میں جہاں ہزار سے زائد طلبہ زیر تعلیم ہیں اور ان کے درمیان پچیس احناف بھی زیر تعلیم ہیں جہاں پر پانچوں وقت کی نمازیں شافعی مسلک کے مطابق ہوتی ہیں اور انہیں کے وقت پر چند ناگریز حالات کی وجہ سے وقت میں تبدیلی نہیں لائی جا سکتی ہے اور نہ احناف کو الگ جماعت کرنے کا موقع ملتا ہے لہٰذا مطلوب الامر یہ ہے کہ کیا ایسی حالت میں شافعی امام کی اقتداء میں نماز ادا کر سکتے ہیں؟

المستفتی: چند پریشان طلبہ، دارالہدیٰ چماڑ، ضلع ملاپورم، کیرلا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب حنفی طلبہ نماز عصر حنفی وقت کے مطابق پڑھیں کیونکہ شوافع تمام نمازیں اول وقت میں ادا کرتے ہیں تو جس وقت وہ عصر پڑھیں گے اس وقت ہمارے مذہب کے مطابق عصر کا وقت نہ ہوگا لہذا حنفی طلبہ بنیت نفل شریک ہوں پھر حنفی وقت میں نماز عصر ادا کریں۔ وہ وقت فارغ ہوتا ہے اس میں ادائے گی عصر سے کوئی چیز مانع نہیں۔ رہے باقی اوقات تو ان میں حنفی شافعی اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں بلکہ افضل غیر افضل کا ہے لہذا بوجہ مجبوری حنفی طلبہ ان کی جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں مدرسہ کے ذمہ داران کو چاہئے کہ وہ اپنے نظام الاوقات میں اتنی گنجائش رکھیں کہ حنفی طلبہ نماز عصر اپنے وقت میں ادا کرسکیں۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ حنفی کی نماز شافعی امام کی اقتداء میں اس وقت درست ہوگی جب کہ وہ طہارت اور مسائل نماز میں ہمارے مذہب کے ارکان وشرائط کی رعایت کریں یا یقین ہو کہ اس نماز میں رعایت کی ہے اور اگر یہ یقین ہو کہ اس نماز میں ہمارے مذہب کی رعایت نہیں کی ہے تو حنفی کی نماز باطل محض ہوگی اور اگر معلوم ہی نہ ہو کہ ہمارے مذہب کی رعایت کرتا ہے اور نہ یہ کہ اس نماز میں رعایت کی ہے تو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ ہدایہ میں ہے:

"و اول وقت المغرب اذا غربت الشمس و اخر وقتها ما لم یغب الشفق و قال الشافعی مقدارها ما یصلی فیه ثلث رکعات" اھ۔

(کتاب الصلوٰۃ باب مواقیت الصلوٰۃ ج ۱/ ص ۶۴)

پھر اسی میں ہے: و اول وقت العشاء اذا غاب الشفق و آخر وقتها ما لم یطلع الفجر لقوله علیه السلام و آخر وقت العشاء حین یطلع الفجر وهو حجة علی الشافعی فی تقدیره بذهاب ثلث اللیل" اھ (ج ۱/ ص ۶۶)

درمختار "باب الامامة" میں ہے: "ان تیقن المراعات لم یکره او عدمها لم یصح و ان شك کره اھ اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: (قوله ان تیقن المراعاة لم یکره الخ) ای المراعاة فی الفرائض من شروط و ارکان فی تلك الصلوٰة و ان لم یراع فی الواجبات و السنن" اھ (ص ۵۶۳، ج ۱) ایسا ہی بہار شریعت ج ۳، ص ۱۱۴ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی	کتبہٗ: محمد ابوبکر مصباحی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی	۵ رشعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

بَابُ الْاَذَانِ

اذان کا بیان

کیا لاؤڈ اسپیکر کی اذان کا جواب اور اس پر خاموشی ضروری ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ

(۱) اذان کی اصل آواز پر خاموش نہ رہنے پر جو وعیدیں ہیں کیا مائک سے جو اذان ہو اس پر بھی ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب علمائے محققین کے نزدیک یہ اختلاف ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے یا نہیں؟ بعض علماء بعینہ متکلم کی آواز مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے، تو اگر لاؤڈ اسپیکر سے اذان ہو اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز متکلم کی آواز نہ مانیں تو خاموش رہنے اور جواب دینے کے بارے میں وہ حکم نہ ہوگا جو اذان کی اصل آواز پر ہے، اور اگر متکلم ہی کی آواز مانیں تو پھر وہی حکم ہوگا جو اذان کی اصل آواز پر ہے کہ جب اذان ہو تو اتنی دیر کے لیے سلام، کلام اور جواب سلام تمام کام کاج چھوڑ دیا جائے اور اذان کو غور سے سنا جائے اور اذان کا جواب دیا جائے کہ جو اذان کے وقت باتوں میں مشغول رہتا ہے اس پر معاذ اللہ خاتمہ برا ہونے کا اندیشہ ہے اور احتیاط بھی یہی ہے کہ اذان کے وقت خاموش رہیں، خواہ لاؤڈ اسپیکر سے اذان ہو یا بغیر لاؤڈ اسپیکر کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد صدیق عالم قادری

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

قبل اذان واقامت درود شریف مستحسن ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ اذان واقامت سے قبل درود شریف

یا اور تسبیحات کہہ کر اذان و اقامت شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو درود شریف پڑھ کر اذان و اقامت دینا بہتر ہے یا نہیں کیا اذان و اقامت سے قبل درود شریف پڑھنا سنت ہے؟

المستفتی: محمد شمس الحق قریشی محلہ دھرم پور ضلع سستی پور (بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب قبل اذان و اقامت درود شریف پڑھنا جائز و مستحسن ہے اس میں کوئی حرج نہیں قرآن و حدیث میں اس کا حکم مطلق ہے تو اسے اپنی طرف سے مقید نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ درود شریف پڑھنے کے بعد قدرے ٹھہر جائے پھر اذان و اقامت پڑھے تاکہ دونوں کے درمیان کچھ فصل ہو جائے یا درود شریف کی آواز اذان و اقامت کی آواز سے پست رہے تاکہ امتیاز رہے۔ علماء کرام کثرہم اللہ تعالیٰ نے اقامت اور اس قسم کے دوسرے مواقع میں درود شریف پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار ج ا ص ۵۱۸ میں ہے:

"نص العماء علی استحبابها فی مواضع یوم الجمعة ولیلتها وعند دخول المسجد والخروج منه وعند زیارة قبره الشریف صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وعقب اجابة المؤذن وعند الاقامة وعند طنین الاذان اھ ملخصاً۔

اور مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ درود شریف قبل اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز اقامت کی آواز سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے (فتاوٰی رضویہ ج ۲ ص ۳۹۵) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد حبیب اللہ مصباحی

۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

■❖■

مسجد کے اندر اذان خطبہ کی ابتدا کب اور کس کے ذریعہ ہوئی؟ اندر اذان پر اجماع نہیں، اجماع کب اور کن کا معتبر ہے؟ اجماع کی اقسام اجماعی مسائل کتنے ہیں؟ کیا لاؤڈ اسپیکر کی اذان میں بھی کانوں میں انگلیاں ڈالنے اور دائیں بائیں منہ کرنے کا حکم ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں

(۱) جمعہ کی اذان خطبہ کہاں ہونی چاہئے۔ مسجد کے اندر سب سے اگلی صف میں یا خارج مسجد منبر کے سامنے؟

(۲) حدیث وفقہ میں اس اذان کے مسجد کے اندر سب سے اگلی صف میں یا خارج مسجد ہونے کی کوئی صراحت ہے یا نہیں؟

(۳) یہ اذان زمانۂ رسالت وزمانۂ خلفائے راشدین میں کہاں ہوتی تھی مسجد کے اندر سب سے اگلی صف میں یا باہر؟

(۴) اگر ان متبرک زمانوں میں یہ اذان باہر خارج مسجد ممبر کے سامنے ہوتی تھی تو مسجد کے اندر سب سے اگلی صف میں کب شروع ہوئی اور کس نے شروع کی اور اس کے شروع کرنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

(۵) کیا اس اذان کے مسجد کے اندر سب سے اگلی صف میں ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے؟ اگر ہو چکا ہے تو یہ اجماع کب ہوا اور جمہور نے اس کو کس نظر سے دیکھا؟

(۶) اگر آج کوئی اس اذان خطبہ کے مسجد کے اندر سب سے اگلی صف میں ہونے پر اجماع کا دعویٰ کرے تو اس کا یہ دعویٰ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

(۷) اجماع کب معتبر ہے؟ کس کا معتبر ہے؟ نیز اجماع کی کتنی قسمیں ہیں؟ اگر اجماع حدیث وفقہ کے خلاف ہو تو وہ قابل عمل ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟

(۸) چودہ سو سال میں کتنے مسائل پر امت کا اجماع ہوا؟ اس کی کوئی تفصیل کتب دینیہ میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا؟

(۹) چودہ سو سال میں کتنی سنتیں مردہ ہوئیں اور ان کو کس کس نے زندہ کیا؟ تاریخ وسیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں یا نہیں؟ اگر ملتی ہیں تو کیا؟

(۱۰) فقہ کی کتابوں میں اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنے یا کانوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہے اور حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منھ گھمانے کا حکم آیا ہے تو کیا اب زمانۂ موجودہ میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان ہونے کے سبب یہ حکم موقوف اور اس کی استحبابیت وضرورت ختم ہوگئی ہے؟ بارگاہ حضور میں گزارش ہے کہ جوابات صاف اور جامع الفاظ میں تحریر فرمائیں۔ مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد عبدالرشید قادری پیلی بھیتی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱-۲-۳) جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد منبر کے سامنے ہونی چاہئے۔ داخل مسجد اذان دینا مکروہ وممنوع ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں اور زمانۂ خلفائے راشدین میں

جمعہ کی یہ اذان مسجد سے باہر دروازے ہی پر ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

"عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما"

یعنی جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر صدیق وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں بھی عمل درآمد تھا۔ (سنن ابی داؤد شریف ج ۱ ص ۱۵۵)

فقہائے کرام نے مسجد میں اذان کہنے کو مکروہ فرمایا ہے چنانچہ فتاویٰ قاضی خاں جلد اول ص ۷۸ فتاویٰ ہندیہ جلد اول ص ۵۵ بحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۸ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۷ اور فتح القدیر ج ۱ ص ۲۵۰ وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے۔

فتاویٰ خانیہ میں ہے:

"ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد"

یعنی اذان منارے پر یا مسجد کے باہر ہونی چاہیے۔ مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔ بعینہ یہی عبارت فتاویٰ ہندیہ میں بھی ہے۔

فتح القدیر میں ہے "قالوا لا یؤذن فی المسجد" یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور بحر الرائق میں بھی انہیں الفاظ میں یہی حکم ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: "یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم" یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) مسجد کے اندر اذان کب شروع ہوئی اور کس نے شروع کی اس کی صراحت کتب فقہ میں نہیں ملتی۔ بعض لوگ مسجد میں اذان دینے کی نسبت ہشام بن عبد المالک کی طرف کرتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر صحیح ہو بھی تو اس کا قول وفعل حجت نہیں کہ کہ وہ ایک مروانی ظالم بادشاہ ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مسجد کے اندر اذان دلوانا کبھی ایک بار کا بھی ثابت نہیں جو لوگ اس کا دعویٰ کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر افترا کرتے ہیں۔ ہشام سے بھی اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا ہرگز ثابت نہیں البتہ پہلی اذان کی نسبت بعض نے لکھا ہے کہ اسے ہشام مسجد کی طرف منتقل کر لایا اور اس کے بھی

یہ معنی نہیں کہ مسجد کے اندر دلوائی بلکہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں پہلی اذان دلواتے تھے ہشام نے مسجد کے منارہ پر دلوائی۔ رہی یہ دوسری اذان خطبہ اس کی نسبت تصریح ہے کہ ہشام نے اس میں کچھ تغیر نہ کیا اسی حالت پر باقی رکھی جیسے زمانۂ رسالت وزمانۂ خلافت میں تھی امام محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ شرح مواہب شریف جلد ہفتم طبع مصر ص ۴۳۵ میں فرماتے ہیں۔

لما كان عثمان امر بالاذان قبله على الزوراء ثم هشام الى المسجد اى امر بفعله فيه وجعل الاخر الذى بعده جلوس الخطيب على المنبر بين يديه بمعنى انه ابقاه بالمكان الذى يفعل فيه فلم يغيره بخلاف ما كان بالزوراء فحوله الى المسجد على المنار۔

یعنی جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے اذان خطبہ سے پہلے ایک اذان بازار میں ایک مکان کی چھت پر دلوائی پھر اس پہلی اذان کو ہشام مسجد کی طرف منتقل کرلایا اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا اور دوسری کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے وہ خطیب کے مواجہ میں کی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیلی نہ کی بخلاف بازار والی اذان اول کے کہ اسے مسجد کی طرف منارہ پر لے آیا۔ انتہی۔ ہاں وہ جمہور مالکیہ کہ اذان ثانی کو امام کی محاذات میں ہونا بدعت کہتے ہیں اور اس کا بھی منارہ پر ہی ہونا سنت بتاتے ہیں ان میں بعض کے کلام میں واقع ہوا کہ سب میں پہلے اذان ثانی امام کے روبرو ہشام نے کہلوائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں اذان کبھی محاذات امام میں نہ ہوتی تھی منارہ ہی پر تھی۔ پھر اس سے کیا ہوا۔

غرض ہشام بیچارے سے بھی ہرگز اس کا ثبوت نہیں کہ اس نے اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے برابر کہلوائی ہو جیسی اب کہی جانے لگی اس کا کچھ پتا نہیں کہ کس نے یہ ایجاد نکالی اور اگر ہشام سے ثبوت ہوتا بھی تو اس کا قول وفعل کیا حجت تھا وہ ایک مروانی ظالم بادشاہ ہے" (ج ۲ ص ۴۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم

(۵-۶) مذکورہ بالا حدیث اور فقہائے کرام کے اقوال سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ داخل مسجد اذان ہونے پر امت کا اجماع نہیں ہوا ہے اور یہ اجماع کیسے ہوسکتا ہے جب کہ حدیث مبارک میں خارج مسجد اذان پڑھنے کی صراحت موجود ہے اور اجماع اس وقت ہوتا جب قرآن وحدیث میں اس کا ثبوت نہ ملتا۔ اور اگر اجماع ہوتا تو فقہائے کرام اس کے خلاف ہرگز عمل نہ کرتے جب کہ اجماع امت بھی قرآن وحدیث کی طرح واجب العمل ہے لہٰذا نہ داخل مسجد اذان ہونے پر اجماع ہوا اور نہ اجماع کا دعویٰ کرنا درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) اجماع اس وقت معتبر ہے جب کہ ایک زمانہ کے تمام مجتہدین کا اتفاق ہوجائے اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو اجماع معتبر نہ ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے "اجماع میں ایک وقت کے تمام مجتہدین کا اتفاق درکار ہے ایک کے خلاف سے بھی اجماع نہیں رہتا" (ج ۷ ص ۴۸۲)

اجماع ان کا معتبر ہے جو اصول فقہ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ لہٰذا عوام و متکلمین و محدثین جو اصول فقہ سے نا آشنا ہوں ان کا اجماع معتبر نہیں ہے۔

اصول الشاشی میں ہے: "والمعتبر فی هذا الباب اجماع اهل الرای والاجتهاد فلا یعتبر بقول العوام والمتکلم والمحدث الذی لا بصیرة له فی اصول الفقه" (۷۹)

اجماع کی چار قسمیں ہیں (۱) اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم (۲) بعض صحابہ کا اجماع اور بعض کا سکوت (۳) اجماع تابعین (۴) اجماع متاخرین۔

اصول الشاشی میں ہے: "الاجماع علی اربعة اقسام اجماع الصحابة رضی الله عنهم علی حکم الحادثة نصاثم اجماعهم بنص البعض وسکوت الباقین عن الرد ثم اجماع من بعدهم فیما لم یوجد فیه قول السلف ثم الاجماع علی احد اقوال السلف"

یعنی اجماع کی چار قسمیں ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نص کے ذریعہ کسی مسئلۂ جدید کے حکم پر اجماع پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بعض کا نص کے ذریعہ اور باقی کا تردید سے سکوت اختیار کرکے پھر صحابہ کے بعد والوں کا یعنی "تابعین" کا اجماع جب کہ صحابہ کا قول اس مسئلہ جدید میں نہ ملے۔ پھر متقدمین کے اقوال میں سے ایک کے قول پر اجماع (یعنی متاخرین کا اجماع) (ص ۷۸)

اجماع قرآن حدیث کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا اس پر احادیث مبارکہ دال ہیں۔

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں ہے "ثانیا:

بقول رسول الله صلی الله علیه وعلی آله واصحابة وسلم "لا تجتمع امتی علی الضلالة" فانه یفید عصمة الامة عن الخطأ فانه متواتر المعنی فانه قد ورد بألفاظ مختلفة یفید کلها العصمة وبلغت رواة تلك الألفاظ حد التواتر وتلك الألفاظ نحو: مارأه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن و نحو "مافارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام "ونحو" علیکم بالجماعة" ونحو" الزموا الجماعة "ونحو" من فارق الجماعة مات میتة الجاهلیة" ونحو "علیکم بالسواد الاعظم" ونحو "لا تجتمع امتی علی الخطأ.

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کا فرمان ہے "میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ یہ حدیث امت کے خطا سے معصوم ہونے کا فائدہ دیتی ہے اور یہ حدیث معنیً مشہور ہے جو مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے

اور مجموعی طور پر وہ تمام کلمات امت کے خطا سے معصوم ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان کلمات کے راوی تواتر کی حد تک پہونچے ہوئے ہیں وہ کلمات یہ ہیں "جو بات مسلمان اچھی جانیں وہ عند اللہ اچھی ہے" "جو جماعت سے بالشت بھرا الگ ہوا تو اس نے اسلام کے قلادہ کو اپنی گردن سے اتار دیا۔ جماعت کو اختیار کرو "جماعت کو لازم پکڑو" جو جماعت سے الگ ہوا وہ جاہلیت کی موت مرا "سواد اعظم کو اختیار کرو" میری امت غلطی پر متفق نہیں ہوسکتی۔" (ج ۲ ص ۲۷۲)

فتاوی رضویہ میں ہے "اجماع کے خلاف کا مجتہد کو بھی اختیار نہیں اگر چہ وہ اپنی رائے میں کتاب و سنت سے اس کا خلاف پاتا ہو یقیناً سمجھا جائے گا کہ یا فہم کی خطا ہے یا یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اگر چہ مجتہد کو اس کا ناسخ نہ معلوم ہو۔ (ج ۱۱ ص ۵۷)

(۸) صاحب مسلم الثبوت علامہ محب اللہ بن عبدالشکور بہاری "علامہ اسفرینی کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ اجماع کے مسائل بیس ہزار سے زائد ہیں اور شارح مسلم الثبوت علامہ عبدالعلی محمد بن نظام الدین انصاری کے فرمان کے مطابق تمام اجماعی مسائل کا علم دشوار یا محال ہے چنانچہ آپ فواتح الرحموت میں تحریر فرماتے ہیں۔

(قال: الاسفرايني: نحن نعلم أن مسائل الاجماع اكثر من عشرين ألف مسألة هذا) وقد يقال ان العلم بالاجماع على طريق النقل مستحيل أو متعسر فان معرفة الناقل اعيان العلماء المتفرقين ثم اتفاقهم على الحكم مع احتمال كذب كل في كونه مختاراً ورجوع كل قبل فتوى الآخر وعدم الاظهار خوفاً مستحيل عادة ...نعم لا يمكن معرفة الاجماع ولا النقل الآن لتفرق العلماء شرقاً وغرباً ولا يحيط بهم علم أحد فقد بان لك أن ما ذكره هذا القائل مغلطة في غاية السقوط لا يلتفت اليه فافهم "ملخصاً" (ج ۲ ص ۲۶۸-۲۶۹) واللہ تعالیٰ اعلم

(۹) ایسے سنن کا احاطہ ہمارے لیے دشوار ہے ہاں اجمالی طور پر اتنا معلوم ہے کہ کثیر سنتوں کا احیا مجددین اسلام اور علمائے کرام نے کیا۔ جیسے امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ۔

(۱۰) اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنا اور حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا مستحب ہے۔ لاؤڈ اسپیکر پر اذان کی وجہ سے ان مستحبات کو نہ چھوڑے بلکہ انہیں بھی بجالائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد محسن مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۵ رذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

اذان کے آگے یا پیچھے کچھ الفاظ کا اضافہ کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ اذان سے پہلے اور بعد میں اذان کے مقررہ الفاظ کے علاوہ دیگر کسی قسم کے الفاظ کا اضافہ کرنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

المستفتی: محمد شفیع پالی والے ۴۵ بوسی کی گلی گولکھا مندر کے پاس پوسٹ پالی راجستھان ۳۰۶۴۰۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب اگر اس سے تثویب مراد ہے یعنی اذان کے بعد نماز کے لیے دوبارہ اعلان کرنا جیسے "الصلاۃ، والصلاۃ یا "قامت، قامت، یا الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ "وغیرہ اپنے اپنے عرف کے مطابق تو یہ مستحسن ہے سوائے مغرب کے جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ باب الاذان میں ہے:

"التثویب حسن عند المتاخرین فی کل صلاۃ الا فی المغرب ھکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی المکارم وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلاۃ بین الاذان والاقامۃ و تثویب کل بلدۃ علی ماتعارفوہ اما بالتنحنح او بالصلاۃ الصلاۃ او قامت، قامت لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذلک بما تعارفوہ کذا فی الکافی۔اھ (ج۱ص۵۶)

یا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا یہ بھی درست ہے اذان کے کلمات میں اضافہ نہیں، درود شریف پڑھنے سے روکنے کے لیے وہابیہ نے طرح طرح کے شبہات لوگوں میں پھیلا رکھے ہیں لیکن سنیوں کو ان کے بہکاوے میں نہ آنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی
۲۸ر جمادی الآخر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

فاسق کی اذان کا حکم

مسئلہ زید جو مسجد سلاوٹ واڑی میں اذان دیتا ہے وہ جاہل فاسق معلن ہے، پینٹ، کوٹ پہننا اور انگریزی وضع کے بال ترشواتا، خشخشی داڑھی رکھتا ہے تو امام صاحب نے اس سے کہا کہ فاسق کی اذان مکروہ ہے آپ اذان نہیں دے سکتے تو اس پر زید نے کہا کہ ایسے مسائل نہیں بیان کرنا چاہیے جس سے دل شکنی ہوتی ہے لہٰذا ایسے شخص کی اذان اور اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حسین پنچ کی مسجد سلاوٹ واڑی اودے پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر زید میں یہ ساری خرابیاں ہیں تو وہ فاسق معلن ہے اسے موذن بنانا جائز نہیں بلکہ معزول کرنا لازم ہے حدیث شریف میں ہے "الامام ضامن والموذن موتمن. یعنی امام ضامن ہے اور موذن امانت دار" اھ (سنن ابوداؤد شریف ص ۷۷) اور ظاہر ہے فاسق امین نہیں ہوسکتا لہٰذا مقصود اذان کی اعلام باوقات نماز، سحری وافطار ہے جو فاسق کی اذان سے حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ اس کی اذان مکروہ ہے دوبارہ اذان دی جائے۔

بہار شریعت میں ہے "خنثیٰ و فاسق اگرچہ عالم ہی ہو اور نشہ والے اور پاگل اور ناسمجھ بچے اور جنب کی اذان مکروہ ہے۔ ان سب کی اذان کا اعادہ کیا جائے۔ (ح ۳ ص ۳۱)

منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں ہے:

"(قوله و ينبغي ان لا يصح اذان الفاسق (الخ) كذا في النهر ايضا وظاهره انه يعاد وقد صرح في معراج الدراية عن المجتبىٰ انه يكره ولايعاد و كذا نقله بعض الافاضل عن الفتاوىٰ الهندية عن الذخيرة لكن في القهستاني اعلم ان اعادة اذان الجنب والمرأة والمجنون والسكران والصبي والفاجر والراكب والقاعد والماشي والمنحرف عن القبلة واجبة لانه غير معتدبه وقيل مستحبة فانه معتدبه الا انه ناقص وهو الاصح كما في التمرتاشي اه فقد صرح باعادة اذان الفاجر اي الفاسق لكن في كون اذانه معتدا به نظر لما ذكره" اه (ج ۱ ص ۲۶۴) والله تعالىٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی	**کتبہٗ:** محمد ارشد رضا مصباحی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی	۲۸ ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۵ھ

بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ

قراءت کا بیان

غَيُرِ المغضوب پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی، لحن سے نماز کب فاسد ہوتی ہے؟

مسئلہ محترم المقام لائق صدر احترام حضور مفتی صاحب قبلہ...... سلام مسنون
بعدہٗ سلام عرض ہے کہ میں جماعت ثانیہ کا طالب علم ہوں ساتھ میں قرأت شامل ہے ضروری تحریر یہ ہے کہ میں نے کنز الایمان میں پڑھا ہے کہ حالت نماز میں قرأت میں غَيُرِ الْمغضوب کو غَيْرُ المغضوب یعنی یا کے ضمے کے ساتھ پڑھنا مفسد نماز نہیں اور مسئلہ آپ کے مدرسے سے شائع ہوا ہے جس پر مدرسے کی مہر اور تصدیق موجود ہے اور جس کا نمبر ۲۰۹۳ / ۸ ہے اور میں نے اپنے استاذ اور قرات کی کتاب معرفۃ التجوید میں صفحہ نمبر پانچ حاشیہ نمبر ایک میں لحن کے بارے میں پڑھا ہے لحن کی دو قسم ہے جلی اور خفی لحن جلی یعنی حرف حرکت کا بدل جانا پڑھنا سننا دونوں حرام ہے! ضروری تحریر یہ ہے کہ حالت نماز میں حرام فعل اور نماز درست؟ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔ **المستفتی: محمد ہلال احمد روناہی فیض آباد یوپی**

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب کنز الایمان میں شائع شدہ مسئلہ درست ہے یعنی غَيُرِ المغضوب کو غيرُ الْمَغْضُوْبِ یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ لحن سے نماز اسی وقت فاسد ہوگی جب معنی فاسد ہو جائے اگر معنی فاسد نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

التغير فی الاعراب اِذَا لَمْ یَکُنْ اِعتقادُہٗ کفراً لاَ تَفْسُدُ بالاتفاق" اھ (ص ۴۹۲)

فتاوی ہندیہ میں ہے: فان کان لا یغیر المعنی لاتفسد صلاتہ وان غیر المعنی تفسد صلاتہ" ملخصاً (الفصل الخامس فی زلۃ القاری) (ج ۱ ص ۷۹)

البتہ ایسا لحن مکروہ ہے، غنیہ میں ہے ویکرہ الترجیع والتلحین بقرأۃ القرآن عند عامۃ المشائخ لانہ تشبہ بفعل الفسقۃ ھٰذا اذا کان لا یغیر الحروف اماا للحن المغیر فحرام بلا خلاف۔ (۴۹۸)

رہ گئی بات فعل حرام کے باوجود نماز کے صحیح ہونے کی تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص نماز میں قرأت جان بوجھ کر بے ترتیب پڑھ دے تو اگرچہ اس کا یہ فعل حرام ہے اور وہ اپنے اس فعل حرام کے سبب گنہگار ہوگا لیکن نماز ہر حال میں ادا ہو جائے گی واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد حسین الرضوی
۲۴ر شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

ایاکا نستعین پڑھا تو نماز ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں

کہ اگر کسی نے نماز کی قرأت میں (ایاك نستعین) میں کاف ضمیر کے زبر کو کھینچ کر پڑھ دیا الف کے مانند ہو گیا تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جس شخص نے نماز کی قرأت ایاک نستعین میں کاف ضمیر منفصل کے زبر کو کھینچ کے پڑھ دیا کہ وہ الف کے مانند ہو گیا تو اس کی نماز ہو جائے گی کیوں کہ یہاں الف کی زیادتی سے معنی میں کوئی تغیر واقع نہیں ہے اس باب میں قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ اگر ایسی غلطی ہو جس سے معنی بدل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہیں اور اگر اعرابی غلطی ایسی ہو جس سے معنی بدل جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی جیسے وَاَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ میں ''ر'' کے بعد ''ی'' کی زیادتی ہے اس کے باوجود بھی نماز فاسد نہیں ہوئی کہ تغیر معنی نہیں ہے فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"وان غیر المعنی تفسد صلاتہ عند عامۃ المشائخ ... ومنہا زیادۃ حرف ان زاد حرفا فان کان لا یغیر المعنی لا تفسد صلاتہ عند عامۃ المشائخ نحو أن یقرأ وانھی عن المنکر بزیادۃ الیاء ھکذا فی الخلاصۃ" اھ ملخصاً (ج ۱ ص ۷۹) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد رئیس مصباحی
۴ر شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

مشابہت میں ایک سورت سے دوسری میں پہنچ گیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو ضروری ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان اہل سنت مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ زید مسجد کا امام ہے فجر کی نماز میں بعد الحمد شریف کے والعٰدیٰتِ ضبحًا کی تلاوت کی مگر تکمیل سورہ میں ایک آیت باقی تھی کہ مشابہت کی وجہ سے مبتلا ہو کر سورہ قریش پڑھنے لگے اور پوری سورت قریش کو پڑھ کر رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کر لیا جاننا مقصود یہ ہے کہ اس صورت میں نماز ہوگئی یا سجدہ سہو کی ضرورت رہی؟ برائے کرم جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: محمد اخلاق القادری، مدرسہ عالیہ قادریہ، عراقی محلہ، ساؤتھ بازار، انڈال، ضلع، بردوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب امام کے "وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ" کے بعد سورہ قریش کی آیت پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی اور نہ سجدہ سہو کی ضرورت کیونکہ نماز اس وقت فاسد ہوتی ہے جب کہ معنی فاسد ہو جائے اور صورت مذکورہ میں معنی فاسد نہیں ہوتا لہٰذا نماز فاسد نہ ہوئی ہاں اگر آیت یاد کرنے میں بقدر رکن ساکت رہا تو سجدۂ سہو واجب ہے ورنہ نہیں۔

ردالمحتار "مطلب: مسائل زلۃ القاری" میں ہے:

"والقاعدة عند المتقدمين ان ما غير المعنى تغيرا يكون اعتقاده كفرا يفسد في جميع ذلك. فالمعتبر في عدم الفساد عند عدم تغير المعنى كثيراً وجود المثل في القرآن عنده والموافقة في المعنى عندهما. فهذه قواعد الائمة المتقدمين." اھ ملخصا (ج ۲ ص ۳۹۳)

فتاوی رضویہ "باب القرأۃ" میں ہے:

"في شرح منية الكبير هو الذي صححه المحققون وفرعوا عليه فاعمل بما تختار والاحتياط اولى سيما في امر الصلاة التي هي اول ما يحاسب العبد عليها." اھ (ج ۳ ص ۹۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد علی برکاتی

۱۷/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

مصنوعی دانت لگا کر تلاوت کرنا یا اسی کے ساتھ مردہ کو دفن کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

مسئلہ زید کو ایک مرتبہ گاڑی سے چوٹ لگی اور اس کے سامنے والے چند دانت ٹوٹ گئے تو اس نے اب اسپتال میں دوسرے نئے نقلی دانت لگوائے تو کیا زید اب ان مصنوعی دانتوں کو منہ میں رکھ کر تلاوت قرآن شریف کرسکتا ہے؟ وہ بھی امامت کی حالت میں کیونکہ زید کا کہنا ہے کہ وہ عالم دین بھی ہے۔ نیز ارشاد فرمائیں کہ کیا ایسے انسان کو بعد وفات ان مصنوعی دانتوں سمیت دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کو ان مصنوعی دانتوں کے ساتھ دفن کیا گیا تو اس صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا فیصلہ ہوگا؟ بینوا توجروا

المستفتی: عبدالحمید، دارالعلوم غوثیہ ہمدانیہ موگھامہ پلوامہ، کشمیر پن نمبر ۱۹۲۳۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب مصنوعی دانت لگانے میں حرج نہیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی فرماتے ہیں: "طاہر قدوس عز جلالہ نے ہر چیز اصل میں پاک بنائی ہے جب تک کسی شی میں کسی نجاست کا خلط ثابت نہ ہو پاک ہی مانی جائے گی۔ ردالمحتار میں ہے: "لا یحکم بنجاستھا قبل العلم بحقیقتھا۔ "اھ (فتاویٰ رضویہ نصف آخر ج۹، ص ۱۴۳) لہٰذا اگر وہ نقلی دانت پاک چیز سے بنے ہوئے ہوں تو انہیں منہ میں لگا کر تلاوت قرآن شریف اور امامت کرنے میں حرج نہیں مگر بعد موت اسے نکال دیں کہ اب اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۵ / محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

'ض' کو 'د' اور 'ذ' کو 'ج' پڑھنا کیسا ہے 'ض' کا صحیح مخرج، قرآن کے حروف کو قصداً بدلنا حرام ہے

مسئلہ (۱) ایک آدمی امام ہے اور وہ حرف ضاد کو دال پڑھتا ہے جب کہ وہ کوشش کرے تو صحیح مخرج کے ساتھ پڑھ سکتا تھا۔ یا ایک شخص وہ ہے کہ ضاد کا مخرج صحیح طور پر ادا کرنے پر قادر ہے لیکن اس کے باوجود وہ ضاد کو دال پڑھتا ہے تو کیا اس کی نماز اور اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایک جگہ کے لوگوں کا ایسا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص حرف ضاد کو صحیح مخرج کے ساتھ ضاد پڑھتا ہے تو وہاں کے لوگ اس کو دیوبندی اور وہابی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حرف ضاد کو ضاد پڑھنا غلط ہے اصل میں دال

پڑھنا صحیح ہے اور اگر کوئی شخص اس حرف کو دال پڑھتا ہے تو لوگ اس کو صحیح مانتے ہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص حرف ذال کو جیم سے بدل کر پڑھے جیسے "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" کو تُكَجِّبَانِ پڑھے تو کیا معنی میں فساد ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی نماز اور اس کے مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: اشرف القادری کیلہوا، ضلع پلاموں، بہار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱-۳) اگر وہ حرف ضاد کو صحیح مخرج کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہے یا کوشش کرے تو ادا کر لے گا مگر نہیں کرتا ایسے شخص کی نماز باطل اور اس کے پیچھے دوسروں کی نماز بھی باطل ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: ''جو شخص قادر ہے اور بے خیالی یا بے پروائی یا جلدی کے باعث اسے چھوڑتا ہے یا سیکھے تو آ جائے مگر نہیں سیکھتا ہمارے ائمہ کرام مذہب رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس کی نماز باطل اور اس کی امامت کے بطلان اور اس کے پیچھے اوروں کی نماز فاسد ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔''
(فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۱۰۴)

حرف ضاد نہ تو ظاد ہے اور نہ دواد اور نہ ہی دال ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: ظاد اور دواد دونوں محض غلط ہیں بلکہ اس کا مخرج زبان کی ایک طرف کی کروٹ اسی طرف کی بالائی داڑھوں سے مل کر درازی کے ساتھ ادا ہونا اور زبان اوپر کو اٹھ کر تالو سے ملنا اور ادا میں سختی وقوت ہونا ہے اس کا مخرج سیکھنا مثل تمام حرفوں کے ضروری ہے'' (فتاوی رضویہ ج ۳، ص ۱۰۱)

لہٰذا تمام لوگوں پر ضروری ہے کہ وہ حروف کو صحیح ادا کرنے کی کوشش کریں جب تک کوشاں رہیں گے ان کی نماز اور ان کے مقتدیوں کی نماز صحیح مانی جائے گی اور اگر اکتا کر کوشش کرنا چھوڑ دیں یا از سر نو کوشش ہی نہ کریں تو نہ ان کی نماز ہوگی اور نہ ان کے مقتدیوں کی۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۲۰ میں ہے۔

اور قرآن کریم میں قصداً ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنا خواہ نماز میں ہو یا بیرون نماز حرام قطعی و گناہ عظیم، افترا علی اللہ، تحریف کتاب کریم ہے۔ ایسا ہی فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۱۱۱ میں ہے۔ لہٰذا اگر شخص مذکور نے قصداً ''ذ'' کو ''ج'' پڑھا جو کہ مہمل ہے تو نہ اس کی نماز ہوئی اور نہ اس کے مقتدیوں کی اور گناہ عظیم اس کے سوا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''وان تعمد فسدت اھ'' (ج ۱ ص ۷۹) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی
۲۷ر محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

الفاظ قرآن ادا نہ ہوں تو کیا نماز میں ان کا ترجمہ پڑھ سکتا ہے؟

مسئلہ جس شخص سے عربی کا صحیح تلفظ نہ ادا ہو تو وہ کسی اور زبان میں مثلاً ہندی وغیرہ میں عربی کا ترجمہ نماز و فاتحہ وغیرہ میں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: فاروق احمد قادری عثمان علی قادری چلبلا نہوائی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب جس شخص سے عربی کا صحیح تلفظ ادا نہ ہو تو وہ کسی اور زبان میں عربی کا ترجمہ وغیرہ ہرگز نہیں پڑھ سکتا بلکہ اس پر حروف کی صحیح ادائیگی کی کوشش واجب ہے اگر کوشش کے باوجود صحیح حروف ادا نہیں ہوتے تو اس کوشش کے دوران نمازیں وغیرہ صحیح و درست ہیں اگر کوشش ترک کردی تو گنہگار ہوگا اور نماز فاسد ہوگی۔ جیسا کہ درمختار کتاب الامامۃ میں ہے: "وحرر الحلبی و ابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما کالامی" اھ ردالمحتار میں ہے: "قولہ دائما ای فی آناء اللیل و اطراف النھار فمادام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیہ فصلاتہ جائزۃ وان ترک جھدہ فصلاتہ فاسدۃ کما فی المحیط" اھ (ج ۱ ص ۵۸۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد ارشد رضا نظامی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۲۲ رصفر المظفر ۲۴ھ

قرآن صحیح پڑھنا فرض ہے جس سے حروف ادا نہ ہوں عمر بھر شب و روز کوشش کرے

مسئلہ کم پڑھے لکھے لوگ جن کی زبان سے کچھ عربی حروف تجی صحیح ادا نہیں ہوتے مثلاً ح، غ، ط، ق، ظ، ذ، ض، ش، وغیرہ اگر یہ حروف صحیح ادا نہ کیے جائیں تو قرآنی آیات کے معنی تبدیل ہوجاتے ہیں جو پڑھنے والے کے ذمہ ہوں گے تو کیا ان بے پڑھے لکھے لوگوں کو قرآن کی تلاوت کرنی چاہیے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد عظیم الدین القادری اکوٹ فیل اشوک نگرا کولہ، مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب قرآن مجید مطلقاً صحیح پڑھنا فرض ہے نماز میں ہو یا خارج نماز اس طرح کہ حرف کو حرف سے امتیاز و تلبیس و تبدل سے احتراز حاصل ہو جیسا کہ سورۂ مزمل میں ہے: "وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا" اھ (پارہ ۲۹ آیت ۴) اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو" (کنزالایمان) اور خزائن العرفان میں ہے "یعنی رعایت

وقوف اور ادائے مخارج کے ساتھ پڑھو" اھ نیز فتاوی امجدیہ باب القراۃ میں مقدمہ جزریہ کے حوالے سے ہے:

والاخذ بالتجوید حتم لازم
من لم یجود القرآن آثم
لانہ بہ الالہ انزلا
وھکذا منہ الینا وصلا

یعنی تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنا لازم حتمی ہے جو قرآن کو تجوید کے ساتھ نہ پڑھے گنہگار ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی قرآن کو نازل فرمایا اور ایسا ہی قرآن ہم تک پہنچا" اھ (ج۱ ص۸۶)

لہٰذا جن سے جو حروف غلط ادا ہوتے ہیں ان حروف کی صحیح ادائیگی کی کوشش ان پر واجب ہے اگر کوشش کے باوجود حروف صحیح ادا نہیں ہوتے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ عمر بھر شب و روز کوشش کرتا رہے تو اس درمیان تلاوت کرنے اور نماز میں قرأت کرنے میں کوئی حرج و گناہ نہیں۔ لیکن اگر کوشش ترک کر دی تو گنہگار ہوگا اور نماز فاسد ہوگی جیسا کہ درمختار باب الامامۃ میں ہے:

"وحرر الحلبی و ابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالأمی" اھ اور اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے قولہ دائما ای فی آناء اللیل و اطراف النھار فما دام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیہ فصلاتہ جائزۃ وان ترک جھدہ فصلاتہ فاسدۃ کما فی المحیط" اھ

(ج۱ ص۵۸۲) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ارشد رضا نظامی مصباحی
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

اللہ بر، الھمد، گیر المغدوب، سائنک وغیرہ پڑھنے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ملت اس مسئلہ میں:

ایک امام اللہ اکبر کو "اللہ بر"، الحمد کو "الھمد" غیر المغضوب کو "گیر المغدوب" پڑھتا ہے شانئك کو "سائنك" وغیرہا اغلاط بھی کرتا ہے لیکن پچیس سال سے نماز پڑھاتا ہے اب اگر اسے ہٹاتے ہیں تو لڑائی ہونے کا خدشہ ہے ایک دوسرا عالم موجود ہے لیکن اس کے بھی مخارج درست نہیں ہیں جماعت میں شامل ہو گیا کراہت سمجھتے ہوئے تو کیا اس عالم کے شریک نماز ہوتے ہی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ بینوا توجروا۔ المستفتی: شبیر احمد مدرسہ حنفیہ محلہ عالم خان نواب یوسف روڈ جون پور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب قرآن مجید مطلقاً صحیح پڑھنا فرض ہے نماز ہو یا خارج نماز، یہاں تک کہ حرف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس و تبدیل سے احتراز حاصل ہو۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً" (سورۂ مزمل آیت ۴) اور فتاویٰ امجدیہ باب القرأۃ میں مقدمۂ جزریہ کے حوالے سے ہے۔

والاخذ بالتجوید حتم لازم — من لم یجود القرآن آثم

لانہ بہ الالہ انزلا — وھکذا منہ الینا وصلا

یعنی تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنا حتمی لازمی ہے اور جو شخص قرآن کو تجوید کے ساتھ نہ پڑھے گنہگار ہے اس لیے کہ اللہ نے ایسا ہی قرآن کو نازل فرمایا اور ہم تک ایسا ہی پہنچا (ج ۱ ص ۸۶) لہٰذا امام مذکور جو اللہ اکبر کو اللہ بر، الحمد کو الھمد، غیر المغضوب کو گیر المغدوب، پڑھتا ہے اس پر واجب ہے کہ جو حروف غلط ادا ہوتے ہیں ان کی صحیح ادائیگی کی کوشش کرے اگر وہ کوشش کرتا ہے مگر اس کے باوجود صحیح ادا نہیں ہوتے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ عمر بھر شب و روز کوشش کرتا رہے تو اس درمیان کی پڑھی گئی نمازیں جائز و درست ہیں اگر اس جیسا کوئی دوسرا ہو یعنی جو حروف یہ ادا نہیں کر سکتا ہے دوسرا بھی انہیں حرف کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی امامت بھی کر سکتا ہے یا بقدر فرض قرآن مجید کا وہ حصہ پڑھ سکتا ہے جس میں وہ حرف نہ ہو جسے ادا نہیں کر سکتا تو ان تینوں حالتوں کے سوا غلط پڑھے گا تو خود اس کی نماز نہ ہوگی اور جب خود اس کی نہ ہوگی تو دوسرے مقتدیوں کی بھی نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے

"ولا (یصح اقتداء) غیر الالثغ بہ ای بالالثغ علی الاصح کما فی البحر عن المجتبیٰ وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الامثلہ لا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ اوترک جھدہ او وجد قدر الفرض مما لالثغ فیہ ھذا ھوالصحیح المختار فی حکم الالثغ و کذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف۔" (ج ۱ ص ۵۸۱) ردالمحتار میں ھذا ھوالصحیح کے تحت ہے ذٰلک کالرحمن الرھیم والشیتان الرجیم، والٓمین وایاک نأبد وایاک نستئین السرات انامت وفکل ذٰلک حکمہ مامر من بذل الجھد دائما والا فلا تصح الصلاۃ بہ۔" (ج ۱ ص ۵۸۲) ایسا ہی فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۸۶ پر بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد احمد قادری مصباحی
۹ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

علم تجوید واجب ہے اور اتنا علم کہ حروف صحیح ادا ہوں فرض ہے تصحیح حروف کا بہتر طریقہ اگر حروف کے عدم امتیاز سے معنیٰ فاسد ہو جائے تو نماز فاسد ہوگی

مسئلہ محمد سراج الدین بیابانی، قفل منزل، شادی محل کے پاس اروندنگر، ہوسپیٹ کرناٹک

علم تجوید کیا ہے؟ اس کو کب اور کس طرح سکھائے کیا بچے کو ''یسرن القرآن'' پڑھاتے وقت ہی تجوید کے ساتھ پڑھائے یا قرآن شریف ناظرہ پڑھاتے وقت یا قرآن شریف حفظ ہو جانے کے بعد؟ بغیر تجوید کے حافظ کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب علم تجوید حاصل کرنا واجب ہے اور اس کا وجوب قرآن شریف سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً" قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ (سورۃ المزمل/ ۴)

اسی آیت کے تحت تفسیر کبیر میں ہے:

"قال الزجاج رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً. بينه تبيينا والتبيين لايتم بأن يعجل فى القرآن، انما يتم بأن يتبين جميع الحروف ويوفى حقها من الاشباع "ترتيلا" تأكيد فى ايجاب الأمر به وانه ممالا بد منه للقارئ." (ج۱۰،ص ۶۸۳)

اور تجوید کا اتنا علم حاصل کرنا کہ قرآن شریف پڑھتے وقت تمام حروف اپنے مخارج سے صحیح طور پر ادا ہوں فرض عین ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''بلاشبہ اتنی تجوید جس سے تصحیح حروف ہو اور غلط خوانی سے بچے فرض عین ہے۔'' (ج ۳،ص ۱۳۰)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "واما حد القرأة فنقول تصحيح الحروف أمر لابد منه."
(ج۱،ص ۶۹، الباب الرابع فى صفة الصلاة)

تصحیح حروف کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب بچے ابتدائی کتابیں مثلاً ''یسرن القرآن'' وغیرہ پڑھتے ہوں اسی وقت سے آہستہ آہستہ صحت کے ساتھ پڑھانے کی کوشش کی جائے تاکہ قرآن شریف پڑھتے وقت ادائیگی حروف میں دشواری نہ ہو اور اگر ابتدائی کتابیں پڑھاتے وقت اس کا التزام نہیں کیا گیا تو قرآن شریف ناظرہ پڑھانے اور حفظ کرانے کے لیے ضرور ایسا استاذ رکھا جائے جو برعایت تجوید پڑھا سکے تاکہ بچے غلط پڑھنے سے محفوظ رہیں۔

تجوید سے ناواقف حفاظ اگر قرآن شریف اس طرح پڑھتے ہیں کہ تمام حروف ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہو پاتے جس کی وجہ سے معنیٰ فاسد ہو جائے تو ان کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔ ان پر واجب ہے کہ پہلے

صحیح پڑھنا سیکھیں اس کے بعد امامت کے لیے آگے بڑھیں۔ فتاویٰ رضویہ میں مقدمہ امام جزری سے ہے:

"اذواجب علیھم محتم قبل الشروع اولاً ان یعلموا مخارج الحروف والصفات لینطقوا بافصح اللغات" (ج ۳، ص ۱۲۸، باب القرأۃ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

سجدۂ تلاوت کا سجدہ فوراً کرنا کیا واجب ہے؟

مسئلہ (۱) اکثر قرآن خوانی میں دیکھا گیا کہ قاری اپنا پارہ ختم کر کے بغیر سجدہ تلاوت کے چلے جاتے ہیں۔ جب کہ انہیں کہا جاتا ہے کہ جس کسی کو سجدہ تلاوت آئے وہ فوراً سجدہ کرے اس کے باوجود خواتین بغیر سجدے کے چلی جاتی ہیں اور پھر بعد میں جب اہل خانہ کو موقع ملے تب وہ ایک ساتھ چودہ سجدے ادا کرتا ہے۔

کیا ختم قرآن کے آخر میں ایک ساتھ چودہ سجدے کر سکتے ہیں؟

(۲) فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت بعض اوقات سجدہ تلاوت آجاتا ہے اور یہ سوچ کر کہ سورج نکلنے کے بعد سجدہ کرلیں گے۔ مگر وہ سجدہ بھول جائے اور یاد ہی نہ ہو خدانخواستہ وہ سجدہ اس طرح رہ جائے تو کیا گناہ کے مرتکب ہوں گے؟ **المستفتی:** صغریٰ بشیر قادری، دربار کالونی، سکندر نگر، احمد نگر، ایم ایس

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) سجدہ تلاوت کی تفصیل یہ ہے کہ اگر آیت سجدہ نماز میں پڑھی ہے تو اس کا ادا کرنا فوراً واجب ہے۔ اگر قصداً دو تین آیت سے زیادہ تاخیر کرے گا تو گنہگار ہوگا توبہ لازم ہے۔ اگر نماز کے علاوہ آیت سجدہ پڑھی یا سنی تو فوراً اسی وقت سجدہ کرلینا واجب نہیں ہاں بہتر و افضل یہی ہے کہ فوراً ادا کرے۔ البتہ اگر باوضو ہے تو مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ ہے۔ درمختار میں ہے:

"ھی علی التراخی علی المختار ویکرہ تاخیرھا تنزیھاً، ان لم تکن صلویۃ فعلی الفور لصیرورتھا جزءاً منھا ویأثم بتاخیرھا" اھ ملخصاً (کتاب الصلاۃ باب سجود التلاوۃ، ج ۲ ص ۵۸۳ / ۵۸۴ مطبع زکریا)

یعنی مختار یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت فی الفور لازم ہوتا اور اس کا مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ وہ نماز میں لازم نہ ہوا ہو، اور اگر نماز میں لازم ہوا تو فی الفور لازم ہوگا۔ کیونکہ اب وہ نماز کا حصہ بن جائے گا اب اس کی تاخیر سے گناہ ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے"تفسیر الفور: عدم طول المدۃ بین التلاوۃ والسجدۃ بقراءۃ اکثر من آیتین او ثلاث (ج ۲ ص ۵۸۴)

یعنی فی الفور کی تفسیر یہ ہے کہ تلاوت اور سجدہ کے دوران دو یا تین آیات کی قرأت کی مقدار کا فاصلہ نہ ہو جائے۔ لہٰذا حکم یہ ہے کہ خواتین جب قرآن خوانی وغیرہ میں آیت سجدہ پڑھیں اور انہیں کوئی عذر نہ ہو تو افضل یہی ہے کہ فوراً سجدہ تلاوت کرلیں بعد کے لیے نہ چھوڑ رکھیں کہ تاخیر کرنے میں بھول ہوسکتی ہے جس کی بنا پر وہ گنہگار ہوں گی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''سجدۂ صلاتیہ جس کا ادا کرنا نماز میں واجب ہو اس کا وجوب علی الفور ہے، یہاں تک کہ دو تین آیت سے زیادہ تاخیر گناہ ہے اور غیر صلاتیہ میں بھی افضل واسلم یہی ہے کہ فوراً ادا کرے جب کہ کوئی عذر نہ ہو کہ اٹھا رکھنے میں بھول پڑتی ہے وفی التاخیر آفات ولہٰذا علماء نے اس کی تاخیر کو مکروہ تنزیہی فرمایا مگر نا جائز نہیں'' (کتاب الصلاۃ باب سجود التلاوۃ ج ۳ ص ۶۵۳) مگر خیال رہے کہ آیت سجدہ کوئی پڑھے اور اس کی جانب سے کوئی دوسرا شخص سجدہ کرے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے یہ کافی نہ ہوگا بلکہ اس کا وجوب ویسے ہی آیت سجدہ پڑھنے اور سننے والے کے سر باقی رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جس شخص پر سجدہ تلاوت واجب ہو اس پر لازم وضروری ہے کہ اسے ادا کرے اگر ادا نہیں کیا تو ترک واجب کے باعث گنہگار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد آصف ملک علیمی
۴ رشعبان المعظم ۱۴۲۴ھ

دو شخص اس طرح قرآن پڑھیں کہ ایک شخص ایک صفحہ پڑھے اور دوسرا شخص دوسرا صفحہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ دو شخص قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں ایک شخص ایک صفحہ دوسرا شخص دوسرا صفحہ اس طرح پورا پارہ یا کچھ حصہ پڑھتے ہیں تو اس طریقے سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد ابراہیم رضوی، حاجی بابا، ممبئی

الجواب دو شخص اس طرح تلاوت کر رہے ہیں کہ ایک شخص ایک صفحہ دوسرا شخص دوسرا صفحہ پڑھ رہا ہے تو اگر وہ ایسے قرآن پاک میں تلاوت کر رہے ہیں کہ اس میں لازمی طور سے ہر صفحہ پر آیت ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً ''حافظی قرآن'' تو مذکورہ طریقہ پر تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہاں اور اگر وہ ایسے قرآن پاک میں

تلاوت کر رہے ہیں جس میں لازمی طور سے ہر صفحہ پر آیت ختم نہیں ہوتی تو مذکورہ طریقہ پر تلاوت کرنا صحیح نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اگر اس صفحہ میں آیت ختم ہو جاتی ہے تو ٹھیک ورنہ آنے والے دوسرے صفحہ پر آیت ختم کرے تاکہ معنیٰ برقرار رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی **کتبہٗ:** محمد ہارون رشید قادری کمبولوی گجراتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی ۱۴؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

آداب تلاوت، چند لوگوں کا یکجا ہو کر بلند آواز سے تلاوت کرنا حرام ہے، آیت سجدہ سے فوراً سجدہ واجب نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ لوگ خیر و برکت کے لیے دوکان و مکان میں قرآن خوانی کا اہتمام کرتے ہیں اس کے لیے کون سا وقت بہتر ہے کیا اس کے لیے کوئی وقت خاص ہے نیز قرآن خوانی کس طرح کرنا چاہیے کچھ لوگ ناظرہ خواں جو قرآن مجید تجوید سے پڑھنا نہیں جانتے انہیں سے عصر و مغرب کے درمیان قرآن خوانی کرواتے ہیں تو کیا یہ صحیح ہے اور کوئی سجدۂ تلاوت کی آیت تلاوت کرے مگر سجدہ نہ کرے تو اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: سید مقبول خلیل قادری بہار پیٹ چترادرگہ کرناٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ایک ساتھ جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا باعث اجر و ثواب ہے۔ حدیث شریف میں

"مامن قوم یذکرون اللہ عزوجل لا یریدون بذلک الا وجہ اللہ الا ناداھم منادٍ من السماء قوموا مغفوراً لکم وقد بدلت سیاتکم حسنات"

یعنی جو لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے اللہ کی خوشنودی اور اس کے ثواب کا ارادہ کرتے ہیں تو آسمان سے ایک پکارنے والا انہیں پکارتا ہے کہ تم کھڑے ہو اس حال میں کہ تم بخشے گئے ہو تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئی ہیں۔ (کنز العمال ص ۴۳۸ ج ۱)

تلاوت قرآن کے لیے کوئی خاص وقت متعین نہیں ہے البتہ اوقات مکروہہ و ممنوعہ میں نہ کریں بلکہ ذکر و درود شریف میں مشغول رہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "بعد نماز عصر تلاوت قرآن عظیم جائز ہے دیکھ کر ہو خواہ یاد پر مگر جب آفتاب قریب غروب پہنچے اور وقت کراہت آئے اس وقت تلاوت ملتوی کی جائے اور اذکار الٰہیہ کیے جائیں کہ آفتاب

نکلتے اور ڈوبتے اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز ناجائز اور تلاوت مکروہ ہے"۔ (ص۳۵۹ ج۲)

البحرالرائق میں ہے: فی المغیۃ الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الاوقات التی تکرہ فیہا الصلاۃ والدعاء والتسبیح افضل من قراءۃ القرآن" اھ ولعلہ لان القراءۃ رکن الصلاۃ وھی مکروھۃ فالاولی ترک ما کان رکنا لھا" اھ (کتاب الصلاۃ ص۲۵۱ ج۱)

جب قرآن حکیم کی تلاوت کریں تو باوضو قبلہ رو اچھے کپڑے پہن کر تلاوت کریں اور شروع تلاوت میں اعوذ باللہ پڑھیں اور ابتدائے سورۃ میں بسم اللہ اور شروع قرأت وابتداے سورۃ میں اعوذ باللہ و بسم اللہ دونوں پڑھیں۔ غنیۃ میں ہے:

یستحب ان یکون علی طھارۃ مستقبل القبلۃ لابسا احسن ثیابہ اکراماً واکمالاً لتعظیم القرآن ویستعیذ و یسمی والتعوذ یستحب مرۃ واحدۃ مالم یفصل بعمل دنیوی" اھ (القرأۃ خارج الصلاۃ ص۴۹۵)

اگر چند اشخاص پڑھنے والے ہوں تو آہستہ تلاوت کریں کہ مجمع میں سب لوگوں کا بلند آواز سے تلاوت کرنا حرام ہے۔ اور اگر دوران تلاوت آیت سجدہ پڑھ لیں فوراً سجدہ تلاوت واجب نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ اسی وقت کرلیں اور اگر کسی وجہ سے فوراً سجدہ نہ کرسکیں تو اس وقت سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ پڑھ لیں۔ بعد میں سجدہ تلاوت کریں۔ درمختار میں ہے:

ولا من المؤتم لو کان السامع فی صلاتہ وھی علی التراخی علی المختار ویکرہ تاخیرھا تنزیھا ان لم تکن صلاتہ" اھ

درمختار میں ہے: یجب الاستماع للقرأۃ مطلقاً لان العبرۃ لعموم اللفظ" اھ (ج۲ ص۲۶۸ باب صفۃ الصلاۃ)

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

یستحب للتالی او السامع اذا لم یمکنہ السجود ان یقول سمعنا و اطعنا غفرانك رَبَّنا والیك الْمَصِیر" (باب سجود التلاوۃ ص۱۰۹ ج۲)

قرآن مجید کے حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا ضروری ہے ورنہ معنی بدل جانے کا خطرہ ہے اور جو لوگ صحیح تلفظ پر قدرت نہ رکھتے ہوں انہیں لازم ہے کہ تصحیح حروف کے لیے حتی الامکان کوشش جاری رکھیں ورنہ نماز نہ ہوگی۔ ردالمحتار میں ہے:

من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف کالرحمن والرحیم والشیطان الرجیم،

اياك نابدو اياك نستئين، السرات، انأمت فكل ذلك حكمه مامر من بذل الجهد دائما والافلا تصح الصلاة به" اھ ملحضاً (ص ۲۰۹ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد صابر علی قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

تحیات سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

مسئلہ نورانی تعلیم حصہ دوم صفحہ ۱۹ میں بحوالہ فتاوی رضویہ ہے کہ" التحیات کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھنا چاہیے۔" یہ نہی تحریمی ہے یا تنزیہی؟ **بینوا توجروا**

المستفتی: قاضی محمد اطیع الحق عثمانی قادری، علاء الدین پور، ڈاک خانہ سعد اللہ نگر ضلع بلرام پور یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب التحیات کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کہ یہ آیت قرآنی ہے جو قیام کے سوا کسی اور رکن میں پڑھنا جائز نہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے" قیام کے سوا رکوع وسجود وقعود کسی جگہ بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں کہ وہ آیت قرآنی ہے اور نماز میں قیام کے سوا اور جگہ کوئی آیت پڑھنی ممنوع ہے" اھ (ص: ۱۳۴ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد صدیق عالم منظری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

■❖■

بَابُ الْاِمَامَةِ

امامت کا بیان

کمیشن پر چندہ کی شرطیں، پیٹ سینہ سے باہر ہو تو امامت کر سکتا ہے سود خور اور زانی کے یہاں کھانے کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت ان مسائل میں

(۱) امام امامت کے ساتھ ساتھ فطرہ زکاۃ اور طرح طرح کا چندہ کر کے اس کا کمیشن لے سکتا ہے یا نہیں اگر لے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) امامت کرنے والے کا پیٹ سینے سے باہر ہو تو امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) امام سود خور، وطن سے دشمنی رکھنے والا، چور، ڈکیت، زانی، مجرم جو سزا پا چکا ہے اس کے یہاں دعوت کھا سکتا ہے یا نہیں اگر کھاتا ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: سید علی ایم اے اتہاس، چھتیس گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) کمیشن پر چندہ کرنا چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

(۲) سفیر کے پاس جو روپے زکوۃ وصدقہ، فطرہ وغیرہ کے جمع ہوں ان میں سے کچھ بھی اپنے کام حتی کہ کرایہ، چائے، ناشتہ وغیرہ میں خرچ نہ کرے۔

(۲) اس کے وصول کردہ روپیے میں سے حق المحنت دینا طے نہ ہوا ہو۔

(۳) کمیشن کی شرح اس لحاظ سے ہو کہ اسے جو کمیشن ملے وہ کام کے دنوں تک اس کے اور اس کے بال بچوں کے اوسط اخراجات کے لیے کافی ہو۔ اگر امام ان شرائط کی پابندی کرتا ہے تو اس کی امامت جائز ودرست ہے اور کمیشن پر چندہ کرنے والا اجیر مشترک ہوتا ہے اس کی اجرت کام پر موقوف رہتی ہے کہ جتنا

کرے گا اس کے حساب سے مزدوری پائے گا۔ بہار شریعت میں ہے "کام میں جب وقت کی قید نہ ہو تو اگرچہ وہ ایک ہی شخص کا کام کرے تو یہ بھی اجیر مشترک ہے مثلاً درزی کو اپنے گھر میں کپڑا سینے کے لیے رکھا اور یہ پابندی نہ ہو کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک سیئے گا اور روزانہ یا ماہانہ یہ اجرت دی جائے گی بلکہ جتنا کام کرے گا اس حساب سے اجرت دی جائے گی تو یہ اجیر مشترک ہے" اھ (ج ۱۴ ص ۱۴۴)

درمختار فوق ردالمحتار میں ہے "الاجراء علی ضربین مشترک و خاص فالاول من یعمل لا لواحد کالخیاط و نحوہ او یعمل له عملا غیر مؤقت کان استاجرہ للخیاط فی بیته غیر مقیدۃ بمدۃ کان اجیراً مشترکاً وان لم یعمل لغیرہ" اھ (ج ٦ ص ۵۴)

لہٰذا ایسے لوگوں کو اور اس امام کو جو امامت کے ساتھ کمیشن پر چندہ کرتا ہے سب کو مزدوری وصولی کے اعتبار سے بقدر ضرورت دینا جائز ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ خاص وصولی کے روپے سے اجرت دینا طے نہ کیا گیا ہو پھر چاہے اس روپے سے دی جائے تاکہ قفیز طحان نہ ہو جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے درمختار میں ہے والحیلة ان یسمی قفیزا بلا تعیین ثم یعطیه قفیزاً منه فیجوز۔ اھ (ج ۵ ص ۴۰)

اور ظاہر ہے کہ زکاۃ، فطرہ اور دیگر صدقات واجبہ کے اصل مصارف فقراء و مساکین وغیرہ ہیں مگر دینی علوم کے اہم ترین ضرورت کے پیش نظر اسلامی مدارس میں ایسی رقموں کو صرف کرنے کے لیے حیلہ شرعی کی اجازت دی گئی ہے لہٰذا ایسی رقموں کو زیادہ سے زیادہ انہیں چیزوں میں صرف کرنا چاہئے جن کا تعلق علوم دینیہ کی بقا سے ہو مثلاً مدرسین کی تنخواہ کتابوں کی فراہمی اور طلبہ کے کھانے پینے کا انتظام وغیرہ کہ یہی چیزیں حیلہ شرعی کے اسباب جواز ہیں اور سفارت بھی ایک شعبہ ہے اس لیے اس کی اجرت بھی اس فنڈ سے دی جاسکتی ہے مگر اس کی اجرت اتنی مقرر کرے کہ یہ ضرورت پوری ہو جائے اس سے زیادہ کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی الاشباہ والنظائر میں ہے ما ابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا۔ (ص: ۷۳)

اور بعض سفراء کل وصولی اپنے کام میں صرف کر دیتے ہیں پھر تھوڑا تھوڑا جمع کرتے ہیں یا اپنی تنخواہ میں وضع کرواتے ہیں بعض سفیر اپنی اجرت جمع کرنے سے پہلے نکال لیتے ہیں یہ سب ناجائز و حرام ہے کہ یہ امانت میں خیانت ہے:

قال اللہ تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۲۷﴾ (سورۂ انفال آیت ۲۷)

لہٰذا سفیروں پر لازم ہے کہ چندہ کے سب روپے مدرسہ میں جمع کر دیں پھر بعد تملیک جو حق المحنت

انہیں ملے اسے اپنے خرچ میں لائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ایسا شخص امام ہوسکتا ہے اس کے امام ہونے میں کوئی حرج نہیں اور نہ اس میں شرعاً کوئی قباحت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) سودخور کے یہاں کھانا، پینا اور اس کے ساتھ میل جول نہیں رکھنا چاہیے یہ حدیث شریف میں ہے:

لیاتین علی الناس زمان لا یبقی منھم احدٌ الا آکل الربا فان لم یاکله اصابه من بخاره وغبارہ"

یعنی ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سب لوگ سودخور ہوجائیں گے اگر خود کوئی سود نہ کھائے تو اسے بھی سود کا بخار پہنچے گا۔ (ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۶۵)

لمعات شرح مشکوۃ میں ہے:

"ذلك بان یکون موکلا او شاھداً او کاتبا او ساعیاً او اکل من ضیافته او ھدیته.

اس کا بخار پہنچنے کی صورت میں یہ ہے کہ سود دے یا اس کا گواہ بنے یا کاغذ لکھے یا اسے کو دلانے کی کوشش کرے یا اس کی ضیافت یا ہدیہ میں سے کھائے یعنی سودخوروں کے یہاں اس کی ضیافت کھانا بھی اس کا بخار پہنچنے کا سبب ہوتا ہے۔ ایسا ہی فتاوی امجدیہ ج ۳ ص ۲۲۲ پر بھی ہے۔

سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں "جس کا ذریعۂ معاش صرف مال حرام ہے اس کے یہاں سے بچنا ہی اولیٰ ہے۔ "تحرزاً عن الخلاف" مگر کوئی کھانا حرام نہیں جب تک کہ تحقیق نہ ہو کہ خاص یہ کھانا وجہ حرام سے ہے" عملاً باصل الحل ہاں یہ جدا بات ہے ایسے فاسقوں کے یہاں خلط ملط مناسب نہیں خصوصاً ذی علم کو" اھ (فتاوی رضویہ ج ۹ نصف اول ص ۲۲۴)

رہا زانی مجرم تو وہ مرتکب گناہ کبیرہ ہے لیکن اس کا کسب حرام نہیں مگر اس کے یہاں جانے سے تہمت کا قوی اندیشہ ہے اور وہ گناہ پر جری ہوگا لہٰذا اس کے یہاں جانے اور کھانے سے احتراز ضروری ہے:

قَالَ اللہُ تَعَالیٰ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ"

امام پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے میل جول نہ رکھے اور ان کے یہاں کھانے پینے سے احتراز کرے واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: فیض محمد مصباحی
۵؍ ذی القعدہ ۱۴۲۵ھ

کرکٹ میچ کھیلنا، دیکھنا یا کمنٹری سننا جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کرکٹ میچ کھیلنا دیکھنا یا کمنٹری سننا جائز ہے یا نہیں اگر نا جائز ہے تو جو شخص علانیہ ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے اس کی امامت کیسی ہے؟

المستفتی: عبدالرحمن رضوی واصف القادری رمول کملول، دربھنگہ، بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب تین کھیل کے علاوہ جتنے ہیں سب حرام وہ یہ ہیں۔

(۱) تیر اندازی (۲) گھوڑے کو ادب دینا (۳) بیوی کے ساتھ ملاعبت کرنا حدیث پاک میں ہے:

"قال علیہ السلام لھو المومن باطل الا فی ثلث تادیبہ فرسہ و فی روایۃ ملاعبتہ بفرسہ و رمیہ عن قوسہ و ملاعبتہ مع اھلہ" اھ (ردالمحتار ج۶ص ۳۴۸)

اور کرکٹ تینوں مذکورہ کھیلوں سے نہیں لہذا کرکٹ کھیلنا حرام ہے اور جو فعل حرام ہے اس میں شریک ہونا اس کا تماشہ دیکھنا اور اس کا سننا سب حرام ہے کہ یہ گناہ پر تعاون ہے، فتاوی رضویہ ج ۹ نصف اول ص ۱۶۰ میں ردالمحتار سے ہے: "ما یفعلہ متصوفۃ زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس الیہ و من قبلھم لم یفعل کذلک" اھ

اور درمختار "باب الحظر والاباحۃ" میں ہے انہ علیہ السلام ادخل اصبعہ فی اذنہ عند سماعۃ (ج۶ص ۳۴۹)

قال اللہ عزوجل ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" اھ (سورۃ المائدہ، آیت ۲)

لہٰذا جو شخص ان مذکورہ حرام چیزوں کا علانیہ مرتکب ہوا سے امام بنانا گناہ ہے، فتاوی رضویہ میں ہے "اگر فاسق معلن ہے کہ علانیہ کبیرہ کا ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہے تو اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پڑھ لی ہو تو پھیرنی واجب" اھ (ج ۳ ص ۲۵۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد صابر حسین فیضی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۱ ذی القعدہ ۱۴۲۵ھ

تجارت کرنے والا امامت کر سکتا ہے؟ سودخور جعل ساز کے یہاں ضیافت کیسی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء و مفتیانِ دین شرع متین مسائل ذیل میں!

(الف) امامت پیشہ ہو اور بحیثیت امام دوکانداری اور تجارتی معاملات میں دن بھرا لجھا رہے کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(ب) دیدہ دانستہ اور جان بوجھ کر پیش امام اور قاضی شہر ایسے مکان میں دعوت کھائیں جن کی ذریعہ آمدنی سودخوری، جعل سازی، جعلی نوٹوں کا دھندہ اور غیر شرعی طریقے سے ہو کیا اس امام اور قاضی شہر کے پیچھے نماز جائز ہے؟

(ج) ایسی شخصیت جس کا دھندہ سودخوری، جعلی نوٹ ہو، اور جو آئے دن مقدمات میں کورٹ کچہری کے چکر لگاتا ہو اور ظالم ہو، ایسی شخصیت اگر محلہ کی مسجد کے امام صاحب کو حج پر روانہ کرے اور وہ امام جان بوجھ کر بھی حج کے لیے جائے اور واپس آئے تو ایسے امام کے پیچھے کیا نماز جائز ہے؟ **المستفتی: حبیب اللہ، بلاری**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص اوقات نماز میں لوگوں کو نماز پڑھائے اور دوسرے اوقات میں تجارت کرے، امامت مانع تجارت نہیں ہے اور تجارت مانع امامت نہیں ہے۔

یونہی تجارت کے باوجود امامت پر اجرت لینا بھی ممنوع نہیں ہے، اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"فی الواقع اخذ اجرت بر تعلیم قرآن عظیم و دیگر علوم و اذان و امامت جائزست علی ما افتی بہ الائمۃ المتاخرون نظرا الی الزمان حفظاً علی شعائر الدین والایمان" (فتاوی رضویہ، ج ۸ ص ۱۶۳)

(ب) جو چیز کھانے کے لیے لائی گئی اگر معلوم ہے کہ بعینہ اسی مال حرام سے لائی گئی ہے تو اس کا کھانا حرام ہے ورنہ نہیں۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "بہ ناخذ مالم نعرف شیئاً حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ" "مگر" سودخور کے یہاں کھانے سے اجتناب ہی چاہیے۔ خصوصاً عالم دین کو ایسی دعوت سے بچنا چاہیے کہ اس میں شرعی مصلحت ہے تاکہ سودخور، اور غیر شرعی طریقہ سے مال حاصل کرنے والے کی زجر و توبیخ ہو، اور مسلمانوں کی نگاہ میں اس کے فعل کی تقبیح ہو" (فتاوی امجدیہ ج ۴ ص ۲۴) اور ایسا ہی فتاوی رضویہ جلد نہم نصف اول ۱۷۹ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ج) مال حرام سے حج کو جانا حرام ہے۔ درمختار کتاب الحج میں ہے "قد یتصف بالحرمۃ الحج بمال حرام" اور اس کے تحت ردالمحتار میں ہے "ان الحج لیس حراما بل الحرام ھو انفاق المال

الحرام"۔ اور چند سطر بعد ہے۔ "انہ لا یقبل بالنفقۃ الحرام کما فی الحدیث"۔ اھ (ج ۳ ص ۴۵۳)

جن لوگوں کا ذریعہ معاش حرام ہوتا ہے۔ وہ بھی کچھ ذریعہ معاش حلال کا رکھتے ہیں اور ان کی آمدنی حلال وحرام سے مخلوط ہوتی ہے، پھر جب وہ اپنی کمائی سے کسی کو کچھ دیتے ہیں تو لینے والے کو قطعی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بعینہ وہی مال حرام ہے۔ ہاں اس کا شبہ ہوتا ہے اور صرف شبہ کی بنا پر کوئی سخت حکم جاری نہیں ہوسکتا، صورت مسئولہ میں اگر امام نے ایسے ہی شخص کا مال اسی طرح پر لیا ہے تو اس پر کوئی الزام نہیں، اس کی امامت جائز وصحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی
۲۶ رذی القعدہ ۱۴۲۵ھ

جماعت کھڑی ہو تو آنے والا کہاں کھڑا ہو؟ صف میں جگہ چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ

جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو آنے والے لوگ جماعت میں کس طرف سے شامل ہوں کیا جماعت کے بیچ میں سے آنے والوں کے لیے جگہ خالی چھوڑ دینا درست ہے۔

المستفتی: محمد خلیل احمد مقام عیدگاہ، بہادر پور ضلع بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر بائیں جانب مقتدی کچھ کم ہوں تو آنے والوں کے لے بائیں جانب کھڑا ہونا افضل ہے کہ وہ اقرب الی الامام ہے، اور اگر امام کے دونوں جانب مقتدی برابر ہوں تو داہنی جانب کھڑا ہونا افضل ہے۔ بحر الرائق باب الامامت میں ہے:

"اذا استوی جانب الامام فانہ یقوم الجائی عن یمینہ وان ترجح الیمین فانہ یقوم عن یسارہ"۔ (ج:۱ ص ۳۵۳)

اور فتاوی عالمگیری میں ہے: "افضل مکان الماموم حیث یکون اقرب الی الامام فان تساوت المواضع ففی یمین الامام وھو الاحسن ھکذا فی المحیط"۔ (ج ۱ ص ۸۹)

رہا کسی کے لیے صف میں جگہ چھوڑنا تو یہ ممنوع وناجائز ومکروہ تحریمی ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "وصل صفوف اور ان کی رخنہ بندی اہم ضروریات سے ہے اور ترک فرجہ ممنوع وناجائز"، اھ (فتاوی رضویہ ص ۳۱۶ ج ۳) اور اسی میں ص ۳۱۸ پر ہے "کسی صف میں فرجہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اھ

حدیث شریف میں ہے: "اقیموا الصفوف فانما یصفون لصف الملائکۃ وحاذوا بین المناکب و سدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفاً وصلہ اللہ ومن قطع صفاً قطعہ اللہ۔"

یعنی صفیں درست کرو اور اپنے کندھے سب ایک سیدھ میں رکھو اور صف کے رخنے بند کرو اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور صف میں شیطان کے لیے کھڑکیاں نہ چھوڑو اور جو شخص صف کو ملائے گا اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا اور جو صف کو کاٹے گا اللہ تعالیٰ اسے کاٹے گا" (ابوداؤد شریف، ج ۱ ص ۹۷)

اور فتاوی عالمگیری میں ہے: "وینبغی للقوم اذا قاموا الی الصلوٰۃ ان یتراصوا و یسدوا الخلل ویسووا بین مناکبھم فی الصفوف" (ص ۸۹ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بینک ایجنٹ کے پیچھے نماز کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) زید امام ایک بینک کا ایجنٹ ہے اور بینک اس کو کمیشن دیتی ہے تو کیا صورت مذکورہ میں زید امام کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟ **المستفتی:** محمد یوسف کیر اف مولانا محمد ظفر، ٹاؤن پوسٹ نیوز یا حسین نیور پلی بھیت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں اگر زید کو ناجائز کام نہ کرنا پڑے تو اسے بینک کا ایجنٹ بننا جائز ہے، کام کرنے کی جو اجرت ملے وہ اجرت بھی زید کے لیے حلال ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ "جس (ملازمت) میں خود ناجائز کام کرنے پڑے جیسے یہ ملازمت جس میں سود کا لین دین اس کا لکھنا پڑھنا تقاضہ کرنا اس کے ذمہ ہو ایسی ملازمت خود حرام ہے اگر چہ اس کی تنخواہ خالص مال حلال سے دی جائے وہ مال حلال بھی اس کے لیے حرام ہے اور مال حرام ہے تو حرام در حرام" اھ (فتاوی رضویہ ج ۸ ص ۱۷۳)

لہٰذا زید امام کے اندر بینک کی ملازمت کے علاوہ کوئی اور وجہ شرعی مانع نہ ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد نیاز برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

۱۴؍ ربیع الغوث ۱۴۲۵ھ

کالے خضاب کا استعمال صرف جنگ میں جائز ہے

کون سی غلطی مفسد نماز ہے کون سی نہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں

(۱) ایک مولانا صاحب امامت کرتے ہیں اور وہ اکثر خضاب کا استعمال کرتے ہیں اور اگر پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ میں اس وقت جہاد میں ہوں اور جہاد کر رہا ہوں اور اگر پوچھا جاتا ہے کہ آپ کیسے جہاد میں ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے بال بچوں کی خاطر ذریعۂ معاش کے لئے نکلا ہوں اور میں اپنے بچوں کی محبت اور بیوی کی محبت قربان کر رہا ہوں اور اگر کوئی امامت اجرت نہ لے تو کیا لگانا جائز ہوگا یا نہیں اور بیوی اور بال بچوں کے خاطر ذریعہ معاش کی تلاش میں نکلا ہوں تو کیا یہ جہاد ہے؟ اور اصل جہاد تو لوگوں میں مشہور ہے کہ گھر بار اور ساری محبت کو چھوڑ کر اسلام کے خاطر نکلے اور یہ سمجھے کہ اگر میں لوٹ آیا تو غازی ورنہ شہید ہو جاؤں گا، اور میں جہاد میں ہوں یہ صحیح ہے یا غلط اس کا بھی بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں؟

(۲) اور قرآن مجید بہت ہی غلط پڑھتے ہیں کہیں پہ تو وہ گھٹاتے ہیں اور کہیں وہ بڑھاتے ہیں کیا ان کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں اور وہی مولانا صاحب خضاب بھی لگاتے ہیں کیا قرآن صحیح نہ پڑھنے والوں کے پیچھے نماز ہو جائے گی اور ادا کی ہوئی نمازوں کا کیا حکم ہے، اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد انعام الحق شہباز مسجد، شہباز گاؤں، سی، بی، ڈی، بیلا پور نیو ممبئی (مہاراشٹر)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱و۲) جنگ کے علاوہ کالا خضاب لگانا حرام ہے۔ در مختار میں ہے "ویکرہ بالسواد ای لغیر الحرب" اھ (ج۹ ص۶۰۵)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "سیاہ خضاب حرام ہے: قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیروا ھذا بشیء واجتنبو السواد" رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ" وفی حدیث آخر من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیامۃ رواہ الطبرانی رواہ ابوداؤد والنسائی، اور حدیث صحیح کا ارشاد ہے لا تقربو السواد، سیاہی کے پاس نہ جاؤ" اھ ملخصاً۔ (فتاوی رضویہ ص۱۹۱، ج۹ نصف آخر)

یہاں جہاد سے مراد حرب یعنی جنگ ہے، اسی لیے درمختار میں "لغیر الحرب" فرمایا، اور ظاہر ہے کہ کسب مال یا امامت جنگ یا حرب نہیں، اور جنگ میں کالا خضاب لگانے کی اجازت اس لیے ہے کہ دشمن مجاہد کی کالی داڑھی دیکھ کر جوان خیال کر کے مرعوب وخوفزدہ ہو، ردالمحتار میں ہے:

"قال فی الذخیرۃ اما الخضاب بالسواد للغزو لیکون اھیب فی عین العدو فھو محمود بالاتفاق"۔اھ (ص ۶۰۵ ج ۹)

لہٰذا امام مذکور فعل حرام کا مرتکب ہونے کی وجہ سے فاسق معلن ہے، اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے، خواہ امامت کی اجرت لیتا ہو یا نہ لیتا ہو، غنیۃ ص ۵۱۳ میں ہے۔

"لو قدموا فاسقاً یأثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ"۔ اھ اور درمختار میں ہے "کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ تحریم تجب اعادتھا"۔ اھ (ج ا ص ۲۰۷)

قرأت میں اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے معنی بگڑ گئے تو نماز فاسد ہوگئی، ورنہ نہیں۔ بہار شریعت میں ہے "اس باب میں قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے معنی بگڑ گئے تو نماز فاسد ہوگئی ورنہ نہیں، اور کوئی کلمہ زیادہ کردیا تو وہ کلمہ قرآن میں ہے یا نہیں اور بہر صورت معنی کا فساد ہوتا ہے یا نہیں اگر معنی فاسد ہوجائیں گے نماز جاتی رہے گی، اور اگر معنی متغیر نہ ہوں تو فاسد نہ ہوگی، یا کوئی حرف کم کردیا اور معنی فاسد ہوں تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر معنی فاسد نہ ہوں تو فاسد نہ ہوگی" اھ ملخصا (ص ۱۰۵ تا ۱۰۷ حصہ ۳) اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ومنھا زیادۃ حرف، ان زاد حرفاً فان کان لایغیر المعنی لا تفسد صلاتہ عند عامۃ المشائخ، وان غیر المعنی تفسد ھکذا فی الخلاصۃ"۔ اھ ملخصاً (ص ۸۰-۷۹ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی
۲۵ رجمادی الآخرہ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

امام معین صالح امامت ہو تو وہی احق ہے اگرچہ اس سے اعلم موجود ہو، امام ضرورۃً بازار جاسکتا ہے، امام معہود چھٹی کے علاوہ میں کسی کو نائب بنا کر جائے تو تنخواہ امام کو ملے گی یا نائب کو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) ایک جید اور باصلاحیت عالم دین کے موجود ہوتے ہوئے زید کا امامت کرنا کیسا ہے؟ جب کہ زید صرف حافظ ہے قاری نہیں مزید قرأت قرآن کو مجہول پڑھتا ہے۔

(۲) زید امام ہوتے ہوئے اکثر و بیشتر روزانہ بلاناغہ بازار میں گھومتا رہتا ہے یا دوکانوں پر بیٹھا رہتا

ہے جماعت سے صرف پانچ منٹ پہلے آتا ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھار بغیر سنت ادا کیے ہوئے نماز پڑھانا پڑتا ہے کیا ایسا کرنا امام کو زیب دیتا ہے یا نہیں؟

(۳) زید ہر ماہ کچھ دنوں کے لیے گھر جاتا ہے کبھی اپنا نائب متعین کر کے اور کبھی بغیر متعین کیے ایسی صورت میں امامت کا کام بکر انجام دیتا ہے تو جن دنوں میں زید غیر حاضر رہا ان دنوں کا معاوضہ بکر کا ہوتا ہے یا زید ہی کا۔ اگر زید بکر کو معاوضہ نہ دے کر خود ہی غیر حاضر شدہ دنوں کا معاوضہ لیتا ہے تو اس بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا **المستفتی:** عبداللہ، ہریا بازار بستی یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) اگر امام متعین زید ہی ہے اور قرآن پاک صحیح پڑھتا ہے ساتھ نماز و طہارت کے مسائل ضروریہ سے بخوبی واقف بھی ہے تو اس کی امامت درست ہے اگرچہ اس سے زیادہ علم والا کوئی شخص موجود ہو ''بہار شریعت میں ہے'' امام معین ہی امامت کا حقدار ہے اگرچہ حاضرین میں کوئی اس سے زیادہ علم اور زیادہ تجوید والا ہو۔ اھ (ص ۱۱۶، ح ۳)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے "واما الراتب فھو احق من غیرہ وان کان غیرہ افقہ منہ" اھ ملخصا (ص ۱۰۷ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زید اگر ضرورت سے بازار جاتا ہے تو حرج نہیں البتہ بلا ضرورت بازار جانے سے حتی الامکان بچنا چاہیے حدیث پاک میں بازار کو سب سے بری جگہ فرمایا گیا مسلم شریف میں ہے۔

احب البلاد الی اللہ تعالیٰ مساجدھا وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا" اھ

(ص ۲۳۶، ج ۱ کتاب المساجد)

زید سنت مؤکدہ کی پابندی کرے، بالخصوص ظہر کی سنت قبلیہ کی اس کی قبلیت بھی سنت مؤکدہ ہے اگر سنت ظہر پڑھے بغیر فرض ظہر پڑھائے گا تو نماز کراہت سے خالی نہ ہوگی امام کو باوقار طور پر رہنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) معروف و معہود چھٹی کے علاوہ دنوں میں زید اگر گھر جاتا ہے اور کسی کو نائب مقرر کر دیتا ہے تو زید ان ایام کی تنخواہ پائے گا اور نائب زید سے وہ لے گا جو زید نے اس کے لیے مقرر کیا ہے اور اگر کچھ مقرر نہیں کیا ہے نہ نصاً عرفاً تو نائب کو کچھ نہیں ملے گا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اسی طرح کے سوال کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں ''وظائف امامت کا مستحق اصل ہوگا اور نائب صرف اس قدر لے سکے گا جو اصل نے اس کے لیے معین کیا'' اھ (فتاوی رضویہ ص ۴۱۷، ج ۶)

اور اگر زید نے کسی کو نائب نہیں بنایا نہ ہی متولی مسجد نے مقرر کیا بلکہ بکر خود سے امامت کرتا ہے تو زید و بکر میں سے کوئی بھی اجرت کا مستحق نہیں۔ ہاں اگر متولی نے اسے مقرر کر دیا ہے تو اب وہ زید کے حصے کی اجرت یا جو بھی طے ہوا پانے کا مستحق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: فیض محمد القادری المصباحی
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

فاسق کی اذان و اقامت مکروہ ہے اذان لوٹائی جائے گی اقامت نہیں اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت مسئلہ ذیل میں کہ

زید ایک مسجد میں موذن کے عہدے پر فائز ہے امام صاحب کی غیر موجودگی میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ زید میں مندرجہ ذیل عیوب ہیں۔ (۱) زید جھوٹ بولتا ہے (۲) چغل خوری کرتا ہے (۳) چاپلوسی کرتا ہے (۴) جماعت کے لوگوں سے مار پیٹ کرتا ہے۔ زید میں مندرجہ بالا عیوب یقینی طور پر ہیں اور ان عیوب پر شرعی گواہ بھی موجود ہیں اب صورت مسئولہ میں جواب طلب امر یہ ہے کہ (۱) شریعت کی رو سے زید کسی مسجد کا موذن ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۲) اذان و اقامت جماعت کے لیے سنت موکدہ ہے جو مثل واجب کے ہے ایسی صورت میں جھوٹے چغل خور، چاپلوس اور لڑاکو زید کی پکاری ہوئی اذان و اقامت پر ہونے والی باجماعت نماز میں کیا کوئی کراہت پیدا ہوگی یا بلا کراہت ہو جائے گی؟ (۳) زید کی پکاری ہوئی اذان و اقامت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ (۴) مندرجہ بالا عیوب کی بنا پر زید پر شریعت کیا حکم عائد کرتی ہے؟ (۵) زید کی اقتدا میں نماز پڑھنا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ (۶) زید کی اقتدا میں وقتاً فوقتاً جو نمازیں لوگوں نے پڑھی ہیں ان نمازوں کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد ایوب خان آر، آئی
سابق ممبر انجمن اسلامیہ کمیٹی جگدل پور موتی تالاب، پارہ جگدل پور ضلع بستر چھتیس گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب جھوٹ بولنا فسق و فجور اور حرام ہے، چغل خوری کرنا گناہ کبیرہ ہے بلا وجہ شرعی کسی مسلمان سے جھگڑا کرنا اور اسے تکلیف پہنچانا ناجائز و گناہ ہے۔ ان تمام عیوب کی بنیاد پر زید فاسق معلن ہے۔ اس لیے اس کی اذان مکروہ ہے اس کا اعادہ کیا جائے اور اس کی اقامت بھی مکروہ ہے مگر اسے دہرانے کی اجازت نہیں کہ اقامت میں تکرار نہیں اور اسے امام بنانا گناہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جتنی نمازیں اس کی اقتدا

میں پڑھی گئی ہیں انہیں دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ مشکوۃ شریف میں ہے۔ اِنَّ الکذب فجور وان الفجور یھدی الی النار۔" (ص ۴۱۲) قرآن شریف میں ہے۔ "ھماز مشاء بنمیم" (پ ۲۹ سورہ قلم ۱۱) اسی میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ یؤذونَ المومنین والمومناتِ بغیر ما اکتسبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُہتاناً وَّ اثماً مبیناً (پ ۲۲ سورۂ احزاب ۵۸) کنز العمال میں ہے ہے "من اذی مسلماً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ۔" (ج ۱۰ ص ۱۶) درمختار میں ہے: "یکرہ اذان امرأۃ وخنثی وفاسق ولو عالماً .. یعاد اذان امرأۃ قلت وکافر وفاسق لعدم قبول قولہ فی الدیانات. اہ ملخصاً (ج ۲ ص ۶۱، ۶۰) غنیہ شرح منیہ میں ہے۔ " ولو قدموا فاسقا یاثمون" اھ (۵۱۳) درمختار میں ہے۔ "کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا" . اھ (ج ۱ ص ۴۵۸) ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۲۵۳ میں بھی ہے۔ لہٰذا ان تمام معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے زید پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ جب وہ علانیہ توبہ واستغفار کر کے پاک ہو جائے اور اقوال قبیحہ وافعال شنیعہ سے پرہیز کرے تو اس کو موذن، مکبر اور امام بنانا درست ہے۔ حدیث شریف میں ہے "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔" (مشکوۃ شریف ص ۲۰۶) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد رئیس برکاتی

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

۱۳ ربیع الغوث ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

امام کی غیر حاضری میں کوئی اپنے طور پر نماز پڑھائے تو اجرت پائے گا یا نہیں؟ امام چھٹی کے دنوں کی تنخواہ پائے گا یا نہیں؟ قعدہ میں دائیں پیر کی دو انگلیوں کا پیٹ زمین سے لگے تو نماز لوٹائی جائے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مسائل ذیل میں کہ

(۱) ایک مسجد میں امام و مؤذن دونوں رہتے ہیں اور کبھی کبھی امام صاحب دو چار ہفتے کے لیے گھر یا اور کہیں چلے جاتے ہیں اور کسی کو اپنے بدلے میں بھی نہیں رکھتے اور عرصہ ماہ کے بعد آ کر پوری تنخواہ صرف کر لیتے ہیں اور مؤذن صاحب ساری ذمہ داری کو نبھاتے ہیں یعنی امامت اذان، صفائی وغیرہ اور گاؤں جاتے ہیں تو بدل میں آدمی رکھ کر جاتے ہیں اور مؤذن کو امام صاحب ایک پھوٹی کوڑی تک نہیں دیتے ہیں اور مؤذن کا کہنا ہے کہ میں حشر تک معاف نہیں کروں گا، تو ایسی صورت میں امام صاحب کا پوری تنخواہ کھا جانا اور اراکین کا

دینا کیسا ہے اور امامت کرنا کیسا ہے؟

(۲) مولوی فیض قادری ۱۵ ر سال سے امام بن کر نماز پڑھاتے ہیں اور ہر نماز کے قعدۂ اخیرہ میں اپنے دائیں پاؤں کو پیچھے کی طرف تین چار انگلی کھینچ دیتے ہیں جب کہ تین انگلی کا پیٹ زمین سے لگنا واجب ہے مگر ہمیشہ دو ہی کا لگتا ہے اور تین زمین سے الگ ہو جاتی ہیں تو ایسی صورت میں کسی کی نماز ہوتی ہے یا نہیں اور تمام نمازیں لوٹائی جائیں گی یا ہو جائیں گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: محمد آفتاب عالم جامعی، چندر گاؤں، ضلع پورنیا، (بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) صورت مسئولہ میں جب مؤذن، امام کی غیر حاضری کے دنوں میں اپنے طور پر امامت کرتا ہے۔ اصل امام نہ اسے نائب بناتا ہے، نہ اس کی امامت و نیابت کی کوئی اجرت مقرر کرتا ہے تو وہ امام سے کچھ اجرت پانے کا حقدار نہیں ہے۔ فتاوی رضویہ کتاب الوقف باب المسجد میں ہے: صورت مذکورہ میں نائب جب کہ اس کے لیے اصل (امام) کچھ مقرر کرے اصل کا اجیر ہوتا ہے، اور اگر کچھ نہ مقرر کرے نہ نصاً نہ عرفاً تو اجیر بھی نہیں محض بیگاری ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ نائب کوئی استحقاق اصلاً نہیں رکھتا، اس کا کام اصل کی طرف سے ایک مفت استخدام تھا اصل جس وقت چاہے اسے منع کر سکتا ہے، نہ اس صورت میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق ہوتا ہے ایسی ہی صورت پر قنیہ میں ہے: ان النائب لا یستحق شیأ من الوقف لان الاستحقاق بالتقریر ولم یوجد۔ اھ (ص ۴۱۸ ج ۶) اور اگر وہاں کے عرف میں یہ بات معہود ہو کہ اصل امام کے نہ ہونے پر مؤذن نائب کی حیثیت سے امامت کرتا ہے یا انتظامیہ نے یہ شرط رکھی ہو تو بھی وہ اصل امام سے کچھ پانے کا حقدار نہیں کہ اس صورت میں وہ نصاً یا عرفاً خود نائب امام مقرر ہے اور اسے جو اجرت ملتی ہے اس میں اس امامت و نیابت کی اجرت بھی شامل ہے۔ اس لیے موذن صاحب کو یہ کہہ کر کہ "میں حشر تک امام کو معاف نہیں کروں گا" عوام کو یہ ذہن دینا کہ امام اس کی حق تلفی کرتا ہے بُرا ہے، موذن اپنی اس بات سے رجوع کرے اور تائب ہو، ہاں اصل امام کو چاہیے کہ اپنی طرف سے مؤذن کی کچھ خدمت کر دے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

رہ گیا سوال ارکان مسجد کا امام کو غیر حاضری کے دنوں کی پوری تنخواہ دینے اور امام کے لینے کا۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہاں کا عرف یہ ہو کہ امام کو سال میں ایک ماہ کی چھٹی یا تنخواہ ملتی ہے تو جائز ہے اور اگر عرف اس سے کم یا تنخواہ چھٹی دینے کا ہو یا ایسا ہی معاہدہ ہو تو عرف و معاہدہ کے مطابق سال میں امام جتنی چھٹی لے گا اس کی اجرت پائے گا۔ اور جتنے دن اس عرف و معاہدہ سے زیادہ ہو جائیں اتنے دنوں کی تنخواہ دینا لینا جائز نہیں۔ اگر

واقعہ یہ ہو کہ امام معاہدہ یا عرف سے زیادہ چھٹی کے دنوں کی تنخواہ لے چکا ہو تو جلد از جلد اتنے دنوں کی تنخواہ واپس کرے اور بارگاہ الٰہی میں سچے دل سے تائب ہو یونہی ارکان بھی توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) صورت مسئولہ میں امام و مقتدی سب کی نمازیں ہو جاتی ہیں کسی کو بھی یہ نمازیں لوٹانے کی حاجت نہیں، کیونکہ نماز لوٹانے کی حاجت فرض یا واجب کے ترک پر ہے اور یہاں نہ فرض ترک ہوا نہ واجب، بلکہ یہ ترک سنت ہے جو برا ہے اور امام کو اس سے احتراز چاہیے۔ اس مسئلے کی قدرے وضاحت یہ ہے کہ قعدہ کی حالت میں داہنا قدم کھڑا رکھنا اور اس کی انگلیاں قبلہ رخ رکھنا سنت ہے، اس حالت میں پاؤں کی تین انگلیوں کا پیٹ زمین سے لگنا واجب نہیں ہے، تو قعدہ کی حالت میں پیر کی تین انگلیوں کا پیٹ زمین سے نہ لگنے کی وجہ سے نماز میں کوئی ایسی خرابی واقع نہ ہوئی جس کے باعث اعادہ فرض یا واجب ہو، البتہ یہ فعل خلاف سنت ہوا اور ترک سنت کی عادت بنالینا بری بات ہے اگر بلا عذر غفلت کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے تو امام کو حکم ہے کہ قعدہ کی حالت میں اس بات کا خیال رکھے کہ اس کے داہنے پاؤں کی پانچوں انگلیاں قبلہ رخ ہوں تاکہ ترک سنت نہ ہو بلکہ خاص طور سے اس کا اہتمام کرے۔ بحر الرائق میں ہے:

"اذا فرغ من سجدتی الرکعة الثانیة افترش رجله الیسری فجلس علیها و نصب یمناه و وجّه اصابعه نحو القبلة، لحدیث مسلم عن عائشة کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی کل رکعتین التحیة و کان یفترش رجله الیسری و ینصب الیمنی و هذا بیان السنة عندنا، حتی لو ترك جائز اطلق "الصلاة" فشمل الفرض و النفل فیقعد فیهما علی هذه الکیفیة فما فی المجتبی ناقلا عن صلاة الجلابی: ان هذا فی الفرض و فی النفل یقعد کیف شاء کالمریض مخالف لاطلاق الکتب المعتبرة المشهورة نعم الفعل مبناه علی التخفیف ولذا یجوز قاعداً مع القدرة علی القیام لکن الکلام انما هو فی السنیة." اھ

(ص ۳۲۳ ج ۱)

ایسا ہی بہار شریعت ص ۸۴ حصہ سوم میں بھی ہے۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صلوا کما رایتمونی اصلی" واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: غلام نبی النظامی العلیمی

۲۱ ربیع الغوث ۱۴۲۷ھ

مدرس نماز نہ پڑھائے تو اس کی تنخواہ کاٹ لینا کیسا ہے اگر تنخواہ کٹنے کے ڈر سے نماز پڑھائے تو نماز کیسی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی سے زبردستی امامت کرانا کیسا ہے! اور امامت نہ کرنے پر گورنمنٹی مدرسہ کی کمیٹی کا مدرس کی تنخواہ کاٹ لینا کیسا ہے! اور جو امام تنخواہ کٹنے کے ڈر سے نماز پڑھائے اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: مولانا محمد قاسم القادری مدرسہ عربیہ مصباح الرضا پریوا تارکشی نگر یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب امامت نہ کرنے پر کمیٹی کا مدرس کی تنخواہ وضع کر لینا جائز نہیں کہ مدرسین مدرسہ صرف تعلیم دینے کے لیے اجیر ہوتے ہیں نماز کی امامت اجارے میں شامل نہیں ہوتی اس لیے اگر مدرس وقت مقررہ پر حاضر ہو کر اپنی پوری ذمہ داری کے ساتھ درس وتدریس میں مشغول رہتا ہے تو وہ اپنی اجرت کا مستحق ہوگا اگرچہ امامت نہ کرے ہاں اگر تسلیم نفس میں کمی کرے مثلاً بلا رخصت چلا جائے یا رخصت سے زیادہ دن لگائے یا آئے مگر نہ پڑھائے ان صورتوں میں جس قدر کمی کی ہے اتنی تنخواہ وضع ہوگی۔

درمختار میں ہے: الاجیر الخاص اجیر وھو من یعمل لواحد عملا موقتاً بالتخصیص ویستحق الاجر بتسلیم نفسہ فی المدۃ وان لم یعمل کمن استوجر شھراً للخدمۃ ولیس للخاص ان یعمل لغیرہ بل ولا ان یصلی النافلۃ۔"اھ (ج ۶ ص ۶۹)

ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۸ ص ۱۶۹ میں بھی ہے۔

ہاں نماز ہر عاقل بالغ پر فرض ہے اور جماعت سے پڑھنا واجب ہے اس لیے اگر مدرسہ والے کسی صحیح خواں عالم مسائل ضروریہ کو امامت کا منصب تفویض کرتے ہیں تو انہیں قبول کرنا چاہئے۔ اور جب نہ رہے تو کسی دوسرے عالم یا مناسب طالب علم کو امامت کے لیے کہہ دیں آخر نماز تو پڑھنی ہی ہے تو اس سے بہتر کیا ہوگا کہ آگے بڑھ کر پڑھے۔ اور بہتر یہ ہے کہ کمیٹی کسی مدرس کو قلیل مشاہرے پر ہی سہی امام رکھ لے جیسا کہ اکثر جگہوں پر معمول ہے۔

امام اگر طہارت ونماز کے تمام فرائض وواجبات کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے اگرچہ تنخواہ کٹنے کا ڈر نہ ہوتا تو وہ نماز نہیں پڑھاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی　　　　کتبہٗ فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی　　　　۲۹ / ذی قعدۃ الحرام ۱۴۲۱ھ

امام زکاۃ مانگ سکتا ہے؟ تعلیم قرآن، فقہ اذان و اقامت پر اجرت جائز ہے۔ پنجوقتہ امام عیدین کا الگ سے پیسہ لے سکتا ہے؟ جھوٹے دھوکہ باز کو امام بنانا جائز نہیں۔ نماز ترک کر کے نکاح پڑھانا کیسا ہے؟ امام نے ادھار اس شرط پر دیا کہ تم میرا ٹکٹ اپنے پیسے سے بنوا دو گے تو یہ سود ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ ایک شخص ایک مسجد کا امام ہے اور جب لوگوں نے کہا کہ ہماری مسجد میں امامت اسی شخص کو دی جاتی ہے جو شادی شدہ ہوتا ہے لہٰذا مذکورہ شخص نے لوگوں سے یہ کہا کہ ہماری شادی ہو چکی ہے۔ اس بات پر متولی وممبران نے اس کی بات مان لی اور امامت پر رکھ لیا۔ مگر چند دن کے بعد وہی شخص متولی وممبران سے معافی کا طالب ہوا کہ ابھی میری شادی نہیں ہوئی ہے صرف جگہ کی وجہ سے میں نے یہ بات کہی تھی تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) مذکورہ بالا شخص کو امامت کے ساتھ قیام کے لیے مکان وبجلی پانی جملہ سہولیات دی جاتی ہیں کیا ایسا شخص کسی مالک نصاب سے زکاۃ مانگ کر کھا سکتا ہے۔

(۳) وہی مذکورہ شخص جو پنج وقتہ نمازیں پڑھاتا ہے اگر اس مسجد میں نماز عیدین ہوتی ہے تو کیا عیدین کے لیے یہ کہہ کر لوگوں سے پیسے مانگ کر لے سکتا ہے کہ میں پانچ وقت کی نمازوں کا امام ہوں لہٰذا عیدین کی نمازیں اسپیشل ہیں مجھے الگ سے پیسے دیجئے کیا امام کو پیسہ مانگنا جائز ہے عیدین کی نماز سے قبل بیان میں کہتا ہے کہ آپ لوگ مجھے پیسہ دیجئے میں تمہارے لیے دعائیں کروں گا کیا امام لوگوں سے پیسہ مانگ کر امامت کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا

(۴) وہی مذکورہ شخص یہ کہہ کر کہ ہماری دونوں آنکھیں خراب ہوگئیں مجھے ایک اچھی رقم چاہیے تاکہ میں آنکھوں کا آپریشن کرا سکوں۔ متولی مسجد نے لوگوں سے وصول کر کے مبلغ چھ ہزار روپے آپریشن کے لیے دیئے۔ مگر نہ ہی آنکھوں کا آپریشن کروایا اور نہ ہی پیسے واپس کیے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسے شخص کی امامت جائز نہیں۔ جو مقتدیوں کو دھوکہ دے کر اپنی غرض پوری کرتا ہو کیا ایسے امام کو رکھ کر جو لوگوں میں فتنہ وفساد ڈالتا ہو اور ایک دوسرے میں غلط بیانی کر کے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کراتا ہو امامت کرائی جا سکتی ہے؟

(۵) کیا نماز فرض کو ترک کر کے نکاح پڑھانا صرف اس لیے کہ نکاح میں اچھے پیسے ملتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(۶) مذکورہ بالا شخص سے سابق متولی وموذن اپنے اپنے استعفیٰ دے کر الگ جماعت سے نمازیں

پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس امام کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ کیا اتنے سارے غلط افعال کرتے ہوئے امام کو رکھا جا سکتا ہے۔ اگر نہیں تو اب تک جو نمازیں لوگوں نے اس کے پیچھے پڑھی ہیں ان کا کیا ہوگا؟

(۷) مذکورہ بالا شخص اپنے پیسے ہزاروں میں دوسروں کو دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے سود نہیں چاہیے آپ اس کے بدلے میرا ٹکٹ گھر کا ریزرویشن بنوا دیجئے گا کیا یہ سود نہیں ہے؟ جب کہ پیسے لینے والا پورے پیسے واپس کرتا ہے اور اپنے پیسوں سے الگ ٹکٹ نکال کر دیتا ہے جو تقریباً سات یا آٹھ سو روپے کا ہوتا ہے ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم شرع ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

المستفتی: غلام رسول خاں۔ سابق متولی باوی مسجد تاڑپتری ضلع آشت پور اے پی۔ ۱۱؍۴؍۱۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) امامت کے لیے شادی شدہ ہونا شرط نہیں جو شادی شدہ نہ ہو اگر اس میں کوئی دوسری شرعی خرابی نہ ہو تو اس کے پیچھے ہر قسم کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ایسا ہی فتاوی فیض الرسول جلد اول میں ۲۷۲ پر ہے ہاں البتہ جھوٹ بولنا حرام اشد حرام ہے اور جھوٹ بولنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکٰذبین۔ (آل عمران: ۶۱) اور حدیث شریف میں جھوٹ بولنے والے کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ''ان الکذب فجور وان الفجور یھدی الی النار۔ یعنی بیشک جھوٹ بولنا فسق و فجور ہے اور فسق و فجور جہنم میں لے جاتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۲) اور فسق و فجور کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں لہٰذا امام مذکور نے اگر توبہ نہیں کی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زکوٰۃ کے مصارف سات ہیں فقیر، مسکین، عامل، رقاب، غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل فقیر وہ شخص ہے کہ جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر ہو مگر اس کی حاجت اصلیہ میں مستغرق ہو مثلاً رہنے کا مکان پہننے کے کپڑے، خدمت کے لیے لونڈی وغلام، علمی مشغلہ رکھنے والے کو دینی کتب جو اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوں یوں ہی جس پر قرض ہو کہ قرض نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے تو وہ فقیر ہے۔ اور مسکین وہ شخص ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کے لئے اس کا محتاج ہو اس کے لیے لوگوں سے سوال کرنا حلال و جائز ہے اور فقیر کو سوال کرنا جائز نہیں اور جس کے پاس بدن چھپانے کو ہو اس کو بغیر ضرورت و مجبوری سوال کرنا حرام ہے۔ ایسا ہی بہار شریعت ح ۵ ص ۵۷ پر ہے۔ اور فتاویٰ عالم گیری الباب فی المصارف میں ہے''

الفقیر وھو من له ادنی شئ وھو ما دون النصاب او قدر نصاب غیر نام وھو

لہٰذا اگر واقعی امام مذکور نے ایسا کیا ہے تو وہ سخت گنہگار ہے اس پر علانیہ توبہ کرنا لازم ہے اور جو روپے دھوکہ بازی سے وصول کیے ہیں ان کو واپس کرنا بھی ضروری ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کو امام بنانا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) ہر مکلف عاقل بالغ پر نماز پڑھنا فرض عین ہے جیسا کہ درمختار کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔

"ھی فرض عین علی کل مکلف بالاجماع" اھ (درمختار ج ا ص ۲۵۸)

لہٰذا امام مذکور جب نکاح پڑھانے کی خاطر اکثر فرض نماز ترک کرتا ہے یعنی اس کا عادی ہے تو وہ فاسق معلن اور سخت گنہگار ہے۔ اس لیے کہ نکاح پڑھانے کے لیے نماز فرض ترک کر دینا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶) سوالات میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں اگر واقعی امام مذکور نے وہ تمام باتیں کی ہیں تو وہ سخت گنہگار حرام کا مرتکب اور فاسق معلن ہے اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے۔ غنیہ شرح منیہ ص ۵۱۳ پر ہے: "لو قدموا فاسقا یأثمون" اھ الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ "کل صلوۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا" اھ (الدرالمختار ج ا ص ۳۳۷) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں "اگر فاسق معلن ہے کہ علانیہ کبیرہ کا ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہے تو اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی پڑھنی گناہ اور پڑھ لی تو پھیرنی واجب" اھ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۵۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) صورت مسئولہ میں امام مذکور کا یہ فعل سراسر سود ہے کہ یہ قرض دے کر نفع حاصل کرتا ہے۔ اور سود لینا اور دینا حرام اشد حرام ہے۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے حَرَّمَ الرِّبٰوا (پ ۳ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۷۵) اور حدیث شریف میں ہے: "کل قرض جر منفعۃ فھو ربا" اھ (بیہقی شریف ج ۵ ص ۵۷۳) اور سود لینے دینے والے کے لیے حدیث پاک میں سخت وعید آئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: درھم ربوا یأکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلاثین زنیۃ یعنی جو ایک درم سود کا دانستہ کھائے گویا کہ اس نے چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا (مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۹۶) اور حدیث شریف میں ہے: "لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٰکل الربوا و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدہ وقال سواء رواہ مسلم۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں دینے والوں سب پر لعنت فرمائی اور فرمایا وہ سب برابر ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۴) لہٰذا امام مذکور سخت گنہگار ہے اس پر لازم ہے کہ علانیہ توبہ کرے اور جن لوگوں کو قرض دے کر مزید ٹکٹ لیا ہے انہیں ٹکٹ کا روپیہ واپس کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے امامت سے الگ

مستغرق فی الحاجۃ فلا یخرجه عن الفقر ملك نصب کثیرۃ غیر نامیۃ اذا کانت مستغرقۃ بالحاجۃ کذا فی فتح القدیر" "المسکین وهو من لا شئ له فیحتاج الی المسئلۃ لقوته او مایواری بدنه ویحل له ذلك بخلاف الاول حیث لا تحل المسئلۃ له فانها لا تحل لمن یملك قوت یومه بعد سترۃ بدنه کذا فی فتح القدیر" ملخصاً (فتاوی عالمگیر مع حاشیہ ج ا ص ۱۸۷ و ۱۸۸)

لہٰذا اگر امام مذکور فقیر ہے تو اس کو مانگ کر زکوۃ لینا ناجائز ہے مگر جب دی جائے گی ادا ہو جائے گی بلکہ عالم فقیر کو زکوۃ دینا افضل ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری ج ا ص ۱۸۷ پر ہے۔

"التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاهل کذا فی الزاهدی" اھ

اور ردالمحتار ج ۲ ص ۶۵ پر ہے "وان قادراً علی الکسب اذ بدونه لا یحل له السوال" اھ

اور اگر مسکین ہے تو مانگ کر بھی زکوۃ لے سکتا ہے اور اگر مالک نصاب ہے تو اس کو نہ زکوۃ دینا جائز ہے اور نہ اس کو لینا جائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) تعلیم قرآن وفقہ اور اذان وامامت پر اجرت لینا جائز ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو قرآن وفقہ پڑھانے والے طلب معیشت میں مشغول ہو کر اس کام کو چھوڑ دیں گے اور لوگ دین کی باتوں سے ناواقف ہوتے جائیں گے اسی طرح اگر امام وموذن کو تنخواہ دے کر نہ رکھا جائے تو بہت سی مساجد میں اذان وجماعت کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ ایسا ہی بہار شریعت ح ۱۴ ص ۱۳۵ پر ہے۔ اور فتاوی رضویہ ج ۹ ص ۱۰۶ پر ہے'' (فتویٰ اس پر ہے کہ امامت پر اجرت لینا حلال ہے) اھ لہٰذا پنج وقتہ نمازوں کے لیے امام کو پیسہ لینا جائز ہے اگر عیدین کی نمازیں انھیں کے تحت داخل ہیں کہ جو پنج وقتہ نمازوں کا امام ہوتا ہے وہی عیدین کی نمازیں بھی پڑھاتا ہے تو امام مذکور کا الگ اسپیشل کہہ کر پیسہ مانگنا درست نہیں ہاں اگر مقتدی حضرات بخوشی کچھ نذرانہ پیش کریں تو لے سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) جواب نمبر ایک میں گزرا کہ جھوٹ بولنا حرام اشد حرام ہے یوں ہی کسی کو دھوکہ دینا بھی جائز نہیں اور جو دھوکہ بازی کے کام کرتا ہے اس شخص کے لیے حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے حدیث شریف میں ہے "من غش المسلمین فلیس منهم" یعنی جس نے مسلمانوں سے دھوکہ بازی کی وہ ان میں سے نہیں (طبرانی شریف ج ۱۸ ص ۳۵۹) اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر فتنہ وفساد پیدا کرنا بھی جائز نہیں۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "الفتنۃ اشد من القتل" یعنی فتنہ وفساد قتل سے سخت تر ہے (پ ۲ سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۹۱) اور ایک دوسرے مسلمان میں نفرت و بیزاری پیدا کرنا بھی جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے "بشروا ولا تنفروا" یعنی خوشخبری دو نفرت نہ پیدا کرو (مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۵۶۵)

کردیں اور جوٹکٹ بنا کر دیتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ محمد عبد القادر رضوی ناگوری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۳؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

شوافع کے نزدیک بھی داڑھی بڑھانا مسنون ہے ایک مشت سے کم رکھے تو اقتدا مکروہ تحریمی ہے۔ کرتے پاجامہ کی آستین موڑنے کا حکم، جو مدعارض کی ادائیگی پر قادر نہ ہو وہ قصر کرے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں کی مسجد (سنی جامع مسجد مہاپولی، تعلقہ بھیونڈی) کے امام (محمد اسماعیل حسنی) کیرالہ صوبہ کے کسی مدرسہ سے فارغ ہیں نیز مسجد بھی شافعی المسلک ہے اور امام بھی شافعی ہیں وہ اپنی داڑھی متعینہ حد یعنی ایک مشت سے کافی کم رکھتے ہیں اتنی کہ وہ برائے نام داڑھی نظر آئے اور کہتے ہیں کہ عند الشافعی ایک مشت داڑھی کی قید نہیں ہے۔ نیز وہ امام قرأت کرتے وقت یا نماز جہری میں سورۂ فاتحہ میں کئی غلطیاں کرتے ہیں مثلاً تسمیہ کے آخری حصہ کو الرحیم کی جگہ ”حی یم“ دی ین“، نستعین کو ”ی ین“ ”ی یم“ والضالین کو ”لی ین۔ ان مذکورہ الفاظ کو اگر عملی طور پر پڑھ کر دیکھیں تو بڑا واضح فرق اور سورہ فاتحہ کو بگاڑ کر پڑھنا واضح ہو جائے گا۔

نیز امام صاحب کے نزدیک کرتے و پاجامے کہ آستینوں کو موڑنا بھی جائز ہے۔ اور تاویلاً کہتے ہیں کہ یہ احناف کے طریقے ہیں۔ لہٰذا امام کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور ان کے مندرجہ بالا افعال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** **المستفتی:** محمد مستقیم صاحب قادری رضوی

سنی دعوت اسلامی کنٹری اسمٰعیل حبیب مسجد ممبئی ۴ برانچ جامع مسجد مہاپولی۔ بھیونڈی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حنفی مذہب میں داڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے۔ اور کتا کر اس سے کم کرنا گناہ، اور اس کا عادی فاسق معلن ہے جس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی داڑھی بڑھانی مطلوب ومسنون ہے نہ کہ داڑھی کتا کر بالکل خفیف کر دینی مطلوب ہے۔ فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۲۰۱ پر ہے ”مخالف المذہب میں اس قدر زیادت ہے کہ اس کے پیچھے ایک قول پر مطلقاً نماز مکروہ تحریمی ہے اگرچہ مراعات شرائط بھی کرے یہاں تک کہ اس کی اقتدا پر تنہا نماز پڑھنے اور جماعت چھوڑنے کو بعض نے ترجیح دی ہے۔ ردالمحتار میں ہے

"خالفهم العلامة الشيخ ابراهيم الميرى بناء على كراهة الاقتداء بهم لعدم مراعاتهم فى الواجبات والسنن وان الانفراد افضل لولم يدرك امام مذهبه وخالفهم ايضا العلامة الشيخ رحمة الله عليه السندى تلميذ ابن همام فقال: الاحتياط فى عدم الاقتداء به ولو مراعياً اه

اور کرتے کی آستینوں کو آدھی کلائی سے زیادہ موڑ کر نماز پڑھنا یا حالت نماز میں اس حد تک موڑنا بھی مذہب حنفی میں مکروہ تحریمی ہے۔ یوں ہی پاجامے کو بھی موڑنا مکروہ تحریمی ہے جس سے نماز کا اعادہ واجب ہے۔ ہدایہ ج ۱ ص ۱۲۰ فصل فی مکروہات الصلوٰۃ میں ہے۔

"لا یکف ثوبه لانه نوع تجبر ولا یسدل ثوبه لانه علیه السلام نهی عن السدل" اه

یہاں سائل کے بیان سے ظاہر ہے کہ امام حنفی مذہب کی رعایت نہیں کرتا تو اس سے کیا بعید کہ وہ فرائض مذہب حنفی کو بھی خفیہ چھوڑ بیٹھے۔ لہٰذا حکم یہ ہے کہ حنفی ایسے امام کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں۔

رہا امام کی قرأت میں غلطی کا مسئلہ تو یہاں سائل کے سوال سے ظاہر یہ ہے کہ وہ مد عارض کی ادائیگی پر بخوبی قادر نہیں اس لیے چاہیے کہ قصر کرے مد نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبهٗ عبد المقتدر نظامی مصباحی
۱۷؍ رجب المرجب ۲۳ھ

کسی وجہ سے جماعت کو وقت مقررہ سے تھوڑا مؤخر کرنا جائز ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ مساجد کے لیے عموماً وقت جماعت مقرر ہوتا ہے میری مسجد میں بھی پنجگانہ نماز و جمعہ کے لیے وقت مقرر ہے لیکن اگر کبھی کسی وجہ مثلاً امام وقت مقررہ سے پانچ منٹ کی تاخیر کردے یا کسی معزز عالم دین وداعی الی اللہ کی آمد ہو۔ اور لوگ ان کے بیانات و وعظ کے خواہشمند ہوں اور چاہتے ہوں کہ نماز جمعہ کو ہمیشہ کے وقت سے تھوڑا سا مؤخر کر دیا جائے۔ لیکن بعض لوگ اس سے خفا ہو جاتے ہیں اور وقت مقررہ پر تاخیر کو حرام و گناہ تصور کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کسی بڑے عالم دین وداعی الی اللہ کی آمد پر نماز جمعہ کو ہمیشہ کے وقت سے مؤخر کیا جا سکتا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: شمس الحق قریشی، محلہ دھرم پور، بستی پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب کسی وقت امام کی وقت مقررہ سے چند منٹ تاخیر اور معزز عالم دین یا داعی الی اللہ کی آمد پر ان کے وعظ کی وجہ سے وقت نماز میں معمولی تاخیر جائز ہے۔ اس لیے کہ جب تک نمازی نماز کے انتظار میں رہیں گے

نماز کا ثواب پائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے "انکم لم تزالوا فی صلوٰة ما انتظر تم الصلوٰة" یعنی بے شک تم نماز میں ہو جب تک نماز کے انتظار میں ہو" ۔ (بخاری شریف ج۱ ص ۸۴) اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ وقت مستحب تک امام کا انتظار باعث زیادت اجر و تحصیل افضلیت ہے پھر اگر وقت طویل ہے اور آخر وقت مستحب تک تاخیر حاضرین پر شاق نہ ہوگی کہ سب اس پر راضی ہیں تو جہاں تک تاخیر ہوا تنا ہی ثواب ہے کہ سارا وقت ان کا نماز ہی میں لکھا جائے گا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۳ ص ۳۷۹)

مگر اس کی عادت نہ بنالیں، وقت مقرر پر جماعت کے التزام سے جماعت بڑھ جاتی ہے اور مسلسل تاخیر سے گھٹنے لگتی ہے اس لیے تاخیر پر اعتراض بھی نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ محمد ہارون رشید قادری کمبولوی گجراتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۷ جمادی الاولیٰ ۲۳ھ

دیوبندی کے پیچھے جنازہ پڑھنے والے کی اقتدار کیسی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید اپنے آپ کو سنی حافظ اور عالم کہلواتا ہے اور ایک سنی مسجد میں امامت بھی کرتا ہے۔ لیکن زید نے دیوبندی امام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھا ایسی صورت میں زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی: شیر محمد قادری سنی جامع مسجد امام باڑہ، راؤ دیر جلگاؤں، مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب دیوبندی وہابی ضروریات دین کے منکر ہیں اور ضروریات دین کا منکر کافر و مرتد ہے۔ ردالمحتار باب الامامة میں ہے "لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان من اهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات کما فی شرح التحریر۔" (ردالمحتار علی الدرالمختار ج۱ ص ۵۶۱) لہٰذا زید دیوبندی کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے کے سبب سخت گنہگار ہوا۔ بلکہ اگر اسے مسلمان سمجھ کر ہو تو یہ کفر بھی ہے اس لیے کہ ان کے متعلق علمائے حرمین شریفین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ من شك فی کفره وعذابه فقد کفر۔ لہٰذا زید علانیہ اپنی معصیت سے توبہ کرے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا پختہ عہد کرے تو ٹھیک ورنہ اسے امام بنانا جائز نہیں۔ اسے امامت سے ہٹادیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد ہارون رشید قادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا حنفی امام شافعی مقتدی کی رعایت میں بعد قرأت سورۂ فاتحہ کی بقدر خاموش کھڑا رہ سکتا ہے؟ شافعی حنفی کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے گا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت ان مسائل میں کہ

(۱) شافعی المذہب مصلی حنفی امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہے تو آیا امام حنفی پر یہ لازم وضروری ہے کہ سورۂ فاتحہ کی قرأت کے بعد شافعی مصلی مقتدی کے سورۂ فاتحہ کی قرأت کرنے تک ساکت وخاموش رہے یا نہیں؟ حالانکہ حدیث پاک میں ہے۔"انما جعل الامام لیؤتم به"؟

(۲) نیز حنفی المذہب امام کی اقتداء میں ایسے شافعی مقتدی پر عند مذہب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: علاؤالدین مصباحی خادم التدریس جامعہ غوثیہ اترولہ ضلع بلرام پور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱-۲) ہر شخص پر لازم ہے کہ اپنے امام مذہب کی پیروی کرے۔ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۳۸ پر ہے۔اور حنفیہ کے نزدیک امام کے اقتداء میں مقتدی پر مطلقاً قرأت کرنا فرض نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے چاہے سری نماز ہو یا جہری، کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے جیسا کہ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۲۲۹ میں۔

"ان قرأۃ المأموم خلف امامه مکروهة تحریماً فی السریة والجهریة لماروی من قوله صلی اللہ علیه وسلم من کان له امام فقرأۃ الامام له قرأۃ" اھ

لہٰذا جب حنفیہ کے نزدیک امام کی اقتداء میں مقتدی پر مطلقاً قرأت کرنا فرض نہیں تو حنفی امام پر شافعی المذہب مقتدی کے لیے خاموش وساکت رہنا کہ وہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے جائز نہیں۔ بلکہ حنفی امام پر لازم وضروری ہے کہ اپنے مذہب حنفی کی پیروی کرتے ہوئے سورہ فاتحہ ختم کر کے فوراً سورۃ ملائے اور شافعی المذہب مقتدی کے لیے اتنی دیر ہرگز خاموش نہ رہے۔درمختار "باب الوضو" میں ہے:"ندب مراعاۃ الخلاف اذا لم یرتکب مکروہ مذهبه" اھ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۱ ص ۱۰۹)۔اور حنفیہ کے نزدیک تو قرأۃ وغیرہ کسی موقع پر سوچنے لگے اور بقدر ایک رکن یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کے وقفہ ہو جائے یعنی اتنی دیر خاموش رہا تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے ایسا ہی بہار شریعت حصہ چہارم ص ۵۴ میں ہے نیز ردالمحتار سجود السہو" میں ہے"وجوب السجود فی مسئلة التفکر عمداً بانه وجب لما یلزم منه من

ترك واجب هو تاخير الركن"۔اھ (ج ۱ص ۵۴۷)

اور جب حنفی امام شافعی المذہب مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنے کی مقدار وقفہ کرے گا تو یہ خرابی ضرور لازم آئے گی اس لیے حنفی امام کے لیے جائز نہیں کہ شافعی المذہب مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے اتنی دیر خاموش رہے نیز مذکورہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ امام خاموش رہ سکتا ہے بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام اسی لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء و پیروی میں نماز کو مکمل کیا جائے کہ جب وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور رکوع سے سر اٹھائے تو تم بھی رکوع سے سر اٹھاؤ، اور جب سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا لك الحمد کہو، اور جب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بھی اس کے ساتھ بیٹھ جاؤ'' وہ پوری حدیث شریف یہ ہے:

"انما جعل الامام ليؤتم به فاذا صلى قائما صلوا قياماً واذا ركع فركعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد واذا صلى جالسا فصلوا جلوسا اجمعون۔اھ (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۷۶ ا مشکوٰۃ ص ۱۰۱)

اس حدیث کی شرح میں امام کبیر حضرت علامہ طیبی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں "الائتمام الاقتداء والاتباع اى جعل الامام ليقتدى به ويتبع" اھ (شرح الطیبی ج ۴ ص ۱۱۶۲) نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں''امام مگر برائے آنکہ اقتداء واتباع کردہ شود بوے''اھ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۸۷)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی قرأت کے علاوہ تمام ارکان میں امام کی اقتداء واتباع کرے بلکہ مذہب حنفی میں مقتدی پر امام کی اقتداء میں مطلقاً قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے احناف کے نزدیک کئی طرق سے ثابت ہے "من كان له امام فقرأة الامام له قرأة"۔اھ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۲۶)

شافعی المذہب مقتدی شافعی مذہب کی اتباع کرتے ہوئے حنفی امام کے پیچھے بھی سورۂ فاتحہ پڑھیں یا نہیں؟ اس کی صراحت مجھے نہ ملی۔ لیکن شوافع کے اصول کے پیش نظر اظہر یہ ہے کہ پڑھے۔ کیونکہ مذہب شافعی میں مقتدی پر بھی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۱۷۰ میں ہے "قوله صلى الله تعالى عليه وسلم لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فيه دليل لمذهب الشافعي رحمه الله تعالى ان قرأة الالفاتحة واجبة على الامام والمأموم" اھ اور کتاب الصلوۃ علی المذاہب الاربعة ص ۲۳۳ میں ہے "الشافعية قالوا ان قرأة الفاتحة فرض على المأموم كما هي فرض

علی الامام" اھ مگر حنفی المذہب امام اس کے لیے خاموشی اختیار نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ عبدالقادر رضوی ناگوری

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

۱۵/رجب المرجب ۲۳ھ۱۴

دیوبندیوں سے تعلق رکھنے والا فاسق اس کی اقتدا مکروہ تحریمی ہے

ہکلانے والے کے پیچھے نماز کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

زید حافظ قرآن ہے اور ایک سنی مسجد کا امام ہے کٹر قسم کے دیوبندیوں سے برغبت سلام و دعاء رکھتا ہے یہاں تک کہ ان کے آفس وغیرہ میں بیٹھ کر ان کے ساتھ چائے وغیرہ بھی پیتا ہے اور کسی مدرسہ کے واسطے ان دیوبندیوں سے چندہ بھی لیتا ہے مقتدیوں نے کئی بار اس کے عمل پر ٹوکا بھی مگر اس نے کوئی اثر نہ لیا بدستور دیوبندیوں سے ملتا جلتا ہے ساتھ ہی اس کے گھر میں ٹیلی ویژن بھی ہے نیز جب وہ تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو کافی دیر فضول آواز نکالنے کے بعد اللہ اکبر کے الفاظ ادا کر پاتا ہے حالانکہ گفتگو میں ہکلاہٹ کا احساس شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اللہ اکبر کہنے میں اتنی زیادہ تاخیر کے سبب بہت سے مقتدی اس سے پہلے تحریمہ باندھ لیتے ہیں۔

ہم لوگ بڑی الجھن میں ہیں کہ ایسے امام کے پیچھے ہماری نماز ہوتی ہے یا نہیں للہ قرآن و حدیث اور اقوال فقہا کی روشنی میں آپ زید کی اقتداء کے بارے میں حکم شرع سے مومنوں کو آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: اطیع اللہ خان لیڈر گوس چال روم نمبر ا، کھیرانی روڈ ساکی ناکہ بمبئی۔ ۷۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جو شخص دیوبندیوں سے سلام و کلام کرے اور ان کے یہاں کھائے پیئے اور ان سے تعلقات رکھے تو وہ شخص کم از کم فاسق معلن ضرور ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے ایسے شخص کو منصب امامت سے معزول کردیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۳ ص ۲۵۲) اور غنیۃ المستملی ص ۵۱۳ میں ہے "لو قدموا فاسقاً یأثمون ملخصاً اور ردالمحتار ج ا ص ۵۶۰ پر ہے "لا ینبغی ان یقتدی بالفاسق" اھ۔

اور رہی بات ہکلاہٹ کی تو اس کے بارے میں تفصیل ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”جو ہر جگہ ہکلائے اس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ کہ ان کی تکرار میں بعض حروف معین ہیں مثلاً کاف یا چ یا پ کہ جہاں رکیں گے ان ہی حروف کی تکرار کریں گے یا گھبرا کر ایں ایں کرنے لگتے ہیں ان کے پیچھے تو فساد نماز بدیہی ہے، دوسرے وہ کہ جس کلمہ پر رکتے ہیں اس کے اول حرف کی تکرار کرتے ہیں اس صورت میں اگر چہ حرف خارج نہیں بڑھتا بلکہ اسی کلمہ کا ایک جزو مکرر ادا ہوتا ہے مگر از آنجا نکہ صرف بوجہ تکرار لغو مہمل و خارج عن القرآن رہ گیا ان کے پیچھے بھی نماز فاسد ہے۔

درمختار ج۱ ص ۵۸۲ پر ہے:

ھٰذا ھو الصحیح فی حکم الالثغ و کذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف او لا یقدر علی اخراج الفاء الا بتکرار اھ۔

اور تیسرے وہ کہ ہکلاتے وقت نہ کوئی حرف غیر نکالتے ہیں نہ اسی حرف کی تکرار کرتے ہیں بلکہ صرف رک جاتے ہیں اور جب ادا کرتے ہیں تو ٹھیک ادا کرتے ہیں تو ایسوں کے پیچھے نماز صحیح ہے، (فتاوی رضویہ جلد ۳ ص ۱۷۶) اور فتاوی عالمگیری ج۱ ص ۸۶ پر ہے۔

"وأما الذی لا یقدر علی اخراج الحروف الا بالجھد ولم یکن لہ تمتمہ او فأ فأۃ فاذا أخرج الحروف أخرجھا علی الصحۃ لا یکرہ ان یکون اماما ھکذا فی المحیط اھ۔" واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ محمد اجمل حسین بلرام پوری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۵ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

عالم و حافظ کی موجودگی میں طالب علم کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین نیچے دیئے ہوئے سوال کے بارے میں؟

ہمارے یہاں اٹھائیسویں تراویح کے دن ہمیشہ کے عالم صاحب دوسرے گاؤں گئے تھے اسی دن مسجد میں مولانا مسلم پورنوی اور حافظ توصیف بلرامپوری موجود تھے، لیکن اس دن کے تراویح کی نماز ایک نوجوان طالب علم نے پڑھائی کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: امتیاز احمد باندار رضوی، ادگاؤ بیس، ڈھور گلی، کرنے محلہ میرج شریف، ضلع سانگلی (مہاراشٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر وہ طالب علم شرائط امامت کا جامع ہے یعنی سنی صحیح العقیدہ ہونے کے ساتھ صحیح الطہارۃ

صحیح القراۃ ہے یعنی قراءت میں کوئی ایسی غلطی نہیں کرتا جس سے معنی فاسد ہو اور نماز کے مسائل بخوبی جانتا ہے اور فاسق معلن نہیں ہے تو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''ہر جماعت میں سب سے زیادہ مستحق امامت وہی ہے جو ان سب سے زیادہ مسائل نماز وطہارت جانتا ہے اگرچہ اور مسائل میں بنسبت دوسروں کے کم علم ہو مگر شرط یہ ہے کہ حروف اتنے صحیح ادا کرے کہ نماز میں فساد نہ آنے پائے اور فاسق و بدمذہب نہ ہو''۔

(فتاوی رضویہ، ص ۱۴۸، ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ شمس الدین احمد علیمی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۵ / محرم ۱۴۲۶ھ

شیئر کمپنی میں ملازمت کرنے والے کی اقتدا کیسی ہے؟

مسئلہ زید ایک ایسی شیئر کمپنی میں ملازمت کرتا ہے، جس کے کرتا دھرتا سب کفار ہیں زید کا کام اتنا ہے کہ کمپنی کے جتنے ممبران ہیں ہر ماہ ان سے متعینہ رقم وصول کر کے کمپنی تک پہنچانا جس کا معقول معاوضہ زید کو ملتا ہے تو کیا زید کا اس شیئر کمپنی میں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کبھی کبھار اس کے پیچھے نماز پڑھ لینا درست ہے یا نہیں؟ **المستفتی۔** مفیض الرحمن انڈ کی کنر دیوانی سری کاروار کرناٹک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب شیئر کمپنی میں کسی طرح کی شرکت جائز نہیں ہے کیونکہ کمپنی کے اصول وضوابط اسلام کے معاشی اصولوں سے بہت حد تک متصادم ہوتے ہیں۔ لہٰذا زید کا اس شیئر کمپنی میں ملازمت کرنا جائز نہیں کیونکہ معاوضہ (اجرت) شرعی نقطہ نظر سے جائز کام پر جائز ہوتا ہے اور ناجائز پر ناجائز۔

نیز اس میں کمپنی کا فروغ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ گناہ اور سرکشی کے کام پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (پ ۶ سورہ مائدہ آیت نمبر ۲)

لہٰذا اگر زید اس کمپنی سے الگ ہو جاتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے تو اس کی اقتدا میں نماز درست ہے ورنہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: زبیر احمد مصباحی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۵ / ربیع الغوث ۱۴۳۰ھ

بے علم فتوی دینے والے پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ایک باپو ہیں بزبان گجراتی جاہل ہیں جاہل ہی نہیں بلکہ جہالت کے افق پر ہیں پھر بھی امامت کرتے اور اپنے گھر کا مسئلہ بتاتے ہیں اپنی باتوں کو اونچا رکھنے کی عادت ہے کتابی مسئلے کو اڑا دینا ان کی عادت ہے اور لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں میرے پاس بہار شریعت جیسی کتابوں کو چھوڑ کر دوسری کتابوں کا حوالہ اور پھر ثابت نہ کر پانا ایسی مثالیں بہت ہیں ایسے باپو کے لیے امام بننا نماز جنازہ پڑھانا شریعت کی باتوں میں دخل دینا اور لوگوں کا ان کی باتوں پر عمل کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالمتین جامع مسجد سیماسنی جونا گڑھ گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں جب کہ وہ شخص ایسا جاہل، گنوار ہے کہ احکام شرع سے بالکل نابلد ہے تو ایسے شخص کا لوگوں کو مسئلہ بتانا حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من افتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض. یعنی جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۹۳)

اور دوسری حدیث شریف میں ہے: "اجرأکم علی الفتیا اجرأکم علی النار"۔ یعنی تم میں جو شخص فتوی دینے پر زیادہ جرأت کرتا ہے وہ دوزخ کی آگ پر زیادہ دلیر ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۸۷)

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد حبیب اللہ مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۷ ر جمادالاولیٰ ۱۴۲۳ھ

امام پر کفر عائد ہو تو اس کی اقتدا کیسی ہے؟

مسئلہ کسی شخص نے فتوی دیا قرآن وحدیث کے لحاظ سے کفر عائد ہوا یا علانیہ توبہ عائد ہوا۔ اور اس فتویٰ کو سائل حاصل کرنے کے بعد آٹھ دن اپنے گھر رکھے آٹھ دن کے بعد مستحق توبہ کو اطلاع دے مستحق توبہ بھی سمجھتا ہو اور اس کے پیچھے نماز بھی پڑھتا رہا ہو اس دوران کی نماز درست ہے کہ نہیں اگر اسی عرصہ میں مستحق توبہ انتقال کر جاتا تو اس کا گناہ مستحق توبہ پر عائد ہوتا یا کہ فتوی دبائے رکھنے والے پر؟ حضور مفتیان کرام ان سوالوں کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اشتیاق احمد قادری مرادآبادی رضا مسجد، رضا نگر، دھریا آباد، ادئے پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر امام پر شریعت مطہرہ کے لحاظ سے کفر عائد ہو تو اس کی اقتداء میں نمازیں درست نہیں ہیں مقتدیوں پر فرض ہے کہ کفر بکنے کے بعد جتنی نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھی گئی ہیں سب کا اعادہ کریں کہ اس کی اقتداء میں نماز باطل محض ہے۔ فتاویٰ امجدیہ میں ہے۔

''اگر بینہ عادلہ سے امام مذکور سے ایسے کلمات ثابت ہوں تو اس پر عدم جواز امامت کا حکم کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں'' اھ (ص ۱۴۸ ج ۱) اور اگر کسی فسق کی وجہ سے اس پر علانیہ توبہ عائد ہو تب بھی جتنی نمازیں حالت فسق میں اس کے پیچھے پڑھی ہیں انہیں پھر سے پڑھیں۔ غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

"لو قدموا فاسقاً یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلایبعدمنہ الاخلال ببعض شروط الصلاۃ و فعل ما ینا فیھا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ ولذالم تجز الصلاۃ خلفہ اصلاعند مالک وروایۃ عن احمد۔" اھ (ص ۵۱۳)

خدانہ خواستہ اگر مستحق توبہ کی موت ہو جاتی تو گناہ فتویٰ رکھنے والے پر عائد ہوتا لہٰذا اس پر واجب تھا کہ فوراً وہ فتویٰ مستحق توبہ کو دیدیتا تا کہ وہ توبہ کر کے بری ہو جاتا بعدہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی قباحت لازم نہ آتی۔ مشکوٰۃ شریف باب الاستغفار والتوبۃ میں ہے:

"عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التائب من الذنب کمن لاذنب لہ رواہ ابن ماجۃ والبیھقی فی شعب الایمان۔" اھ (ص ۲۰۶) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد رئیس برکاتی مصباحی
۲۷ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بَابُ الْجَمَاعَةِ

جماعت کا بیان

مسجد کبیر کی مقدار کیا ہے؟ کیا مسجد میں کسی بھی جگہ مصلّٰی بچھا کر جماعت کی جاسکتی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:
مسجد کتنی لمبی چوڑی ہو تو وہ مسجد جامع کے حکم میں ہوگی جو میدان کے حکم میں ہے کیا مسجد جامع میں کسی بھی جگہ مصلی بچھا کر جماعت سے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ **المستفتی:** شبیر احمد مدرسہ حنفیہ، جون پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب مسجد کبیر کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ چالیس ذراع کی ہو تو مسجد کبیر ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ جامع خوارزم یا جامع قدس کی مثل ہو یعنی جامع خوارزم سولہ ہزار ستون پر مشتمل تھی اور جامع قدس تین مسجدوں کا مجموعہ تھی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ القوی کا مختار قول ثانی ہے، لہٰذا جو مسجد جامع خوارزم یا جامع قدس کی طرح ہو مسجد کبیر ہے ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ص ۵۸۶، ج ۳ اور فتاویٰ امجدیہ ص ۲۶۱، ج ۱ میں ہے۔

مسجد میں کسی بھی جگہ مصلی بچھا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاسکتی ہے جب کہ امام وسط صف میں ہو مگر بلا وجہ ایسا نہ کرنا چاہئے کہ یہ طریق مسلمین کے خلاف ہے ہاں اگر جماعت مسنونہ ہو چکی ہے پھر چند لوگ آئے تو کسی بھی جگہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں جب کہ امام ان کے وسط میں کھڑا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد رئیس برکاتی مصباحی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۲/ربیع الغوث ۱۴۲۸ھ

بوڑھے کی اقتداء کی اور کہا پیچھے اس جوان کے یا جوان کی اقتداء کی اور کیا پیچھے اس شیخ کے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

بوڑھے آدمی کی اقتدا کی اور نیت میں کہا "پیچھے اس جوان کے" تو نماز ہوگی یا نہیں؟ فتاوی غیاثیہ ص ۲۳ میں ہے کہ اگر جوان امام کو شیخ کے لفظ سے نیت کی تو ہوگئی، جب کہ بوڑھے امام کو جوان کے لفظ سے نیت کی تو نہیں ہوئی۔ چنانچہ اس میں ہے: "و قال: اقتديت بهذا الشاب فاذا هو الشيخ لايصح" توضیح کیا ہے؟

المستفتی: جناب عبد الغفار عرف نوری بابا، ہاتھی پالی، اندور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب بوڑھے آدمی کی اقتدا کی اور نیت میں کہا "پیچھے اس جوان کے" تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ جوانی اور بڑھاپا ایسے اوصاف سے ہیں جن میں صفت ہی کا لحاظ کیا جاتا ہے نہ کہ ذات کا، اور یہ واضح ہے کہ بڑھاپا جوانی کے متضاد ہے تو گویا یہ دو جنسیں ہوئیں، تو جب اس نے کہا "پیچھے اس جوان کے" حالانکہ وہ بوڑھا ہے تو اقتدا صحیح نہیں، اس لئے کہ اس کو ایسے صفت سے موصوف کیا ہے جس کا اطلاق بوڑھے شخص پر نہیں ہوتا، تو گویا جنس کے اختلاف کے ساتھ ساتھ اس نام کی بھی مخالفت ہوگئی جس کی طرف اشارہ کیا ہے، ایسی صورت میں اشارہ لغو ہو جائے گا اور تسمیہ ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جب مقتدی نے امام کو جوان سے موسوم کیا ہے حالانکہ وہ بوڑھا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ مقتدی نے غیر موجود شخص کی اقتدا کی مثلاً کسی نے کہا "زید کی اقتدا کرتا ہوں" بعد کو معلوم ہوا کہ عمرو ہے تو صحیح نہیں۔

اس کے برخلاف اگر مقتدی نے جوان امام کی اقتدا کی اور نیت میں لفظ "شیخ" کہا تو اقتدا صحیح ہے کہ لفظ "شیخ" صفت مشترک ہے اس کا استعمال سن رسیدہ کے لئے بھی ہوتا ہے اور کسی معظم شخص کے لئے بھی۔ تو دوسرے معنی کی رعایت کرتے ہوئے کسی جوان کو لفظ "شیخ" سے موسوم کرنا صحیح ہے۔ اس لئے اقتدا صحیح ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"واما الشيخ و الشاب فهما من الاوصاف الملحوظ فيها الصفات دون الذات، و معلوم ان صفة الشيخوخة تباين صفة الشباب فكانا جنسين. فاذا قال "هذا الشاب" فظهر انه شيخ، لايصح الاقتداء لانه وصفه بصفة خاصة لايوصف بها من بلغ سن الشيخوخة. فقد خالفت الاشارة التسمية مع اختلاف الجنس فلغت الاشارة و اعتبرت التسمية بالشاب. فيكون قد اقتدى بغير موجود كمن اقتدى بزيد فبان غيره. و اما اذا قال هذا الشيخ فظهر انه شاب فانه يصح لان الشيخ صفة مشتركة فى الاستعمال بين الكبير و فى السن الكبير فى القدر كالعالم و بالنظر الى المعنى الثانى يصح ان يسمى الشاب شيخاً فقد اجتمعت الصفتان فى المشار اليه لعدم تخالفهما فلم يبلغ احدهما فيصح

الاقتداء" اھ (ص ۴۲۶، ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: غلام نبی نظامی علیمی
۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

معلوم نہ ہو کہ امام سنی ہے یا وہابی تو اس کی اقتدا کر لے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ایک پیر صاحب نے کہا کہ "اگر کسی اجنبی جگہ گئے جماعت کھڑی ہے معلوم نہیں امام سنی ہے یا دیوبندی تو نماز پڑھ لیں بعد میں معلوم ہوا کہ امام دیوبندی ہے تو نماز دہرانی پڑے گی کیونکہ دیوبندی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے۔" کیا یہ صحیح ہے؟ جواب ارسال فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حاجی عبدالقادر کھرالہ کھنڈوہ ایم پی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب پیر صاحب کا کہنا درست ہے کہ "اگر اجنبی جگہ گئے جماعت کھڑی ہے معلوم نہیں کہ امام سنی ہے یا دیوبندی تو نماز پڑھ لیں بعد میں معلوم ہوا کہ امام دیوبندی ہے تو نماز دہرانی پڑے گی" اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

"جبکہ شبہ کی کوئی وجہ قوی نہ ہو جماعت سے پڑھے پھر اگر تحقیق ہو کہ امام وہابی تھا تو نماز پھیرے۔"

(فتاویٰ رضویہ ص ۲۵۰ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد سفیر الحق الرضوی النظامی
۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ

جماعت کھڑی ہو تو آنے والا کہاں کھڑا ہو؟

صف میں جگہ چھوڑنا ناجائز، مکروہ تحریمی ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ

جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو آنے والے لوگ جماعت میں کس طرف سے شامل ہوں کیا جماعت کے بیچ میں سے آنے والوں کے لیے جگہ خالی چھوڑ دینا درست ہے۔

المستفتی: محمد خلیل احمد مقام عیدگاہ، بہادر پور ضلع بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر بائیں جانب مقتدی کچھ کم ہوں تو آنے والوں کے لے بائیں جانب کھڑا ہونا افضل ہے کہ وہ اقرب الی الامام ہے، اور اگر امام کے دونوں جانب مقتدی برابر ہوں تو دائیں جانب کھڑا ہونا افضل ہے۔ بحرالرائق باب الامامت میں ہے:

"اذا استوی جانب الامام فانه یقوم الجائی عن یمینه وان ترجح الیمین فانه یقوم عن یساره"(ج:۱ص ۳۵۳)

اور فتاوی عالمگیری میں ہے:"افضل مکان المأموم حیث یکون اقرب الی الامام فان تساوت المواضع ففی یمین الامام وهو الاحسن هکذا فی المحیط"(ج۱ص۸۹)

رہا کسی کے لیے صف میں جگہ چھوڑنا تو یہ ممنوع و ناجائز و مکروہ تحریمی ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "وصل صفوف اور ان کی رخنہ بندی اہم ضروریات سے ہے اور ترک فرجہ ممنوع و ناجائز" اھ (فتاوی رضویہ ص۳۱۶ ج۳) اور اسی میں ص۳۱۸ پر ہے "کسی صف میں فرجہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اھ

حدیث شریف میں ہے: "اقیموا الصفوف فانما یصفون لصف الملائکة وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله۔"

یعنی صفیں درست کرو اور اپنے کندھے سب ایک سیدھ میں رکھو اور صف کے رخنے بند کرو اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور صف میں شیطان کے لیے کھڑکیاں نہ چھوڑو اور جو شخص صف کو ملائے گا اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا اور جو صف کو کاٹے گا اللہ تعالیٰ اسے کاٹے گا" (ابوداؤد شریف، ج۱ص۹۷)

اور فتاوی عالمگیری میں ہے: "وینبغی للقوم اذا قاموا الی الصلوٰة ان یتراصوا و یسدوا الخلل ویسووا بین مناکبهم فی الصفوف"(ص۸۹ج۱) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

پنجگانہ میں صف اوّل کو فضیلت ہے اور جنازہ میں صف آخر کو ایسا کیوں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مسئلہ ذیل میں کہ

نماز پنجگانہ میں اوّل صف کو فضیلت حاصل ہے اور نماز جنازہ میں آخری صف کو اس کی کیا وجہ ہے؟

بینوا توجروا المستفتی: حافظ عبید الرضا حشمتی۔ مقام بلہا اترولہ ضلع بلرام پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب نماز پنجگانہ میں اول صف کو فضیلت حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے سب سے پہلے اول صف پر رحمت بھیجتے ہیں پھر دوسری صف پر، پھر تیسری صف پر اور نماز جنازہ میں اس کے برعکس آخری صف کو فضیلت حاصل ہے۔ اس کی تین وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس میں تعدد صفوف مطلوب ہے تو اگر صف اول کو فضیلت دی جاتی تو لوگوں کے کم ہونے کی صورت میں سب ایک ہی صف میں رہتے، دوسری، تیسری صف نہ لگاتے لہذا صف اول کو فضیلت نہ دے کر آخری صف کو فضیلت دی گئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آخری صف والے تواضع وانکساری کے ساتھ میت کے حق میں شفاعت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ان کی شفاعت ومغفرت قبولیت کے زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ میت کی نماز پڑھنا بظاہر عبادت اصنام سے مشابہ ہے لیکن اس کو حق وانگی مسلم کے لئے حسن قرار دیا گیا۔ اور وہ صرف نماز جنازہ سے حاصل ہو جاتا ہے لہذا جس قدر میت سے دور رہے گا تشبہ بعبادۃ الاصنام سے دور رہے گا اس لیے بھی آخری صف کو فضیلت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ نور الانوار صفحہ ۱۵۱ اور نامی حاشیہ حسامی صفحہ ۱۵۱ پر مرقوم ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

"(قوله خير صفوف الرجال أولها) لا نه روى فى الاخبار "ان الله تعالىٰ اذا انزل الرحمة على الجماعة ينزلها اولا على الامام، ثم تجاوز عنه الى من بحذائه فى الصف الاول، ثم الى الميامن، ثم الى المياسر ثم الى الصف الثانى" اھ (ج ۱ ص ۵۶۹) نیز اسی میں ہے:

"(قوله فى غير جنازة) اما فيها فاخرها اظهار اللتواضع لأنهم شفعاء فهوأحرى بقبول شفاعتهم ولان المطلوب فيها تعدد الصفوف، فلوفضل الاول امتنعوا عن التأخر عند قلتهم رحمتى" (ج ۱ ص ۵۷۰) واللہ تعالیٰ اعلم

تبہٗ محمد معراج احمد قادری مصباحی
۳۰ رذیقعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

درمیان صف میں کوئی بیٹھ کر نماز پڑھے تو کیا صف منقطع ہو جائے گی؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام ان مسائل میں کہ:

(۱) زید عذر کی وجہ سے صف اول کے درمیان بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو کیا زید کی وجہ سے صف منقطع

ہوجائے گی۔؟ بینوا توجروا المستفتی: محمد جیلانی ابن محمد ذوالفقار احمد نانڈیڑ مہاراشٹر

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) اگر کسی کو ایسا عذر ہوگیا کہ وہ قیام پر قادر نہیں تو وہ معذور ہے اسے عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ صف میں جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ سکتا ہے اس کی وجہ سے قطع صف نہ ہوگا اور عدم جواز کی کوئی وجہ پائی نہیں جاتی اس لیے صف کے درمیان یا کنارے جہاں اسے جگہ ملے وہاں بیٹھ کر نماز پڑھے۔ حدیث شریف میں ہے۔

عن عائشة قالت امر رسول الله صلی الله علیه وسلم ابابکر ان یصلی بالناس فی مرضه فکان یصلی بهم فوجد رسول الله صلی الله علیه وسلم من نفسه خفة فخرج واذا ابو بکر یوم الناس فلما راٰه ابو بکر استاخر فاشار الیه رسول الله صلی الله علیه وسلم ای کما انت فجلس رسول الله صلی الله علیه وسلم حذاء ابوبکر الی جنبه فکان ابو بکر یصلی بصلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم والناس یصلون بصلوة ابی بکر. (ج ۱ ص ۱۷۹ مسلم شریف) فتاوی ہندیہ میں ہے اذا عجز المریض عن القیام صلی قاعدا یر کع ویسجد کذا فی الهدایة (ج ۱ ص ۱۳۶) واللہ تعالیٰ علم

کتبہٗ محمد احمد قادری مصباحی
۱۴ / رجب ۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بَابُ مُفسِدَاتِ الصَّلٰوۃِ

مفسدات نماز کا بیان

مقتدی نے لقمہ دینے کے بجائے اونہوں اونہوں کہا تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ زید تراویح پڑھا رہا ہے اور پیچھے مقتدیوں میں حافظ بکر جو کہ نابینا ہے زید نے غلط پڑھا اور بکر نے لقمہ دینے کے بجائے ''اونہوں، اونہوں، اونہوں'' کہا نماز ختم ہونے کے بعد بکر سے پوچھا گیا کہ آپ نے لقمہ کیوں نہیں دیا تو بکر نے جواب دیا کہ اگر میں لقمہ دیتا اور زید لقمہ نہ لیتا تو میری نماز خراب ہو جاتی۔ تو کیا زید کی نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی:** حافظ محمد توفیق رضوی، بھیونڈی، مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں اگر واقعی امام نے ایسی غلطی کی جس سے معنی میں فساد واقع ہوا تو کسی کی بھی نماز نہ ہوئی اور اگر مفسد معنی نہ ہو تو سوائے بکر کے سب کی نماز ہو جائے گی مگر ختم قرآن کی سنت ادا کرنے کے لیے بعد کی رکعت میں قرأت کا اعادہ کر لے نماز میں آہ واف وتف وغیرہ کہنا بھی مفسد نماز ہے چہ جائیکہ اونہوں، اونہوں، اونہوں، یا کلام وغیرہ کرے'' غنیۃ المستملی میں ہے: **"وان کان من وجع او مصیبۃ یقطعھا آہ واف او تف"۔ اھ ملخصا (ص ۴۳۷)**

اور بعد نماز تراویح استفسار کیے جانے پر اس کا یہ کہنا کہ زید (امام) لقمہ نہ لیتا تو میری نماز خراب ہو جاتی صحیح نہیں کہ بہار شریعت میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں کہ: ''امام کو لقمہ لینا اور امام کا لقمہ دینا مفسد صلاۃ نہیں ضرورۃً اسے جائز رکھا گیا ہے:

ہدایہ میں ہے: **"ان فتح علی امامہ لم یکن کلاما استحسانا ولو کان الامام انتقل الی آیۃ اخری تفسد صلاۃ الفاتح وتفسد صلاۃ الامام لو اخذ بقولہ لوجود التلقین و التلقن من غیر ضرورۃ"۔ اھ ملخصاً (ج ۱ ص ۱۱۶) واللہ تعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: شمس الدین علیمی
۹ رصفر المظفر ۲۴ھ

سینٹ لگانا اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا کیسا ہے؟

مسئلہ سینٹ (پرفیوم) لگانا کیسا ہے اور کیا سینٹ لگا کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد نبیہ قصاب ابن نصر اللہ قریشی، شاہجہاں پور، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سینٹ (پرفیوم) میں اسپرٹ کی آمیزش ہوتی ہے اور اسپرٹ ایک قسم کی شراب ہے جو کہ حرام اور نجاست غلیظہ ہے اس کا لگانا حرام وناجائز ہے خواہ خارج نماز ہو یا داخل نماز۔

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "إن إسپرٹ تو وهی روح النبیذ خمر قطعاً بل من أخبث الخمور فهی حرام ورجس نجس نجاسة غلیظة کالبول." یعنی بے شک اسپرٹ جو جان نبیذ ہے شراب ہے بلکہ وہ سب سے گندی شراب ہے تو یہ حرام بھی ہے ناپاک بھی اور اس کی نجاست پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج:۲ ص:۱۲۰)

اور فتاوی امجدیہ میں ہے:

الکحل اور اسپرٹ وغیرہ رقیق وسیال مسکرات کا قطرہ، قطرہ ناپاک وحرام وناجائز ہے حدیث شریف میں ہے: ما أسكر كثيره فقليله حرام. (ج:۴، ص:۱۰۵)

لہٰذا اگر سینٹ لگا کر نماز پڑھی اور وہ ایک درہم سے زیادہ ہے اگرچہ چند جگہ مل کر وہ مقدار پوری ہو نماز نہیں ہوگی اس کا پاک کرنا فرض ہے اور درہم برابر ہے تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی جسے پاک کپڑے پہن کر دہرانا واجب اور اگر وہ درہم کی مقدار سے کم ہے تو اسے پاک کرنا سنت ہے کہ بے پاک کیے نماز ہو جائے گی مگر خلاف سنت ہوگی۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کسی کپڑے یا بدن پر چند جگہ نجاست غلیظہ لگی اور کسی جگہ درہم کے برابر نہیں مگر مجموعہ درہم کے برابر ہے تو درہم کے برابر سمجھی جائے گی اور زائد ہے تو زائد۔ اگر نجاست گاڑھی ہے جیسے پاخانہ، لید، گوبر تو درہم کے برابر یا کم یا زیادہ کے معنی یہ ہیں کہ وزن میں اس کے برابر یا کم یا زیادہ ہو اور درہم کا وزن شریعت میں اس جگہ ساڑھے چار ماشے ہے اور اگر پتلی ہو جیسے آدمی کا پیشاب اور شراب تو درہم سے مراد اس کی لمبائی چوڑائی ہے اور شریعت نے اس کی مقدار ہتھیلی کی گہرائی بتائی یعنی ہتھیلی خوب پھیلا کر ہموار رکھیں اور اس پر آہستہ سے اتنا پانی ڈالیں کہ اس سے زیادہ پانی رک نہ سکے اب پانی کا جتنا پھیلاؤ ہے اتنا بڑا درہم سمجھا جائے اور اس کی مقدار یہاں کے روپے کے برابر ہے۔ (بہار شریعت، ح:۲ ص:۸۳) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد انوار الحق القادری

۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

الکحل آمیز دوا یا سینٹ کی شیشی جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو ہوئی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

انگریزی اسپرٹ الکحل آمیز دوا کی شیشی یا سینٹ کی شیشی جیب میں ہے اور اسی حالت میں نماز پڑھی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ **المستفتی:** الحاج سیٹھ ابوالحسن صاحب دھولیہ (مہاراشٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اسپرٹ کی شیشی جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز نہ ہوئی، الکحل ملی انگریزی دواؤں کے استعمال کی اب بوجہ عموم بلوی و دفع حرج اجازت ہے اس لئے اس کی شیشی کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ سینٹ کی شیشی جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز نہ ہوئی۔ جبکہ اس میں اسپرٹ ملنا متحقق ہو کہ سینٹ لگانے کی حاجت نہیں، اور نہ ہی اس میں عموم بلوی۔ ردالمحتار میں ہے:

"لو حمل قارورة مضمومة فیھا بول فلا تجوز صلاته لانه فی غیر معدنه کما فی البحر عن المحیط"۔ اھ (ص ۴۰۳، ج۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** غلام نبی نظامی علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۲/ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

صلاۃ التسبیح پڑھنے کا ایک غلط طریقہ

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ہمارے یہاں شب برأت اور شب قدر میں صلوٰۃ التسبیح مولانا صاحب اس طرح سے پڑھاتے ہیں کہ مسجد میں موجود سبھی حضرات کو صفوں میں کھڑا کر دیتے ہیں اور مسجد میں صفوں کے پیچھے ایک کونے میں بیٹھ کر تکبیر تحریمہ سے لے کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کو باآواز بلند آگے آگے کہتے جاتے ہیں اور پیچھے پیچھے سبھی نمازی آہستہ آہستہ دہراتے جاتے ہیں کیا اس طرح سے نماز ہو جاتی ہے اور اگر نہیں ہوتی تو پھر اس نماز کا ذمہ دار کون ہے؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی:** محمد طارق عمر، سرائے بسواں، ضلع سیتاپور، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سوال سے ظاہر یہی ہے کہ یہ مولوی صلوٰۃ التسبیح کی امامت نہیں کرتا، بلکہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر صلوٰۃ التسبیح کی تسبیحات وغیرہ سکھاتا ہے اور باقی تمام لوگ الگ الگ اپنی نماز ایک ساتھ ادا

کرتے ہیں یہ صورت تلقّن من الخارج کی ہوئی یعنی نمازی کا غیر نمازی سے سیکھ کر پڑھنا اور یہ مفسد نماز ہے اس لئے تمام لوگوں کی نماز فاسد ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ یہ صلوٰۃ التسبیح کی ایک ٹریننگ ہے۔ نہ کہ صلوٰۃ التسبیح پڑھنا۔ اس مولوی پر لازم ہے کہ آئندہ مسلمانوں کی نمازوں کے ساتھ یہ کھلواڑ نہ کرے۔ اور توبہ کرے۔ نماز نفل بھی چونکہ شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے اس لئے اب تک جتنے لوگوں نے اس طور پر صلوٰۃ التسبیح پڑھی وہ تمام لوگ اس نماز کا اعادہ کریں ورنہ گنہگار رہوں گے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ مولوی لوگوں کو پہلے ہی صلوٰۃ التسبیح کی تسبیح یاد کرادے پھر لوگ ان دونوں راتوں میں اپنے اپنے طور پر نماز ادا کریں، اور اگر بالفرض یہ امام صلوٰۃ التسبیح کی امامت کرتا ہے جیسا کہ سوال کا لفظ (مولانا صاحب اس طرح سے پڑھاتے ہیں) سے شبہ ہوتا ہے تو امامت و اقتدا باطل ہے کیونکہ امام کے لئے ضروری ہے کہ تمام مقتدیوں کے آگے ہو اور یہ شخص تمام مقتدیوں کے پیچھے بیٹھا رہتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "لو سمعه المؤتم ممن ليس في الصلاة ففتح به على إمامه يجب ان تبطل صلاة الكل، لان التلقين من خارج. واقره في النهر ووجهه ان المؤتم لما تلقن من خارج بطلت صلاته فاذا فتح على امامه واخذ منه بطلت صلاته۔ اھ (ص ۶۲۲، ج ۱، باب ما يفسد الصلاة)

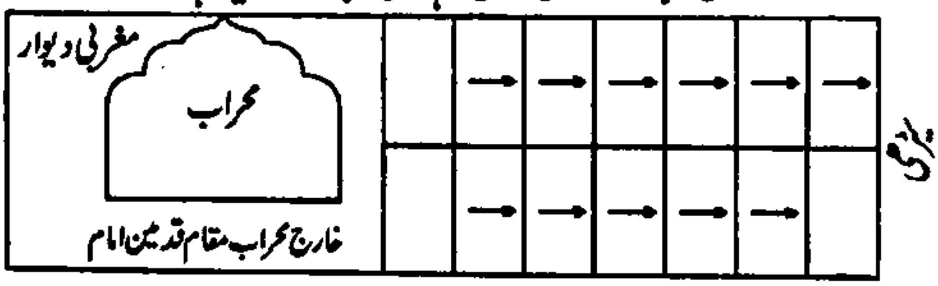
ایسا ہی بحر الرائق ص ۶، ج ۲ باب ما یفسد الصلاۃ میں ہے۔ ردالمحتار میں ہے: "و تقدم الامام بعقبه عن عقب المقتدى شرط لصحة اقتدائه" اھ (ص ۵۵۱، ج ۱ باب الامامة) والله تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی	کتبہٗ: محمد صدیق عالم قادری منظری
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی	۱۶/ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ

بَابُ مَا يُكْرَهُ فِي الصَّلَاةِ

مکروہات نماز کا بیان

جس مسجد کے متعلق سوال ہے اس مسجد کا نقشہ یہ ہے



سترہ کی مقدار کیا ہے؟ کیا مقتدی کے لئے الگ سترہ ضروری ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ

ایسی مسجد جس میں شرعی قانون کے مطابق امام کے کھڑے ہونے کی جگہ محراب سے باہر ہے۔لیکن مسجد کی بالائی منزل پر نمازیوں کے جانے آنے کے جو سیڑھی نکالی گئی ہے وہ جگہ کی قلت کی وجہ سے ایسی جگہ نکالی گئی ہے جس کے بالمقابل جماعت کے وقت محراب سے باہر امام کھڑا ہوتا ہے۔دریافت طلب امور یہ ہیں کہ

(۱) اس سیڑھی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) اور اس سیڑھی کی وجہ سے نماز با جماعت میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

(۳) نیز یہ سیڑھی بغیر دیوار کے بنائی گئی ہے روک کے لیے اور سترہ کی نیت سے لوہے کا گریل اس سیڑھی میں لگایا گیا ہے لیکن سیڑھی سے آنے جانے والے حالت نماز میں مصلیان کو نظر آتے ہیں۔ایسی سیڑھی کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور ایسی سیڑھی کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ یا سیڑھی سے جانے آنے والے حضرات شرعاً مجرم تو نہیں ہیں؟

(۴) یہ لوہے کا گریل سترے کا کام دے سکتا ہے یا نہیں؟ بہ دلائل واضح فرمائیں۔بینوا توجروا

المستفتی: ڈاکٹر عبد الوحید رضوی آزاد نگر جمشید پور (جھارکھنڈ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱-۲-۳-۴) سترہ کی مقدار یہ ہے کہ ایک ہاتھ اونچا اور انگلی برابر موٹا اور زیادہ سے زیادہ تین ہاتھ اونچا ہو۔ درمختار میں ہے۔"سترة بقدر ذراع طولا و غلظ اصبع" اھ (ج ا ص ۶۲۷) اگر سیڑھی کی گریل سترے کی طرح ہے تو وہ شرعا سترے کے کام آسکتی ہے، جب کہ گریل امام کے سامنے ہو تو صورت مسئولہ میں نماز جماعت میں سیڑھی سے گزرنے کی وجہ سے نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا اور نہ ہی گزرنے والوں پر شرعا کوئی جرم عائد ہوگا کہ نماز جماعت میں مقتدی کے آگے سے گزرنے میں حرج نہیں جب کہ گزرنے والا امام کے آگے سے نہ گزرے اور امام کے سامنے سترہ ہو۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "امام کا سترہ مقتدی کے لیے سترہ ہے اس کو جدید سترہ کی حاجت نہیں تو اگر چھوٹی مسجد میں بھی مقتدی کے آگے سے گزر جائے جب کہ امام کے آگے سے نہ ہو حرج نہیں" اھ (بہار شریعت ح ۳ ص ۱۵۹)

درمختار "باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا" میں ہے "و کفت سترة الامام للکل" اھ (ج ا ص ۶۳۸) اور ردالمحتار میں ہے "ای للمقتدین بہ کلہم، وعلیہ فلو مر مار فی قبلۃ الصف فی المسجد الصغیر لم یکرہ اذا کان للامام سترة اھ (ج ا ص ۶۳۸)

اور اگر سیڑھی کی گریل سترہ جیسی نہیں ہے تو امام کے سامنے کوئی ایسی چیز نصب کردی جائے جو سترہ کا کام دے۔ البتہ سیڑھی کو پردے وغیرہ کسی ایسی چیز سے سے آڑ کردیا جائے جس سے گزرنے والے نمازیوں کو نظر نہ آئیں تاکہ نمازیوں کے خشوع وخضوع میں کمی نہ ہو، ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ نماز کے وقت میں بلا ضرورت نماز و شرکت جماعت کوئی اوپر نہ جائے یوں بھی مسجد تنگ نہ ہو تو مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد نیاز برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۴/ربیع الغوث ۱۴۲۵ھ

پاجامہ پینٹ موڑ کر یا ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر اور آستین چڑھا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کچھ لوگ پاجامہ، یا پینٹ کو موڑ کر اور کچھ لوگ ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر نماز پڑھتے ہیں، یوں ہی لوگ آستین چڑھا کر نماز پڑھ لیتے ہیں، اس کے بارے میں حکم شرع کیا ہے؟ نیز جس کے پاجامے لمبے ہوں، وہ کیا کرے اور سنت طریقہ کیا ہے؟

احادیث وفقہی جزئیات سے مزین فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی محمد دین، مقام: حسین پور ہلدا، پوسٹ وتھانہ، اسلام پوراتر دیناجپور بنگال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب پاجامہ، یا پینٹ کو موڑ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ یوں ہی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھا کر، یا دامن سمیٹ کر نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، جس کے باعث دوبارہ نماز ادا کرنا واجب ہے کیوں کہ یہ غرور وتکبر کے قبیل سے ہے۔ ہدایہ میں ہے: "ولا یکف ثوبہ لانہ نوع تجبر" اھ

(بیان مکروہات الصلاۃ ص ۱۴۱ ج ۱)

درمختار میں ہے: وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل" اھ اور اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "ای کما لو دخل فی الصلاۃ وھو مشمر کمہ او ذیلہ و اشار بذلک الی ان الکراھۃ لا تختص بالکف وھو فی الصلاۃ" اھ (مکروہات الصلاۃ ص ۴۰ ج ۱)

پاجامہ، پینٹ، یا تہبند کا ٹخنوں سے نیچے ہونا اگر از راہ تکبر ہو تو حرام وگناہ ہے، اس صورت میں بھی نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور اگر تکبر کی وجہ سے نہیں ہے تو مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

عن عبد اللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیٰمۃ فقال ابو بکر الصدیق یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان احدشقی ازاری یسترخی الا ان اتعاھد ذلک منہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لست ممن یصنعہ خیلاء"

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا کپڑا تکبر سے لٹکایا اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن اس کی جانب نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا تہبند تو نیچے لٹک جاتا ہے جب تک میں اس کا خاص خیال نہ رکھوں حضور نے فرمایا تم ان میں سے نہیں جو تکبر کے طور پر ایسا کرتے ہیں۔

(بخاری شریف کتاب اللباس، ص ۸۶۰ ج ۲)

دوسری حدیث میں فرمایا: عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ قال لا ینظر اللہ یوم القیٰمۃ الیٰ من جر ازارہ بطرا"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا جو تکبر کے ساتھ اپنی ازار زمین پر گھسیٹے۔

(بخاری شریف ص ۸۶۱ ج ۲)

نیز ارشاد رسالت ہے: ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔ یعنی جو براہ تکبر اپنے تہبند، پاجامہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھے گا تو قدم کا اتنا حصہ آگ میں ہے۔ (بخاری شریف ص ۸۶۱ ج ۲)

فتاوی ہندیہ میں ہے: اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلا ففیہ کراھۃ تنزیہ کذا فی الغرائب۔ اھ (کتاب الکراھیۃ الباب التاسع ص ۳۳۳ ج ۵)

فتاوی رضویہ میں ہے: ازار کا گٹوں سے نیچے رکھنا اگر براہ تکبر ہو حرام ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی، ورنہ صرف مکروہ تنزیہی اور نماز میں بھی اس کی غایت خلاف اولیٰ'' (ص ۸ ۴۴ ج ۳)

بہت لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نماز پڑھتے وقت پاجامہ، یا پینٹ کے پائینچوں کو موڑ دیتے ہیں مگر انہیں معلوم نہیں کہ اس طرح کپڑے موڑ کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، اگر پاجامہ، یا پینٹ سے ٹخنے نظر نہیں آتے تو اسی حالت میں نماز پڑھ لیں اگر چہ اس صورت میں بھی نماز مکروہ ہوگی مگر مکروہ تنزیہی۔ سنت یہ ہے کہ پاجامہ ٹخنوں سے اوپر ہو تا کہ ٹخنے کھلے رہیں مگر اتنا اونچا بھی نہ پہنیں کہ دیکھنے والا وہابی دیوبندی سمجھے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: ''پاجامہ طول میں ٹخنوں سے زائد نہ ہو کہ لٹکے ہوئے پائچے اگر براہ تکبر ہوں تو حرام و گناہ کبیرہ، ورنہ مردوں کے لیے مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے۔'' (ص ۸۴ ج ۹ نصف اول) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد صابر عالم القادری المصباحی
۱۶ / رجمادی الآخرۃ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

چین دار گھڑی پہن کر نماز مکروہ ہے تو چشمہ پہن کر کیوں نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ جس طرح چین دار گھڑی پہن کر نماز پڑھنا پڑھانا ناجائز و نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے اسی طرح چشمہ لگا کر نماز پڑھنا ناجائز و نماز مکرو تحریمی ہونی چاہیے اس لیے کہ چشمہ بھی دھات ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد مظفر حسین اشرفی ناگوری، متعلم الجامعہ اسلامیہ رونا ہی ضلع فیض آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب بعون الملک الوھاب۔ دھات کا چشمہ لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ سونے چاندی کا نہ ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت اتار لے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں'' اگر عینک (چشمہ) کا حلقہ یا قیمیں چاندی یا سونے کی ہیں تو ایسی عینک ناجائز ہے اور نماز اس کی اور مقتدیوں سب کی سخت مکروہ ہوتی ہے ورنہ تانبے یا اور دھات کی ہوں تو بہتر یہ ہے کہ نماز پڑھنے میں اتار لے ورنہ یہ

خلاف اولیٰ اور کراہت سے خالی نہیں'' (فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۴۲۷) لہٰذا چشمہ کو چین دار گھڑی پر قیاس کر ناصحیح نہیں اگر چہ چشمے کا شمار بھی دھات میں ہوتا ہے اس لیے کہ چشمے کے بارے میں فقہائے کرام کی تصریحات موجود ہیں کہ چشمہ پہن کر نماز ہو جاتی ہے اور چین دار گھڑی پہن کر نماز پڑھنا پڑھانا فقہائے کرام نے مکروہ، تحریمی فرمایا ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں'' گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں ممنوع کی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز و امامت مکروہ تحریمی اھ (احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۷۰) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد عبد القادر رضوی باسنوی

۱۵ / جمادی الاخر ۱۴۲۲ھ

تنگی کے باعث امام کا اس طرح کھڑا ہونا کہ پیچھے دو، تین لوگوں کی جگہ خالی رکھنی پڑے کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز میں امام کے پیچھے دو تین لوگوں کی جگہ خالی رہتی ہے تو امام کا اسطرح کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: شبیر احمد چشتی مدرسہ حنفیہ محلہ عالم خاں شہر جونپور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب امام کا اس طرح کھڑا ہونا کہ اس کے پیچھے دو تین لوگوں کی جگہ خالی رہے اس میں دو طرح سے کراہت تحریمی ہے۔ اول یہ کہ امام کا صف پر مقدم ہونا واجب ہے۔ اور ترک واجب گناہ، نماز مکروہ تحریمی ہے۔ ردالمحتار جلد ا ص ۴۲۰ پر ہے:

''تقدم الامام امام الصف واجب'' اھ بحر الرائق فی شرح کنز الدقائق جلد اول ص ۳۵۱ پر ہے: ''لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کذا فی الھدایۃ وھو یدل علی انھا کراھۃ تحریم لان التقدم واجب علی الامام للمواظبۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ترک الواجب موجب لکراھۃ التحریم المقتضیۃ للاثم اھ ملخصاً۔

فتاوی رضویہ جلد ۳ ص ۳۱۸ پر ہے کہ امام کا مقدم ہونا جو بنص ہدایہ وکافی وغیرہا واجب ہے وہ صرف تھوڑا آگے بڑھنے سے ادا نہیں ہوتا جب تک پوری صف کی جگہ نہ چھوٹے اھ اور اسی کے ص ۳۷۷ پر ہے کہ دو

سے زیادہ مقتدیوں کا امام کے برابر کھڑا ہونا یا امام کا صف سے کچھ آگے بڑھا ہونا کہ صف کی قدر جگہ نہ چھوٹے یہ ناجائز و گناہ ہے نماز مکروہ تحریمی و واجب الاعادہ ہوگی۔ اگر مقتدیوں کی کثرت اور جگہ کی قلت ہے باہم صفوں میں فاصلہ کم چھوڑیں پچھلی صف اگلی صف کی پشت پر سجدہ کرلے اور امام کے لیے بقدر ضرورت جگہ پوری چھوڑ دیں اھ ملخصاً دوسرے یہ کہ قطع صف (فرجہ) مکروہ تحریمی ہے: درمختار میں ہے:

لو صلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنه مكاناً كره كقيامه فی صف خلف صف فيه فرجة۔ (الدر المختار ص ۳۱۲، ج ۲)

اس کے تحت شامی میں ہے: هل الكراهة فيه تنزيهة او تحريمة ويرشد الى الثانی قوله عليه الصلاة والسلام ومن قطعه قطعه الله۔ اور اس کے بارے میں حکم شدید ہے کہ اگر صف اول میں فرجہ ہے تو آنے والا صف ثانی کو چیر کر صف اول کی خالی جگہ جا کر کھڑا ہو جائے درمختار میں ہے: لو وجد فرجة فی الاول لا الثانی له خرق الثانی لتقصيرهم اھ اس کے تحت شامی میں ہے: وفی القنية قام فی آخر صف و بين الصفوف مواضع خالية فللداخل ان يمر بين يديه ليصل الصفوف لانه اسقط حرمة نفسه فلا يأثم المار بين يديه اھ (ج ۲ ص ۳۱۲)

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہے کہ امام کا صف پر مقدم ہونا واجب ہے اور ترک واجب گناہ و مکروہ تحریمی اور صف میں فرجہ کا ہونا بھی مکروہ تحریمی اور اس کا ارتکاب گناہ و نماز واجب الاعادہ۔ لیکن جمعہ کی نماز کا اعادہ نہیں۔ درمختار میں ہے: "کل صلوٰۃ اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها" اس کے تحت شامی میں ہے انه يستثنی منه الجمعة والعيد (ردالمحتار ص ۳۳۰ ج ا) واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جلت عظمته وصلی اللہ علیه وسلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد شاہ عالم قادری
۲۵ ر ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ

تنگی کے سبب امام کا صف سے صرف ایک بالشت آگے کھڑا ہونا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شریعت ان مسائل کے بارے میں کہ (ا) مسجد کی پہلی صف میں ممبر ہے اور امام ممبر کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور امام کے دائیں بائیں جانب ایک بالشت پیچھے مقتدی کھڑے ہوتے ہیں فقط جمعہ کی نماز میں جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے حتیٰ کہ مسجد کی چھت بھی پُر ہو جاتی ہے اب ایسی صورت میں نماز درست ہے یا نہیں؟ کسی طرح کی کوئی نماز میں کراہت ہے یا نہیں؟ المستفتی: محمد عالم سیگوا بھروچ گجرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب (۱) فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۳۱۸ میں ہے ''اولاً امام کا صف پر تقدم جو بنص ہدایہ وکافی وغیرہما واجب ہے وہ صرف تھوڑا آگے بڑھ جانے سے ادا نہیں ہوتا جب تک پوری صف کی جگہ نہ چھوٹے ثانیا ہر صف میں اول سے آخر تک دوسری صف کے لیے صف کامل کی جگہ بچنا واجب ہے، ثالثاً کسی صف میں فرجہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے جب تک اگلی صف پوری نہ کرلیں صف دیگر ہرگز نہ باندھیں، رابعاً صورت مذکورہ سوال دو کراہت تحریمی پر مشتمل ہے ایک ترک تقدم دوسری بقائے فرجہ'' اھ اس لیے کہ امام کا صف پر مقدم ہونا سنت دائمہ ہے جس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ مواظبت فرمائی اور مواظبت دلیل وجوب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ ہے ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۳۱۴ میں ہے اور ایسا ہی "فتح القدیر شرح ھدایہ باب الامامة" ج ۱ ص ۳۶۲ میں ہے فتح کی عبارت یہ ہے:

"ان ترك التقدم لامام الرجال محرم وكذا صرح الشارح وسماه في الكافي مكروها وهو الحق اى كراهة تحريم لان مقتضى المواظبة على التقدم منه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بلا ترك الوجوب فلعدمه كراهة التحريم" ملخصاً نیز بحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۳۵۱ "باب الامامة" میں ہے۔

"لا تخلوا عن ارتكاب محرم وهو قيام الامام وسط الصف فيكره كالعراة كذا في الهداية وهو يدل على انها كراهة تحريم لان التقدم واجب على الامام للمواظبة من النبي صلى الله عليه وسلم عليه و ترك الواجب موجب لكراهة التحريم المقتضية للاثم" اھ ملخصاً

اور دوسری وجہ یہ کہ جب امام صف اول میں صرف اس قدر فاصلہ قلیلہ چھوڑے گا تو بالیقین صف اول ناقص رہے گی اور امام کے پیچھے ایک آدمی کی جگہ چھوٹے گی تو صف کے درمیان فرجہ رہے گا جس کی وجہ سے صف قطع ہوگی اور قطع صف ناجائز ہے حدیث شریف میں ہے: "من قطع صفا قطعه الله ومن وصل صفا وصله الله" اھ (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۹۷) یہ حکم عام ہے۔

البتہ جب سوال میں مذکور ہے کہ مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے مسجد کی چھت بھی پُر ہو جاتی ہے تو حکم شرع یہ ہے کہ مقتدیوں کی کثرت اور جگہ کی قلت ہو تو باہم صفوں میں فاصلہ کم چھوڑا جائے اور پچھلی صف والے اگلی صف والوں کی پشت پر سجدہ کریں۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۳۷۷ میں ہے اس لیے صورت مسئولہ میں بوجہ ضرورت اس طرح نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے فقہ کا قاعدۂ کلیہ ہے "الضرورات تبيح

المخطورات" اھ (الاشباہ والنظائر ص ۱۴۰) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ محمد عبدالقادر رضوی ناگوری
۱۳ رجب المرجب ۲۳ ۱۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

سامنے سکہ یا روپیہ وغیرہ ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟
اگر سامنے آئینہ ہو جس میں نمازی کی تصویر نظر آئے تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین وملت مسائل ذیل میں کہ

(۱) نماز پڑھتے وقت جیب میں سے سکہ یا روپیہ گر جائے اور تصویر سامنے ہو تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲) مصلی کے سامنے آئینہ ہو اور اس میں اس کی تصویر نظر آتی ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا

المستفتی عبدالوارث عرف سلو بھائی، مدینہ مسجد ریتی چوک گورکھپور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) نماز ہو جائے گی وجہ یہ ہے کہ سکہ میں جو تصویر ہوتی ہے وہ اس قدر چھوٹی ہوتی ہے کہ زمین پر رکھ کر دیکھا جائے تو اس کے اعضاء کی تفصیل ظاہر نہیں ہوتی۔

اور روپئے کی تصویر اگرچہ اس قدر چھوٹی نہیں ہوتی مگر ضرورت کے تحت اس کا رکھنا جائز ہے۔ لہٰذا اگر روپے سکے کی تصویر سامنے ہو تو صحت نماز میں فرق نہ آئے گا۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ "جس چیز میں تصویر ہو اسے بلا اہانت رکھنا مکروہ ہے۔ ترک اہانت بوجہ تصویر نہ ہو بلکہ اور سبب سے ہو جیسے روپے کو سنبھال کر رکھنا زمین پر پھینک نہ دینا کہ یہ بوجہ تصویر نہیں بلکہ بسبب مال۔ اگر سکے میں تصویر نہ ہوتی جب بھی وہ ایسی ہی احتیاط سے رکھا جاتا یہ بحال ضرورت جائز ہے جس طرح روپے میں کہ تکریم تصویر مقصود نہیں اور بے تصویر کا یہاں چلتا نہیں اور اس پر سے تصویر مٹائیں تو چلے گا نہیں الضرورت تبیح المحظورات۔ یوں ہی اسٹامپ کی تصویر اور ڈاک ٹکٹ اگر ان کی تصویریں ایسی چھوٹی نہ ہوں کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھنے سے تفصیل اعضاء ظاہر نہ ہوں جیسے اشرفی، مہر اس کے رکھنے کا ایسے ہی جواز ہے کہ اس کی تصویریں ایسی ہی چھوٹی ہیں۔

(فتاوی رضویہ ج ۹ نصف آخر ص ۶۱)

اور فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیہ کتاب الصلاۃ میں ہے

"اوفی ثوبہ تصاویر و فی البساط روایتان والصحیح انہ لا یکرہ علی البساط اذا لم یسجد علی التصاویر و ھذا اذا کانت الصورۃ کبیرۃ تبدو للناظر من غیر تکلف فان کانت صغیرۃ او ممحوۃ الراس لا باس بہ۔" (ج ۱ ص ۱۱۹) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) آئینہ سامنے ہو تو نماز میں کراہت بھی نہیں کہ سبب کراہت تصویر ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اور اگر اسے تصویر کا حکم دیں تو آئینہ کا رکھنا بھی مثل تصویر نا جائز ہو جائے گا حالانکہ بالا جماع جائز ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ وہاں تصویر ہوتی ہی نہیں بلکہ خطوط شعاعی آئینہ کی صفائی کی وجہ سے لوٹ کر چہرہ پر آتے ہیں گویا یہ شخص خود اپنے آپ کو ہی دیکھتا ہے نہ یہ کہ آئینہ میں اس کی تصویر چھپتی ہے۔ ایسا ہی فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۱۸۴ پر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی

۱۹/ جمادی الاخرہ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

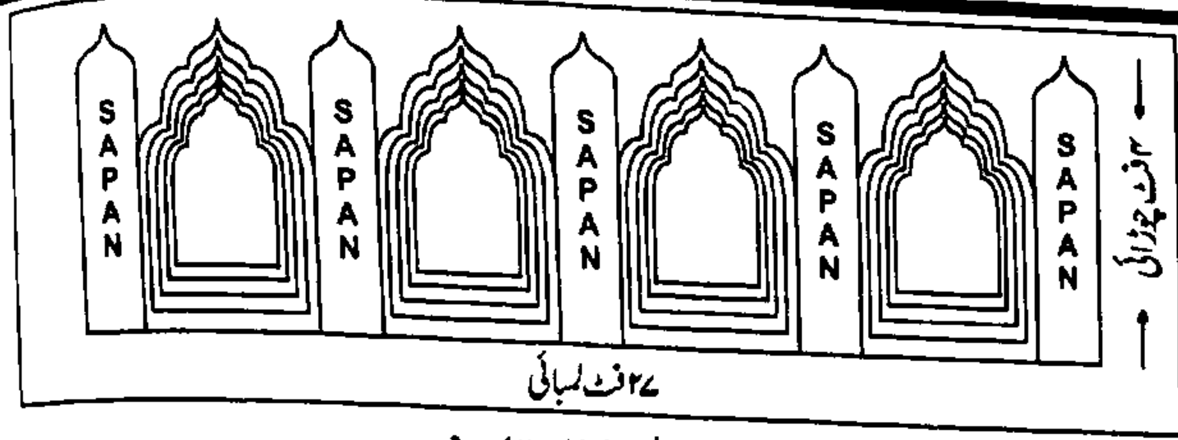
مصلّٰی پر انگریزی حروف لکھے ہوں تو نماز ہوگی یا نہیں؟

اس پر نماز پڑھنے والوں کو روکنا اور گالی دینا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ میں ہمارے گاؤں کی مسجد میں پلاسٹک کی جانماز چٹائی ۷ / ۲ فٹ لمبی بچھی ہے۔ مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق جانماز کے بیچ کمپنی کا نام سپنا (SAPNA) انگریزی میں لکھا ہوا ہے۔

یہ جانماز مسجد میں ۷ / ۸ سال سے بچھی ہے اور اس پر کھڑے ہو کر مقتدی نماز ادا کرتے آرہے ہیں مگر زید جو اس جانماز میں پہلے سے نماز پڑھتا آرہا ہے اب اعتراض کر رہا ہے کہ اس جانماز پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی۔ اس کا کہنا ہے کہ نمازیوں کی نظر رکوع اور سجدہ کے وقت اس انگریزی لفظ پر پڑتی ہے مگر حقیقت میں جب نمازی صف میں کھڑے ہوتے ہیں تو یہ نام ان کے سائڈ میں پڑتا ہے اسی بات پر زید نے مسجد کے اندر فحش گالیاں دیا اور دھمکی دیا کہ اگر یہ جانماز مسجد میں بچھائی گئی تو میں اس میں آگ لگا دوں گا آخر شرع کے لحاظ سے اس جانماز کو بچھانا صحیح ہے یا نہیں؟ اور زید جس نے مسجد کے اندر گالیاں دیا اور جن لوگوں نے اس کی تائید کی ان کے لیے کیا حکم ہے؟ تحریر فرما کر قوم کے اندر پیدا شدہ اس فتنہ کا سد باب کریں عین نوازش ہوگی بینوا توجروا۔

المستفتی: کالو خاں ننگاہ، محلہ، بھدرک (اڑیسہ)



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب اس جانماز پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ انگریزی کے حروف کی وجہ سے جانماز ناپاک نہیں ہوجاتی کہ اس پر نماز پڑھنے سے نماز نہ ہو، صورت مسئولہ میں زید متعدد وجوہ سے سخت گنہگار حق العباد میں گرفتار ہے۔

غلط مسئلہ بتایا کہ ''اس پر نماز نہیں ہوگی'' حدیث شریف میں ہے: "من أفتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض"۔ یعنی جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔ (کنز العمال، ج:۱، ص:۱۹۳)

یونہی گالی دینا حرام ہے، اور مسجد میں گالی دینا تو حرام در حرام ہے اور اس میں ایذائے مسلم بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے "سباب المسلم فسوق"۔ "مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔'' (ابن ماجہ) نیز حدیث پاک میں ہے "من اذی مسلما فقد اذانی و من اذانی فقد اذی الله"۔ (ج۱۰، ص۱۶)

اسی طرح مسجد میں تالا لگانے اور جانماز کو جلائے جانے کی دھمکی دینا بھی ناجائز وگناہ ہے کہ یہ عزم گناہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا"۔ یعنی اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لیے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے'' (سورۂ بقرہ ۲، آیت ۱۱۴)

لہٰذا زید پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کرے، اور آئندہ غلط مسئلہ نہ بتائے، اور نمازیوں سے معافی مانگے، اور فتنہ وفساد نہ پھیلائے، اور اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اسے مسجد سے باہر کردیں اور زید کی بے جا حمایت کرنے والے بھی توبہ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"۔ یعنی گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو'' (سورۂ مائدہ ۵ آیت ۲) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی
۱۰ر محرم ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

زمین چھین کر مسجد بنانا اس میں نماز پڑھنا نیز سرکاری زمین پر قبضہ کر کے مسجد بنانا کیسا ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ ذیل میں کہ (۱) محلہ سلاوٹ واڑی میں بیچ کی مسجد کی توسیع کی جارہی ہے اس میں میری رضامندی سے تین یا چار فٹ یا اس سے کم مجھ سے مانگنے پر دے دی گئی اب وہ محراب کی تعمیر کے لیے زمین کی مانگ کی گئی جس کو میں نے اور میری والدہ زمین دینے سے منع کر دیا اس پر زبردستی ہمیں دبا کر محراب کی تعمیر کی گئی ہے ایسی حالت میں محراب کے اندر امام صاحب کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں گے تو غصب کی ہوئی زمین پر امام صاحب کی نماز ہوئی یا نہیں اس کا خلاصہ قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں؟

(۲) زید کا یہ کہنا کہ سرکاری زمین پر قبضہ کر کے (ناجائز طور پر مسجد کی زمین میں شامل کر کے مسجد کی تعمیر کی جائے تو نماز ہو جائے گی جب کہ عمر کا یہ کہنا ہے کہ ناجائز طور پر کی گئی زمین کو مسجد میں شامل کیا جائے تو نماز ہرگز نہیں ہوگی۔ امر طلب یہ ہے کہ کس کا کہنا درست ہے از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی؟ فقط والسلام۔

المستفتی: محمد حیات والد مرحوم رحیم بخش موتی کونڈہ سلاوٹ واڑی اودے پور۔ راجستھان۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مسئلہ (۱) غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یعنی نماز کراہت تحریم کے ساتھ ادا ہوگی جس کا اعادہ واجب ہے جیسا کہ بہار شریعت جلد سوم میں ہے کہ "زمین مغصوب یا پرائے کھیت میں جس میں زراعت موجود ہے یا جتے ہوئے کھیت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے" (بہار ص ۱۷۰ ح ۳) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں ایک سوال آیا کہ چوری کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "چوری کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے میں اگر چہ فرض ساقط ہو جائے گا، لان الفساد مجاور مگر نماز مکروہ تحریمی ہوگی، للاشتمال علی المحرم جائز کپڑے پہن کر اس کا اعادہ واجب۔ کالصلوٰۃ فی الارض المغصوبۃ سواء بسواء"

(فتاوی رضویہ ص ۴۵۱ ج ۳)

اور فتاوی عالمگیری میں ہے:

"الصلوٰۃ فی ارض مغصوبۃ جائزۃ ولکن یعاقب بظلمہ فما کان بینہ وبین اللہ تعالیٰ

يثاب وما كان بينه وبين العباد يعاقب كذا في مختار الفتاوى الصلاة جائزة في جميع ذلك لاستجماع شرائطها واركانها وتعاد على وجه غير مكروه وهو الحكم في كل صلاة اديت مع الكراهة كذا في الهداية فان كانت تلك الكراهة كراهة تحريم تجب الاعادة. ملخصاً (ص۱۰۹ ج۱) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ناجائز طور پر سرکاری زمینوں پر قبضہ کرنا اپنے وقار اور مال کو داؤں پر لگانا ہے اور اس پر مسجد بنانا بھی جائز نہیں کہ کسی بھی وقت حکومت اسے واپس لے سکتی ہے جس کے نتیجے میں اس حصے میں تعمیر شدہ مسجد کو منہدم کرنا ہوگا اس لیے ملکی قانون کی خلاف ورزی کر کے ناجائز طور پر قبضہ پھر اس پر مسجد بنانا ہرگز روا نہیں، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد محبوب عالم نعیمی
۱۵ ربیع النور ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

مسجد کی چھت پر جماعت کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ

ہماری مسجد میں جانب محراب سے تقریباً نصف مسجد تک فرش مسجد سے تقریباً آٹھ نو فٹ بلندی پر سلیپ ڈال دی گئی ہے اسی سلیپ پر زید سو ڈیڑھ سو نمازیوں کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے اور تقریباً تین چار سو مقتدی نیچے فرش مسجد پر اس کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں نماز میں کوئی خرابی تو نہیں اگر ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں۔ **المستفتی:** مولانا غلام رسول نظامی، کشمیرہ بازار گورکھپور (یوپی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب سوال میں مذکور جس سلیپ پر زید سو ڈیڑھ سو نمازیوں کو لے کر نماز ادا کرتا ہے وہ مسجد کی چھت کے حکم میں ہے اور مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنے کو فقہائے کرام نے مکروہ بتایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت نہ ہو تو نماز بھی مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے (و) کرہ تحریما (الوطء فوقه والبول والتغوط) اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے۔"

ثم رايت القهستاني نقل عن المفيد كراهة الصعود على سطح المسجد اھ ويلزمه كراهة الصلاة ايضا فوقه فليتامل" (ج۲ ص۴۲۸)

ایسا ہی فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۲۴۹ میں بھی ہے۔

لہٰذا اس کراہت سے بچنے کی یہ صورت اختیار کی جائے کہ نماز کی ابتداء مسجد کے نچلے حصے سے کی جائے اور جب آدمی زیادہ ہو جائیں اور نیچے جگہ نہ بچے تو بقیہ لوگ اس سلیپ پر چلے جائیں اس صورت میں نماز بلا کراہت جائز ہوگی کیوں کہ اب اوپر چڑھنا بوجہ ضرورت ہوا اور یہ جائز ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود للضرورة (ج۵ص۳۲۲)

ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۵۷۵ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد شمیم المصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بیڑی سگریٹ پی کر مسجد میں نماز پڑھنے جانا کیسا ہے؟

مسئلہ بیڑی سگریٹ پی کر مسجد میں نماز پڑھنے جانا کیسا ہے؟ رمضان شریف میں عام طور سے دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ بعد افطار بیڑی سگریٹ پیتے رہتے ہیں پھر ویسے ہی جا کر نماز میں شامل ہو جاتے ہیں کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی**: محمد صدیق نوری، جواہر مارگ اندور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب بیڑی سگریٹ پی کر فوراً مسجد میں جانا حرام اور نماز مکروہ ہے وجہ یہ ہے کہ ان کی بدبو منہ میں باقی رہتی ہے اور منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ اور مسجد میں جانا حرام ہے۔

مسلم شریف ص ۲۰۹، ج ۱ میں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من اکل من ھذہ الشجرة المنتنة فلا یقربن مسجدنا فان الملئکة تتأذی مما یتأذی منه الانس۔" اھ

درمختار میں ہے: "ویکرہ فیه اکل نحو ثوم" اھ

ردالمحتار میں ہے: ای کبصل ونحوہ مماله رائحة کریھة۔ للحدیث الصحیح فی النھی عن قربان آکل الثوم والبصل المسجد: قال الامام العینی فی شرحه علی صحیح البخاری قلت: علة النھی اذی الملئکة و اذی المسلمین ویلحق بمانص فی الحدیث کل ماله رائحة کریھة ماکولا او غیرہ۔ اھ ملخصاً (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۶۱) ایسا ہی فتاوی رضویہ ص ۴۴۶، ج ۳ میں بھی ہے۔

لہٰذا جو لوگ بیڑی سگریٹ وغیرہ استعمال کرتے ہیں ان پر لازم ہے کہ پہلے مسواک وغیرہ سے منہ کو خوب اچھی طرح صاف کرلیں جب بدبو بالکل زائل ہو جائے تو مسجد میں جائیں۔ اس کے جانچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ اپنے منہ کے قریب کرکے منہ کھول کر زور سے دو تین بار حلق سے پوری سانس ہاتھ پر لیں اور معاً سونگھیں۔ بغیر اس کے اندر کی بدبو خود کم محسوس ہوتی ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ص ۱۵۵، ج ۱ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی
۱۱ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

ستونوں کے درمیان نیز منبر کے اغل بغل صف لگانا کیسا ہے؟

مسئلہ پربھاس پاٹن کے اکثر مساجد میں درمیان صف میں منبر حائل ہے اور بہت سے مساجد ستونوں پر قائم ہیں۔ جمعہ وعیدین کے موقع پر ازدہام کی وجہ سے ستونوں کے درمیان صفیں قائم کی جاتی ہیں۔ تو کیا صفوں کے درمیان منبر یا ستون حائل ہونے کی بنا پر قطع صف لازم آتا ہے۔ جس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ بکر کا کہنا ہے کہ قطع صف کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی ہے۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھتا ہوں بلکہ اس کی جگہ گھر پر نماز ظہر ادا کر لیتا ہوں بکر کا یہ قول وفعل درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: ہدایت علی دار العلوم محمود الاسلام پاٹن، جونا گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب بلا ضرورت شرعیہ ستونوں کے درمیان اور منبر کے اغل بغل صف قائم کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر مصلیوں کی کثرت کے باعث مسجد تنگ ہو جاتی ہو اس لئے منبر کے اغل بغل اور ستونوں کے درمیان کھڑے ہوں تو یہ باعث کراہت نہیں کہ یہ عذر کی وجہ سے معاف ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''بے ضرورت مقتدیوں کا در میں صف قائم کرنا یہ سخت مکروہ کہ یہ باعث قطع صف ہے اور قطع صف ناجائز ہاں اگر کثرت جماعت کے باعث جگہ میں تنگی ہو اس لیے مقتدی در میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو کراہت نہیں کہ یہ ضرورت ہے۔ ''والضرورات تبیح المحظورات'' اھ ملخصاً۔ (ج ۳، ص ۴۲)

ردالمحتار میں ہے: وذکر شیخ الاسلام انما یکرہ ھذا اذا لم یکن من عذر اما اذا کان فلا یکرہ کما فی الجمعۃ اذا کان القوم علی الرف وبعضھم علی الارض لضیق المکان۔ ''اھ (ج ۱، ص ۶۴۶) اور سوال میں صراحت ہے کہ مقتدیوں کا دروں میں صفیں قائم کرنا ازدہام کی وجہ سے ہے اس سے ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے مسجد تنگ ہو جاتی ہے اس لیے نمازی مجبور ہو کر ستونوں کے درمیان صف

لگاتے ہیں اگر یہی واقعہ ہے تو دروں میں کھڑے ہونے کے لیے عذر شرعی متحقق ہے۔ لہٰذا حکم ہوگا کہ بوجہ عذر قطع صف مباح ہے ٹھیک یہی حکم منبر کے اغل بغل میں صف لگانے کا بھی ہے۔ لہٰذا بکر کا جمعہ کے بجائے ظہر پڑھنا اور یہ کہنا کہ قطع صف کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی ہے ہرگز صحیح نہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہے اور بے علم فتویٰ بھی دیتا ہے۔ اس لیے وہ توبہ کرے اور آئندہ اس سے باز رہے۔ حدیث شریف میں ہے: "من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض۔ "اھ (کنز العمال ج۱۰، ص ۱۹۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی نظامی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی ۱۵؍ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ

بد مذہب کی شمولیت سے قطع صف ہوتی ہے یا نہیں؟

اس سے نماز میں خلل ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ سنی مسلمانوں کی نماز کی صف میں اگر کوئی بد مذہب شامل ہو جائے تو صف ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں؟ اور ان صفوں کے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوگا یا نہیں؟ نیز بد مذہب کے جماعت میں شامل ہونے سے منع نہ کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مزید وہابیوں دیو بندیوں کے ساتھ کیسے پیش آنا چاہیے؟ بینوا توجروا **المستفتی**: غلام مصطفیٰ قادری رحمت عالم گلی باسنی ضلع ناگور شریف راجستھان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بد مذہب کی بد مذہبی اگر حد کفر تک نہ پہنچی ہو تو اس کے شریک جماعت ہونے سے صف قطع نہ ہوگی لیکن اگر اس کی بد مذہبی حد کفر تک پہنچ چکی ہو جیسے وہابی، دیو بندی، رافضی وغیرہم تو ان کے شریک جماعت ہونے سے ضرور صف قطع ہوگی کہ ان کی نماز حقیقت میں نماز نہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۶۴ میں ہے "اس (غیر مقلد) کی شرکت سے صف قطع ہوگی کہ اس کی نماز، نماز نہیں ایک بے نمازی شخص صف میں کھڑا ہوگا اور یہ صف کا قطع ہے اور صف کا قطع ناجائز ہے صحیح حدیث میں فرمایا: من قطع صفا قطعه الله۔ مع ہذا بد مذہبوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے بھی حدیث میں منع فرمایا: "ولا تصلوا معهم "اھ

لہٰذا جس بد مذہب کی بد مذہبی حد کفر تک پہنچ چکی ہو مثلاً وہابی دیو بندی، رافضی وغیرہم تو ان کے شریک جماعت ہونے سے صف قطع ہوگی اور نماز میں بھی خلل و نقص آئے گا اس لیے سنی مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے بد مذہب کو اپنی مسجد میں آنے سے روکیں اور جتنے اہل سنت ایسے بد مذہب کی شرکت پر راضی ہیں یا قدرت کے باوجود منع نہیں کرتے تو وہ لوگ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۵۵

میں ہے ''جتنے اہل سنت ان کی شرکت پر راضی ہوں گے یا باوصف قدرت منع نہ کریں گے سب گنہگار و مستحق وعید عذاب ہوں گے اور نماز میں بھی نقص آئے گا کہ قطع صف مکروہ تحریمی ہے اور اگر صرف ایک ہی صف ہو اور اس کے کنارہ پر غیر مقلد کھڑا ہو تو اس صورت میں اگر چہ فی الحال قطع صف نہیں مگر اس کا احتمال و اندیشہ ہے کہ ممکن کہ کوئی سنی مسلمان بعد کو آئے اور اس غیر مقلد وہابی کے برابر یا دوسری صف میں کھڑا ہو تو قطع ہو جائے گا اور جس طرح فعلِ حرام حرام ہے یوں ہی وہ کام کرنا جس سے فعل حرام کا سامان مہیا ہو اور اس کا اندیشہ حاصل ہو وہ بھی ممنوع ہے ولہٰذا حدود اللہ میں فقط وقوع کو منع نہ فرمایا بلکہ ان کے قرب سے بھی ممانعت ہوئی کہ تلك حدود الله فلا تقربوها'' اھ

اور وہابیوں، دیوبندیوں سے مومنانہ تعلقات رکھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں اس لیے کہ وہابی، دیوبندی وغیرہم کافر و مرتد ہیں علمائے حرمین شریفین نے ان کو کافر و مرتد قرار دیا اور ان کے متعلق فرمایا: من شك فی کفره وعذابه فقد کفر۔ اس لیے ان سے دور رہا جائے اور ان کو اپنے قریب نہ آنے دیا جائے، نہ ان کی عیادت کی جائے، نہ ان کے جنازے میں شرکت کی جائے۔ ملاقات ہونے پر ان کو سلام نہ کیا جائے، اور ان کی مجالس میں نہ بیٹھا جائے، نہ ان کے ساتھ کھایا جائے، نیز نہ ان سے شادی کی جائے اور نہ مرنے پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ ان کے ساتھ کوئی نماز پڑھی جائے کہ یہ سب حرام و گناہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"ایاکم وایاهم لا یضلونکم ولا یفتنونکم ان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم وان لقیتموهم فلا تسلموا علیهم ولا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تواکلوهم ولا تناکحوهم ولا تصلوا علیهم ولا تصلوا معهم" اھ

یہ حدیث شریف مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، عقیلی، ابن حبان سب کی روایات کا مجموعہ ہے'' اھ

(انوار الحدیث ص ۱۰۳) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد عبدالقادر رضوی ناگوری
۲۸؍ شوال المکرم ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

اندر کا کپڑا الٹا ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ کرتے کے اندر الٹا کپڑا پہننے کی صورت میں کیا نماز ہو جائے گی مثلاً بنیائن یا سوٹر وغیرہ

المستفتی: مولانا شکیل احمد عطاری، پیارے پٹی روڈ، سلطان پور، یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب کرتے کے اندر الٹا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں مگر ایسا کرنا نہیں چاہیے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی
۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

ٹی شرٹ یا ہاف شرٹ پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید ٹی شرٹ یا پینٹ شرٹ یا فل شرٹ ہو یا ہاف شرٹ پہن کر نماز پڑھ لیتا ہے تو کیا اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ کچھ کراہت ہے کہ نہیں؟ نماز کے علاوہ بھی پہننا شرعاً کیا ہے؟

المستفتی: شیخ منور الدین حبیبی، موتی گنج، بالاسور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب کفار کے وہ کپڑے جو انھیں کے ساتھ خاص ہیں، ان کا پہننا مکروہ و ناجائز ہے اور اگر خاص ان کی وضع نہ ہو تو انھیں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ کسی بھی قوم کا وہ لباس پہننا جائز نہیں ہے، جو ان کے ساتھ خاص ہو اور دوسرے لوگ اس کا استعمال نہ کرتے ہوں، جس کو دیکھ کر یہ کہا جائے کہ یہ فلاں قوم کا فرد ہے اور جو لباس کسی قوم کے ساتھ خاص نہ ہو یا پہلے خاص تھا، اب خاص نہ رہا، عام ہو گیا وہ کسی قوم کا مخصوص لباس نہیں کہلائے گا، اگر چہ وہ اس قوم کا ایجاد کیا ہوا ہو۔ اسے پہننا جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "تشبہ وہی ممنوع و مکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شی ان بدمذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہٖ شرعاً کوئی حرج رکھتی ہو، بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ج۹، ص۹۱، نصف اوّل)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں پینٹ انگریزوں کا مخصوص لباس اور شعار تھا، جو شخص کسی کو پینٹ پہنے ہوئے دیکھتا تو کہہ دیتا کہ یہ انگریز ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے فتویٰ دیا کہ "پتلون پہننا مکروہ ہے اور مکروہ کپڑے سے نماز بھی مکروہ۔" (فتاویٰ رضویہ، ج۳، ص۴۱۹)

لیکن اس دور میں پینٹ کا استعمال بالکل عام ہو چکا ہے۔ ہندو مسلم ہر کوئی اس کو استعمال کرتا ہے، بلکہ بہت ساری جگہوں پر عالم دین بھی پینٹ شرٹ پہننے لگے ہیں، اس لئے اب یہ کسی قوم کے ساتھ خاص نہ رہا، لہٰذا

اب پینٹ شرٹ پہن کر نماز بلا کراہت جائز ہے، مگر ہمارے یہاں اب بھی یہ علماء وصلحاء کا لباس نہیں، اس لیے خلاف اولیٰ ضرور ہے، جس سے بچنا چاہیے۔ سراج الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ رضوی اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس تفصیل سے عیاں ہو گیا کہ انگریزی وضع کے کپڑے جب تک نصاریٰ کے شعار خاص تھے حرام اشد حرام تھے اور جب ان کا شعار خاص نہ رہے مگر دوسری قوموں کے ساتھ ان کا اختصاص تھا تو مکروہ تھے اور اب نہ شعار خاص نہ اختصاص تو مباح ہو گئے، البتہ ہمارے دیار میں اب بھی یہ غیر علماء وصلحاء کے لباس ہیں، اس لئے ان سے بچنا اولیٰ وانسب ہے۔''

فقہاء فرماتے ہیں: "کم من احکام تختلف باختلاف الزمان والمکان."
بہت سے احکام زمانہ اور جگہ کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی انھیں احکام سے ہے۔''
(ماہنامہ اشرفیہ، اپریل ۲۰۰۵ء، ص ۱۱)

اور ہاف شرٹ یا ٹی شرٹ جس کی آستین کہنی سے اوپر تک رہتی ہے، پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ فتاویٰ امجدیہ میں ہے ''جس کے پاس کپڑے موجود ہوں اور صرف نیم آستین یا بنیائن پہن کر نماز پڑھتا ہے تو کراہت تنزیہی ہے۔'' (ج ۱، ص ۱۹۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: محمد آصف ملک العلیمی
۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

امام قعدہ اولیٰ میں تھا ایک شخص آیا اور بیٹھ کر التحیات شروع ہی کی تھی کہ امام کھڑا ہو گیا مقتدی کے تحیات ختم ہونے تک امام رکوع سے اٹھ گیا تو یہ نماز کیسے پوری کرے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:
امام نماز پڑھا رہا ہے اور قعدہ اولیٰ میں بیٹھا ہے کہ ایک شخص آیا اور قعدہ اولیٰ میں بیٹھ کر التحیات شروع ہی کی تھی کہ امام رکوع میں چلا گیا۔ جب اس شخص نے التحیات ختم کی تو امام رکوع سے اٹھ چکا تھا۔ اب ایسے شخص کے بارے میں حکم شرع کیا ہے؟ بینوا توجروا۔
المستفتی: اسرار احمد، متعلم ادارہ ہذا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مذکورہ میں مقتدی جب قعدۂ اولیٰ میں شریک جماعت ہوا ہی تھا کہ امام قعدہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا تو مقتدی پر واجب تھا کہ جلد تشہد پڑھ کر امام کی متابعت کرتا، لیکن اگر دیر ہو گئی تو بوجہ ضرورت

ہوئی۔ اسے حکم ہے کہ امام کے فارغ ہونے کے بعد تین رکعت ادا کرے تو نماز ہوجائے گی اور اگر بلاضرورت تشہد میں تاخیر کرتا تو ترک واجب کی وجہ سے اعادہ نماز کا حکم ہوتا۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے "اس کا فعل فعل امام کے بعد بدیر واقع ہو، اگرچہ بعد فراغ امام، فرض یوں بھی ادا ہوجائے گا، پھر یہ فصل بضرورت ہوا تو کچھ حرج نہیں۔ ضرورت کی یہ صورت کہ مثلاً مقتدی قعدۂ اولیٰ میں آ کر ملا، اس کے شریک ہوتے ہی امام کھڑا ہوگیا۔ اب اسے چاہئے کہ التحیات پوری پڑھ کر کھڑا ہو اور کوشش کرے کہ جلد جا ملے۔ فرض کیجئے کہ اتنی دیر میں امام رکوع میں آ گیا تو اس کا قیام، قیام امام کے بعد اختتام واقع ہوگا، مگر حرج نہیں کہ یہ تاخیر بہ ضرورت شرعیہ تھی اور اگر بلاضرورت فصل کیا تو قلیل فصل میں جس کے سبب امام سے جا ملنا فوت نہ ہو ترک سنت اور کثیر میں جس طرح صورت سوال ہے کہ فعل امام ختم ہونے کے بعد اس نے فعل کیا ترک واجب جس کا حکم اس نماز کو پورا کر کے اعادہ کرنا۔ (ج ۳، ص ۴۰۸)

درمختار میں ہے: **لو رفع الامام رأسه من الركوع أو السجود قبل ان يتم المأموم التسبيحات الثلاث وجب متابعته بخلاف سلامه أو قيامه لثالثة قبل تمام الموتم التشهد فانه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه۔ اھ ملخصاً۔**

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: **قوله (فانه لا يتابعه) أي ولو خاف ان تفوته الركعة الثالثة مع الامام كما صرح به في الظهيرية۔** (ج ۲، ص ۲۰۰) واللہ تعالیٰ أعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد شاہد رضا حشامی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۰؍ ربیع الآخر، ۱۴۳۱ھ

بے خبری میں ایسی جگہ نماز پڑھی کہ سامنے تصویر تھی تو نماز مکروہ ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

اگر کسی شخص نے بے خبری میں ایسے مکان میں نماز ادا کی جس میں سامنے دیوار پر تصویر نصب تھی نماز ختم کرنے کے بعد معلوم ہوا تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ **بینوا وتوجروا**

المستفتی: حافظ محمد شبیر رضوی، باہر کوٹ ویراول، گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر کوئی شخص بے خبری میں ایسے مکان میں نماز ادا کرے جس میں تصویر نصب ہو اور نماز ختم کرنے کے بعد معلوم ہو کہ مکان میں تصویر ہے تو ایسی صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور اس کا اعادہ واجب ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ شریف میں ہے "جاندار کی اتنی بڑی تصویر کہ اسے زمین پر رکھ کر کھڑے ہوکر دیکھیں تو اعضاء بالتفصیل نظر آئیں بشرطیکہ نہ سر بریدہ ہو نہ چہرہ محو کردہ نہ پاؤں کے نیچے نہ فرش یا انداز میں نہ مخفی پوشیدہ جس کمرہ میں ہو اس میں نماز مطلقاً مکروہ ہے خواہ آگے ہو یا پیچھے یا داہنے یا بائیں یا اوپر یا سجدہ کی جگہ اور ان سب میں بدتر جائے سجود یا جانب قبلہ ہونا ہے پھر اوپر پھر داہنے بائیں پھر پیچھے۔" (ج ۳، ص ۴۴۸) درمختار میں ہے "کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا" اھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: غلام مرتضیٰ رضوی

۲۱ر جمادی الآخرۃ ۱۴۲۹ھ

نماز کا وقت نکل رہا ہو مگر پاخانہ پیشاب اس زور کا لگا ہو کہ نماز شروع کرنے پر نماز ہی میں ہو جانے کا خطرہ ہو تو نماز پڑھے یا قضا کرے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

اگر بہت شدت کا پیشاب یا پاخانہ لگا ہوا ہے اور وقت بھی جانے والا ہے تو نماز قضا کرے یا اس حالت میں پیشاب پاخانہ روک کر نماز پڑھے اگرچہ نماز ہی میں پیشاب یا پاخانہ ہو جانے کا خطرہ بھی ہو؟

المستفتی: محمد سلیم امجدی پردیسی پورہ کھنڈوہ (ایم۔پی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب پیشاب یا پاخانہ کی حاجت شدید معلوم ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے رفع حاجت کے بعد ہی نماز پڑھے۔ اور اگر وقت اتنا تنگ ہے کہ رفع حاجت اور وضو کرنے میں وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو اسی حالت میں نماز ادا کرلے۔ لیکن اگر اس کا ظن غالب ہے کہ نماز ہی کی حالت میں پیشاب یا پاخانہ ہو جائے گا تو رفع حاجت کرے اس کے بعد اس نماز کی قضا کرے۔ بحر الرائق میں ہے:

"و منها ان يدخل فى الصلاة و قد اخذه غائط أو بول وان كان الاهتمام يشغله يقطعها و ان مضى عليها اجزاه و قد اساء و كذا ان اخذه بعد الافتتاح و الاصل فيه ما رواه مسلم عن عائشة رضى الله عنها قالت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لاصلاة بحضرة طعام ولا وهو يدافعه الاخبثان وجعل الشارح مدافعة الريح كالاخبثين و ان الحديث محمول على الكراهية و نفى الفضيلة حتى لو ضاق الوقت بحيث لو اشتغل بالوضوء يفوته يصلى لان الاداء مع الكراهية اولى من القضاء" اھ (ص ۳۳، ج ۲) درمختار

میں ہے: "و یستحب لمدافعۃ الاخبثین، و للخروج من الخلاف ان لم یخف فوت وقت أو جماعۃ اھ۔

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: " کذا فی مواھب الرحمن و نور الایضاح لکنہ مخالف لما قدمناہ عن الخزائن و شرح المنیۃ، من انہ ان کان ذلک یشغلہ ای یشغل قلبہ عن الصلاۃ و خشوعھا فاتمھا یا ثم لادائھا مع الکراھۃ التحریمیۃ، و مقتضی ھذا ان القطع واجب لامستحب" اھ (ص ۶۵۴، ج ۱) ایسا ہی بہار شریعت ص ۱۷۵، حصہ سوم میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: غلام نبی نظامی علیمی
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

اونی ٹوپی موڑ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ٹھنڈی کے موسم میں جو اونی ٹوپی لوگ استعمال کرتے ہیں اور پیشانی کی طرف سے نیچے کا کچھ حصہ موڑ لیتے ہیں، اگر موڑ کر نماز پڑھی تو نماز ہوگی کہ نہیں؟ حالانکہ کتب میں ذکر ہے کہ پینٹ یا پاجامہ کی مہری موڑ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے تو موڑنا فعل یہاں بھی پایا جا رہا ہے؟ عرض ہے کہ مطابقت وموافقت مباح وعدم مباح کی شقیں بیان فرما کر عندالناس مشکور ہوں اور عنداللہ ماجور۔

المستفتی: محمد اقلیم رضا قادری نظامی
الجامعۃ الرضویہ شمس العلوم، ایل بلاک ۳۹۶، منگول پوری، نئی دہلی - ۸۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب جاڑے کے موسم میں اونی ٹوپی موڑ کر پہننے کا جو رواج ہے وہ شرعاً کف ثوب نہیں، کیونکہ فقہاء کی اصطلاح میں "کف ثوب" یہ ہے کہ عادت کے خلاف کپڑے کو موڑ کر استعمال کیا جائے اور یہاں ایسا نہیں، یہ ٹوپی عام طور پر موڑ کر ہی استعمال کرنے کی عادت ہے۔ بلکہ بہت سی ٹوپیاں یونہی موڑ کر پہنی جاتی ہیں تو یہ موڑ عادت کے موافق ہے اس لئے یہ جائز ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں ذرہ برابر بھی کراہت نہ آئے گی۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں: "کسی کپڑے کو ایسا خلاف عادت پہننا جسے مہذب آدمی مجمع یا بازار میں نہ کر سکے اور کرے تو بے ادب، خفیف الحرکات سمجھا جائے یہ بھی مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:

"کرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم أو ذیل" (ص۴۰۶، ج۲)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"یکرہ للمصلی ان یکف ثوبہ بان یرفع ثوبہ من بین یدیہ أو من خلفہ اذا اراد السجود کذا فی معراج الدرایۃ (ص۱۰۵، ج۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: غلام نبی نظامی علیمی
۲۸ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بَابُ اَحْكَامِ الْمَسْجِدِ

احکام مسجد کا بیان

مسجد کا پنکھا وغیرہ ذاتی استعمال میں لانا، مسجد میں کرسی صوفہ پر بیٹھنا اس میں ہتھیار لے جانا دینی تحریک کے لئے اس میں فون لگوانا یا اس کے اندر موبائل استعمال کرنا، چٹکی بجانا یا اس کی چھت پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شریعت ان مسائل کے بارے میں کہ

(۱) مسجد میں اپنے پرسنل استعمال کے لیے پنکھا، بتی وغیرہ استعمال کرنا نیز قافلے میں آئے ہوئے لوگوں کا مسجد میں رات رکنا کیسا ہے؟

(۲) مسجد کے اندر منبر ہونے کے باوجود کرسی یا سوفا لگا کر بیٹھنا کیسا ہے؟

(۳) مسجد کے اندر ہتھیار مثلاً دونلی بندوق، رائفل یا اور قسم کے ہتھیار لانا کیسا ہے؟

(۴) مسجد کے اندر کسی دینی تحریک کے لیے ٹیلی فون لگانا جو کہ مسجد کے استعمال میں نہیں آتا کیسا ہے؟

(۵) مسجد کے اندر موبائل فون کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

(۶) مسجد کے اندر چٹکی بجانا کیسا ہے؟

(۷) جب مسجد کئی منزلہ ہو تو امام کہاں کھڑا ہو؟ **المستفتی:** اقبال حسین خان، ساکی ناکہ ممبئی نمبر ۲

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) پرسنل استعمال کا اگر یہ مطلب ہے کہ ہوا کھانے کے لیے مسجد میں چلا جائے اور مسجد کا پنکھا وغیرہ استعمال کرے تو یہ ناجائز و گناہ ہے کہ یہ مقصد وقف کی تغییر ہے اور اگر دینی کتابوں کے مطالعہ فتوی نویسی، تلاوت وغیرہ اذکار کے لیے مسجد میں رکا ہے اور پنکھا بتی وغیرہ استعمال کرتا ہے تو یہ عادت معروفہ تک جائز ہے اور معتکف کا مسجد میں سونا، کھانا، پینا، جائز ہے یوں ہی پردیسی کا بھی درست ہے ان کے علاوہ کسی کو جائز نہیں۔ ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۵۹۳ اور بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۸۴ پر ہے۔ لہٰذا اگر سنی تبلیغی

قافلے والے اعتکاف کی نیت کر کے مسجد کے اندر رات گزاریں تو کوئی حرج نہیں واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) مسجد کے اندر منبر ہوتے ہوئے کرسی وغیرہ لگا کر وعظ وتقریر یا نعت خوانی کے لیے بیٹھنا جائز و درست ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ مصطفویہ ص ۶۳۰ میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اگر اسلحہ یعنی بندوق وغیرہ ساتھ رکھنے کی ضرورت ہو مثلاً کسی خوف کے باعث اپنی حفاظت مقصود ہو یا کسی کا باڈی گارڈ ہے اس کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے گیا، یا کسی ضرورت سے اسلحہ ساتھ میں تھا دوسری جگہ رکھنا مناسب نہ تھا اس لیے ساتھ میں لیتے گیا تو جائز ہے۔ ورنہ اس سے احتراز کریں کہ اس سے بسا اوقات نمازیوں کو وحشت لاحق ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) دینی ضرورت کے لئے جائز ہے بشرطیکہ اس سے نماز پڑھنے والوں اور تلاوت کرنے والوں کو خلل نہ واقع ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) موبائل فون کا بٹن چالو رکھنے سے اندیشہ رہتا ہے کہ فون آئے اور جب کسی کا فون آئے گا تو گھنٹی ضرور بجے گی جس کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں ضرور خلل واقع ہوگا اس کا استعمال مسجد کے اندر جائز و درست نہیں۔ البتہ اگر بٹن بند ہو تو جیب میں رکھ کر مسجد کے اندر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) مسجد کے اندر چٹکی بجانا خلاف ادب ہے اور نماز کی حالت میں چٹکی بجانا مکروہ تحریمی ہے ایسا ہی بہار شریعت حصہ سوم ص ص ۱۶۶ میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) جب مسجد دو تین منزلہ ہو تو امام کو سب سے نیچے والے منزلہ میں ہی جماعت کروانا ضروری ہے اس لیے کہ مسجد کا نچلا حصہ چھوڑ کر دوسرے منزلہ یا تیسرے منزلہ پر جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے فتاویٰ عالمگیری "باب فی آداب المسجد میں ہے" یکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ" اھ (فتاوی عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۲) نیز فتاویٰ امجدیہ ج۱ ص ۲۴۷ میں ہے "جب جگہ نیچے موجود ہے تو نیچے ہی پڑھی جائے" اھ

البتہ جب مسجد کا نچلا حصہ پُر ہو جائے تو اوپر والے دوسرے یا تیسرے منزلہ پر باقی مقتدی جا کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا بلا ضرورت مسجد کا نچلا منزلہ چھوڑ کر پہلے منزلہ پر جماعت سے نماز جمعہ وغیرہ پڑھنا جائز نہیں نماز مکروہ ہوگی اور چالیس آدمی ایک ساتھ اعتکاف میں بیٹھ سکتے ہیں نیز ساتھ میں کھانا بھی درست ہے بشرطیکہ مسجد کو آلودگی سے بچائیں اور یوں ہی فیضان سنت کا درس دینا بھی درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد عبدالقادر رضوی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۶/ جمادی الاولیٰ ۲۳ ۱۴ھ

وہابی کی اقتدا کرنے والے اوران سے تعلقات رکھنے والے مسجد کے صدر سکریٹری بن سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ کیا ایسا آدمی سنی مسجد کا صدر یا سکریٹری رہ سکتا ہے جو دیوبندی وہابی کے مسئلہ کو جانتے ہوئے بھی دیوبندی، وہابی کے مسجد میں جا کر وہابی امام کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہے اور دیوبندی، وہابی کو بلا، بلا کر سنی مسجد میں لاتا ہے ان سے رائے لیتا ہے چندہ بھی لیتا ہے ایسے آدمی کا ایمان چلا گیا یا نہیں ایسے کو سنی مسجد کا سکریٹری رکھنا جائز ہے یا نہیں دیوبندی، وہابی اور شیعہ کا چندہ لے کر سنی مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں اگر لگا دیا تو مسجد، مسجد کے حکم میں رہ جائے گی؟ **المستفتی:** عبدالرشید آزاد نگر گھاٹ کوپر ممبئی نمبر ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب وہابی، دیوبندی شان رسالت میں گستاخیاں کرنے کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں۔

علمائے عرب و عجم، حل و حرم، ہند و سندھ نے بالاتفاق ان گستاخوں کے بارے میں یہ فتوی صادر فرمایا کہ "من شك في كفره وعذابه فقد كفر۔ یعنی جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے" اس کی تفصیل حسام الحرمین و الصوارم الہندیہ میں مذکور ہے۔

لہٰذا جو ان کے عقائد باطلہ کو جانتے ہوئے بھی ان کی مسجد میں جاتا ہے اوران کی اقتدار میں نماز ادا کرتا ہے اوران سے تعلقات رکھتا ہے اس کو مسجد کا صدر یا سکریٹری بنانا جائز نہیں۔

اور وہابی، دیوبندی اور شیعہ وغیرہا تمام بدمذہب جو کافر و مرتد ہیں ان سے چندہ لے کر مسجد میں لگانا، مسجد کو ملک کافر سے آلودہ کرنا ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، حدیث پاک میں ہے

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا لا نستعين بمشرك" اھ

(سنن ابن ماجه باب استعانة ج ۲ ص ۲۰۸)

لیکن اگر لگا دیا ہو تو مسجد کو شہید نہ کریں بلکہ اس میں نماز وغیرہ پڑھتے رہیں اور آئندہ اس سے احتراز کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی
۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

مسجد کی بیکار چیز بیچ کر رقم مسجد میں لگانا کیسا ہے؟
مسجد کا پانی گھر لے جانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین وملت اس مسئلہ میں

(۱) مسجد کی کوئی بیکار چیز فروخت کر کے ان روپیوں سے مسجد میں کام آنے والی کوئی دوسری چیز خریدنا یا ان کو مسجد کے کھاتے میں جمع کروانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) گھروں میں پانی کی قلت کی وجہ سے مسجد سے پانی لے جانا یا یونہی سردی یا گرمی میں گرم یا ٹھنڈا پانی لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی: نور محمد خان مائل رضوی چورو راجستھان**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب مسجد کی خراب شدہ اشیاء جو قابل استعمال نہیں ان کو فروخت کر کے مسجد میں کام آنے والی دوسری چیز خریدنا یا ان کو مسجد کے کھاتے میں جمع کرنا جائز و درست ہے۔

البحرالرائق میں ہے:

" وفی الفتاویٰ الظهيرية سئل الحلوائی عن اوقاف المسجد اذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولی ان يبيعها ويشتری بثمنها اخری قال نعم " (ج ۵ ص ۲۵۲، کتاب الوقف)

لیکن یہ ضروری ہے کہ ان اشیاء کو غیر مسلم کے ہاتھ فروخت نہ کرے اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ ادب ملحوظ نہ رکھے اور مواضع اہانت میں استعمال کرے۔ اس لیے جب بھی مسجد کی کوئی چیز فروخت کرے تو کسی مسلمان کے ہاتھ اور اس شرط کے ساتھ کہ وہ بے ادبی کی جگہ نہ لگائے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ مسجد کی کوئی چیز جو خراب ہو اس کو بیچ کر قیمت مسجد میں دیں اور اگر کوئی دوسرا آدمی اس چیز کو خرید کر اپنے مکان پر رکھے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا جائز ہے مگر بے ادبی کی جگہ نہ لگائے۔

اور در مختار میں ہے "حشيش المسجد و كناسته لا يلقى فی موضع يخل بالتعظيم"

یعنی مسجد کی گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالیں جہاں بے ادبی ہو"۔ (ج:۱،ص:۳۲۲، کتاب الطهارة)

اور فتاویٰ رضویہ میں ہے" حاکم اسلام اور جہاں وہ نہ ہو تو متولی مسجد واہل محلہ کو جائز ہے کہ وہ چھپر کہ اب حاجت مسجد سے فارغ ہے کسی مسلمان کے ہاتھ مناسب داموں کو بیچ ڈالیں اور خریدنے والا مسلمان اسے اپنے مکان نشست یا باورچی خانے یا ایسے ہی کسی مکان پر جہاں بے تعظیمی نہ ہو ڈال سکتا ہے پاخانہ وغیرہ مواضع بے حرمتی پر نہ ڈالنا چاہیے کہ علماء نے اس کوڑے کی بھی تعظیم کا حکم دیا ہے جو مسجد سے جھاڑ کر پھینکا جاتا

ہے جواہر الاخلاطی وفتاوی ہندیہ میں ہے: حشیش المسجد اذا کان له قیمة فلا هل المسجد ان یبیعوه وان رفعوا الی الحاکم فهو احب ثم یبیعوه بامره هو المختار فتاوی خانیہ میں ہے: قد ذکرنا ان الصحیح من الجواب ان بیعهم بغیر امر القاضی لا یصح الا ان یکون فی موضع لا قاضی هناك" (ج٦ ص ٣٩٢) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) گھروں میں پانی کی قلت کی وجہ سے مسجد سے پانی لے جانا یا یوں ہی سردی یا گرمی میں گرم یا ٹھنڈا پانی لے جانا جائز نہیں۔ واضح ہے کہ اگر ٹنکی یا حوض بنانے والوں کی نیت صرف یہ ہو کہ اس پانی سے صرف نمازی حضرات اپنی ضروریات مثلاً وضو وغسل وغیرہ طہارت حاصل کریں تو اس صورت میں دیگر حضرات کو مسجد سے پانی لینے کی قطعاً اجازت نہیں یا یہ کہ مسجد کے پانی کی قیمت مسجد کے رقم سے ادا کی جاتی ہو تو بھی مسجد سے گھروں کو پانی لے جانا جائز نہیں۔ ہاں اگر اس ٹنکی یا حوض بنانے والوں نے اجازت عامہ دے دی ہو تو پھر مسجد سے پانی لے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

فتاویٰ مصطفویہ میں ہے "لے سکتے ہیں جب کہ نل لگانے والے کی کنواں بنانے والے کی طرح سب کو لینے کی اجازت ہو اور اگر نل لگانے والے کی خاص مسجد ہی کے لیے نیت ہو کہ وضو وغسل وغیرہ نماز کے لیے طہارت ہی کے کام میں لیا جائے یا اس نل کے پانی کی قیمت مسجد کے مال سے ادا کی جاتی ہو تو گھروں کو لے جانا جائز نہیں۔" (ص ۲۶۹، احکام مسجد) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد نوشاد البرکاتی
۷؍ ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

مسجد تنگ ہو تو اسے شہید کر کے دوسری جگہ بنا سکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان اسلام اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ایک جامع مسجد آباد ہے بسا اوقات مصلیوں کی وجہ سے مسجد تنگ پڑ جاتی ہے اور لوگ چالو راستہ میں نماز پڑھتے ہیں تو کیا مسجد کو شہید کر کے اس پلاٹ میں دوسری جگہ بڑی مسجد تعمیر کر سکتے ہیں؟ اور جہاں پر نئی بڑی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہاں ایک کونہ میں ایک پرانی مٹی کی مسجد تھی اب وہ مسجد نئی مسجد کے احاطہ میں آجائے گی اور اگر وہ مسجد شہید کر دی جائے تو اس جگہ کی حرمت کیسے باقی رہے گی اس میں پارک بنا سکتے ہیں چہار دیواری گھیرنے کے بعد اگر دونوں مسجد باقی رہے تو دونوں کی سرزمین یکساں نہ ہوگی کیونکہ نئی مسجد کا فرش پرانی مسجد کے فرش سے ار فٹ اونچا ہوگا تو کیا باجماعت نماز میں کوئی کراہت آئے گی؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: ارکان مسجد مان سنگھا راج محل، صاحب گنج (بہار)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب جامع مسجد جو کہ آباد ہے اسے شہید کر کے نہ صرف شہید بلکہ ویران کر کے دوسری جگہ مسجد بنانا سخت حرام وگناہ کبیرہ اور بہت بڑا ظلم ہے گو کہ یہ دوسری جگہ اسی پلاٹ میں ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِہَا ۭ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ۥ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ؀"

(پ ا سورۃ بقرہ آیت ۱۱۴)

البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ جامع مسجد اگر مصلیوں پر تنگ ہے تو اس کو وسعت دی جائے یا دوسری منزل تعمیر کر دی جائے یا ایسا کیا جائے کہ پہلی مسجد کو باقی رکھتے ہوئے دوسری بڑی مسجد کسی مناسب جگہ پر تعمیر کی جائے اور دونوں کو آباد کرنے کا التزام کیا جائے جامع مسجد کو یا مٹی والی پرانی مسجد کو پارک بنانا حرام وگناہ ہے کہ یہ مسجد کو ویران کرنا ہے واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہ: محمد حبیب اللہ المصباحی

۱۸ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

ثبوت وقف کے لئے شہرت ہی کافی ہے اس کی شہادت بھی جائز ہے

زمین غصب کرنے کا انجام، صحن مسجد میں کمرہ بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت ان مسائل ذیل میں کہ

(۱) مسجد کے متصل ہی مسجد کی زمین ہے مگر کاغذ نہیں ہے گاؤں والے اور خود زید جس کے متعلق سوال ہے کہہ رہے ہیں کہ مسجد کی زمین ہے جب اس جگہ امام کے لیے کمرہ بنوانے کے لیے سوچا گیا تو زید نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہم اس جگہ کمرہ نہیں بننے دیں گے اور بوجہ ضد کہتا ہے کہ کہاں مسجد کا کاغذ ہے اور پھر ہمارا گھر بھی چھپ جائے گا جب کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔

نیز اسی مسجد کی جگہ بیل وغیرہ باندھتا ہے اسی لیے وہ بنوانے نہیں دیتا اور اعتراض کر رہا ہے اب ایسی صورت میں کیا حکم شرع ہے۔

(۲) مسجد کے صحن میں اب ایسی صورت میں کمرہ بنوایا جاسکتا ہے کہ نہیں جب کہ صحن مسجد میں تین مزار بھی بیچ میں ہے نیز عام حالات میں صحن کے اندر کمرہ بنوانے کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد بہار شاہ قادری، کپتان گنج، بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) جب گاؤں والے اور زید سبھی کو یہ اعتراف ہے کہ مسجد سے متصل زمین مسجد ہی کی زمین ہے تو یہ بات ثابت ہے کہ وہ زمین مسجد ہی کی ہے اور اس کے لیے تحریری ثبوت ضروری نہیں صرف شہرت کافی ہے اور بر بنائے شہرت وقف کی شہادت بھی جائز و معتبر ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے "الشھادۃ علی الوقف بالشھرۃ تجوز۔" اھ (ج ۲ ص ۴۳۸، باب فی الدعوی والشھادۃ)

اور کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنا ظلم و زیادتی ہے چہ جائے کہ مسجد کی زمین کہ مسجد تو اللہ کا گھر ہے اور اس کی زمین غصب کرنا اشد ظلم ہے حدیث شریف میں ہے "من اخذ شبراً من الارض ظلماً فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین"

یعنی جو شخص بالشت بھر زمین ظلم سے حاصل کرے گا اسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۵۴)

اور اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ "وہ فاسق فاجر مرتکب کبائر مستحق عذاب النار ہے اس شخص پر فرض ہے مسجد کی زمین فوراً فوراً خالی کردے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۲۳۹) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) صحن مسجد کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے ایک تو مسجد کا فرش جس پر عمارت بنی ہوتی ہیں اور لوگ وہاں بھی نماز پڑھتے ہیں یہ تو قطعاً مسجد ہے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "کہ صحن مسجد قطعاً جزء مسجد ہے جس طرح صحن دار جزء دار یہاں تک کہ کسی نے اگر قسم کھائی کی زید کے گھر نہ جاؤں گا اور صحن میں گیا بے شک حانث ہوگا اسی طرح اگر قسم کھائی مسجد سے باہر نہ جاؤں گا اور صحن میں آیا ہرگز حانث نہ ہوگا لہٰذا معتکف کو صحن میں آنا جانا بیٹھنا رہنا یقیناً روا یہ مسئلہ اپنی نہایت وضاحت وغایت شہرت سے قریب ہے اور اسی میں تین چار سطر کے بعد ہے کہ مسجد اس بقعہ کا نام ہے جو بغرض نماز پنج گانہ وقف خالص کیا گیا مزید تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۵۷۶ کا مطالعہ کیا جائے۔

اور دوسرا معنیٰ صحن مسجد کا، فنائے مسجد ہے یعنی فرش مسجد سے متصل وہ زمین جہاں جوتا وغیرہ اتارتے ہیں وضو خانہ وغیرہ ہوتا ہے وہاں مسجد کے مصالح وضروریات کے لیے کمرہ بنا سکتے ہیں حدود مسجد کے باہر مگر اس سے متصل میدان کو بھی صحن کہا جاتا ہے فتاویٰ امجدیہ میں ہے "یعنی صحن مسجد یعنی مسجد کا وہ حصہ جس میں عمارت نہیں ہے جسے مسجد صیفی کہتے ہیں یہ مسجد ہی ہے اور اس حصہ میں بعد تمام مسجدیت حوض نہیں بنایا جا سکتا اور اگر مسجد بناتے وقت قبل تمام مسجدیت حوض بنائیں تو بنا سکتے ہیں کہ ابھی تک وہ جگہ مسجد نہیں ہے یوہیں اگر صحن مسجد

سے مراد وہ جگہ ہے جو فرش مسجد کے بعد جوتا وغیرہ اتارنے کے لیے ہے یا بیکار پڑی ہے اور اس غرض سے ہے کہ اگر کبھی مسجد بڑھانے کی ضرورت ہو یا غسل خانہ وغیرہ ضروریات مسجد کے لیے کام میں لائی جائے گی تو اس میں بھی حوض بنا سکتے ہیں کہ یہ بھی حقیقتاً مسجد نہیں ہے بلکہ وہ ایسی ہی اغراض کے لیے ہے درمختار میں ہے"

لو بنی فوقہ بیتا للامام لایضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع اھ (فتاویٰ امجدیہ ج ۳ ص ۱۲۵) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد اجمل حسین امجدی بلرامپوری

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

مسجد میں چپل یا ہینڈ پمپ کی جگہ دکانیں بنوا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان اسلام اس مسئلہ میں کہ نئی مسجد کے مشرقی سمت میں سے کچھ حصہ جوتا، چپل اتارنے رکھنے کے لیے، ہینڈ پائپ اور حوض کے لئے استعمال ہوتا ہے، نئی مسجد کی کوئی مستقل آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے امام ومؤذن کے کئی کئی مہینوں کی تنخواہ کی ادائیگی باقی رہتی ہے اور روشنی و پانی تک کا انتظام نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے انتظامیہ کمیٹی ومتولی مسجد کو سخت ترین دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اب انہوں نے یہ فیصلہ مشورے سے لیا ہے کہ مسجد کے مفاد کے لیے جوتا، چپل اتارنے کی جگہ چند دوکانیں بنادی جائیں تاکہ نئی مسجد کی آمدنی کا مستقل ذریعہ ہو کر مسجد کی روشنی، پانی اور امام ومؤذن کی تنخواہ کا معقول انتظام ہو سکے یہ دوکانیں مسلمانوں کے صرفے سے ہی تعمیر ہوں گی جو ملکیت مسجد کی رہے گی اور وہ لوگ محض کرایہ دار کی حیثیت سے رہیں گے کیا نئی مسجد کے مفاد کے لیے جوتا، چپل اتارنے کی جگہ دوکانیں بنائی جاسکتی ہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: شمس الحق قریشی محلہ دھرم پور سمستی پور (بہار)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب جوتا، چپل رکھنے اور ہینڈ پائپ نیز حوض کے لیے استعمال ہونے والی جگہ اگرچہ عین مسجد نہیں لیکن فناء مسجد ضرور ہے اور فناء مسجد۔ مسجد کے حکم میں ہوتا ہے۔ غنیۃ شرح منیہ ص ۶۱۴ میں ہے:

"فناؤہ هو المكان المتصل به ليس بينه وبين طريق" اھ اسی میں ہے "فناء المسجد له حكم المسجد" اھ

لہٰذا جس طرح مسجد کا کوئی حصہ دوکان نہیں کیا جاسکتا یوں ہی فناء مسجد کا بھی کوئی حصہ دوکان کے لیے استعمال نہیں ہوسکتا۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۶۲ میں ہے:

"قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل خانوتاً و مسکناً تسقط حرمته وهذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد" اھ

یعنی مسجد کو اگر دوکان یا مکان بنایا جائے تو اس کی حرمت ساقط ہو گی بے ادبی، بے حرمتی ہو گی اور یہ حرام ہے اور فناء مسجد تابع مسجد ہے تو اس کا حکم بھی مثل حکم مسجد ہے اس لیے اس زمین پر دوکان بنانا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام و گناہ ہے اگر چہ مسجد کو ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں سے چندہ کر کے کوئی زمین یا مکان، دوکان کے لیے خریدیں پھر اس سے آمدنی حاصل کر کے انتظامات کریں واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی کتبہٗ: محمد حبیب اللہ المصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی ۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

وہابی دیو بندی تبلیغی کافر و مرتد ہیں، ان کو مسجد میں آنے سے روکنا چاہئے ان پر پابندی نہ لگا کر سہولت فراہم کرنا نیز ان کے اجتماع میں جانا ان کی کتابیں پڑھنا حرام ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ محلہ دھرم پور ستی پور کی نئی مسجد میں اکثر تبلیغی جماعتیں آتی ہیں اور اپنا قیام مسجد میں کرتی ہیں اور اجتماع مسجد میں کرتی ہیں پنج وقتہ نمازوں کے بعد وہ اپنی کتابیں پڑھنا اور دین کی باتیں بتانا شروع کرتی ہیں۔ اور اس درمیان روشنی یا پنکھا استعمال کرتے ہیں روشنی اور دیگر ضروریات کے لیے بجلی خرچ کرتے ہیں اور مسجد کا موٹر بھی استعمال کرتے ہیں ان تمام کا خرچ مسجد ہی پر پڑتا ہے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان جماعتوں کا مسجد کا پنکھا بجلی و موٹر وغیرہ کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲) کیا متولی مسجد و انتظامیہ کمیٹی کو شرعاً یہ اختیار ہے کہ وہ کسی بھی فرد یا جماعت کو غیر اوقات نماز مسجد کی املاک کو استعمال کرنے کی اجازت دیں؟ بینوا توجروا

(۳) کیا متولی مسجد و انتظامیہ کمیٹی کو شرعاً یہ جائز ہے کہ وہ اس قسم کے اخراجات مسجد یا اس کی وقف آمدنی پر ڈالیں؟ بینوا توجروا

(۴) کیا یہ شرعاً جائز ہے کہ کوئی فرد یا جماعت کتاب پڑھتے وقت مسجد کا پنکھا استعمال کرے؟ اور بجلی کا خرچ اپنی جیب سے ادا کرے یا اپنے ٹھہرنے اور سونے کے لیے مسجد کا پنکھا استعمال کرے اور اس کا خرچہ

اپنی جیب سے دے؟ بینوا توجروا

(۵) کیا مسجد کی املاک کو غیر نماز کے مقصد میں استعمال کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

(۶) کیا متولی مسجد کا تبلیغی جماعت کو حالت اعتکاف میں قیام کی اجازت دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(۷) مسجد میں قیام کے دوران کن امور کا خاص طور سے لحاظ رکھا جائے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: شمس الحق قریشی، محلہ دھرم پور، ضلع سمستی پور۔ بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱ تا ۷) وہابی، دیوبندی ضروریات دین کے منکر ہیں جس کی بنا پر عرب وعجم کے سیکڑوں علماء کرام ومفتیان عظام نے انہیں کافر ومرتد قرار دیا اور بالاتفاق فرمایا: "من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر"۔ یعنی جو ان کے عقائد پر مطلع ہوتے ہوئے ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔" اور تبلیغی جماعت اور اس کا بانی انہیں کے پیروکار ہیں اور پکے دیوبندی ہیں۔ لہٰذا وہ بھی کافر ومرتد ہیں اس جماعت کا مقصد مولوی اشرف علی تھانوی، اسماعیل دہلوی اور قاسم نانوتوی وغیرہ اکابرین وہابیہ، دیابنہ کے کفری تعلیم کی نشر واشاعت کرنا اور مسلمانان اہل سنت کو وہابی دیوبندی بنانا ہے۔

اس لیے انہیں مسلمانوں کی مسجدوں میں آنے کا کوئی حق نہیں انہیں اس سے روکا جائے کہ مسجدوں کا ان سے پاک رکھنا اشد ضروری ہے۔ انہیں مسجدوں میں داخل ہونے دینا یا داخلے کی اجازت دینا ہرگز جائز نہیں اس پر پابندی نہ لگانا اور مسجد میں دوسری سہولیات فراہم کرنا سب ناجائز وحرام وگناہ ہے کہ یہ حرام پر تعاون ہے۔ قرآن مجید میں ہے "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا" یعنی اور گناہ وزیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (پ ۶ سورۃ مائدہ نمبر ۵ آیت ۲)

نیز ان کے اجتماع میں شریک ہونا اور ان کی کتابیں پڑھنا سننا بھی حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے "انظروا عمن تاخذون دینکم"۔ یعنی جس سے اپنے دین کا علم حاصل کرو اسے دیکھ لو (کہ کہیں وہ گمراہ بدمذہب تو نہیں) (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷) اور نہ ہی ان کے ساتھ کسی طرح کا کوئی تعلق رکھنا ہی جائز ہے کہ یہ بھی حرام وگناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم ولا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم"۔

یعنی گمراہ بدمذہب سے دور رہو اور انہیں اپنے قریب نہ آنے دو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ

تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں، اگر وہ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں نہ شریک ہو، ان سے ملاقات ہو تو انہیں سلام نہ کرو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ اھ یہ حدیث مسلم شریف ابوداؤد شریف ابن ماجہ عقیلی ابن حبان کی روایتوں کا مجموعہ ہے۔ (انوار الحدیث ص ۱۰۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد عبد المقتدر نظامی مصباحی
۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

افیون کا چھلکا بقدر نشہ حرام ہے اور ایسی حالت میں مسجد کی صفائی بھی حرام ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ہمارے یہاں حبیبی مسجد بھیلواڑہ میں ایک شخص بھنڈاری کے عہدے پر مسجد کی صفائی کی حیثیت سے مقرر ہے جو شب وروز مسجد کے اندر حجرۂ مسجد میں مقیم ہے اور اسی حجرہ میں افیون کا چھلکا (ڈورا) نشہ کرنے کی غرض سے پیتا ہے اور اکثر اوقات وہ نشہ کی حالت میں رہتا ہے اور اس حالت میں مسجد میں کام کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ بدکلامی کرتا ہے نیز مسجد کو بھی اس انداز سے گالی بکتا ہے مسجد کی ماں کا...... جس کی وجہ سے محلہ کے اکثر لوگ اور کمیٹی کے دو ایک ممبر اس کے حمایتی وطرفدار ہیں تو کیا ایسے شخص کو مذکورہ عہدہ پر قائم رکھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ نیز اس کی حمایت کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟ دلائل کی روشنی میں جلد جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حاجی احمد نور صدر حبیبی مسجد ریلوے اسٹیشن چوراہا، بھیلواڑہ، راجستھان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سوال سے ظاہر ہے کہ جو شخص مسجد کی صفائی کے لیے مقرر ہے وہ افیون کا چھلکا اس حد تک کھاتا ہے کہ اس کو نشہ آجاتا ہے جو خود حرام ہے اور اس حالت میں مسجد کی صفائی کرنا اور اس کی بے حرمتی کرنا اشد حرام ہے اعلیٰ حضرت مجدد اعظم علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں افیون نشہ کی حد تک کھانا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۱۸۹ ج ۹)

در مختار میں ہے: ونقل فی الاشربۃ عن الجوھرۃ حرمۃ اکل بنج وحشیشۃ وافیون۔

اس کے تحت رد المحتار میں ہے: "اذا سکر من البنج والافیون یقع زجرا وعلیہ الفتویٰ"۔ (ص ۴۲ ج ۴ کتاب الحدود)

نیز بلا سبب مسلم کو ایذا پہنچانا بدکلامی کرنا اور گالی گلوج بکنا ناجائز وحرام ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنٰت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا۔"

ترجمہ اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۵۸)

حدیث شریف میں ہے: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر. اس کے تحت امام نووی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: واما معنى الحديث فسب المسلم بغير حق حرام باجماع الامة وفاعله فاسق (مسلم شریف ص ۵۸ ج ا باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ)

ہر اس شخص کو مسجد میں داخل ہونے روکنے کا حکم ہے جو ایذا پہنچانے والا ہو بیشک ایسا شخص جو مسجد میں بدکلامی کرے اور نشہ کی حالت میں مسجد کو آئے جائے یا صفائی کرے وہ موذی ہے۔

درمختار میں ہے: وَيُمْنَعُ منه كل موذٍ وَلَوْ بِلِسَانِهِ (ص ۶۶۱ ج ا باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها من كتاب الصلاة)

مذکورہ شخص پر گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لازم ہے کہ علانیہ توبہ واستغفار کرے اور آئندہ نشہ کرنے اور مسلمانوں سے بدکلامی اور مسجد کی بے حرمتی نہ کرنے کا عہد کرے ورنہ اس کو عہدے سے ہٹا دیا جائے اور کسی نیک سیرت آدمی کو رکھا جائے جو صحیح طریقہ سے مسجد کی تعظیم وحفاظت کر سکے۔

محلہ کے کچھ لوگوں یا مسجد کے ممبران کا مذکورہ شخص کی اس طور پر حمایت کرنا کہ اس کو رکھا جائے اگر چہ وہ ان خرابیوں کا مرتکب ہے گناہ پر اعانت ہے جو خود نا جائز و گناہ ہے انہیں بلا وجہ حمایت سے اجتناب ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: ازہار احمد الامجدی المصباحی
ربیع النور ۱۴۲۸ھ

مسجد میں چھوٹے بچوں کو پڑھانا اس میں کھانا، ہاتھ دھو کر مسجد میں پھینکنا نیز نماز میں ہلنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا مسجد میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو قاعدہ وغیرہ پڑھانا جائز ہے؟ کیا مسجد میں کھانا کھانا اور جوٹھا پلیٹ اور ہاتھ دھو کر اس کا پانی مسجد میں پھینکنا جائز ہے؟ اور نماز میں ہلنا درست ہے اگر یہ سب حرکتیں

امام کرتا ہے تو گنہگار ہے یا نہیں؟ اور سنی مسجد میں شیعہ مولوی، دیوبندی مولوی آکر تقریر بھی کردے اور دیوبندی امام سنی مسجد کی بنیاد بھی کھودے پھر بھی سنی امام کچھ نہ کہے ایسے امام کی اقتداء کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: عبدالرشید، آزاد نگر، گھاٹ کوپر ممبئی نمبر ۸۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اگر بچے ناسمجھ ہیں تو ان کو مسجد میں پڑھانا منع ہے ان کو مسجد میں لے جانے کی اجازت نہیں اور اگر مدرس تنخواہ لے کر مسجد میں پڑھاتا ہو تو بہر صورت ناجائز ہے۔ خواہ بچے ناسمجھ ہوں یا سمجھدار اس لیے کہ تنخواہ لے کر پڑھانا یہ دنیاوی کام ہے اور مساجد دنیاوی کاموں کے لیے نہیں ہیں الاشباہ والنظائر میں ہے:

"تکرہ الصناعة فیه من خیاطة و کتابة باجر و تعلیم صبیان باجر لا بغیرہ" اھ (ص ۳۷۰)

اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ "مسجد میں ناسمجھ بچوں کو لے جانے کی ممانعت ہے حدیث شریف میں ہے "جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم" اھ خصوصا اگر پڑھانے والا اجرت لے کر پڑھاتا ہو تو اور بھی زیادہ ناجائز کہ اب کار دنیا ہو گیا اور دنیا کی بات کے لیے مسجد میں جانا حرام" اھ (فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۴۴۶)

مسجد میں کھانا کھا کر جوٹھا پلیٹ اور ہاتھ دھو کر اس کا پانی مسجد میں پھینکنا حرام و گناہ ہے، جیسا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "مسجد میں ایسا کھانا، پینا کہ مسجد میں گرے اور مسجد آلودہ ہو مطلق حرام ہے خواہ معتکف ہو یا غیر معتکف" اھ (احکام شریعت ح ۱ ص ۱۴۳)

اور نماز میں ہلنا اس طور پر ہو کہ تھوڑی دیر ایک پاؤں پر وزن رکھتا ہو پھر تھوڑی دیر دوسرے پاؤں پر جس کی وجہ سے معمولی حرکت ہوتی ہو تو یہ سنت ہے جسے "تراوح بین القدمین" کہتے ہیں جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے "تراوح بین القدمین" یعنی تھوڑی دیر ایک پاؤں پر وزن رکھنا پھر تھوڑی دیر دوسرے پاؤں پر یہ سنت ہے" اھ (ج ۳ ص ۴۴۸) ورنہ نماز میں ہلنا اور دائیں بائیں جھومنا مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا کہ بہار شریعت ح ۳ ص ۱۴۲ میں ہے۔

اور سنی مسجد میں بدمذہبوں کو آنے سے روکنا اور تقریریں کہنے سے روکنا صرف امام ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں پر واجب و ضروری ہے اور امام کو چاہیے کہ وہ خود ہی تقریر کرے جن میں وہابی، دیوبندی اور تمام فرق باطلہ کے عقائد بیان کرے جس سے لوگوں کو ان گستاخوں کے عقائد کے بارے میں معلومات ہوتا کہ مسلمان ان سے دور رہیں جیسا کہ حکم دیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی
۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

مسجد کو مدرسہ بنانا یا اسے بند کر دینا صحیح ہے؟

مسجد کی چھت پر سحری وافطاری کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ (۱) حضور والا حال ہی میں مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں کملاپور میں ایک مسجد کا مسئلہ درپیش ہے وہ یہ ہے کہ نورانی مسجد جو کئی سالوں سے آباد ہے الحمد اللہ اس میں پانچ وقت کی نماز و جمعہ پابندی سے جاری ہے اب یہ مسجد تعداد کے لحاظ سے چھوٹی ہورہی ہے جہاں پر نماز جمعہ میں تنگی اکثر درپیش ہے اس لیے نوجوان کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دوسری مسجد پہلی مسجد کے سامنے تعمیر کریں بلکہ کسی عالم سے رجوع کرنے سے پہلے یہ مشورہ لینے سے پہلے ہی تعمیری کام شروع کرایا بلکہ اب صرف چھت کا کام باقی ہے اب ارادہ یہ رکھتے ہیں کہ پہلے والی مسجد کو مدرسہ میں تبدیل کرسکیں گے یا بند رکھیں گے حضور والا مہربانی فرما کر اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے مطلع کریں ہماری رہبری فرمائیں۔

(۲) رمضان شریف میں سحری افطار اور میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھانا لوگوں کو مسجد کی چھت پر کھلا سکتے ہیں یا نہیں اس کے جواب سے بھی ہمیں آگاہ فرمائیں بڑی نوازش ہوگی۔ فقط والسلام

المستفتی: سید محمد ضیاء الدین عارف حسینی قادری، سجادہ نشین درگاہ حضرت سید قاسم پیر سرکار رضی اللہ عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب جب وہ مسجد ہے تو اب وہ تاقیام قیامت مسجد رہے گی اس لیے نہ اسے مدرسہ میں تبدیل کرسکتے ہیں اور نہ ہی بند کرسکتے ہیں۔ وجہ یہ کہ جو چیز جس غرض کے لیے وقف ہے اسی میں استعمال ہوگی اس کو دوسری غرض کی طرف بدلنا جائز نہیں۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے "لا یجوز تغییر الوقف عن هیئته"۔ (ص ۲۹۰، کتاب الوقف الباب الرابع فی المتفرقات۔) اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں "متعلق مسجد کو مدرسہ میں شامل کرلیا جائے یہ حرام ہے اور سخت حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۳۸۱ ج ۶)

یوں ہی مسجد کو بند کر دینا کہ اب اس میں نماز نہ پڑھی جائے یہ مسجد کو ویران کرنا ہے جو سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد جب تک مسجد ہے قرآن عظیم کی نص قطعی ہمارے آئمہ کرام کے اجماع سے اسے ویران کرنا سخت حرام و کبیرہ گناہ ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

ہمارے ائمہ کرام نے بلا خلاف تصریح فرمائی کہ مسجد اگر تنگی کرے اور اس کے قریب اگر کسی شخص کی

زمین ہو اور وہ دینے پر راضی نہ ہو تو بحکم سلطان بے اس کی مرضی کے لے کر مسجد میں داخل کرلی جائے اور مالک کو بازار کے بھاؤ سے قیمت دے دی جائے کما نص علیہ فی البزازیۃ والفتح والبحر والدر وغیرھا اگر تنگی کی وجہ سے یہ مسجد ویران کر کے دوسری جگہ مسجد بنالینا جائز ہوتا تو جبر ہرگز حلال نہ ہوتا ملخصاً۔ (فتاوی رضویہ ص ۲۷ ج ۶)

لہٰذا وہاں کے تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ پہلی والی مسجد کو بھی آباد رکھیں اس میں بھی نماز باجماعت ضرور ادا کریں تا کہ دوسری مسجد مسجد ضرار کے حکم میں نہ ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) رمضان شریف یا دیگر دنوں میں سحری افطار میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا مسجد کی چھت پر کھلانا درست نہیں کہ بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے تو اس کی چھت پر کھانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے "الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ" (ص ۳۲۲ ج ۵ فی کتاب الکراھیۃ الباب الخامس فی اداب المسجد) ایسا ہی درمختار مع ردالمحتار ص ۴۲۸ مطلب احکام المسجد اور فتاوی رضویہ ص ۴۲۰ ج ۲ پر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد شاہد رضا الہشامی
۲۲ ربیع الغوث ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

قبل تمام مسجدیت امام کا حجرہ بنا سکتے ہیں بعد میں نہیں

مسجد کی جگہ تمام مسجدیت کے بعد حوض بنانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت ان مسائل میں کہ

(۱) ایک سنی مسجد میں برابر نماز پڑھی جارہی ہے اس کو بڑی کرنے کے لیے مسجد کے نام چندہ کر کے مسجد کے آگے یعنی پچھم طرف سے لے کر دکھن طرف آدھی مسجد تک زمین خریدی گئی پھر مسجد شہید کر کے امام کی پہلی جگہ کو دوسری جگہ چھت پہ بنانے جارہے ہیں۔ نیچے امام کے دوکان بنانے جارہے ہیں چھت ڈالنے پر پہلی مسجد کے زمین کے برابر ہوتی ہے کیونکہ دکھن طرف کی زمین جو خریدی گئی ہے وہ تھوڑا نیچے تھی اس پہ سلیپ ڈالتے ہیں اسی چھت پہ امام کی جگہ بنائیں گے نیچے امام کے دوکان بنائیں گے امام کی جگہ کا تعلق زمین سے نہ رہ جائے گا بلکہ چھت پے ہو جائے گا۔ ایسا کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور اسی مسجد کی دوسری جگہ جہاں ہر وقت مقتدی نماز پڑھتے تھے، جو اصل مسجد ہے وہاں حوض بنانے جارہے ہیں جب کہ دوسری جگہ موجود ہے کیا اس جگہ پر حوض بنانا جائز ہے ایسا کرنے سے مسجد، مسجد کے

حکم میں رہ جائے گی یا ختم ہو جائے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔
المستفتی: عبدالرشید آزاد نگر گھاٹ کوپر ممبئی نمبر ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) صورِ مسئولہ میں وہ زمین جو بعد میں خرید لی گئی ہے اس پر سلیپ ڈال کر نیچے دوکان جو کہ مسجد کی تحویل میں رہے اور اوپر امام کے لیے حجرہ بنانا قبل تمام مسجدیت ہو تو جائز ہے اگر چہ زمین سے اس حجرہ کا تعلق نہ ہو، لیکن بعد تمام مسجدیت جائز نہیں، جیسا کہ درمختار باب فی احکام المسجد میں ہے:

"لو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع" اھ (ج ۴، ص ۳۵۸، کتاب الوقف) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) مذکورہ جگہ پر حوض بنانا ناجائز و گناہ ہے اور اگر بنادیے ہوں تو اس کو مٹی سے پاٹ کر برابر کرنا ضروری ہے، کیونکہ وہ مسجد کی زمین ہے اور اس کی مسجدیت بھی تام ہے جیسا کہ سوال نمبر (۱) کے جواب میں گزرا۔

اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر بعد تمام مسجدیت حوض بنایا گیا تو یہ ناجائز اور اس میں وضو نا جائز بلکہ اسے پاٹ دینا ضرور" اھ (فتاویٰ امجدیہ ج ۳ ص ۱۲۶) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ارشد رضوی مصباحی
۸؍ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

مسجد کا پانی گھر لے جانا، ضرورت مندوں کے لئے مسجد میں چندہ کا اعلان کرنا، چندہ کے لئے سلام و دعا کے درمیان پانچ منٹ رُکے رہنا، اجمیر وغیرہ جانے والی گاڑیوں کا مسجد میں اعلان کرنا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع ان مسائل میں کہ

(۱) مسجد کی ضروریات مثلاً وضو وغیرہ کے لیے مسجد میں جو ہینڈ پائپ نل یا کنواں ہے اس کا پانی اسی مسجد کے علاوہ اپنی ذاتی شخصی ضرورت کے لیے مقتدیوں کا اپنے گھر یا دوکان وغیرہ لے جانا کیسا ہے؟

(۲) بروز جمعہ مسجد کے ممبر خطابت سے نامزد غرباء، فقراء اور معذورین و شادی بیاہ وغیرہ کے لیے چندہ کا اعلان کرانا نیز خود نماز پنج گانہ کے سلام پھیرنے کے بعد نابینا، لنگڑا، اپاہج وغیرہ کا چندہ کے لیے مسجد میں سوال کرنا کیسا ہے؟

(۳) مسجد کمیٹی نے امام منتخب کو حکم دیا ہے کہ بعد نماز جمعہ سلام پھیرنے کے بعد کم از کم پانچ منٹ وقت دیں اس کے بعد میں دعا کریں تاکہ چندہ زیادہ سے زیادہ کیا جائے، مصلیوں کو بعد سلام اتنی دیر روکے رکھنا اور اس طرح چندہ کرنا کیسا ہے؟

(۴) جو گاڑیاں اجمیر شریف، کرناٹک وغیرہ اسلم بابا کے زیارت میں جاتی ہیں ان کا بروز جمعہ اثناء تقریر و بعد یوں اعلان کرانا کہ جو لوگ اجمیر شریف، کرناٹک وغیرہ جانا چاہتے ہیں اپنی اپنی سیٹ فلاں صاحب کے پاس بک کرالیں آمدورفت کا کرایہ اتنی رقم ہے گاڑی ایجنٹ کا مسجد میں ایسا کرنا تجارت ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز اعلان کرنے کا حکم دینے والے کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے۔

المستفتی: رضوی کتاب گھر نز درو ڈ بڑا تالاب لوہر دگا جھارکھنڈ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) نل یا کنواں بنوانے والے نے اگر اجازت دے دی ہو تو لینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر بنوانے والے کی نیت یہ ہو کہ اسے وضو غسل وغیرہ نماز کے لیے طہارت ہی کے کام میں لیا جائے یا وہ مسجد کے مال سے بنوایا گیا ہو تو مقتدیوں کو اپنے گھر یا دوکانوں میں لے جانا جائز نہیں، فتاویٰ مصطفویہ میں ہے ”لے سکتے ہیں جب کہ نل لگانے والے کی کنواں بنانے والے کی طرح سب کو لینے کی اجازت ہو، اور اگر نل لگانے والے کی خاص مسجد ہی کے لیے نیت ہو کہ وضو غسل وغیرہ نماز کے لیے طہارت ہی کے کام میں لیا جائے یا اس نل کے پانی کی قیمت مسجد کے مال سے ادا کی جاتی ہو تو گھروں کو لے جانا جائز نہیں“ اھ (ص ۲۶۹) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) حاجت مندوں کے لیے چندہ کا اعلان کرنا جائز ہے جب کہ چندہ مسجد میں نہ دیا جائے بلکہ مسجد کے باہر گیٹ کے پاس دیا جائے یا اپنے گھر بلا کر دیا جائے، مسجد میں دینے سے شور وغل ہوگا، نمازیوں کی نماز میں خلل ہوگا، لوگوں کی گردنیں بھی پھلانگنی پڑسکتی ہیں اور یہ امور ناجائز ہیں، فتاویٰ رضویہ میں ہے۔ دوسرے محتاجوں کے لیے امداد کو کہنا یا کسی دینی کام کے لیے چندہ کرنا جس میں شور وغل نہ ہو نہ کسی کا گردن پھلانگنا پڑے نہ کسی کی نماز میں خلل واقع ہو تو یہ بلاشبہ جائز ہے بلکہ سنت سے ثابت ہے“ اھ اور نابینا، لنگڑے، اپاہج وغیرہ کا اپنے لیے مسجد میں سوال کرنا ناجائز و گناہ ہے، پھر اسی میں ہے ”اگر یہ باتیں نہ ہوں جب بھی اپنے لیے مسجد میں بھیک مانگنا منع ہے“ اھ (ج ۹ نصف آخر ص ۲۵۲) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اتنی تاخیر سے احتراز کیا جائے کہ یہ مکروہ ہے، ساتھ ہی نمازیوں کے لیے بار خاطر بھی جس سے جماعت میں کمی آسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) گاڑی ایجنٹ کا یہ اعلان کرنا اور ذمہ داران مسجد کو اس کی اجازت دینا ممنوع ہے کہ مسجدیں اس

کے لیے نہیں بنائی گئیں، دنیا کا کاروبار مسجد میں ناجائز ہے اور اس کا اعلان اس پر تعاون ہے، لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۴؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

نزول کی زمین کو مسجد میں شامل کرنا اس پر نماز پڑھنا، مسجد کی کھڑکیوں سے کسی کی بے پردگی ہو

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں ہمارے پڑوس میں مسجد شہید کر کے تعمیر نو کا کام ہو رہا ہے۔ مسجد کے کچھ ذمہ داران نے مسجد کی ملکیت والی زمین سے بڑھ کر نزول کی زمین پر صرف چیئر مین کی زبانی اجازت سے بنا رہے ہیں، جب کہ نزول کی زمین چیئر مین کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ حکومت وقت کی ملکیت ہوتی ہے، کیا مسجد کی ایسی توسیع درست ہے یا نہیں، اور مسجد سے زائد والی زمین پر نماز درست ہے یا نہیں؟

مسجد کی کچھ کھڑکیاں اور روشندان جس پر کچھ لوگوں کو جن کا پڑوس میں مکان ہے، کھڑکیوں اور دروازوں سے ان کے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہے ان کو اعتراض ہے جب کہ اس طرح کھڑکی اور روشندان لگنے نہ لگنے سے مسجد کے لیے کوئی حرج نہیں ہے، ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کی روشنی میں حکم فرمانے کی زحمت کریں۔ عین نوازش ہوگی۔ **المستفتی:** ربانی جیلانی، قاضی پورہ ٹانڈہ، امبیڈکر نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب شہر کی وہ زمین جس کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا، اور والیان ملک اس میں بطور خود تصرف کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ ایسی زمین خدائے تعالیٰ کی ملک ہوتی ہے اور بیت المال کی کہلاتی ہے، حدیث شریف میں ہے "عاد الارض للّٰہ ورسولہ" ایسا ہی فتاویٰ رضویہ، ص ۴۵۹، ج ۶ میں ہے، لہٰذا نزول والی زمین کو توسیع مسجد میں شامل کرنا اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ البتہ یہاں پر ضروری ہے کہ چیئر مین اسے قانون ہند کے تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے دے تاکہ حکومت کو بعد میں کبھی بھی قانونی طور پر اسے واپس لینے کا حق نہ رہے اور اس کے لیے صرف زبانی اجازت کافی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اگر مذکور فی السوال مسجد کی کھڑکی اور روشندان بند کرنے سے نمازیوں کو واقعی ہوا یا روشنی کی کوئی تکلیف

نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے بند کرنے سے نمازیوں کو تاریکی ہوگی تو نمازیوں کی رضامندی اور واقف یا متولی مسجد کی اجازت سے اس کھڑکی اور روشندان کو بند کرنے میں حرج نہیں، اور اگر نمازیوں کو کوئی تکلیف ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہے، یا مسجد میں اندھیرا ہو جائے، یا شرط واقف کے خلاف ہو تو اسے بند نہ کیا جائے بلکہ جس کے گھر کی بے پردگی ہو رہی ہو اس پر ضروری ہے کہ خود ہی (اسے دور کرنے کے لیے) اپنی ملک میں کوئی دیوار وغیرہ کھڑی کردے کہ بے پردگی نہ ہو، فتح القدیر میں ہے:

"وان کف عما یوذی جارہ فھو حسن ولا یجبر علی ذلک ولو فتح صاحب البناء فی علوبنائہ بابا او کوۃ لم یکن لصاحب الساحۃ منعہ. ولصاحب الساحۃ ان یبنی فی ملکہ مایستر مھبہ" اھ (ص ۳۰۴، ج۷، کتاب ادب القاضی) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۷/ جمادی الآخرہ ۱۴۲۶ھ

توسیع مسجد کے وقت منبر و محراب بدلنا، مسجد کے نیچے دکانیں بنانا مسجد کا قابل استعمال فرش و سامان بیچنا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

(۱) ایک قدیم مسجد ہے 30X15 جو ناکافی ہو رہی ہے چاروں دوکانوں کی جگہ شامل کرکے مسجد کی تعمیر کرنا ہے جگہ کی مناسبت سے محراب و منبر تبدیل کرنا پڑ رہا ہے شریعت محمدی میں کیا مسجد کا محراب و منبر بدل سکتے ہیں" واضح ہو کہ شمال کی سمت میں قبرستان کی جگہ ہے جس میں مسجد کی دیوار سے لگ کر قبریں موجود ہیں جس کے باعث اس سمت توسیع نہیں کی جاسکتی ہے؟

(۲) کیا مسجد کے نیچے (Under Graund) دکانیں بنائی جاسکتی ہیں؟

(۳) مسجد کا قدیم سامان مثلاً لکڑی، ٹین، لوہے کے انگل وغیرہ فروخت کیے جاسکتے ہیں؟

(۴) قدیم مسجد کا فرش (فرشی) فروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں اگر کی جاسکتی ہے تو خریدنے والا شخص اس فرش کا کہاں استعمال کرے اور کہاں نہ کرے (اس فرش پر ابھی نماز جاری ہے)؟

المستفتی: محمد زاہد حسین محمد احمد حسین (وکیل) ہنگولی مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) سوال سے ظاہر ہے کہ مسجد کی توسیع صرف جنوب کی سمت کی جاسکتی ہے اگر ایسا ہی

کریں تو سابقہ محراب ومنبر وسط مسجد میں نہ رہے گا جب کہ محراب حقیقی کی رعایت امام کو سنت ہے اور محراب صوری محراب حقیقی کی علامت ہوتی ہے۔

لہٰذا وسط مسجد میں ایک محراب بنائیں جس میں امام کھڑا ہو کر نماز پڑھائے اور پہلے محراب کو جوں کا توں باقی رکھیں اگر اس سے مسجد کی خوبصورتی میں کچھ فرق محسوس ہو تو بائیں طرف ایک محراب اور بنالیں البتہ امام بیچ والے محراب میں کھڑا ہو۔ ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے:

ای لان المحراب انما بنی علامة لمحل قیام الامام لیکون قیامه وسط الصف کما هو السنة، اور معراج الدرایہ سے ہے السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاتری ان المحاریب مانصبت الا وسط المساجد وهی قد عینت لمقام الامام۔ (باب الامامة من کتاب الصلاۃ ج:۱ص:۶۴۶)

اور فتاویٰ رضویہ، میں ہے کہ "امام کے لیے سنت متوارثہ کہ زمانہ اقدس رسالت سے اب تک معہود ہے وسط مسجد میں قیام ہے کہ صف پوری ہو تو امام وسط صف میں ہو اور یہی جگہ محراب حقیقی متوارث ہے محراب صوری کہ طاق نما ایک خلا وسط دیوار قبلہ میں بنا حادث ہے، اسی محراب حقیقی کی علامت ہے۔ یہ علامت اگر غلطی سے غیر وسط میں بنائی جائے اس کا اتباع نہ ہوگا بلکہ مراعات توسط ضروری ہوگی کہ اتباع سنت وانتفاء کراہت و امتثال ارشاد حدیث توسطوا الامام ہو۔ (باب الجماعة ج۳،ص:۳۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جو دکانیں شامل مسجد کی جارہی ہیں قبل تمام مسجدیت ان کے نیچے دکانیں بنانا جائز ہے اور مسجد ہو جانے کے بعد بنانا جائز نہیں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ یونہی مسجد کے نیچے کرایہ کی دکانیں بنائی گئیں یا اوپر مکان بنایا گیا جن کی آمدنی مسجد میں صرف ہوگی تو حرج نہیں مگر یہ اس وقت ہے کہ قبل تمام مسجد دکانیں یا مکان بنالیا ہو، اور مسجد ہو جانے کے بعد نہ اس کے نیچے دکان بنائی جاسکتی ہے نہ اوپر مکان، مثلاً ایک مسجد کو منہدم کر کے پھر اس کی تعمیر کرانا چاہیں اور پہلے اس کے نیچے دکانیں نہ تھیں اور اب اس جدید تعمیر میں دکان بنوانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے کہ یہ تو پہلے ہی سے مسجد ہے اب دکان بنانے کے یہ معنی ہوں گے کہ مسجد کو دکان بنایا جائے (بہار شریعت حصہ:۱۰ ص:۸۰،۸۱) اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے: قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمته وهذا لا یجوز۔ اھ (کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد۔ ج:۲،ص:۴۶۲)

(۳) مسجد کا قدیم سامان مثلاً لکڑی، ٹین، لوہے کے انگل وغیرہ جو فاضل ہوں مسجد کو ان کی حاجت نہ ہو انہیں مسجد کے لیے بیچنے کی اجازت ہے مسلمان مسجد کے ایسے فاضل سامان قاضی شریعت کی اجازت سے

اور وہ نہ ہو تو دیندار مسلمانوں کی اتفاق رائے سے بیچ دیں اور روپے کو مسجد کی ضرورت میں صرف کریں۔

سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "ستون اور ٹین کہ مثل سقف تھا اور بانس کہ سقف میں تھے اسی طرح کڑیاں اور اینٹیں غرض جو اجزائے عمارت مسجد ہوں وہ اگر حاجت مسجد سے زائد ہو جائیں اور دوبارہ ان کے اعادہ کی امید نہ رہے تو متولی و متدین اہل محلہ کی اجتماع رائے سے انہیں بیچ کر قیمت عمارت مسجد ہی کے کام میں صرف کی جائے مسجد کے بھی دوسرے کام میں صرف نہیں ہو سکتی خریدنے والا انہیں اپنے صرف میں لاسکتا ہے مگر بے ادبی کی جگہ سے بچائے۔ (فتاویٰ رضویہ باب المسجد ج:٦، ص:٤٤٢)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو ان قوماً بنوا مسجداً وفضل من خشبهم شئ قالوا يصرف الفاضل فی بنائه ولا يصرف الى الدهن والحصير هذا اذا اسلموا الى المتولى ليبنى به المسجد والا يكون الفاضل لهم يصنعون به ما شاؤا۔ " (كتاب الوقف ج:٢ ص:٤٦٤) والله تعالىٰ اعلم

(۴) جب اس فرش پر ابھی نماز جاری ہے اور وہ قابل استعمال ہے تو اس کو فروخت نہیں کر سکتے ہاں جب وہ استعمال کے قابل نہ رہ جائے تو بیچ سکتے ہیں مگر خریدنے والا اسے بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔ "مسجد کی مستعمل چیزیں مثلاً چٹائیاں دریاں لوٹے صرف مستعمل ہونے کی وجہ سے بیچنے کے کوئی معنیٰ نہیں اور ایسی اشیاء میں سے جو بیکار ہو جائے وہ دینے والے کی ملک کی طرف واپس ہو جاتی ہے اختیار ہے جو چاہے کرے۔" (ج ٦، ص ٤٣٦)

اسی میں ہے فرش جو خراب ہو جائے کہ مسجد کے کام کا نہ رہے جس نے وہ فرش مسجد کو دیا تھا مالک ہو جائے گا جو چاہے کرے، اور اگر مسجد ہی کے مال سے تھا تو متولی بیچ کر جس کام میں چاہے لگا دے ان چیزوں کی بیچ کافر کے ہاتھ نہ ہو بلکہ مسلمان کے ہاتھ اور مسلمان ان کو بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے۔"

(باب المسجد، ج:٦، ص:٤٣٠) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد انوار الحق الرضوی
۱۴ ربیع الثانی شریف ۱۴۳۰ھ

زید نے ایک جگہ نماز کے لئے مقرر کی ہے جو مسجد نہیں ہے اس پر سال بھر تک پنج وقتہ و جمعہ کی نماز ہوتی رہی کیا وہ مسجد کے حکم میں ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید نے ایک ایسی جگہ مقرر کر رکھا ہے اور وہ جگہ مسجد بھی نہیں اور ایک سال تک مع اذان کے پنج وقتہ نماز و جمعہ بھی ہوتی رہی اور اب صرف مع اذان پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہیں کیا وہ جگہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں ایسی جگہ نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: اراکین کمیٹی مقام رانی پور گڈا، جھارکھنڈ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زید کی مقرر کردہ جگہ پر نماز تو ضرور ہو جائے گی کہ مسلمانوں کے لیے پوری روئے زمین مسجد ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "جعلت لنا الارض کلها مسجداً" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام روئے زمین میرے لیے مسجد ہے۔ (مسلم باب المساجد، ج۱، ص۱۹۹)

اب رہا یہ کہ زید نے جو جگہ نماز کے لیے مقرر کر رکھی ہے وہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں۔ اس میں تفصیل ہے اگر مالک زمین نے اس جگہ کو مسجد کر دیا ہے یا اس نے کوئی ایسی بات کہی جس سے مسجد ہونا ثابت ہوتا ہو مثلاً اس نے کہہ دیا میں نے اس جگہ کو مسجد کے لیے وقف کیا یا لوگوں سے کہہ دیا اس میں ہمیشہ نماز پڑھا کرو اور اگر ہمیشہ کا لفظ نہ بولا مگر اس کی نیت یہ ہے کہ لوگ اس پر ہمیشہ نماز پڑھا کریں تو وہ جگہ مسجد ہوگئی۔ اگر چہ اس کی شکل صورت مسجد جیسی نہ ہو کہ خالی جگہ بھی اگر کوئی شخص مسجد کر دے تو وہ بھی مسجد ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مسجد اس جگہ کو کہتے ہیں جو نماز کے لیے خاص کی گئی ہو ساتھ ہی ہمیشہ کے لیے ایسا کرنا مقصود ہو۔ ہاں اگر زید نے مسجد نہ ہونے کے باعث عارضی طور پر کچھ دنوں کے لیے اپنی زمین پر نماز قائم کر دی تا کہ مسجد کا انتظام ہو جانے پر یہ زمین خالی ہو جائے اس کی نیت ہمیشہ کے لیے مسجد بنانا نہ ہو اور نہ ہی اس نے ایسی بات کہی جس سے ہمیشگی سمجھی جائے تو وہ جگہ مسجد نہیں بلکہ اس کی ملک ہے۔ فتاویٰ ہندیہ "باب فی المسجد" میں ہے:

"رجل له ساحة لابناء فيها امر قوماً ان يصلوا فيها بجماعة ابداً او امرهم بالصلوٰة مطلقاً ونوى الابد صارت الساحة مسجداً واما ان وقت الامر باليوم او الشهر أو السنة ففي هٰذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً كذا في الذخيرة وهكذا في فتاوى قاضي خان" اھ ملخصاً (ص۴۵۵، ج۲) ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ص۳۹۰، ج۶ اور بہار شریعت ص۸۱ حصہ دہم میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد غلام نبی النظامی العلیمی
۲۲/ ربیع النور ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

مسجد میں کافر کو لانا اور منع کرنے والے کو جماعت سے الگ کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ہمارے یہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے مسجد کے افتتاح پر علمائے کرام شام میں تشریف لانے والے تھے لیکن اس سے پہلے ایک شخص صبح ہی اپنے نام نمود کے لیے غیر قوم لیڈر کو مسجد کے اندر لے آیا جماعت کے ذمہ داران بھی موجود تھے مجھے خبر ملی تو میں حاجی بوڑھن صاحب کو فون کیا کہ حاجی صاحب آپ ایک غیر قوم کو مسجد میں لائے تھے اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ تو حاجی صاحب نے کہا شریعت کا مسئلہ ہے علما سے رابطہ کرو تو میں نے علماء سے رابطہ کیا مسجد میں کافر کو بٹھانا کیسا ہے؟ اس پر جماعت کے ذمہ داران نے مجھے جماعت سے الگ کر دیا یہاں تک کہ اگر جماعت کا کوئی بھائی ہمارے لوگوں سے بات کرے تو کمیٹی والے ۵۰۰ روپیہ فائن لگائے ہیں مفتی صاحب سے عرض ہے کہ شریعت کے متعلق سوال پوچھنے پر کمیٹی والے مجھے جماعت سے الگ کیے ہیں اور جو مجھ سے بات کرے وہ جماعت میں جرمانہ دے ایسا کرنا کیا شریعت میں جائز ہے؟ اور ایسا کرنے والوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے اور کمیٹی کے ذمہ داران کے بارے میں شریعت کا کیا حکم نافذ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: دادا خان فیروز خان پلا تعلق منڈ گوڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب مسجد میں کافر کو لانا جائز نہیں کہ وہ مسجد کے آداب سے واقف نہیں اور حدیث نبوی میں اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور نہ جاننے پر اہل علم سے شرعی مسئلہ پوچھنا حکم خداوندی ہے باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (سورہ نحل آیت نمبر: ۴۳)

لہٰذا اس حکم خداوندی کے بجالانے والے کو جماعت سے الگ کر دینا بھی حرام ہے پھر ایسے شخص سے بات کرنے والے پر کمیٹی والوں کا ۵۰۰ روپیہ فائن لگانا بھی ناجائز ہے۔ کہ ایک تو مسئلہ پوچھنا جرم نہیں، دوسرے مالی جرمانہ لینا شرعاً ناجائز ہے۔ فتاویٰ ہندیہ "الباب السابع فی حد القذف والتعزیر" میں ہے: "وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال، وعندھما وباقی الائمة الثلاثة لایجوز. کذا فی فتح القدیر." (ج:۲، ص ۱۶۷)

لہٰذا ان تمام افراد پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کریں اور شرعی مسئلہ پوچھنے والے سے معافی مانگیں میلاد قرآن خوانی وغیرہ کار خیر کریں کیونکہ کار خیر توبہ کے قبول ہونے کا سبب بنتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد حسن خان الرضوی
۲۵ رذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

مسجد کی بیکار اشیاء کیا کی جائیں؟

مسئلہ (۱) ہمارے یہاں مدینہ مسجد میں بہت سی چٹائیاں جانمازیں پلاسٹک کی دری جو کہ بہت پرانی ہوگئی ہیں قابل استعمال ایک دم نہیں ہیں کافی تعداد میں رکھی ہوئی ہیں جن کو رکھنا بھی ایک دم ممکن نہیں جگہ کی کمی ہے۔ ان کو بیچنا یا ندی میں ڈالنا کیا صورت جائز ہوگی لکھیں؟ واضح ہو کہ چٹائیاں کمیٹی نے خریدی ہے یا کسی نے وقف کی ہے معلوم نہیں چونکہ موجودہ کمیٹی نئی بنی ہوئی ہے پر عموماً زیادہ تر لوگ مسجد میں آ کر جانمازیں دے جاتے ہیں؟

(۲) مدینہ مسجد میں وضوخانہ کی پرانی ٹوٹیاں پائپ جو خراب ہیں پرانا پنکھا، بدھنا، لوٹا، بالٹی اس طرح خراب کئی چیزیں پڑی ہیں کیا ان کو پرانے داموں کباڑ میں بیچ کر مدینہ مسجد میں ہی رقم لگائی جاسکتی ہے جو صورت ہو لکھیں؟

(۳) مدینہ مسجد میں میت کا ڈولا لکڑی کا جو خراب ہے لکڑی سڑ گئی ہے اور وضوخانہ کی چھت پر پڑا ہوا ہے اس کو کسی کو جلانے کے لئے قیمتاً دے سکتے ہیں یا پھر ندی میں ڈال دیا جائے۔ واضح ہو کہ مسجد کے پرانے نمازیوں کا کہنا ہے کہ یہ کسی نے دیا تھا کمیٹی نے نہیں خریدا تھا پر دینے والے کا پتہ معلوم نہیں ہے؟

المستفتی: محمد ہاشم قادری مصباحی، صدر مدینہ مسجد، مانگو جمشید پور، جھارکھنڈ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱، ۲، ۳،) مسجد کی خراب شدہ چیزیں جو قابل انتفاع نہ ہوں ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر وہ چیزیں مسجد کے مال سے خریدی گئی ہوں تو متولی مسجد انھیں بیچ کر حاصل شدہ رقم مسجد کے جس کام میں چاہے صرف کردے مگر ان چیزوں کو غیر مسلم کے ہاتھ نہ بیچے بلکہ مسلمان کے ہاتھ بیچے اور خریدنے والا ان چیزوں کو موضع اہانت میں نہ رکھے۔

بحر الرائق میں ہے: "و فی الفتاوی الظهيرية سئل الحلوانی عن اوقاف المسجد اذا تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولی أن يبيعها و يشتری بثمنها اخری قال نعم" اھ (ج ۵، ص ۲۵۲، کتاب الوقف)

اور اگر ان چیزوں کو کسی آدمی نے مسجد میں دیا تھا تو وہ اب ان کا مالک ہو جائے گا جو چاہے کرے اور اگر دینے والا مر گیا ہو اور کوئی وارث نہ چھوڑا ہو تو اہل مسجد ان اشیاء کو بیچ ڈالیں جو رقم ملے اس کو کسی فقیر کو دیدیں یا دوسری اشیاء اسی کے مثل خرید کر مسجد میں رکھ دیں۔ اور بہرحال بیچنے کے پہلے قاضی شریعت یا اعلم علمائے بلد

سے اجازت حاصل کریں۔

فتاوٰی ہندیہ میں ہے: "ذکر ابو اللیث فی نوازلہ حصیر المسجد اذا صار خلقاً و استغنی اھل المسجد عنہ و قد طرحہ انسان ان کان الطارح حیا فھو لہ و ان کان میتا و لم یدع لہ وارثا ارجو ان لاباس بأن یدفع اھل المسجد إلی فقیر او ینتفعوا بہ فی شراء حصیر آخر للمسجد و المختار انہ لایجوز لھم ان یفعلوا ذلک بغیر امر القاضی" اھ

(ج ۲، ص ۴۵۸، باب فی المسجد)

فتاوٰی رضویہ میں ہے: "فرش جو خراب ہو جائے کہ مسجد کے کام کا نہ رہے جس نے وہ فرش مسجد کو دیا تھا وہ اس کا مالک ہو جائے گا جو چاہے کرے اور اگر مسجد ہی کے مال سے تھا تو متولی بیچ کر مسجد کے جس کام میں چاہے لگا دے۔ پھر ان چیزوں کی بیچ کافر کے ہاتھ نہ ہو بلکہ مسلمان کے ہاتھ اور مسلمان ان کو بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے" اھ ملخصاً (ج ۶، ص ۴۳۰) اور یہاں جب پتہ ہی نہیں ہے کہ مذکورہ چیزیں مال مسجد سے خریدی گئی تھیں یا کسی نے ان کو مسجد میں دیا تھا تو اس صورت میں متولی مسجد یا موجودہ کمیٹی کے لوگ باہمی مشورہ سے ان چیزوں کو کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ کر حاصل شدہ رقم سے انھیں چیزوں کے مثل دوسری چیزیں خرید کر مسجد میں رکھ دیں۔ اور اگر وہ چٹائیاں و دریاں اس قدر خراب ہو چکی ہیں کہ کوئی شخص خریدنے کے لئے راضی نہ ہو تو وہ کوڑا کے حکم میں ہیں انھیں دریا وغیرہ میں ڈال دیں یا دفن کر دیں۔ بہار شریعت میں ہے: "مسجد کا کوڑا جھاڑ کر کسی ایسی جگہ نہ ڈالیں جہاں بے ادبی ہو" اھ (ج ۳، ص ۱۸۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد ابوبکر المصباحی

۲۰ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

مسجد میں امام کا چار پائی بچھا کر سونا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ملت اس مسئلہ میں:

دو منزلہ مسجد میں اوپر والی منزل پر امام صاحب چار پائی بچھا کر سوتے ہیں جب کہ گاؤں کے باہر مدرسہ بھی ہے اور ایک امام صاحب مدرسہ میں ہی سوتے ہیں تو کچھ مقتدیوں نے روکا کہ مسجد میں نہ سوئیں تو وہ بولتے ہیں گناہ میرے سر پر ہوگا آپ لوگوں کو کیا کرنا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام صاحب کا مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی:** حافظ محمد شہزاد علی قادری پائر خاص، مسکنواں بازار، گونڈہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب معتکف کے علاوہ کسی دوسرے کا مسجد میں سونا جائز نہیں۔ لہٰذا امام مذکور اگر بلا نیت اعتکاف مسجد میں سوتا ہے تو وہ گنہگار ہے توبہ کرے۔ اور اگر اعتکاف کی نیت کر لیتا ہے تو حرج نہیں۔

ردالمحتار "باب الاعتکاف" میں ہے: "اعلم، انه کما لایکره الاکل ونحوه فی الاعتکاف الواجب فکذلك فی التطوع کما فی کراهیة جامع الفتاوی ونصه: یکره النوم والاکل فی المسجد لغیر المعتکف واذا اراد ذلك ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیذکر الله تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما شاء اھ۔" (ص ۴۴۰، ج ۳)

البتہ اعتکاف کی حالت میں بھی مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا خلاف ادب ہے۔ فتاویٰ امجدیہ میں ہے: "مسجد میں چارپائی پر لیٹنا اور سونا عرف نے ادب کے خلاف قرار دیا ہے اور ایسے امور میں شرع مطہر نے عرف کا لحاظ کیا ہے" اھ (ص ۲۵۶، ج ۱)

یہ اصل حکم ہے لیکن جب اس سے عوام میں بدگمانی پیدا ہو رہی ہے اور دوسری جگہ انتظام بھی ہے تو امام کو چاہئے کہ وہ مسجد میں نہ سوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: فیض محمد القادری المصباحی
یکم محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بَابُ النَّوَافِلِ

نوافل کا بیان

شبینہ اور جماعت نفل کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلے ذیل کے بارے میں کہ

حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ماہ رمضان کے آخر عشرہ کی پانچ طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو جو ہزار ماہ کی عبادت کا ثواب رکھتی ہے اس حدیث پاک کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

(۱) ہم مصلیان رسالہ مسجد چھندواڑہ چند سالوں سے رمضان شریف کے آخری عشرہ کی پانچ طاق راتوں میں شبینہ کا اہتمام کرتے ہیں کیا شبینہ کرنا جائز نہیں؟

(۲) شبینہ میں حفاظ کرام ایک کلام پاک کو پانچ طاق راتوں میں ہر رات چھ چھ پارے سناتے ہیں اور نفل نماز کی جماعت کر کے سنتے ہیں کیا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) اس سال شدید اختلاف اور اعتراض ہو رہا ہے کہ شبینہ نہیں ہونا چاہیے نفل جماعت جائز نہیں مکروہ ہے شبینہ کے منتظم اور دیگر مسلمانوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام پاک سننا اور سنانا مکروہ نہیں ہمارا مقصد شب قدر کو پانا ہے کیا ایسا کرنا جائز ہے یا یہ عمل ناجائز؟ مکمل و مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی — حاجی محمد رفیق اسٹیل پارڈ پرانا بجلی بازار چھندواڑہ ایم پی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب جماعت نفل کے بارے میں ہمارے ائمہ کا مذہب معلوم و مشہور یہ ہے کہ بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ہے پھر یہ کراہت تنزیہی ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاوی رضویہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اظہر یہ کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ لمخالفۃ التوارث نہ تحریمی کہ گناہ و ممنوع ہو اھ (ج ۳ ص ۴۶۴) لہٰذا شبینہ کی نماز جماعت سے پڑھنا ناجائز و گناہ نہیں بلکہ صرف مکروہ تنزیہی

خلاف اولیٰ ہے اس لیے شبینہ کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لیے لوگوں پر دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا لیکن جو مسلمان اسے جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں جو ایک جائز و مستحسن اور باعث ثواب فعل ہے انہیں اس سے روکنا نہ چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی
۲۹/ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

صلاۃ التسبیح سنت ہے یا نفل؟ اسے جماعت سے پڑھ سکتے ہیں؟ اگر کوئی پڑھے تو؟ نفل نمازوں کی جماعت کیسی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت ان مسائل میں (۱) صلاۃ التسبیح سنت ہے یا نفل؟
(۲) صلاۃ التسبیح جماعت سے پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بالخصوص تین نورانی راتوں میں (معراج، برأت، قدر) اس مقصد سے کہ عوام الناس کو شب بیداری میں تعاون کی سہولت حاصل ہو؟
(۳) نہیں کی صورت میں کچھ لوگ صلاۃ التسبیح جماعت سے پڑھتے ہیں یا پڑھاتے ہیں تو کیا یہ درست ہے؟
(۴) اور دوسری نوافل نمازیں جیسے گہن، یا استسقاء، یا رجب وشعبان کی نفلیں وغیرہ جماعت سے پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں۔؟

المستفتی: محمد ابراہیم بن محمد قاسم مہکر ضلع بلڈانہ مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) صلاۃ التسبیح نفل ہے۔ درمختار میں ہے "ومن المندوبات رکعتا السفر و منها رکعتا الاستخارۃ واربع صلاۃ التسبیح بثلاث مائۃ تسبیحۃ" اھ
(الدر المختار فوق رد المحتار ج ۲ ص ۲۴ تا ۲۷)

(۲) تراویح، کسوف، استسقاء کے سوا جماعت نوافل میں ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مذہب معروف ومشہور اور عامۂ کتب مذہب میں مذکور ومسطور یہ ہے کہ تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اور بلا تداعی مضائقہ نہیں۔ (تداعی ایک دوسرے کو بلانا، جمع کرنا) اس لیے کہ اس سے کثرت جماعت لازم آتی ہے اور ائمہ کرام نے اسے مکروہ کہا ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں ۴۳۲ میں ہے: واعلم ان النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ علی ما تقدم ماعدا التراویح وصلاۃ الکسوف والاستسقاء" اھ
اور درمختار میں ہے اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ نوافل کی جماعت میں اگر تین مقتدی اور چوتھا امام ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر چار مقتدی اور پانچواں امام ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔

قال: لا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلك علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد کما فی الدرر، ولا خلاف فی صحة الاقتداء اذ لا مانع۔ اھ (الدر المختار ج۲ص۴۸۔۴۹)

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ کراہت صرف تنزیہی ہے۔ یعنی خلاف اولیٰ ہے نہ کہ تحریمی جو ممنوع و گناہ ہو، اور خلاف اولیٰ بلاشبہ جائز میں شمار ہوتا ہے جیسا کہ شامی میں ہے:

"الظاهر ان الجماعة فیه غیر مستحبة ثم ان کان ذلك احیانا کما فعل عمر کان مباحا غیر مکروہ، وان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لانه خلاف المتوارث" اھ (ج۲ص۴۸)

اور ص۴۹ میں ہے "والنفل بالجماعة غیر مستحب لانه لم تفعله الصحابة فی غیر رمضان اھ وهو کالصریح فی انها کراهة تنزیه تامل" اھ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) جواب نمبر ۲ سے ظاہر ہے کہ نماز تو ہو جائے گی مگر تداعی کے ساتھ مکروہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) جواب نمبر ۲ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ سورج گہن، اور استسقاء کی نماز جماعت سے پڑھی جائے گی کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

رہا سوال رجب اور شعبان کی نفل نمازوں کا تو یہ بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہیں۔ درمختار میں اشباہ سے بحوالہ بزازیہ ہے: "یکرہ الاقتداء فی صلاۃ رغائب و براءۃ وقدر" اھ (الدر المختار فوق رد المحتار ج۲ص۴۹)

لیکن صدر الشریعہ علیہ الرحمہ والرضوان بہار شریعت حصہ چہارم ص۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں "صلاۃ الرغائب کہ رجب کی پہلی شب جمعہ اور شعبان کی پندرہویں شب اور شب قدر میں جماعت کے ساتھ نفل نماز بعض جگہ لوگ ادا کرتے ہیں۔ فقہاء اسے ناجائز و مکروہ و بدعت کہتے ہیں اور لوگ اس بارے میں جو حدیث بیان کرتے ہیں محدثین اسے موضوع بتاتے ہیں لیکن اجلۂ اکابر اولیاء سے باسانید صحیحہ مروی ہے تو اس کے منع میں غلو نہ چاہیے اور جماعت میں تین سے زائد مقتدی نہ ہوں تو اصلاً کوئی حرج نہیں" اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری جونپوری
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

تراویح کی اجرت لینا کیسا ہے؟

نماز میں قیام فرض ہے تو نفل بیٹھ کر کیوں پڑھتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) تراویح کی نماز میں ختم قرآن کے روز حافظ کو ایک اچھی رقم بطور نذرانہ دیتے ہیں جب کہ میں نے پڑھا ہے فقیہ ملت کی کتاب ''اچھی نماز'' میں کہ رقم دینے والے اور لینے والے دونوں گنہگار ہیں لیکن ہمارے یہاں روناہی میں علماء کرام حافظ کو اپنے ہاتھوں سے رقم دیتے ہیں اور میں بھی حافظ ہوں اور مولانا کا لڑکا ہوں لہٰذا مجھے پہلے اس مسئلہ کی جانکاری ضروری ہے۔

(۲) ساتھ ہی یہ بتائیں کہ نماز میں قیام فرض ہے اور نفل نماز کو کیوں بیٹھ کر پڑھنے کا حکم ہے؟

المستفتی : حافظ نہال احمد، مقام قصبہ روناہی ضلع فیض آباد یوپی

الجواب (۱) اصل مذہب کے مطابق تراویح میں تلاوت قرآن پر اجرت لینا دینا دونوں ناجائز و حرام ہے خواہ اجرت معلوم ہو یا مجہول۔ ہاں یہ صورت اپنائی جائے پڑھانے والے حفاظ کو معین وقت اور معین اجرت پر اجیر رکھ لیں مثلاً یہ کہیں سات بجے شام سے ۱۱ بجے رات تک اتنے دنوں کے لئے پانچ ہزار روپے پر آپ کو اجیر کیا اور حافظ کہے میں نے قبول کیا اور حافظ سے تراویح پڑھوا کر اسے مقررہ اجرت دے دی جائے اس کے بعد کچھ لوگ اپنے طور پر نذرانہ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، اس میں حرج نہیں بلکہ ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھنا افضل ہے۔ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ہے حدیث شریف میں ہے: "صلوٰۃ الرجل قاعدا نصف الصلوٰۃ"۔ یعنی بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز کے آدھی ہے اور یہ کہنا کہ نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کا حکم ہے غلط ہے۔ البتہ نوافل میں فرائض و واجبات کی طرح قیام فرض نہیں ہے اور بیٹھ کر بھی پڑھنا جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنے کی قدرت ہوتے ہوئے بھی بیٹھ کر نوافل پڑھ سکتے ہیں۔ درمختار کتاب الصلاۃ، صفحہ ۳۶، ج ۲، میں ہے:

ویتنفل مع قدرته علی القیام قاعدا وفیه اجر غیر النبی صلی اللہ علیه وسلم علی النصف الا بعذر"۔ اھ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: من صلی قائما فهوا فضل ومن صلی قاعدا فله نصف اجر القائم"۔ نیز اسی میں صفحہ ۳۷ پر ہے: اما النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فمن خصائصه ان نافلته قاعدا مع القدرة علی القیام کنافلته قائماً"۔ اھ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ : محمد صابر عالم القادری المصباحی
۱۳ رذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح : محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح : محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

جماعت نفل کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

ہمارے یہاں شب قدر وشب برأت کے موقع پر جو نوافل ان راتوں میں ہیں ان کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں ان کا ادا کرنا کیسا ہے نیز ادا کرنے والوں پر کیا حکم ہے اور اگر جواز کی کوئی صورت ہے تو بیان فرمائیں؟

المستفتی: کریم الانصار سکراول بازار ٹانڈہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب جماعت نفل کے بارے میں ہمارے ائمہ کا مذہب معلوم ومشہور یہ ہے کہ بلاتداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ہے لغت میں تداعی کا معنی بلانا اور جمع کرنا ہے لیکن مذہب اصح میں تداعی اس وقت متحقق ہوگی جب چار یا زیادہ مقتدی ہوں دو تین ہوں تو کراہت نہیں پھر یہ کراہت صرف تنزیہی یعنی خلاف اولی ہے درمختار میں ہے:

"یکرہ ذلك لو علی سبیل التداعی بأن یقتدی اربعة بواحد کما فی الدرر و فی الاشباہ عن البزازیة یکرہ الاقتداء فی صلاۃ رغائب و براءۃ و قدر اھ ملخصاً۔

(ج ۲ ص ۵۰۰ فی باب الوتر والنوافل)

فتاوی رضویہ میں ہے نماز شب برأت اگرچہ مشائخ کرام قدست اسرارہم نے بجماعت بھی پڑھی قوت القلوب شریف میں ہے: "یستحب احیاء خمس عشرۃ لیلة (الی قوله) لیلة النصف من شعبان و قد کانو یصلون فی ھذہ اللیلة مائة رکعة بألف مرۃ قل ھو اللہ احد عشراً فی کل رکعة ویسمون ھذہ الصلاۃ صلاۃ الخیر و یتعرفون برکتھا و یجتمعون فیھا و ربما صلوھا جماعة۔

اور یہی مذہب علماء تابعین سے لقمان بن عامر و خالد بن معدان اور ائمہ مجتہدین سے اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے مگر ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب وہی ہے کہ جماعت بتداعی ہو تو مکروہ ہے۔

کمانص علیه فی البزازیة والتتار خانیة والحاوی القدسی والحلیة والغنیة و نور الایضاح و مراقی الفلاح والاشباہ و شروحھا والدر المختار وحواشیه و غیر ذلك من الکتب المعتمدۃ اھ (ج ۳ ص ۴۵۹)

اسی میں ہے اظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلاف اولی لمخالفۃ التوارث نہ تحریمی کہ گناہ ہو۔" اھ (ج ۳ ص ۴۶۴)

اور ردالمحتار میں ہے "النفل بالجماعة غیر مستحب لانه لم تفعله الصحابة فی غیر رمضان وھو کالصریح فی انھا کراھة تنزیه اھ (ج ۲ ص ۵۰۰ مطلب فی کراھة الاقتداء فی النوافل علی سبیل التداعی و صلاۃ الرغائب)

لہٰذا شب قدر و شب برات میں نوافل جماعت کے ساتھ ناجائز و گناہ نہیں بلکہ صرف مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ محمد شاہد رضا ہشامی
۱۲؍ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

امام کا یہ کہنا کہ جو بیان کے دوران آئے وہ سنت وغیرہ نہ پڑھے بعد میں پڑھے کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید کا یہ بیان کہ میں نے ایک مسجد کے امام صاحب کو جمعہ کے خطبہ سے قبل آنے والے مصلیوں سے اپیل کرتے ہوئے سنا کہ جب آپ بیان کے دوران مسجد میں آئیں تو بیٹھ جائیں سنت وغیرہ کوئی نماز نہ پڑھیں بیان کے اخیر میں خطبہ سے قبل آپ کو سنت پڑھنے کا وقت دیا جائے گا۔ بیان کے دوران نماز پڑھیں گے تو آپ کی نماز میں خلل ہوگا اور بیان پر توجہ بھی نہیں دے سکیں گے حالانکہ ایک حدیث کے مطابق مسجد میں آنے کے بعد بیٹھنے سے قبل دو رکعت نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے حتیٰ کہ جمعہ کے خطبہ کے دوران بھی جب کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے قبل دو مختصر سی رکعتیں پڑھنے کی تاکید آئی ہے۔ (مسلم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب امام صاحب کو یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ سنت وغیرہ کوئی نماز نہ پڑھیں اور یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ آپ جب دوران بیان آئیں تو بیٹھ جائیں بیان کے بعد آپ لوگوں کو سنت ادا کرنے کے لیے ٹائم دیا جائے گا۔ امام صاحب کے اس جملہ کے اندر کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان اور کچھ پند و نصیحت سن لیں اور اس کے بعد دل جمعی اور اطمینان و سکون کے ساتھ نماز ادا کریں اور درمیان میں کوئی خلل بھی نہ ہو بلکہ آج کل اکثر و بیشتر مسجدوں میں خطبہ سے پانچ دس منٹ قبل سنت وغیرہ ادا کرنے کے لیے ٹائم دیا جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ ”جو شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے قبل دو رکعت پڑھ لے“ افضل و اولیٰ پر محمول ہے ایسا نہیں کہ جو بیٹھ جائے اس کی نماز تحیۃ المسجد فوت ہو گئی فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھ لے اور بغیر پڑھے بیٹھ گیا تو بعد میں ادا کرے نماز تحیۃ المسجد ادا ہو جائے گی۔ درمختار میں تحیۃ المسجد کے تعلق سے ہے: ولا تسقط بالجلوس عندنا (بحر) اس کے تحت ردالمحتار میں یہ

فانهم قالوا فی الحاکم اذا دخل المسجد للحکم ان شاء صلی التحیة عند دخوله اوعند خروجه لحصول المقصود کما فی الغایة واما حدیث الصحیحین "اذا دخل احد کم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین" فهو بیان للأولی لحدیث ابن حبان فی صحیحه یااباذر للمسجد تحیة وان تحیته رکعتان فقم فارکعها و تمامه فی الحلیة۔" (ج ۲ ص ۴۶۰)

بہار شریعت میں ہے "بہتر یہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھ لے اور بغیر پڑھے بیٹھ گیا تو ساقط نہ ہوئی اب پڑھے" (ح ۴ ص ۲۱)

کتبہٗ محمد راشد انور مصباحی رضوی
۱۷ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا تکبیر قنوت واجب ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوالات کے متعلق کہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت یا آیت کو ختم کرنے کے بعد تکبیر کہتے ہوئے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھا کر ناف کے نیچے باندھتے ہیں۔ بعدہ دعائے قنوت پڑھتے ہیں تو عرض ایں کہ کیا تکبیر کہنا ضروری ہے اور قرأت قنوت کی خاطر ایسا کیوں کیا جاتا ہے کیا بغیر تکبیر کے فاتحہ کے بعد سورت ختم کرنے و بعدہ قنوت پڑھنے اور تمام رکن کی ادائیگی کے بعد نماز کی تکمیل ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقلیم رضا قادری، جامعہ رضویہ شمس العلوم ایل ۹۶ ۳، منگول پوری، دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) نماز وتر کی تیسری رکعت میں ختم سورت کے بعد تکبیر قنوت کہنا واجب ہے۔ اگر کسی نے قصداً اسے چھوڑ دیا تو نماز کا لوٹانا واجب وضروری ہے۔ سجدۂ سہو سے بھی اس کی تلافی نہیں ہوسکتی اور اگر بھول سے نہ کہی تو سجدہ سہو کرے۔ اگر بغیر سجدہ سہو کئے نماز مکمل کر لی تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ اگرچہ تکبیر قنوت کے علاوہ دیگر تمام ارکان وواجبات نماز ادا کر لیا ہو۔

تنویر الابصار میں ہے: "ویکبر ای وجوبا قبل رکوع ثالثته رافعا یدیه وقنت فیه۔"
(ج:۲، ص:۶، باب الوتر والنوافل)

درمختار میں ہے:
ولها واجبات لاتفسد بترکها وتعاد وجوبا فی العمد والسهو ان لم یسجد له۔" (فوق

ردالمحتار ج:۱،ص:۴۵۶،مطلب واجبات الصلاۃ)

دعائے قنوت پڑھنے کے لئے وجوب تکبیر کی پہلی وجہ یہ ہے نماز کی حالت حقیقت قرأت سے شبہ قرأت یعنی دعائے قنوت کی طرف تبدیل ہوتی ہے اور تکبیرات کی مشروعیت حالت بدلنے کے وقت ہی ہوئی ہے جیسے رکوع، قیام وغیرہ میں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکبیر قنوت کے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور نماز میں بغیر تکبیر کے ہاتھ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"وان اراد ان یقنت کبرلان الحالۃ قد اختلفت ورفع یدیہ وقنت لقولہ علیہ السلام: لاترفع الایدی الا فی سبع مواطن وذکر منہا القنوت۔" (ج:۱،ص:۱۲۵،باب صلاۃ الوتر)

اسی کے تحت عنایہ میں ہے:

"الحالۃ قد اختلفت من حقیقۃ القراءۃ الی شبہتہا، والتکبیرات شرعت عند اختلاف الحالات کالقیام والرکوع والسجود۔ قبل التکبیر مشروع عند اختلافہا افعالا کالخفض والرفع لااقوالا، الا یری انہ لایکبر عند الانتقال من الاستفتاح الی القراءۃ وان اختلفت الحالۃ من الثناء الی القرءۃ واجیب بانہ ثبت رفع الیدین فی ہذہ الحالۃ بقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، لاترفع الایدی الا فی سبع مواطن، ورفعہما بغیر تکبیر غیر مشروع فی الصلاۃ کما فی تکبیرۃ الافتتاح وتکبیرات العیدین فکان التکبیر ثابتا بہ۔" (تحت فتح القدیر ج:۱،ص:۴۵۰،باب صلاۃ الوتر) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی
۲۰ رشعبان ۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

■❖■

بَابُ التَّرَاوِيح

تراویح کا بیان

ختم قرآن کے تراویح کی آخری رکعت میں الحمد، سورۂ ناس پھر الحمد پڑھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

مسئلہ نماز میں اکثر حفاظ لوگ جس رکعت میں قرآن پاک کا اختتام کرتے ہیں یعنی سورہ ناس پڑھتے ہیں اسی کے ساتھ دوبارہ اسی رکعت میں الحمد شریف پوری سورت پڑھتے ہیں ایسی صورت میں ایک ہی رکعت میں دومرتبہ الحمد شریف پڑھی جاتی ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت حال میں نماز ہوجائے گی شرعاً کوئی قباحت تونہیں؟ المستفتی: شمشاد احمد حبیبی، سلطان پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب حافظ قرآن کا نماز تراویح کی آخری رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ ناس پھر اس کے بعد اسی رکعت میں الحمد مع سورت پڑھنے سے نماز میں کوئی قباحت نہیں فتاوی ہندیہ میں ہے:

لو کررها فی الاولیین یجب علیه سجد السهو بخلاف مالواعادها بعد السورة او کررها فی الاخریین کذا فی التبیین (ج۱،ص۱۲۶)

بہار شریعت میں ہے الحمد کے بعد سورہ پڑھی اس کے بعد پھر الحمد پڑھی تو سجدہ سہو واجب نہیں (ح۲ص۵۰) مگر بہتر طریقہ یہ ہے کہ ختم قرآن کے دن پہلی رکعت میں معوذتین اور آخری رکعت میں الم سے مفلحون تک پڑھے۔ درمختار میں ہے:

ویکره الفصل بسورة قصیرة وان یقراء منکوساً الا اذا ختم فیقراء من البقرة. (ج۱ص۵۴۶) ردالمحتار میں ہے: قال فی شرح المنیة فی الولوالجیة من یختم القرآن فی الصلاة اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعة الاولیٰ یرکع ثم یقرا فی الثانیة بالفاتحة وشی من سورة البقرة

لان النبی علیه الصلاة والسلام قال "خیر الناس المرتحل" ای الخاتم المفتتح ۔ (ج ا ص ۵۴۷ فصل فی القراءة) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد احمد مصباحی
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

تراویح کی نماز گھر دکان میدان میں قائم کرنا کیسا ہے؟ کیا مسجد کی ہر منزل پر یا ایک ہی منزل پر باری باری تراویح کی چند جماعتیں ہو سکتی ہیں؟ عشا پڑھے بغیر تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ امام تراویح کو ہدیہ دینا لینا کیسا ہے؟

مسئلہ رمضان المبارک میں مسلمان مسلک حنفی کے افراد نماز تحراویح کا باجماعت گھروں میں مکانوں کی چھتوں پر، میدانوں میں اہتمام کرتے ہیں، اس اہتمام کو کئی افراد خدمت سمجھ کر کئی گھروں میں خیر وبرکت، شہرت، جلد ختم قران وتراویح پڑھ لینے یا فراغت پا جانے، خرید وفروخت کاروبار وغیرہ اسباب کو مدنظر رکھ کر نماز تراویح کا یہ رواج عام ہوتا جا رہا ہے۔ دریافت طلب امور درج ذیل ہیں مفصل روشنی ڈالیں مشکور ہوں گا؟

(الف) ان افراد، امام اور مقتدیوں کی نماز درست ہوگی؟

(ب) مسجد قریب ہو تو بھی یہ عمل جائز ہے یا پھر کتنی دوری پر یہ جائز ہے؟

(ج) سال بھر ایسے لوگ مسجدوں میں نہیں آتے باجماعت نماز تراویح گھروں میں پڑھتے ہیں کیا یہ عمل درست ہے؟

(د) مسجد کے ہر حلہ (Floorفلور) پر یا ایک ہی مقام پر الگ الگ وقتوں میں نماز تراویح کا اہتمام کیا جا سکتا ہے؟ کیا باجماعت تراویح کے لیے نماز عشاء کا ساتھ پڑھنا لازم ہے؟

(ہ) نماز تراویح پڑھانے والے امام کو ہدیہ طے کر لینا جائز ہے، تحفہ تحائف قبول کرنا جائز ہے، یا کچھ ملے گا ایسی نیت رکھنا جائز ہے؟ بینوا وتوجروا

المستفتی: محمد اقبال کلکتہ (بنگال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (الف۔ب۔ج) جو لوگ سال بھر مسجد میں نہیں آتے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بالکل ہی نماز نہیں پڑھتے ہیں، جب کہ ہر مکلف یعنی عاقل بالغ پر نماز فرض عین ہے جو بلا عذر شرعی ایک بار بھی قصداً چھوڑے وہ فاسق و مرتکب کبیرہ مستحق عذاب نار ہے، درمختار کتاب الصلوۃ میں ہے "ھی فرض عین علی

کل مکلف بالاجماع" اھ (ج ۱ص ۳۵۱) یا پڑھتے تو ہیں مگر جماعت ترک کرکے گھر ہی میں پڑھ لیتے ہیں تو ایسے لوگ فاسق مردود الشہادۃ ہے، فتاوی عالمگیری "فصل فی الجماعۃ" میں ہے:

"تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلاۃ بالجماعۃ من غیر حرج۔ اھ (ج ۱ص ۸۲)

لہٰذا مذکورہ صورتوں میں نماز تراویح ہوتو جائے گی مگر تراویح میں جماعت سنت کفایہ ہے اس لئے اگر مسجد کے سب لوگ چھوڑ دیں گے تو سب گنہگار ہوں گے۔ بہارشریعت میں ہے "تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنا افضل ہے اگر گھر میں جماعت سے پڑھی تو جماعت کے ترک کا گناہ نہ ہوا مگر وہ ثواب نہ ملے گا جو مسجد میں پڑھنے کا تھا" اھ (ج ۴ص ۳۴)

فتاوی عالمگیری "فصل فی التراویح" میں ہے:

"وان صلی بجماعۃ فی البیت اختلف فیہ المشایخ والصحیح ان للجماعۃ فی البیت فضیلۃ وللجماعۃ فی المسجد فضیلۃ اخریٰ فاذا صلی فی البیت بجماعۃ فقد حاز فضیلۃ اداءھا بالجماعۃ وترک الفضیلۃ الاخری ھکذا قالہ القاضی الامام ابو علی النسفی" اھ (ج ۱ص ۱۱۶)

اور ردالمحتار "مبحث صلاۃ التراویح" میں ہے وان صلی احد فی البیت بالجماعۃ لم ینالوا فضل جماعۃ المسجد" اھ (ج ۲ص ۴۵) البتہ وہ شخص کہ جس کا گھر مسجد سے قریب ہے اسے مسجد ہی میں تراویح کی نماز پڑھنے کا التزام کرنا چاہیے کیوں کہ گھر میں وہ ثواب نہیں ملے گا جو مسجد میں پڑھنے کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(د) صورت مسئولہ میں مسجد کی ہر منزل یا ایک ہی مقام پر الگ وقتوں میں نماز تراویح باجماعت ادا کرنا جائز ہے جب کہ عذر شرعی ہو مثلاً مسجد میں جگہ کی تنگی ہو یا اس طرح کا اور کوئی عذر ہو اور اگر بلا عذر شرعی جماعت اولیٰ چھوڑ کر الگ جماعت قائم کی جائے تو گناہ ہے۔

فتاویٰ رضویہ باب الجماعت میں ہے "قصداً بلا وجہ شرعی تفریق جماعت ضرور موجب ذم وشناعت خواہ یوں کہ امام معین سے پہلے پڑھ جائیں یا جماعت اولیٰ فوت کرکے اپنی جماعت الگ بنائیں" اھ (ج ۳ ص ۳۵۴) ردالمحتار میں ہے "اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیر اذان یباح اجماعاً" اھ (ج ۱ص ۵۵۳)

تراویح باجماعت ہو یا بے جماعت فرض عشاء کے بعد ہی اس کا وقت ہوتا ہے اس لیے بغیر فرض عشاء

پڑھے ہوئے تراویح جائز نہیں، بہار شریعت میں ہے "اس (تراویح) کا وقت فرض عشاء کے بعد ہے،" اھ ملخصاً (ح ۴ ص ۳۳)۔ لہٰذا اگر کسی کی جماعت عشاء چھوٹ گئی تو وہ پہلے عشاء کی فرض نماز ادا کرے اس کے بعد تراویح کی جماعت میں شریک ہو، ہاں وتر تنہا پڑھے۔ فتاوی عالمگیری "فصل فی التراویح" میں ہے "والصحیح ان وقتها ما بعد العشاء" اھ (ج ۱ ص ۱۱۵) واللہ تعالیٰ اعلم

(ہ) صورت مسئولہ میں ہدیہ لینا اور دینا دونوں ناجائز و سخت گناہ ہے، اور یہ نیت رکھنا کہ کچھ ملے گا اور اسے معلوم ہے کہ یہاں پہلے سے کچھ دینے کا رواج ہے تو بھی ناجائز ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں المعروف عرفا کالمشروط لفظاً۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "آج کل رواج ہو گیا ہے کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں یہ ناجائز ہے، دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہیں، اجرت صرف یہی نہیں کہ پیشتر مقرر کرلیں کہ یہ لیں گے یہ دیں گے بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ اس سے طے نہ ہوا ہو یہ بھی ناجائز ہے کہ المعروف کالمشروط، ہاں اگر کہہ دے کہ کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا پھر پڑھے اور حافظ کی خدمت کریں تو اس میں حرج نہیں کہ الصریح یفوق الدلالۃ" اھ (بہار شریعت ح ۴ ص ۳۵) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی
۲۱ رمحرم الحرام ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا ایک ہی شخص تراویح میں ایک جگہ بحیثیت سامع اور دوسری جگہ بحیثیت امام شرکت کرسکتا ہے؟

مسئلہ ایک حافظ قرآن نماز تراویح کی پہلی جماعت میں بحیثیت سامع قرآن پاک کی سماعت کرتا ہے پھر وہی سامع نماز تراویح کی دوسری جماعت میں اسی رات بحیثیت امام باضابطہ امامت بھی کرتا ہے۔ اس کا یہ کہنا ہے کہ نماز تراویح کی پہلی جماعت میں میری نیت نفل کی ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری جماعت کی امامت کرتے ہوئے نماز تراویح سنت موکدہ کی نیت کرتا ہوں۔

صورت مسئولہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز تراویح جو کہ سنت مؤکدہ ہے اسے چھوڑ کر نفل کی نیت سے کسی ایسے امام کی اقتدا کرنا جو تراویح پڑھا رہا ہو اور اسی جماعت میں بحیثیت سامع لقمہ دینا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں ہے تو پھر دوسری جماعت میں پڑھی جانے والی نماز تراویح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ تفصیلاً بیان فرمائیں؟

المستفتی: حاجی سعود ملک، گلاس کو، برطانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب امام کو ایسا نہ کرنا چاہئے لوگ سوچیں گے کہ دونوں جگہ کے نذرانہ لینے کی لالچ میں امام صاحب ایسا کر رہے ہیں اس سے مقتدیوں کی نگاہ میں امام کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ اصل مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص نماز تراویح کی پہلی جماعت میں بحیثیت سامع قرآن پاک کی سماعت کرتا ہے اور دوسری جماعت میں امامت کرتا ہے وہ اگر جماعت اولیٰ میں تراویح کی نیت نہیں کرتا بلکہ محض نفل کی نیت سے شامل ہوتا ہے اور جماعت ثانیہ میں سنت مؤکدہ تراویح کی نیت سے شامل ہوتا ہے تو جائز ہے اس طرح کی نماز کا ثبوت حدیث پاک سے ہے۔

بخاری شریف میں ہے: "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال معاذ رضی الله تعالیٰ عنه یصلی مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ثم یاتی قومه فیصلی بهم۔"

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا میں نماز پڑھ کر اپنی قوم کے پاس آتے تھے اور انہیں نماز پڑھایا کرتے تھے (ج۱:ص:۲۲)

عمدۃ القاری میں ہے:

"و من الجائز ان یکون معاذ کان یجعل صلاته معه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بنیة النفل لیتعلم سنة القراءة منه وافعال الصلوة ثم یاتی قومه فیصلی بهم صلاة الفرض۔"

(ج:۵،ص:۲۳۶)

لہٰذا شخص مذکور کا نفل کی نیت سے تراویح کی جماعت اولیٰ میں سامع کی حیثیت سے اور تراویح کی نیت سے جماعت ثانیہ میں امام کی حیثیت سے رہنا جائز ہے اور جب جماعت اولیٰ میں سامع کی حیثیت سے شامل ہو سکتا ہے تو وہ امام کو لقمہ بھی دے سکتا ہے کیونکہ لقمہ دینے کے لئے امام کے ساتھ نماز میں شریک ہونا شرط ہے۔ یہ شرط نہیں کہ جس قسم کی نماز امام کی ہو اسی قسم کی نماز مقتدی کی بھی ہو۔

ردالمحتار میں ہے: "(بخلاف فتحه علی امامه) فانه لایفسد (مطلقا) لفاتح واخذ بکل حال۔" (ج:۲،ص:۸۲)

لیکن امام اس طریقے سے احتراز کرے تو بہتر ہے تا کہ لوگ اس کے بارے میں بدگمان نہ ہوں اور دوسرے لوگ جو تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں یا نیت کا یہ فرق نہیں جانتے ایسا نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: غلام مرتضیٰ رضوی
۷ رصفر المظفر ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

امام تراویح کے نذرانہ کے لئے چندہ ہوا اسے مسجد ومدرسہ میں لگا سکتے ہیں؟ قرآن پاک رمضان کی کس شب میں ختم کیا جائے؟ اور روزانہ کتنا پڑھا جائے؟ مقتدیوں کا روزانہ ایک معین مقدار پڑھنے کا دباؤ بنانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

(۱) رمضان المبارک میں ختم القرآن وتراویح یا قرآن سننے سنانے والے حفاظ کرام کے نذرانے کے نام پر جو رقم یا پیسہ عوام وخواص مسلمین سے وصول کر کے اکٹھا کیا جاتا ہے اس رقم اور پیسہ کو ان حفاظ کرام پر صرف کرنے کے ساتھ ہی ساتھ یا بعد میں کچھ رقم مسجد ومدرسہ اور قبرستان کے کسی کام میں صرف کرنا یا مسجد کے بجٹ میں ڈال دینا کہ کبھی مسجد کے کام آئے گی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے والے افراد پر شرعاً کوئی حکم عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو رقم مسجد کے نام سے اکٹھا کی گئی ہو اسے حافظ حضرات کے نذرانے میں دینا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) یہ امر تو اپنی جگہ مسلم ہے کہ پورے رمضان میں نماز تراویح میں ایک قرآن کا ختم کرنا سنت موکدہ ہے لیکن قرآن پاک کب اور رمضان کی کس تاریخ میں ختم کیا جائے اور روزانہ نماز تراویح میں کتنا قرآن عظیم پڑھا جائے اس کی کوئی معین مقدار سنت رسول وسنت صحابہ سے ائمہ مجتہدین تک ثابت ہے یا نہیں اگر نہیں تو امام کو اس بات پر مجبور کرنا کہ سات یا گیارہ رمضان کو قرآن پاک ختم کرنا ہوگا ورنہ آپ اس مسجد میں قرآن سننے سنانے کے مجاز نہیں ہوں گے شرعاً کیسا ہے؟ بالخصوص ایسی صورت میں کہ امام کی صحت اتنی جلد قرآن ختم کرنے کی متحمل نہ ہو؟

(۳) اسی طرح متولی مسجد یا مصلیان مسجد کا امام پر یہ قید لگا دینا کہ آپ کو اتنے دن نماز تراویح میں اتنا قرآن اور اتنے دن روزانہ اتنا قرآن پڑھنا ہوگا اور امام ویسا ہی کرے جیسا کہ متولی یا مصلیان مسجد نے کہا تو کیا شرعاً یہ نماز درست ہوگی؟ فقہ حنفی کی بہت سی کتابوں میں آیا ہے کہ ”کسی آنے والے کی خاطر نماز کو طول دینا مکروہ تحریمی ہے“ اور پھر نماز کے داخلی امور میں امام کا متبع غیر اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم ہونا کراہت نماز کا باعث ہوگا یا نہیں؟ آیا متولی اور مصلیان مسجد کا امام پر اس طرح کی قیدیں لگانا کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قادری، ضلع پیلی بھیت، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) جس نیک کام کے لئے لوگوں نے چندہ دیا دیانت کے ساتھ چندہ کی رقم اسی

میں صرف کرے اگر صرف نہ ہو تو لازم ہے کہ جس جس سے جتنا لیا ہے ہر ایک کو اتنا اتنا واپس دے یا ان کی اجازت ہو تو کسی اور جائز کام میں صرف کرے اور اگر کسی کام کے لئے چند لوگوں سے چندہ لیا اس میں صرف کرنے کے بعد کچھ بچ رہا تو حساب کر کے حصہ رسد واپس دے۔ ایسا ہی فتاوی مصطفویہ ص ۴۴۴ میں ہے۔

لہٰذا رمضان المبارک میں ختم القرآن وتراویح یا قرآن سننے سنانے والے حفاظ کرام کے نذرانے کے نام پر جو رقوم وصول کر کے اکٹھا کی جاتی ہیں ان میں سے کچھ رقم مسجد کے بجٹ یا دیگر امور خیر میں صرف کرنا شرعاً درست نہیں ہاں اگر چندہ دہندگان سے اس کی اجازت لے لی گئی ہو یا اگر صراحۃً اجازت نہ ہو لیکن عوام وخواص جانتے ہوں کہ بقیہ رقم مسجد یا مدرسہ یا قبرستان وغیرہ امور خیر میں لگا دی جائے گی تو جائز ہے ورنہ نہیں کیونکہ چندہ چندہ دہندگان کی ملک میں رہتا ہے اس لئے ان کی اجازت کے بغیر تصرف ناجائز ہے۔ ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۳۴۰ میں ہے۔ درمختار میں ہے:

"إنْ لم یکن بیت المال معموراً أو منتظماً فعلی المسلمین تکفینه فان لم یقدروا سالوا الناس له ثوبا فان فضل شیء رد للمصدق ان علم والا کفن به مثله والا تصدق به.

ملخصا" (ج:۳،ص:۱۰۱)

جو رقم مسجد کے نام سے اکٹھا کی گئی ہو اسے حافظ حضرات کے نذرانے میں دینا جائز نہیں کہ عموماً مسجد کے نام کا چندہ مسجد کی تعمیر اور تیل بتی کے لئے ہوتا ہے۔ حفاظ کرام کے نذرانے کا چندہ الگ سے کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) قرآن پاک کو ستائیسویں شب میں ختم کرنا مستحب ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"وینبغی للامام اذا اراد الختم ان یختم فی لیلة السابع والعشرین کذا فی المحیط" (ج ۱ ص ۱۱۸)

کم از کم ۲۰۰ آیتیں نماز تراویح میں ہر شب پڑھنا مسنون ہے۔ فتاوی خانیہ میں ہے:

"وقال بعضهم وهو رواية الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ یقرأ فی کل رکعة عشر آیات و هو الصحیح لان فیه تخفیفا علی الناس و به تحصل السنة و هی الختم مرة واحدة" (ج ۱، ج ۷ ۲۳، فصل فی تعداد القرأة فی التراویح)

نیز اسی میں ہے "وفی غیر هذا البلد كانت المصاحف معلمة بعشر من الایات و جعلوا ذلك ركوعا لیقرأ فی كل ركعة من التراویح القدر المسنون۔" (ج ۱ ص ۲۳۹ باب التراویح)

لہٰذا امام کو اس بات پر مجبور نہ کرنا چاہئے کہ سات یا گیارہ رمضان کو قرآن ختم کریں اور اگر انتظامیہ

مجبور کرے تو امام مجبور نہ ہو وہ دست کش ہو جائے۔ امام تراویح اجیر نہیں ہوتا خالص رضائے الٰہی کے لیے قرآن سناتا ہے اس لئے یہاں مجبور کرنے اور مجبور ہونے کا سوال نہیں ہے۔ ہاں افضل یہ ہے کہ اتنی مقدار قرآن کریم تراویح میں پڑھے جو مصلیان کے لئے ان کی سستی کے سبب جماعت سے نفرت کا باعث نہ ہو کیونکہ جماعت کی کثرت قرأت کی درازگی سے افضل ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"الافضل فی زماننا ان یقرأ بما لایودی الی تنفیر القوم عن الجماعۃ لکسلھم لان تکثیر الجمع افضل من تطویل القراءۃ کذا فی محیط السرخسی" (ج ۱ ص ۱۱۸) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) امامت کے اس طرح کے امور میں انتظامیہ کو ہرگز دخل نہ دینا چاہئے بلکہ یہ سب امام کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہئے ہاں اگر امام قرأت بہت طویل کردے جو نمازیوں کے لئے اکتاہٹ اور پریشانی کا باعث ہو اس لئے انتظامیہ اس میں تخفیف کا مشورہ دے تو اس کی گنجائش ہے۔ اور بلاوجہ اس طرح کا مشورہ بھی نہ دے کہ یہ انتظامیہ کا کام نہیں اور امام پر اس کے لئے دباؤ بنانا تو نامناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد اکبر علی المصباحی
۵ رذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

شبینہ میں چند حفاظ تھوڑی تھوڑی دور پر کھڑے ہو کر چند پارے پڑھیں اور جو بچے آخر میں ایک حافظ پڑھ کر ختم کردے صحیح ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں حفاظ کرام اس طور پر شبینہ کرتے ہیں کہ تین، چار حفاظ مسجد میں دور، دور نفل کی نیت سے کھڑے ہو جاتے ہیں، تین، تین، چار، چار پارے پڑھتے ہیں، بعدہٗ باقی پارے جو بچتے ہیں اس کو ایک حافظ صبح تک پڑھ کر ختم کردیتے ہیں۔ ایسے شبینہ سے متعلق ایک مولوی زید سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس طرح پڑھنے سے روکا نہ جائے تاکہ قرآن پاک پڑھنے کا شوق وذوق باقی رہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ازروئے شرع اس طرح شبینہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: قاری شبیر احمد چشتی مدرسہ حنفیہ عالم خان شہر جونپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر حفاظ اتنے فاصلے پر ہوتے ہیں کہ ایک کی آواز دوسرا سنتا ہے تو اس طور پر شبینہ پڑھنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت خاموش رہنا، اور اس کا سننا واجب ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا"۔ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا

کر سنو! اور خاموش رہو۔ (پ۹ سورہ اعراف ۷ آیت ۲۰۴)

فتاوی رضویہ میں ہے "اگر چند آدمی باآواز پڑھ رہے ہیں، آوازیں مختلف ومختلط ہیں کہ جدا جدا سننا میسر ہی نہ رہا، تو یہ بالاتفاق ناجائز وگناہ ہے۔" مخلصاً (ج۹ نصف اول ص ۱۶۷)

صورت مذکورہ میں استماع وانصات دونوں مفقود ہیں، نیز بیک وقت ایک ساتھ پڑھنے کی وجہ سے آوازیں بھی مختلط ہوں گی جن کا سننا دشوار لہٰذا یہ ناجائز وگناہ ہے۔ اور زید کا قول کہ "اس طرح پڑھنے سے روکا نہ جائے تاکہ قرآن مجید پڑھنے کا شوق باقی رہے، خود قرآن کریم کے فرمان کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ فقہ کا قاعدۂ کلیہ ہے "درء المفاسد اولی من جلب المصالح" یعنی مفاسد کا دور کرنا زیادہ راجح ہے حصول منافع سے اھ

پس جب مفاسد ومصالح دونوں جمع ہوں تو مصالح کو ترک کر کے مفاسد کو دور کیا جائے گا، کیونکہ شریعت مطہرہ کی توجہ محرمات وممنوعات اور مفاسد کو دور کرنے میں زیادہ سخت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری جونفوری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۳؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

امام تراویح کو شب قدر کے نام پر نذرانہ دینا اور لینا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام مسئلہ ذیل میں؟

ہمارے یہاں تراویح پڑھانے والے امام کے لئے شب قدر کے نام پر اور شب قدر میں جب کہ قرآن ختم ہوتا ہے ایک خطیر رقم مقتدیوں کی موجودگی میں اعلان کر کے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پچھلے سال امام تراویح کو اتنا دیا گیا تھا اس سال اتنا (زیادہ) دیا جا رہا ہے اس طرح امام ومؤذن کو بھی بطور نذرانہ اعلان کر کے دیتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام مسجد ومؤذن جو کہ ماہانہ تنخواہ لیتا ہے اور امام تراویح کو شب قدر کے نام پر بطور نذرانہ چندہ وصول کر کے ہر سال ہزار دو ہزار زیادہ کر کے دینا اور لینا کیسا ہے اور اس چندہ کے دینے میں کچھ ثواب ہے کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: محمد ایوب عیدگاہ بھاٹا ترکہ تالاب رائے پور چھتیس گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں امام تراویح کو شب قدر کے نام پر نذرانہ دینا اور لینا دونوں ناجائز ہے، دینے اور لینے والے گنہگار ہوں گے، مقرر کریں یا نہ کریں کہ رواج ہونے کی وجہ سے یہ مقرر ہی کے حکم

میں ہے ناجائز ہے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "آج کل اکثر رواج ہوگیا ہے کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں یہ ناجائز ہے، دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہیں، اجرت صرف یہی نہیں کہ پیشتر مقرر کرلیں کہ یہ لیں گے یہ دیں گے بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگر اس سے طے نہ ہوا ہو یہ بھی ناجائز ہے کہ المعروف کالمشروط، ہاں اگر کہہ دے کہ کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا پھر پڑھے اور حافظ کی خدمت کریں تو اس میں حرج نہیں کہ "الصریح فوق الدلالۃ" اھ (بہار شریعت ج ۴ ص ۳۲)

لہٰذا یہ اعلان کرنا کہ "پچھلے سال امام تراویح کو اتنا دیا گیا تھا اس سال اتنا زیادہ دیا جارہا ہے۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں نذرانہ دینے اور لینے کا رواج معروف ومشہور ہے جو بلاشبہ ناجائز ہے۔ اور امام و مؤذن جن کی تنخواہ مقرر ہے ان کو تنخواہ کے علاوہ جو بھی زائد رقم دی جائے جائز ہے۔

درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ میں ہے "ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والامامة والأذان" اھ (ج ۶ ص ۵۵) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی

۲۲ رذی القعدہ ۱۴۲۴ھ

■❖■

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

قضا نماز کا بیان

کیا زندگی ہی میں نمازوں کا فدیہ دیا جاسکتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

کیا حرمین شریفین کو جانے سے پہلے اپنی زندگی ہی میں کوئی شخص اپنی قضا نمازوں کا فدیہ ادا کر کے ان نمازوں سے بری الذمہ ہوسکتا ہے؟ زید جو حاجی ہے اس کا کہنا ہے کہ میں نے حج کی ادائیگی سے پہلے نمازوں کا فدیہ دے دیا ہے۔ اور اب وہ قضا نمازیں میرے ذمہ سے ساقط ہو چکی ہیں۔ اس پر بکر نے کہا کہ نمازوں کا فدیہ زندگی میں نہیں ادا کیا جاسکتا کہ فدیہ موت یا عدم استطاعت کی بنیاد پر ہے کہ انسان جب مرجائے اور اس کے ذمہ روزہ ونماز قضا ہوں اور ان کے فدیہ کی وصیت کر جائے یا ادائیگی پر قدرت نہ ہو تو اس کی جانب سے فدیہ دیا جاسکتا ہے تو اس پر اس نے کہا کہ مجھ سے حج کمیٹی کے علماء نے یہی بتایا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زندگی میں یا استطاعت کے باوجود فدیہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مکمل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: حاجی محمد قطب الدین انصاری، مقام بیرا گی پٹی، فاضل نگر ضلع کشی نگر یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب قضا نمازوں کا فدیہ زندگی میں نہیں ادا کیا جاسکتا کہ فدیہ مردے کی جانب سے اس کے ورثاء اس کی موت کے بعد ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

"من مات وعليه صوم شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين."

یعنی جو کوئی مرجائے اور اس پر روزے کی قضا باقی ہو تو اس کی جانب سے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ نیز سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"لا يصوم أحد عن أحد ولا يصلي أحد عن أحد ولكن يطعم عنه."

کوئی کسی کی جانب سے روزہ رکھے نہ نماز پڑھے ہاں اس کی طرف سے کھانا کھلا دے۔ (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۲۳۸) نیز حضرت سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں:

"قد ورد النص فی الصوم باسقاطه بالفدیة واتفقت کلمة المشائخ علی أن الصلاة کالصوم استحسانا لکونه أهم منه۔"

یعنی فدیہ دے کر روزہ ساقط کرنے کے بارے میں نص وارد ہے اور مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ اس مسئلے میں نماز روزہ کے مثل ہے اس لیے کہ وہ روزے سے اہم ہے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۳۷)

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"لو مات وعلیه صلوات فائتة وأوصی بالکفارة یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر کالفطرة وکذا حکم الوتر والصوم من ثلث ماله ولم یترك مالا یستقرض وارثه نصف صاع مثلا ویدفعه لفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم۔"

یعنی اگر کسی کی وفات ہوگئی اور اس کے ذمہ قضا نمازیں ہیں اور کفارے کی وصیت کر گیا تو ہر نماز اور ہر روزہ کے بدلے نصف صاع گیہوں صدقۂ فطر کی مقدار اس کے تہائی مال میں سے دیا جائے اور اگر میت نے کچھ مال نہ چھوڑا تو اس کا وارث مثلاً نصف صاع گیہوں لے کر ایک نماز یا ایک روزہ کے بدلے کسی غریب کو دے پھر وہ غریب اسی وارث کو واپس کر دے اور اسی طرح اتنی بار لوٹ پھیر کرے کہ سب نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا ہو جائے۔" (درمختار مع ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۴۲، مطبع کوئٹہ پاکستان) لہٰذا جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ نماز اور روزے ہوں تو وہ ان کے بدلے فدیہ دے سکتا ہے لیکن زندہ یہ چاہے کہ میں زندگی ہی میں فدیہ دے کر قضا نمازوں سے بری الذمہ ہو جاؤں ایسا نہیں ہو سکتا ہے احادیث پاک میں موت کے بعد فدیے کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔

لہٰذا بکر کا قول صحیح ہے کہ بعد موت وصیت یا بغیر وصیت ورثہ کا میت کے ذمے قضا نمازوں اور روزوں کا فدیہ دینا صحیح ہے۔ اس لیے زید کے ذمہ وہ نمازیں بدستور باقی ہیں اسے چاہئے کہ انہیں ادا کرے اور اگر صحیح کوشش کے باوجود پوری ادا نہ کر سکے تو بعد موت اپنے ورثہ کو فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کر جائے۔ واللہ تعالیٰ أعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: غلام احمد رضا قادری

۱۴ / ربیع الغوث ۱۴۲۹ھ

بَابُ سَجدَۃِ السَّھوِ

سجدۂ سہو کا بیان

امام تیسری رکعت میں بیٹھا مگر تکبیر ختم ہونے سے پہلے ہی لقمہ دینے پر یا تین تکبیر کے بقدر بیٹھنے سے پہلے کسی کے لقمہ دینے سے یا خود ہی کھڑا ہو گیا تو سجدۂ سہو ہے یا نہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک امام تیسری رکعت پر بیٹھ گیا لیکن تکبیر کی آواز ابھی ختم نہیں ہوئی کہ مقتدی نے لقمہ دے دیا لقمہ دیتے ہی فوراً اسی تکبیر یا دوسری تکبیر کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو واجب ہوا کہ نہیں؟ یا تیسری رکعت پر بیٹھا ابھی تین تسبیح کے برابر نہ بیٹھا تھا کہ لقمہ دیا گیا یا خود یاد آتے ہی دوسری تکبیر کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو واجب ہوا یا نہیں بینوا توا جروا

المستفتی: قاری شبیر احمد

مدرسہ حنفیہ عالم خاں نواب یوسف روڈ جونپور پن ۲۲۲۰۰۱

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب امام چار رکعت والی نماز میں تیسری رکعت پر بیٹھ گیا اور امام کے تکبیر کی آواز ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ مقتدی نے لقمہ دے دیا امام فوراً کھڑا ہو گیا یا تیسری رکعت میں ابھی تین تسبیح کی مقدار بیٹھا بھی نہ تھا کہ مقتدی نے لقمہ دے دیا اور وہ کھڑا ہو گیا تو ان صورتوں میں سجدۂ سہو واجب نہیں کیوں کہ سجدہ سہو کم از کم تین تسبیح کی مقدار تاخیر سے واجب ہوتا ہے اور ان دونوں صورتوں میں سے کسی میں بھی تین تسبیح کے بقدر تاخیر نہیں ہوئی۔ لہٰذا سجدہ سہو واجب نہیں فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

ويجب اذا قعد فيما يقام او قام فيما يجلس فيه وهو امام او منفرد ارادبالقيام اذا استتم قائما او كان الى القيام اقرب فانه لايعود الى القعدة وان لم يكن كذلك يقعد ولاسهو عليه كذا فى فتاوى قاضيخان۔ (ج ۱ ص ۱۲۷)

ایسا ہی بہار شریعت ج ۱ ص ۶۸ پر بھی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد احمد القادری المصباحی
۱۱؍ جمادی الآخر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

نماز میں سجدۂ تلاوت کے بجائے ایک کے دو کر لے تو؟

مسئلہ نماز تراویح میں امام سجدۂ تلاوت میں ایک کی جگہ دو سجدہ کرے تو کیا حکم ہے

المستفتی: محمد جیلانی غریب نواز کالونی، ناندیڑ، مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب نماز تراویح میں جس نے ایک سجدہ تلاوت کی جگہ بھول کر دو سجدے کر لیا وہ سجدہ سہو کرلے کہ نماز میں جو رکن مکرر مشروع نہ ہو اسے دوبارہ کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے "و کذا اذا سجد فی موضع الرکوع اور کع فی موضع السجود او کرر رکعا او قدم الرکن او اخر ففی ھذہ الفصول کلھا یجب سجود السھو" اھ (ج ۱ ص ۱۲۷) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی،
۱۵؍ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

سجدہ سہو واجب نہ تھا اور کر لیا تو؟ سرّی نماز میں ایک آیت سے کم جہر سے پڑھی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ سجدۂ سہو واجب تھا مگر بھول گیا اور دونوں جانب سلام پھیر دیا تو کیا کرے؟

مسئلہ (۱) سجدہ سہو واجب نہ ہوا اس کے باوجود احتیاطاً سہو کا سجدہ کرنا کیسا ہے؟

(۲) زید جس نے سری نماز بھول کر جہر سے پڑھ دیا ایک آیت کی مقدار سے کم ہی پڑھا تھا کہ یاد آتے ہی سری شروع کر دی اور نماز میں اس نے سجدہ سہو بھی کیا تو اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

(۳) امام پر سجدہ سہو واجب ہوا لیکن بھولے سے اس نے سہو کا سجدہ نہیں کیا حتی کہ سلام پھیر دیا تو نماز ہوئی یا نہیں۔ اب کیا کرے؟

(۴) امام پر سجدہ سہو واجب ہوا لیکن ایک جانب اس نے سلام پھیر دیا تب یاد آیا تو اس صورت میں کیا کرے؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی:** برکت علی خان، مقام موہنا پور پوسٹ دھسوا کلاں ضلع مہراج گنج (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سجدۂ سہو واجب نہ ہو پھر بھی سجدہ سہو کرلیا تو منفرد اور وہ مقتدی جو مدرک ہیں یعنی پہلی رکعت سے آخر تک امام کے ساتھ پڑھے ہیں ان سب کی نماز ہوگئی۔ لیکن جولوگ امام کے سجدۂ سہو والے سلام کے بعد جماعت میں شریک ہوئے ان کی نماز نہ ہوئی کہ بے سبب سجدۂ سہو کرنے سے امام سلام پھیرتے ہی نماز سے الگ ہوگیا تو مابعد کے مقتدیوں کو نماز کے کسی جز میں امام کی شرکت نہ ملی۔

اور وہ مقتدی جو مسبوق ہیں یعنی جن لوگوں کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئیں ہیں اگر وہ لوگ سجدہ کرنے میں امام کی اتباع کیے بعد کو معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو واجب نہ تھا تو ایسے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگئی اس لیے کہ انہوں نے محل انفراد میں اقتدا کی۔

فتاوی رضویہ میں خزانۃ المفتیین سے ہے:

اذا ظن الامام ان علیہ سہوا فسجد للسھو و تابعہ المسبوق فی ذلک ثم علم ان الامام لم یکن علیہ سھو الاشھر ان صلاتہ تفسد وان لم یعلم انہ لم یکن علی الامام سھو لم تفسد صلوٰۃ المسبوق" اھ (ص ۶۳۴ ج ۳)

اور حاشیہ طحطاوی علی المراقی میں ہے: ھوالمختار کذا فی المحیط" اھ (ص ۲۵۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اور امام نے سری نماز میں بھول کر بقدر جواز نماز جہر سے پڑھ دیا تو سجدۂ سہو واجب ہے اور اگر ایک کلمہ جہر سے پڑھا تو معاف ہے۔ اور اگر منفرد نے سری نماز میں جہر سے پڑھ دیا تو سجدہ سہو واجب ہے اور ترک واجب سے نماز واجب الاعادہ۔

درمختار میں ہے:

والجھر فیما یخافت فیہ للامام و عکسہ بقدر ما تجوز بہ الصلاۃ فی الفصلین وقیل یجب السھو بھما مطلقاً وھو ظاھر الروایۃ واعتمد الحلوانی علی منفردۃ متعلق بیجب" اھ
(ص ۸۲ ج ۱ باب سجود السھو)

بہار شریعت میں ہے: امام نے جہری نماز میں بقدر جواز نماز یعنی ایک آیت آہستہ پڑھی یا سری میں جہر سے پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہے اور ایک کلمہ آہستہ یا جہر سے پڑھا تو معاف ہے۔
منفرد نے سری نماز میں جہر سے پڑھا تو سجدہ واجب ہے اور جہری میں آہستہ تو نہیں" (ص ۵۴ ح ۴)

(۳) جس امام پر سجدہ سہو واجب ہوا لیکن بھولے سے اس نے سہو کا سجدہ نہ کیا حتی کہ سلام بھی پھیر دیا

مگر سلام پھیرتے ہی فوراً اسے یاد آ گیا تو اسے حکم ہے کہ سجدہ سہو کرے بشرطیکہ کلام یا حدث یا مسجد سے خروج یا اور کوئی فعل منافی نماز نہ کیا ہو اس طور پر نماز کامل طور پر صحیح ہوگی۔

اور اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز بایں معنی صحیح ہوئی کہ فرض ادا ہو گیا لیکن سجدہ سہو نہ کرنے کے سبب نماز ناقص ہوئی لہٰذا اسے دوبارہ پڑھے تاکہ یہ کمی بھی پوری ہو جائے۔

در مختار میں ہے:

ویسجد للسهو ولو مع سلامه ناویا للقطع لان نیة تغییر المشروع لغو مالم یتحول عن القبلة او یتکلم لبطلان التحریمة ولو نسی السهو أو سجدة صلبیة او تلاویة یلزمه ذلك مادام فی المسجد" ۱۵(باب سجود السهو ص۹۱ ج۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) اسی وقت سجدہ سہو کرلے اس کے بعد نماز پوری کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد صابر عالم قادری مصباحی
۲۷ رشوال المکرم ۱۴۲۷ھ

کن وجوہات کی بنا پر سجدۂ سہو ساقط ہو جاتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شریعت اس مسئلہ میں کہ کیا سجدۂ سہو واجب ہونے کے بعد بھی ساقط ہو جاتا ہے کچھ وجوہات ہیں تو بیان کریں؟ **بینوا توجروا۔**

المستفتی۔ محمد توصیف رضا چشتی اجمیری، متعلم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب بعون الملک الوہاب۔ بیشک کچھ وجوہات ایسی ہیں کہ سجدہ سہو واجب ہونے کے بعد بھی ساقط ہو جاتا ہے مثلاً وقت میں گنجائش نہ ہو تو سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا۔ جیسا کہ فقیہ اعظم ہند حضور صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "سجدۂ سہو اس وقت واجب ہے کہ وقت میں گنجائش ہو اگر نہ ہو مثلاً نماز فجر میں سہو واقع ہوا اور پہلا سلام پھیرا اور سجدہ ابھی کیا کہ آفتاب طلوع کر آیا تو سجدہ ساقط ہو گیا یوں ہی اگر قضا پڑھتا تھا اور سجدہ سے پہلے قرص آفتاب زرد ہو گیا سجدہ ساقط ہو گیا جمعہ یا عید کا وقت جاتا رہے گا جب بھی یہی حکم ہے (بہار شریعت صفحہ ۴۹ رح ۴) اور در مختار مع شامی جلد ۲ صفحہ ۷۷ پر ہے یجب بعد سلام واحد عن یمینه فقط سجدتان اذا کان الوقت صالحا فلو طلعت الشمس فی الفجر او احمرت فی القضاء سقط عنه فتح ا ھ اور مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر جلد اول صفحہ ۱۴۷ پر ہے لایسجد للسهو فی العیدین

والجمعة لئلا یقع الناس فی فتنة اھ وھو تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد عبد القادر رضوی باسنوی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

تراویح میں تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا پھر تین رکعت پر یا چار پوری کر کے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں:

دو رکعت سنت تراویح زید پڑھ رہا تھا یا دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھ رہا تھا تیسری میں کھڑا ہو گیا کسی نے لقمہ نہ دیا خود سجدہ سہو کر کے تین ہی رکعت پر سلام پھیر دیا یا چار رکعت کر کے سجدہ سہو کر کے نماز پوری کی دونوں صورتوں میں نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد عمار رضا مدرسہ حنفیہ محلہ عالم خاں نواب یوسف روڈ، جون پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سوال سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ زید دو رکعت پر قعدہ کیے بغیر ہی کھڑا ہو گیا اگر یہی واقعہ ہو تو صورت اولیٰ میں مذہب اصح پر زید کی نماز نہ ہوئی ان کے بدلے دو رکعت پھر سے پڑھے، اور صورت ثانیہ میں اگر چار رکعت پڑھ لی اور قعدۂ اولیٰ نہ کیا تو نماز ہو گئی البتہ مذہب اصح پر یہ چاروں رکعتیں دو ہی کے قائم مقام ہوئیں۔ اور اگر دونوں قعدے کیے تو چاروں رکعتیں ہو گئیں۔ رد المحتار "مطلب فی صلوٰۃ الحاجۃ" میں ہے:

"لو تطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجواز اعتبارا بصلوٰة المغرب لكن الاصح عدمه لانه قد فسد ما اتصلت به القعدة وهو الركعة الاخيرة، لان التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها" اھ (ج ۲ ص ۳۲) فتاویٰ ہندیہ "فصل فی التراویح" میں ہے:

"لو صلى اربعا بتسليمة ولم يقعد في الثانية ففي الاستحسان لا تفسد وهو اظهر الروايتين عن ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالىٰ واذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الاربع عن تسليمة واحدة وهو الصحيح كذا في السراج الوهاج وهكذا في فتاوى قاضي خان وعن ابي بكر الاسكاف أنه سئل عن رجل قام الى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال ان تذكر في القيام ينبغي ان يعود ويقعد ويسلم وان تذكر بعد ما سجد للثالثة فان اضاف إليها ركعة أخرى كانت هٰذه الا ربع عن تسليمة واحدة و ان قعد في

الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه فعلیٰ قول العامة یجوز عن تسلیمتین۔ ھو الصحیح ھکذا فی فتاوی قاضی خان اھ (ج ۱ ص ۱۱۸) ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۶۳۲، بہار شریعت ح ۴ ص ۴۲ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم:

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد معراج احمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۳ر جمادی الاخرہ ۱۴۲۸ھ

سجدہ واجب تھا مگر درود ابراہیمی شروع کردیا تو سجدہ کب کرے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید کو اکثر نماز میں سہو واقع ہوتا ہے اور ترک واجب پر ہی سجدۂ سہو لازم آتا ہے فقہانے اپنی کتب محررہ میں اس کا طریقہ بیان فرمایا ہے کہ قعدۂ اخیرہ میں التحیات پوری کرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے، اور دوبارہ تشہد وغیرہ پڑھ کر نماز پوری کرے، مگر زید قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد درود ابراہیمی پڑھ رہا تھا تو یاد آیا کہ سجدۂ سہو تھا تو اب کیا کرے جہاں یاد آیا وہیں پر سجدۂ سہو کرے یا کہ اور کوئی طریقہ ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ایسی صورت میں زید درود ابراہیمی پورا کرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے، اس لئے کہ احوط طریقہ یہی ہے کہ التحیات پڑھنے کے بعد درود شریف بھی پڑھے اس کے بعد سجدۂ سہو کرے، پھر التحیات و درود شریف وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے۔ فتاویٰ ہندیہ ''سجدۂ سہو کے بیان'' میں ہے:

"و کیفیته ان یکبر بعد سلامه الاول و یخر ساجداً، و یسبح فی سجوده ثم یفعل ثانیاً کذلك، ثم یتشهد ثانیاً، ثم یسلم کذا فی المحیط، و یاتی بالصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم و الدعاء فی قعدة السهو هو الصحیح و قیل: یاتی بهما فی القعدة الاولی کذا فی التبیین، و الاحوط ان یصلی فی القعدتین کذا فی فتاویٰ قاضی خان." اھ (ص ۱۲۵، ج ۱)

اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ الرضوان تحریر فرماتے ہیں: ''سجدۂ سہو کے بعد التحیات پڑھنا واجب ہے اور بہتر یہ ہے کہ دونوں قعدوں میں درود شریف بھی پڑھے'' اھ (بہار شریعت ص ۵۰، حصہ چہارم) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: غلام نبی النظامی العلیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۸ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ

مسافر کی نماز کا بیان

مسافر پر جماعت واجب ہے یا نہیں اگر ہے تو ترک پر فاسق ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

مسافر پر جماعت واجب ہے یا نہیں اور اگر واجب ہے تو ترک جماعت پر فسق کا حکم ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مظہر علی رضوی، تیواری چال، جوگیشوری، ممبئی

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب مسافر پر جماعت واجب ہے یا نہیں اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کوئی وجوب اور کوئی عدم وجوب کا قول کرتا ہے مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ان دونوں قولوں کے درمیان تطبیق فرمائی کہ اگر مسافر حالت قرار میں ہے تو جماعت واجب ہے اور اگر حالت فرار میں ہے تو واجب نہیں۔

البتہ حالت قرار میں ہوتے ہوئے اگر مسافر ترک جماعت کرے تو اس پر فسق کا حکم بہ نسبت مقیم کے ہلکا ہوگا۔ جد الممتار میں ہے

(قوله) فليس بعذر كما في الغنية (اقول) لكن في عمدة القاري باب فضل الجماعة ان الجماعة لا تتأكد في حق المسافر لوجود المشقة اه. وان حمل هذا على الفرار و ذلك على القرار حصل التوفيق۔" (ج۱، ص۲۶۵) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: غلام مرتضیٰ رضوی

۲۱ر جمادی الآخرۃ ۱۴۲۹ھ

زید ۹۲ کلومیٹر سے زائد کے ارادے سے گھر سے نکلتا ہے مگر دوران راہ آنے والی بستیوں میں تبلیغ کے لئے رُکتا ہے تو مسافر ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

(۱) زید مبلغ اسلام ہے۔ اپنے وطن اصلی سے ہفتہ عشرہ کے دورہ پر روانہ ہوتا ہے نیت یہ ہوتی ہے کہ ۹۲ کلومیٹر سے زائد کا سفر درپیش رہے گا۔ دوران راہ آنے والی دینی اسلامی بستیوں میں تبلیغ کے سلسلے میں چار، چھ اور کہیں چوبیس گھنٹے کے لیے ٹھہرنا ہوتا ہے مگر ۹۲ کلومیٹر سے زائد کا سفر وطن اصلی سے کروں گا۔ آیا اس صورت میں زید دوران سفر اپنی نمازوں میں قصر کرے گا یا پوری نماز ادا کرے گا۔

(۲) شیرانی آباد سے اجمیر شریف ۱۱۰ کلومیٹر کی مسافت پر ہے میں کئی بار براہ راست اجمیر شریف کا ارادہ لے کر ہفتہ عشرہ کے لیے جاتا ہوں پھر اجمیر شریف سے قرب و جوار میں دس، پندرہ، بیس، تیس کلومیٹر کا سفر بھی کرنا ہوتا ہے اور ان مقامات پر ۴، ۶ اور کبھی ۲۴ گھنٹے ٹھہرنا بھی ہوتا ہے آیا ان حدود میں بھی نماز قصر کرنا پڑے گی یا اپنی نماز پوری پڑھنی ہوگی۔ مدلل و مفصل حوالے کے ساتھ جواب صواب سے نوازکر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد یعقوب خاں رضوی سنی تبلیغی جماعت، شیرانی آباد ناگور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) زید اگرچہ ۹۲ کلومیٹر سے زائد مسافت کے ارادے سے چلتا ہے مگر دوران راہ چند گھنٹے ٹھہرتا اور قریبی بستیوں میں قیام پذیر ہوکر تبلیغ دین کرتا ہے تو ایسی صورت میں وہ مسافر نہیں اور اس پر سفر کے احکام جاری نہ ہوں گے اور وہ اپنی نمازیں پوری پڑھے گا۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے "آدمی اگر کسی مقام اقامت سے خاص ایسی جگہ کے قصد پر چلے جو وہاں سے تین منزل ہو تو اس کے مسافر ہونے میں کلام نہیں۔ اگرچہ راہ میں ضمنی طور پر اور مواضع میں بھی دو ایک روز ٹھہرنے کی نیت رکھے، مگر غالباً دورہ کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ اس میں بالخصوص مقصود اصلی وہ موضع بعید ہی نہیں ہوتا، نہ خاص اس کے قصد پر چلنا بلکہ سب مواضع میں گشت کا ارادہ اور ہر موضع مقصود بالذات ہوتا ہے۔ (ج ۳، ص ۶۵۸) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جب شیرانی آباد سے اجمیر شریف کی نیت سے چلا تو شیرانی آباد سے باہر ہوتے ہی وہ مسافر ہوگیا وہ نماز میں قصر کرے گا اور جب تک اجمیر شریف یا اس کے قرب و جوار کی کسی بستی میں مسلسل پندرہ دن کامل قیام کی نیت سے نہ ٹھہرے مسافر ہی رہے گا اور نماز میں قصر کرے گا۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"وان نوى الاقامة أقل من خمسة عشر يوما قصر هكذا في الهداية ۔" اھ (ج ۱، ص ۱۳۹)

اسی میں ہے "يعتبر مجاوزة عمران المصر لاغير الا اذا كان ثمة قرية أو قرى متصلة بربض المصر فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى بخلاف القرية التي تكون متصلة بفناء المصر فانه يقصر الصلاة وان لم يجاوز تلك القرية ۔" اھ (ج ۱، ص ۱۳۹) والله تعالىٰ أعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: غلام احمد رضا قادری

۱۴ ربیع الغوث ۱۴۲۹ھ

گھر سے مدرسہ آنے کے بعد زید نے دوسرے دن لکھنؤ جانے کا ارادہ کرلیا تو کیا ابھی سے قصر کرسکتا ہے؟

مسئلہ زید ایک ادارہ کا مدرس ہے وہ اپنے گھر سے ایک ہفتہ ہوا تھا مدرسہ آیا دوسرے دن اس نے لکھنؤ جانے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ آج ہی سے قصر کرنا شروع کر دیا تو اس کا نماز میں قصر کرنا کیسا ہے؟

المستفتی..................

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر زید کا مدرسہ اس کے گھر سے مسافت سفر کے فاصلے پر ہے یعنی ۹۲ کلومیٹر، یا اس سے زائد اور وہ گھر سے مدرسہ آنے کے قصد سے ہی مدرسہ آیا، راستے میں شب میں کہیں قیام نہ کیا تو جب تک وہ مدرسہ میں مستقل ۱۵ روز قیام کی نیت نہ کرے مقیم نہ ہوگا مسافر ہی رہے گا کیونکہ مدرسہ اس کا وطن اصلی نہیں وطن اقامت ہے اس کا حکم یہی ہے، اس صورت میں وہ مدرسہ میں بھی نماز قصر پڑھے گا اور وہاں سے جب باہر لکھنؤ وغیرہ جائے گا تو بھی قصر ہی کرے گا، ہاں اگر اس کے گھر سے مدرسہ کا فاصلہ ۹۲ کلومیٹر سے کم ہو، یا اس نے مدرسہ میں ۱۵ روز تک مسلسل قیام کی نیت کرلی کہ اسے وہاں سے باہر نہ جانا تھا تو اس صورت میں اگر زید ایک ہفتہ بعد مدرسہ سے لکھنؤ جانا چاہتا ہے تو جب تک مدرسہ سے نکل کر بستی کی آبادی سے باہر نہ ہوجائے اس کو نماز میں قصر کرنا جائز نہیں، کیونکہ محض نیت سفر سے مسافر نہ ہوگا بلکہ مسافر کا حکم اس وقت سے ہے کہ بستی کی آبادی سے باہر ہوجائے، شہر میں ہے تو شہر سے، گاؤں میں ہے تو گاؤں سے، اور شہر والوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ شہر کے آس پاس جو آبادی شہر سے متصل ہے اس سے بھی باہر ہوجائیں۔

درمختار میں ہے "من خرج من عمارة موضع اقامته من جانب خروجه وان لم يجاوز من الجانب الآخر" اھ

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے "فلا يصير مسافراً قبل ان يفارق عمر ان ماخرج منه من الجانب الذى خرج، حتى لو كان ثمة محلة منفصلة عن المصر، وقد كانت متصلة به لايصير مسافراً مالم يجاوزها"۔ اھ (ص ۱۲۱ ج ۲) ایسا ہی بہار شریعت ص ۷۶ حصہ چہارم میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: غلام نبی نظامی علیمی
۱۰ ر جمادی الآخری ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

زید مسافت سفر کے ارادے سے گھر سے نکلا بیچ میں ایک دو روز ٹھہر گیا تو وہاں قصر کرے گا یا نہیں؟

مسئلہ زید مسافت سفر تک جانے کے عزم سے گھر سے نکلتا ہے تو دو ایک روز بستی شہر میں ٹھہرتا ہے بعدہ دو ایک روز خلیل آباد میں قیام کرتا ہے اس کے بعد وہاں سے مسافت سفر تک جاتا ہے تو اس صورت میں زید شہر بستی اور خلیل آباد میں نماز فرض میں قصر کرے گا یا نہیں؟

المستفتی: قاضی محمد اطیعوا الحق عثمانی، علاؤ الدین پور، سعد اللہ نگر، بلرام پور یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب اگر زید کی نیت گھر ہی سے مستقل مسافت سفر کی ہو یعنی وہیں جانا اس کا اصل مقصد ہو اور بستی اور خلیل آباد میں ٹھہرنا ضمنی طور پر ہو تو بستی اور خلیل آباد میں نمازوں میں قصر کرے گا کہ ان دونوں شہروں میں ٹھہرنا ضمنی طور پر ہے کہ یہاں آنا اس کا مقصد اصلی نہیں، اور ضمناً کہیں ٹھہرنے سے سفر منقطع نہیں ہوتا۔ لیکن اگر زید کا مقصود اصلی بستی اور خلیل آباد میں بھی ٹھہرنے کا ہو اور اس کے بعد جہاں جانا ہے وہ یہاں سے مسافت سفر پر ہو تو جب تک خلیل آباد سے مسافت سفر کے لیے روانہ نہ ہوگا نمازیں پوری پڑھے گا قصر نہ کرے گا کہ شرعی سفر کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب کہ متصل مسافت سفر کی نیت ہو۔ اور اگر جہاں جانا ہے وہ خلیل آباد سے مسافت سفر پر نہ ہو تو کہیں قصر نہ کرے گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں ''آدمی اگر کسی مقام اقامت سے خاص ایسی جگہ کے قصد پر چلے جو وہاں سے تین منزل ہو تو اس کے مسافر ہونے میں کلام نہیں اگر چہ راہ میں ضمنی طور پر اور مواضع میں بھی دو ایک روز ٹھہرنے کی نیت رکھے'' اھ (فتاویٰ رضویہ ص ۶۵۸ ج ۳)

فتاویٰ رضویہ میں ہے۔ جو مقیم ہو اور وہ دس دس پانچ پانچ بیس بیس تیس تیس کوس کے ارادے پر جائے کبھی مسافر نہ ہوگا ہمیشہ پوری پڑھے گا اگر چہ اس طرح دنیا بھر کا گشت کر آئے جب تک ایک نیت سے پورے چھتیس کوس یعنی ساڑھے ستاون میل انگریزی کے ارادے سے نہ چلے، یعنی نہ بیچ میں کہیں ٹھہرنے کی نیت ہو، اور اگر دو سو میل کے ارادے پر چلا مگر ٹکڑے کر کے یعنی بیس میل جا کر یہ کام کروں گا وہاں سے تیس میل جاؤں گا وہاں سے پچیس میل وعلی ہذا القیاس مجموعہ دو سو میل تو وہ مسافر نہ ہوا کہ ایک لخت ارادہ ۵۷ میل کا نہ ہوا'' اھ (ص ۶۶۷ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم)

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

کتبہٗ: محمد صدیق عالم منظری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

بَابُ الْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ

جمعہ وعیدین کا بیان

کیا دوران خطبہ آیت کریمہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما پر بلند آواز سے درود پڑھ سکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ اکثر جگہوں پر یہ رواج ہے کہ خطیب جب دوسرے خطبہ میں "صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" کہتا ہے۔ تو سب لوگ بلند آواز سے دورد شریف پڑھتے ہیں تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب خطیب جب خطبہ میں نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم پاک لے یا آیت صلوٰۃ پڑھے تو سامعین کو دل میں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔ اس وقت زبان سے پڑھنے کی اجازت نہیں غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

"اذا قرأ الامام اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ الاية" فعن ابی حنیفۃ ومحمد انہ ینصت وعن أبی یوسف انہ یصلی سرا وبہ اخذ بعض المشائخ۔" اھ (ص ۵۶۰)

درمختار میں ہے: "والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ" اھ (ج ۲ ص ۱۵۹)

ردالمحتار میں ہے۔ "اذا ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یجوز ان یصلوا علیہ بالجہر بل بالقلب وعلیہ الفتوی" اھ (ج ۲ ص ۱۵۸)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "واذا صلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی الناس فی

انفسهم امتثالاً للأمر وسنة الانصات كذا فى التاتارخانية ناقلا عن الحجة" اھ (ج ۱ص ۱۵۱)

بحر الرائق میں ہے: "أما المستمع فيستقبل الامام اذا بدء بالخطبة وينصت ولا يتكلم ولا يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم وقالا يصلى السامع فى نفسه" اھ ملخصا (ج ۲ ص ۱۴۸)

اور ملک العلماء حضرت علامہ علاؤ الدین مسعود کاسانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"قال ابو حنيفة ان سماع الخطبة افضل من الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم فينبغى ان يستمع ولا يصلى عليه عند سماع اسمه فى الخطبة ...وروى عن ابى يوسف أنه ينبغى ان يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم فى نفسه عند سماع اسمه۔ اھ ملخصاً

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۵۹۴)

اور مجدد اعظم سیدی امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: "خطبے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر دل میں درود پڑھیں زبان سے سکوت فرض ہے۔" اھ (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۷۰۹) ایسا ہی فتاوی مصطفویہ ص ۲۲۰، بہار شریعت حصہ ۴ ص ۱۰۳ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد معراج احمد القادری المصباحی
۳۰/ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

جہاں دائمی بازار، پولیس چوکی، پوسٹ اور ۱۰ کلومیٹر پر تحصیل ہو وہاں جمعہ ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) لکھنؤ روڈ پر ایک جامع مسجد ہے اور وہ مسجد ایسی جگہ ہے جہاں دائمی بازار لگتا ہے، پولس چوکی ہے، ضروریات کے سامان دستیاب ہیں۔ دس کلومیٹر کی دوری پر تحصیل ہے جمعہ کے دن مسجد نمازیوں سے بھر جاتی ہے۔ وہ جگہ پوسٹ ہے جس کے متعلق بہت سے دیہات ہیں کیا ایسی جگہ جمعہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رسول آباد، سلطانپور، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اصل مذہب حنفی میں ایسی جگہ جمعہ درست نہیں، کیونکہ جمعہ کی شرائط میں ہے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جگہ مصر یا فنائے مصر ہو۔ مصر اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں متعدد کوچے اور بازار ہوں اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں۔ وہاں کوئی حاکم ہو کہ اپنے دبدبہ وسطوت کے سبب مظلوم کا

انصاف ظالم سے لے سکے، یعنی انصاف پر قدرت کافی ہے۔ اگرچہ نا انصافی کرتا اور بدلہ نہ لیتا ہو، اور مصر کے آس پاس کی جگہیں جو مصر کی مصلحتوں کے لیے ہو اسے فنائے مصر کہتے ہیں۔ جیسے قبرستان، کچہریاں اسٹیشن وغیرہ کہ یہ چیزیں شہر سے باہر ہوں تو فنائے مصر میں ان کا شمار ہے۔ اور یہاں یہ شرط مفقود ہے کہ نہ وہ جگہ مصر ہے اور نہ ہی فنائے مصر، اور صرف پوسٹ آفس ہونا بنائے حکم نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ پوسٹ آفس میں یا پولس چوکی میں کوئی ایسا حاکم نہیں ہوتا جو اپنے دبدبہ و علم سے فیصلہ کرنے پر قادر ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

"عن ابی حنیفة انه بلدة کبیرة فیها سکك واسواق ولها رساتیق و فیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه او علم غیره یرجع الناس الیه فیما یقع من الحوادث وهذا هو الاصح۔" (ص ۱۳۷ ج ۲)

اور اسی میں ہے: فقد نص الائمة علی ان الفناء ما اعد لدفن الموتی وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغیر ذلك۔" اھ (ص ۱۳۹ ج ۲)

ایسا ہی بہار شریعت ص ۹۳ حصہ چہارم میں بھی ہے۔

یہ سب کچھ بر بنائے ظاہر الروایۃ تھا جو اصل مذہب ہے۔ لیکن اب بوجہ عموم بلوی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے روایت نوادر پر فتوی دیا جاتا ہے۔ جس کی ترجمانی اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاوی رضویہ میں ان الفاظ میں فرمائی۔

ہاں ایک روایت نادرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے یہ آئی ہے کہ جب آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہوں کہ اگر وہاں کی بڑی سی بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہاں تک کہ انہیں جمعہ کے لیے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحت جمعہ کے لیے شہر سمجھی جائے گی۔ امام اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

"(وعنه) ای عن ابی یوسف (انهم اذا اجتمعوا) ای اجتمع من تجب علیه الجمعة لا کل من یسکن فی ذلك الموضع من الصبیان والنساء والعبید لان من تجب علیهم مجتمعون فیه عادة قال ابن شجاع احسن ما قیل فیه اذا کان اهلها بحیث لو اجتمعوا فی اکبر مساجدهم لم یسعهم ذلك حتی احتاجوا الی بناء مسجد آخر للجمعة۔" اھ (ص ۲۴ ج ۲)

لہٰذا اس روایت نادرہ کی بنا پر مذکورہ جگہ میں جمعہ ہوسکتا ہے اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعت متاخرین نے اختیار فرمایا ہے۔ ایسا ہی فتاوی رضویہ ص ۷۰۲ ج ۳ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: غلام نبی النظامی العلیمی
۱۰ ر مضان ۱۴۲۷ھ

امام خطبہ جمعہ پڑھ کر دوسرے سے نماز پڑھوا سکتا ہے؟

مسئلہ امام خطبہ کے بعد دوسرے کو جمعہ پڑھانے کی اجازت دے سکتا ہے؟

المستفتی: مولانا باقر علی قادری درجن پور دھانے پورنوی، گونڈہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب یہاں امام خطبہ پڑھ کر دوسرے کو نماز جمعہ پڑھانے کی اجازت دے سکتا ہے مگر ایسا کرنا مناسب نہیں۔ درمختار میں ہے "لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب فان فعل بان خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز" اھ (ج ۲ ص ۱۶۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** معراج احمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۲ / جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ

بلا عذر مسجد محلہ چھوڑ کر ڈیڑھ کلومیٹر دور کی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ شہر ہانگل میں جمعہ ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شریعت مسائل ذیل کے بارے میں

(۱) زید اپنے محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے بجائے دوسرے محلہ کی مسجد جو کہ ڈیڑھ کلومیٹر پر ہے وہاں جا کر نماز ادا کرتا ہے حالانکہ زید کے محلہ کی مسجد کا امام بہتر و معتبر ہے باوجود اس کے اپنے محلہ کی مسجد کو چھوڑ کر دوسرے محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنا عند الشرع کیسا ہے؟ اور زید پر کیا حکم نافذ ہوتا ہے؟

(۲) ہانگل شریف ایک بہت بڑا شہر ہے جس میں کئی متعدد کوچے گلیاں اور سڑک بازار منصف کورٹ، منی ودھان سبھا، کچہریاں، بس اسٹیشن بہترین گورنمنٹ ہاسپیٹل، اسٹیٹ بینک، کرناٹک بینک وغیرہ ہیں نیز ہانگل شریف شہر کے متعلق ۱۶۴ دیہات شمار کیے جاتے ہیں اور ایک بہت بڑا تقریباً پچاس ایکڑ زمین پر مسلم قبرستان بھی ہے اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کئی قبرستان نیز بکرم الٰہی چند جید سنی صحیح العقیدہ علماء دین بھی ہیں اور کئی مساجد بھی ہیں اور گورنمنٹ پولس، وفوج ورزش کے لیے کئی زمین ہے اور ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہوتی ہے؟ اب غور طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ شہر ہانگل میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نماز جمعہ کا قیام جائز ہو تو زید جو کہ غیر عالم ہے وہ کہتا ہے کہ نماز جمعہ کے بعد احتیاطی چار رکعت ظہر کی نماز پڑھو عند الشرع کیا معنی و مطلب رکھتا ہے؟ نیز زید غیر عالم کا جمعہ کے روز مسجد میں اس طرح مسائل بیان کرنا اور لوگوں میں اختلاف ڈالنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبد الرحمن رضوی، درگاہ ہانگل شریف کرناٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) اہل محلہ پر اپنے محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنا جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اس لیے اپنی مسجد چھوڑ کر بلا وجہ شرعی دوسرے محلہ کی مسجد میں نہ جانا چاہیے اگر چہ وہاں زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہوتے ہوں۔ بہار شریعت میں ہے "مسجد محلہ میں نماز پڑھنا اگر چہ جماعت قلیل ہو مسجد جامع سے افضل ہے اگر چہ وہاں بڑی جماعت ہو بلکہ اگر مسجد محلہ میں جماعت نہ ہوئی ہو تو تنہا جائے اور اذان واقامت کہہ نماز پڑھے وہ مسجد جامع کی جماعت سے افضل ہے" اھ (ج ۳ ص ۱۸۵) اس لیے کہ اہل محلہ پر مسجد محلہ کو آباد رکھنا ضروری ہے اور ان کا حق ہے کہ محلہ ہی کی مسجد میں نماز ادا کریں۔ درمختار میں ہے:

"ومسجد حيه افضل من الجامع" اھ نیز ردالمحتار میں ہے "ای الذی جماعته اکثر من مسجد الحی وهذا احد قولین حکاهما فی القنیة والثانی العکس وما هذا جزم به فی شرح المنية کما مر و کذا فی المصفی والخانية بل فی الخانية لو لم یکن لمسجد منزله موذن فانه یذهب الیه و یوذن فیه ویصلی ولو کان وحده لان له حقا علیه فیؤدیه" اھ (الدر المختار مع ردالمحتار ج۱ ص ۴۸۸)

لہٰذا جب زید کے محلہ کی مسجد کا امام بہتر و جامع شرائط امامت ہے اور کوئی وجہ مانع امامت نہیں تو اس پر محلہ کی مسجد ہی میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جمعہ جائز و صحیح ہونے کے لیے مصر یعنی شہر ہونا بھی شرط ہے جیسا کہ درمختار کتاب الجمعہ میں ہے لصحتها سبعة اشياء الاوّل المصر اھ (الدر المختار ج ۱ ص ۵۹۰) اور شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں دائمی بازار ہوں اور پرگنہ کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں، اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا کے فیصلے کرنے پر مقرر ہو جس کی حشمت و شوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے جہاں یہ تعریف صادق ہو وہی شہر اور وہیں جمعہ جائز ہے ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۷۲۷ میں ہے نیز ردالمحتار ج ۱ ص ۶۹۰ میں ہے۔

"عن ابی حنيفة انه بلدة کبيرة فيها سکک و اسواق ولها رساتیق و فيها وال يقدر علی انصاف المظلوم من الظالم لحشمته وعلمه" اھ

لہٰذا اس تعریف کی روشنی میں ہانگل شریف کے جو اوصاف بیان کیے گئے میں وہ شہر ہے تو وہاں نماز جمعہ پڑھنا جائز و درست ہے —— البتہ شہر میں سب سے پہلے جہاں جمعہ ہوتا ہو اس کے بعد جس کسی مسجد میں لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں وہاں ظہر احتیاطی پڑھنا چاہیے مگر ظہر احتیاطی کا حکم عوام کے لیے نہیں بلکہ صرف خواص کے لیے ہے اور وہ بھی جماعت سے نہ پڑھیں بلکہ تنہا پڑھیں زید نے مطلقاً ظہر احتیاطی کا حکم دیا یعنی شہر میں

پہلی جگہ کا جمعہ بھی شامل ہے اور عوام میں ایسا حکم علی الاطلاق غلط ہے زید اس سے رجوع کرے اور لوگوں میں انتشار و اختلاف کا باعث نہ بنے واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد عبد القادر رضوی ناگوری
۱۰ر جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا اذان علی باب المسجد کے راوی محمد بن اسحاق کذاب ہیں؟ مذکورہ حدیث پر عمل کرنے والے کی تضلیل و تکفیر اور خارج مسجد اذان کو بدعت سیئہ کہنے والا کیسا ہے؟ اذان ثانی باہر دلوانے پر انکار کرنا اذان دے کر اقامت کے لئے صف اوّل میں جانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت ان مسائل میں (۱) سنن ابی داؤد شریف کی وہ حدیث جس میں اذان علی باب المسجد کا ذکر ہے اس کی سند میں جو محمد بن اسحاق ہے وہ کذاب ودجال اور ملعون ہے یا نہیں اور حدیث مذکور قابل عمل ہے یا متروک العمل؟

(۲) اگر کوئی مولوی راوی مذکور یعنی محمد بن اسحاق کو کذاب دجال اور ملعون کہے اور پھر اس پر اصرار کرے تو شریعت مطہرہ کی طرف سے اس قسم کے مولوی پر کیا حکم نافذ ہوگا؟

(۳) اگر کسی حنفی مذہب والے کا علی باب المسجد والی حدیث پر عمل ہو اور کوئی انہیں غیر مقلد بتائے اور اس کی تضلیل اور تفسیق اور تکفیر کرے اور انہیں کافروں میں شمار کرے اور امام کے سامنے مسجد کے دروازے پر جمعہ کی اذان ثانی دینے کو بدعت سیئہ بتائے تو شریعت مطہرہ کی جانب سے اس قسم کے لوگوں پر کیا حکم نافذ ہوگا؟

(۴) اگر حنفی مذہب کے ماننے والے جمعہ کی اذان ثانی امام کے سامنے مسجد کے دروازے پر دلوائیں اور اس پر چند مصلیان بار بار انکار کرتے ہوئے اور گالیاں دیتے ہوئے امام کے ساتھ بدتمیزی کریں اور منبر رسول سے امام کو کھینچ کر ماریں اور مسجد مذکور میں نماز جمعہ و پنجگانہ بجائے ایک جمعہ و پنج وقتہ کے علیحدہ طور پر دو جمعہ و پنجگانہ کردیں اور مسجد مذکور کو نقصان پہنچانے کے لیے دوسرے مسجد کے تعمیر کی دھمکی دیں اور مسجد کے نظام کو درہم برہم کرنے کے لیے قانونی کارروائی کریں تو اس قسم کے لوگوں پر شریعت مقدسہ کی جانب سے کیا حکم نافذ ہوگا؟

(۵) مؤذن مسجد کے دروازے پر اذان ثانی دے کر اقامت کے لیے صف اول میں جاسکتے ہیں یا نہیں جب کہ درمیان میں چادر بچھا کر اندرون مسجد جانے کے لیے راستہ بنا دیا گیا ہو؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد شمس الحق قریشی محلہ دھرم پور ضلع سمستی پور (بہار)

الجواب (۱-۲) صاحب مغازی محمد بن اسحاق جن کا ذکر سنن ابوداؤد کی حدیث اذان علی باب المسجد کی سند میں ہے وہ ثقہ ثبت اور معتمد راویوں میں سے ہیں ہرگز دجال، کذاب اور ملعون نہیں اور حدیث مذکور حسن، صحیح اور قابل عمل ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے بیس اعلام حدیث سے ان کی تائید وتوثیق نقل کی ہے اور ان کا ثقہ، اور حجت ہونا پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہے۔ تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا رسالہ مبارک "شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر" کے پہلے شامہ کا توجہ کے ساتھ مطالعہ کریں حق واضح ہو جائے گا۔

دیوبندی اور غیر مقلدین جب سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی حدیث کو رد کرنا چاہتے ہیں تو اسی قسم کا حربہ استعمال کرتے ہیں، ان کی باتیں نہ سنیں ان کے قریب نہ جائیں کہ وہ بدترین امت ہیں۔

قَالَ اللہ تبارك وتعالى وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظّٰلمین۔ (پ ۷ سورۃ انعام آیت نمبر ۶۸) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ وناجائز ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۷۸، فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۵ اور بحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ پر ہے "لایوذن فی المسجد" یعنی مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے اھ اور طحطاوی علی مراقی ص ۱۰۷ پر ہے "یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القهستانی عن النظم۔" یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے اھ

اور صحابی رسول حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے "قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔ یعنی صحابی رسول حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی رائج تھا (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۵۵) معلوم ہوا کہ خطبہ کی اذان باہر پڑھنا رسول کریم اور خلفاء راشدین کی سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔ یعنی میرے طریقے اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے پر تم لوگوں کو عمل کرنا لازم ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

لہٰذا اذان علی باب المسجد والی حدیث پر عمل کرنے والے کی تضلیل وتفسیق اور تکفیر کرنے والا، انہیں غیر مقلد کہنے والا اور خارج مسجد اذان دینے کو بدعت سیئہ کہنے والا خود ہی کافر، گمراہ اور بدبودار جاہل ہے اس پر علانیہ توبہ واستغفار فرض ہے ساتھ ہی تجدید ایمان بھی بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) جب حدیث شریف اور اقوال فقہاء سے یہ بات قطعاً ثابت کہ اذان خارج مسجد ہی مسنون ہے اور مسجد کے اندر مکروہ وناجائز اور خلاف سنت ہے تو جولوگ اس کا انکار کرتے ہیں باہر دلوانے کی وجہ سے امام کے ساتھ زیادتی کرتے اور اسے گالیاں دیتے ہیں اور اسے منبر سے کھینچ کر مارتے ہیں، نیز اسی کی وجہ سے جمعہ وپنجگانہ الگ پڑھیں اور مسجد کے نظام کو درہم، برہم کرنے کے لیے قانونی کارروائی کریں ایسے لوگ ظالم جفا کار، حق اللہ وحق العبد میں گرفتار مستحق غضب جبار وعذاب نار ہیں حدیث وفقہ کو نہ ماننے والے، ہٹ دھرم اور معاند ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا" یعنی تم میں جو ظالم ہے اسے ہم بڑا عذاب چکھائیں گے (پ۱۸ سورۃ فرقان آیت ۱۹) اور حدیث شریف میں ہے "من اذی مسلما فقد اذانی و من اذانی فقد اذی الله" یعنی جس نے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی (کنزل العمال ج ۱۶ ص ۱۰) اور دوسری حدیث شریف میں ہے "لیس المومن بالطعان و لا اللعان ولا الفاحش ولا البذی"۔ یعنی مسلمان کو لعن، طعن کرنے والا فحش گو اور بیہودہ گو نہیں ہونا چاہیے۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۸)

لہٰذا ان پر لازم ہے کہ علانیہ توبہ واستغفار کریں، حدیث شریف واقوال فقہاء پر عمل کریں امام سے معافی مانگیں مسجد کو نقصان پہنچانے سے باز آئیں اور اکٹھا ہو کر نماز پڑھیں اور ایسا کریں تو ٹھیک ورنہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر بقدر استطاعت ہے امام کو حکمت وموعظہ حسنہ سے ان کی اصلاح کرنی چاہیے تھی ورنہ حالات کا جائزہ لے کر مسئلہ بتانے پر اکتفا کرنا چاہیے تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵۔ بیشک مؤذن اذان ثانی باہر دینے کے بعد اقامت کے لیے مسجد کے اندر جائے بالخصوص جب کہ لوگوں کی گردن پھلانگنے کا کوئی معاملہ نہ ہو اور درمیان میں ان کے جانے کے لیے راستہ چھوڑ دیا گیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد حبیب اللہ المصباحی
۷ رذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۳ھ

جہاں جمعہ جائز ہے وہاں متعدد جگہ پڑھ سکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین وملت مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک قصبہ ہے جس میں مسلم آبادی تقریباً ساڑھے تین سو گھر ہے اس قصبہ میں دو مسجدیں ہیں ایک مسجد میں نہ معلوم کتنے عرصہ سے جمعہ کی

نماز ادا ہو رہی ہے ایک اندازے کے مطابق ۷۰ سال سے زائد کا زمانہ گزر گیا اور دوسری مسجد میں نماز جمعہ تقریبا ۱۲ سال سے رائج ہوئی اس کے بارے میں لوگوں کو معلومات نہیں تھی جمعہ شروع ہو گیا تو اب دونوں مسجدوں میں لوگوں کے تقسیم ہونے پر جگہیں کافی مقدار میں خالی رہتی ہیں۔ جس میں ایک عرصہ سے نماز ہو رہی ہے اس میں تقریبا دو سو افراد جمعہ ادا کرتے ہیں اور جہاں بعد میں رائج ہوئی اس میں مشکل سے ۳۵-۴۰/ افراد جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں۔ اسے دیکھ کر کچھ اہل فہم حضرات نے کہا کہ جمعہ شعائر اسلام میں سے ہے لہٰذا جمعہ کی نماز ایک جگہ ہی ادا ہونی چاہیے اور چونکہ جس مسجد میں پہلے سے جمعہ ہو رہا ہے اسے جامع مسجد کا نام بھی حاصل ہے اور دوسری کے مقابلہ کافی بڑی بھی ہے لہٰذا جمعہ کی نماز یہیں ہونی چاہیے تو آیا کیا شریعت مطہرہ کے نزدیک ایسا ہے کہ جمعہ ایک ہی جگہ قائم ہونی چاہیے۔ اور دونوں میں سے کس مسجد میں قائم کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: غیاث الدین لال گنج بستی یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب قصبہ یا شہر جہاں جمعہ جائز ہے وہاں متعدد جگہ نماز جمعہ بھی جائز ہے البتہ افضل یہی ہے کہ جمعہ کی نماز جامع مسجد ہی میں ادا کی جائے کہ اس میں زیادہ ثواب ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”قصبہ و شہر جہاں جمعہ جائز ہے وہاں نماز جمعہ متعدد جگہ ہونا بھی جائز ہے اگرچہ افضل حتی الوسع ایک جگہ ہونا ہے کہ اس میں نماز جمعہ کا ثواب زائد“ اھ ملخصا (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۶۸۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد ارشد رضا نظامی مصباحی

۲۴/ ذی قعدۃ الحرام ۱۴۲۴ھ

مسافر سے جمعہ معاف ہے

جمعہ کے دن زوال کے بعد سفر مکروہ ہے اور زوال سے پہلے بہتر نہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ ہماری مسجد کے امام صاحب بہار کے رہنے والے ہیں وہ سال میں دو، تین مرتبہ ناگپور سے اپنے وطن مظفر آباد بہار جاتے ہیں وہ جب بھی جاتے ہیں ہمیشہ جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے جاتے ہیں اور نماز جمعہ ترک کرتے ہیں اور واپسی میں بھی جمعہ ہی کے دن عصر کی نماز کے وقت آتے ہیں جب کہ ناگپور سے مظفر آباد جانے کے لیے روزانہ ٹرین کی سہولت ہے اور جمعہ کے دن جانا اور وہ بھی نماز سے پہلے جانے میں کوئی مجبوری بھی نہیں ہے۔ ہم نے امام صاحب سے کہا تو انہوں

نے بتایا کہ مسافر پر جمعہ کی نماز معاف ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ بلاضرورت اور بلا مجبوری جمعہ کے دن سفر کرنا اور جمعہ کی نماز ترک کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔ المستفتی: محمد ارشد عبدالشکور پٹیل، ناگپور میمن جماعت مسکاساتھ، ناگپور۔ ۲۰۰۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب بیشک مسافر سے جمعہ کی نماز معاف ہے۔ فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۴ میں ہے "لا تجب الجمعة على المسافرين." اھ ملخصاً۔ لیکن جمعہ کے دن زوال کے بعد سفر کرنا مکروہ ہے اور زوال سے پہلے بھی سفر کرنا اچھا نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۲ میں ہے "لا یکرہ الخروج للسفر یوم الجمعة قبل الزوال و بعدہ وان کان یعلم انہ لا یخرج من مصرہ الا بعد مضی الوقت یلزمہ ان یشھد الجمعة ویکرہ لہ الخروج قبل ادائھا." اھ۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ "جدھر سفر کو جائے جمعرات یا ہفتہ یا پیر کا دن ہو اور صبح کا وقت مبارک ہے اور اہل جمعہ کو روز جمعہ قبلِ جمعہ سفر کرنا اچھا نہیں۔" (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۶۹۲)

لہٰذا جب ناگپور سے مظفر آباد (بہار) جانے کے لیے روزانہ ٹرین کی سہولت ہے اور جمعہ کے دن سفر کرنے میں کوئی مجبوری بھی نہیں ہے تو امام صاحب کو بجائے جمعہ کے اور کسی دن سفر کرنا چاہیے اور خاص کر ایسی جگہ جہاں لوگ مسائل سے نابلد ہوں اور جمعہ کے دن سفر کرنے پر اعتراض کرتے ہوں۔

البتہ اگر کسی مجبوری یا کسی خاص وجہ سے جمعہ کے دن ہی سفر کرنا پڑے اور واپسی میں بھی جمعہ کے دن عصر کی نماز سے قبل پہنچیں تو اس وقت مسافر پر ظہر کی نماز ادا کرنا فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد ہارون رشید قادری کمبولوی گجراتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان کیا پڑھنا چاہیے؟

مسئلہ جمعہ کے خطبہ میں جو خطبۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بیٹھ جاتے ہیں تو اس میں کیا پڑھتے ہیں اور کیا پڑھنا چاہیے اور اگر کچھ نہ پڑھے تو؟

المستفتی: محمد نور الہدیٰ برکاتی، مقام گنگول، کھدیاؤں، ضلع سدھارتھ نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب خطیب دونوں خطبوں کے درمیان ذکر و تسبیح یا آیت یا درود شریف وغیرہ پڑھنا چاہے تو

پڑھ سکتا ہے۔ اگر کچھ نہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں مگر مقتدیوں کے لیے جائز نہیں ایسا ہی فتاوی امجدیہ، ج ا ص ۲۹۹ میں ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی معمول تھا کہ اکثر خاموش رہتے اور کبھی اخلاص یا درود شریف پڑھ لیتے۔ جیسا کہ فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۷۶۵ میں ہے "فقیر غفر اللہ لہ اس جلسہ میں اکثر سکوت کرتا اور کبھی اخلاص اور کبھی درود پڑھتا" واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ شمس الدین احمد علیمی
۲ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ

کیا منبر پر کھڑے ہو کر عصا پکڑنا ضروری ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مسئلہ ذیل میں کہ

امام کا جمعہ کا خطبہ دیتے وقت ممبر پر کھڑے ہو کر ہاتھ میں عصا کا پکڑنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: الحاج تاج محمد، رحمت نگر، گلبرگہ، کرناٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب امام کا بوقت خطبہ ممبر پر کھڑے ہو کر ہاتھ میں عصا کا پکڑنا ضروری نہیں ہے اور اس کے سنت ہونے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ لہٰذا عذر نہ ہو تو اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں۔ خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علماء نے سنت لکھا بعض نے مکروہ اور ظاہر ہے کہ اگر سنت بھی ہو تو کوئی سنت مؤکدہ نہیں بنظر اختلاف اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ مگر جب کوئی عذر ہو "وذلک لان الفعل اذا تردد بین السنیۃ والکراھۃ کان ترکہ اولیٰ" اھ

(فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۶۸۴) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد حسین رضوی
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۸ھ

جو لوگ صرف جمعہ وعیدین پڑھتے ہیں ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اکثر بے نمازی صرف جمعہ کی نماز ادا کرتے

ہیں اور پوچھنے پر بولتے ہیں کہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس نے تین جمعہ نہ پڑھا گویا اسلام کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اس لیے ہم جمعہ کی نماز نہیں چھوڑتے ہیں اس لیے ان بے نمازیوں کو صرف جمعہ کی نماز پڑھ لینے سے جمعہ کی فرضیت ان سے ادا ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ وہ جمعہ کے دن بھی فجر سے عشاء تک کوئی پانچ وقتی نماز نہیں پڑھتے ہیں اس صورت میں ان کا صرف جمعہ کی نماز پڑھ لینا اور اس قسم کا خیال رکھنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اسی طرح کچھ لوگ صرف عیدین کی نماز پڑھ لیتے ہیں ان لوگوں کی جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگ یہ نماز پڑھ کر گنہگار ہوتے ہیں یا نہیں؟ المستفتی: شیخ اشفاق شمسی (اڑیسہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب وہ لوگ جو نماز پنجگانہ ادا نہیں کرتے صرف جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھ لیتے ہیں ان کی نماز جمعہ بھی صحیح ہے اور نماز عیدین بھی جب کہ ان نمازوں کے شرائط صحت پائے جائیں غرض یہ کہ نماز پنجگانہ نہ پڑھنے کی وجہ سے نماز جمعہ وعیدین کی صحت پر اثر نہ پڑے گا ہاں نماز پنجگانہ کو قصداً چھوڑنا سخت حرام وگناہ کبیرہ ہے۔

تو جو لوگ عید اور بقر عید اور جمعہ کی نمازیں پڑھتے ہیں مگر نماز پنجگانہ نہیں پڑھتے وہ اس کے باعث سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں ایسے لوگوں کے لیے احادیث نبویہ میں سخت وعیدیں آئیں ہیں چند یہ ہیں۔

(۱) حدیث پاک میں ہے "من ترك الصلاة متعمداً فقد كفر جهاراً" (کنز العمال ج ۷ ص ۲۸۰) جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کافر جیسا کام کیا۔

(۲) حدیث پاک میں "عن ابی سعید ان النبی صلی الله علیه وسلم قال من ترك الصلاة متعمداً كتب اسمه على باب النار ممن يدخلها"۔ (کنز العمال ج ۷ ص ۳۲۵) حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قصداً نماز چھوڑی جہنم کے دروازہ پر اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے۔

(۳) حدیث میں ہے "عن عمر قال، جاء رجل فقال یا رسول الله صلی الله علیه وسلم ای شیء عند الله فی الاسلام: قال الصلاة لوقتها ومن ترك الصلاة فلا دین له والصلوٰة عماد الدین"۔ (کنز العمال ج ۸ ص ۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام میں اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے پیاری چیز کون سی ہے فرمایا وقت پر نماز اور فرمایا جس نے نماز چھوڑ دی اس کا کوئی دین نہیں نماز دین کا ستون ہے۔

درمختار میں ہے "یکفر جاحدھا وتارکھا عمداً مجانۃ ای تکاسلا فاسق"۔ (ج ۲ ص ۵

(کتاب الصلوٰۃ) یعنی نماز کا منکر کافر ہے اور قصداً سستی سے ترک کرنے والا فاسق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: سید نعمان احمد
۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

خطبات رضویہ صفحہ ۲۸ کی ایک عبارت کی تشریح

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ امام صاحب عیدالفطر کے موقع پر عیدالفطر کا خطبہ اولی پڑھنے کے بعد بیٹھے نہیں بلکہ منبر پر کھڑے کھڑے سات بار اللہ اکبر آہستہ کہہ کر عیدالفطر کا خطبہ ثانیہ پڑھ کر خطبہ ختم کر دیئے یعنی عیدالفطر کے خطبہ اولی اور ثانیہ کے درمیان بیٹھے نہیں۔ جب کہ رائج طریقہ یہ ہے کہ امام عیدالفطر کے خطبۂ اولی اور ثانیہ کے درمیان چند لمحات کے لیے بیٹھتے ہیں۔ جب امام صاحب سے دریافت کیا گیا کہ رائج طریقہ چھوڑ کر آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو امام صاحب کہنے لگے رائج طریقہ پر میرا بھی عمل تھا لیکن جب میں نے خطبات رضویہ جو کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے جس کو مکتبہ نعیمیہ مرادآباد یوپی نے شائع کیا ہے اس کے ص ۲۸ پر یہ عبارت پڑھی کہ ''خطبہ ثانیہ کے شروع سے پہلے ۷ بار اور ختم پر ۱۴ بار امام منبر پر کھڑے کھڑے اللہ اکبر آہستہ کہے کہ یہ سنت ہے'' اھ تو مجھے خیال گزرا کہ شاید عیدالفطر کے خطبہ اولی اور ثانیہ کے درمیان بیٹھنے کا جو طریقہ ہے اس عبارت میں اس کی نفی ہے یعنی نہ بیٹھنا سنت ہے۔ اس لیے میں خطبہ اولی اور ثانیہ کے درمیان بیٹھا نہیں بلکہ خطبہ اولی پڑھ کر منبر پر کھڑے کھڑے سات بار اللہ اکبر کہہ کر دوسرا خطبہ پڑھا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ خطبات رضویہ کے ص ۲۸ کے حوالہ سے جو عبارت مذکورہ بالا سوال میں درج کی گئی ہے اس عبارت کا مطلب کیا ہے اور امام صاحب کے لیے کیا حکم ہے؟

اور اتنی سی بات کے لیے لوگوں سے اشتعال انگیز اور بغاوت والی بات کہہ کر لوگوں کو امام صاحب سے جو کہ سنی صحیح العقیدہ عالم باعمل اور مسلک اعلیٰ حضرت کے پیروکار ہیں بدظن کرنے والوں کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: مشتاق احمد قادری بستوی، مدرس عربی مدرسہ فیض رضا شاہی کالی مسجد میرج ضلع سانگلی مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب خطبات رضویہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خطبۂ اولی پڑھنے کے بعد خطیب بیٹھے پھر خطبہ ثانیہ کے لیے جب کھڑا ہو تو کھڑے ہو کر پہلے سات بار آہستہ آہستہ اللہ اکبر کہے پھر خطبہ شروع کرے اور

خطبہ ثانیہ ختم کرنے کے بعد ۱۴ بار کھڑے کھڑے ہی آہستہ آہستہ اللہ اکبر کہے یہ سنت ہے نہ یہ کہ درمیان میں بیٹھے ہی نہیں کیونکہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا بھی سنت ہے۔ جیسا کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ ''دو خطبہ ہونا سنت ہے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے اور احادیث سے بھی ثابت ہے اور اس لیے بھی بیٹھنا ہے کہ اگر نہ بیٹھا تو دو خطبے نہ ہوں گے جب کہ دونوں میں فصل نہ ہو اور بیچ میں سکوت طویل کر کے فصل کیا تو کھڑا رہنا بیکار ہے کہ کھڑا رہنا خطبے کے لئے تھا نہ کہ سکوت کے لیے۔ درمختار باب الجمعہ میں ہے:

''والرابع الخطبة و كفت تحميدة اوتهليلة او تسبيحة و يسن خطبتان بجلسة بينهما''اھ (فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۲۹۹)

نیز اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''فقیر غفر اللہ لہ اس جلسہ میں اکثر سکوت کرتا اور کبھی اخلاص کبھی درود پڑھتا''اھ (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۷۶۵)

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ بھی دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے تھے نہ کہ کھڑے رہتے تھے۔

لہٰذا امام صاحب پر لازم ہے کہ آئندہ ترک سنت کا ارتکاب نہ کریں بلکہ دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ ضرور کریں۔ اور اتنی سی بات کے لیے ایک عالم دین سے لوگوں کو بدظن کرنے اور فساد پھیلانے والے مریض القلب ہیں ان پر اس سے احتراز لازم ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''اغد عالما او متعلما او مستمعًا او محبا ولا تكن الخامس فتهلك۔ یعنی عالم دین بنو یا طالب علم بنو یا عالم دین کی بات سننے والا بنو یا اس سے محبت کرنے والا بنو اور پانچواں مت بنو کہ ہلاک ہو جاؤ گے''اھ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۲)

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کو اچھی طرح سمجھا کر اس فعل حرام سے توبہ کرائیں۔ کہ اپنے عالم و امام کا احترام اور اس کی عظمت کا پاس لازم ہے کیونکہ جب لوگ عالم دین سے بدظن ہو جائیں گے تو اس سے مسئلہ مسائل، حرام و حلال پوچھنا چھوڑ دیں گے جو لوگوں کے دین کے لیے زہر قاتل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی
۲۵ / ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

جمعہ و عیدین کی دوسری رکعت میں آنے والا اپنی نماز کیسے پوری کرے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ

اگر کوئی شخص جمعہ یا عیدین کی دوسری رکعت میں شامل ہوا تو وہ اپنی نماز کس طرح پوری کرے؟

المستفتی: عبداللہ رضوی واصف القادری، رمول کمتول، در بھنگہ بہار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب جمعہ میں مقتدی امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور ثناء پڑھے پھر قرأت کے لیے تعوذ پڑھے پھر قرأت، رکوع، سجود کر کے اپنی نماز پوری کرلے۔

فتاوی ہندیہ "الفصل السابع فی المسبوق واللاحق" میں ہے "انه يصلی اولاً ما ادرك مع الامام ثم يقضی ما سبق فاذا قام الی قضاء ما سبق يأتی بالثناء و يتعوّذ للقرأة" اھ ملخصاً (ج۱ص۹۰ تا ۹۱)

اور نماز عیدین میں جس کی پہلی رکعت چھوٹ گئی ہو دوسری میں شامل ہوا تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلے قرأت کرے پھر تکبیرات کہے پھر رکوع سجود کر کے نماز پوری کرے۔

فتاوی امجدیہ میں ہے "نماز عیدین میں جس کی پہلی رکعت جاتی رہی وہ جب اس کو ادا کرے تو بہتر یہی ہے کہ پہلے قرأت کرے بعد میں تکبیرات کہے، کلیہ اس امر کو مقتضی نہیں کہ پہلے تکبیر کہی جائے پہلی رکعت میں تکبیرات کا تقدم اس وجہ سے تھا کہ تکبیر تحریمہ سے اس کا الحاق بہ نسبت تکبیر رکوع کے اولی تھا۔

بحرالرائق "باب العیدین" میں ہے "فی الرکعة الاولی تخللت الزوائد بين تكبيرة الافتتاح وتكبيرة الركوع فوجب الضم الی احدهما والضم الی تكبيرة الافتتاح اولی لانها سابقة و فی الرکعة الثانية الاصل فيه تكبيرة الركوع لا غيره فوجب الضم اليها ضرورة كذا فی المحيط و الهداية" اھ (ج۲ص۱۶۱)

اس عبارت سے بھی ثابت ہوا کہ بعد میں کہے کیونکہ مسبوق کی اس رکعت میں تکبیر افتتاح ہے ہی نہیں در اصل اس رکعت میں تکبیر رکوع ہے لہٰذا اس کے ساتھ ضم کی جائے جب قیاس اس امر کو مقتضی ہے کہ قرأت کے بعد کہی جائے تو اس کے ترک کے لئے صحابہ کرام کا قول یا فعل درکار تھا اور جب یہ موجود نہیں بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول قیاس ہی کا مؤید ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور علامہ شامی کی عبارت کا مطلب واضح ہو گیا" اھ (ج۱ص۱۷۹) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد صابر حسین فیضی
۱۸؍ ذی القعدہ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

عیدین کا خطبہ دعا سے پہلے ہے یا بعد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

نماز عیدین میں خطبہ دعا سے پہلے ہے یا بعد میں اگر کوئی شخص خطبہ کو دعا سے موخر کردے تو کوئی خرابی تو نہیں؟ بینوا وتوجروا

المستفتی: محمد ارشاد احمد جون پوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب نماز عیدین کے بعد دعا کا تابعین عظام ومجتہدین کرام کی سنت ہونا ثابت ہے لیکن نماز کے بعد قبل خطبہ دعا ہو یا بعد خطبہ اس کی صراحت میرے علم میں نہیں۔

لیکن دونوں میں سے کوئی ممنوع نہیں اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ دعا قبلِ خطبہ بھی اور بعدِ خطبہ بھی۔ البتہ امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمۃ والرضوان اور ان کے متبعین علما کا معمول دعا بعد خطبہ ہی ہے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک کے بعد دعا کی جائے تو سنت بھی ادا ہو جائے گی اور مکرر دعا کا ثواب بھی مل جائے گا۔

فتاوی مصطفویہ میں ہے" اس کی تصریح نظر میں نہیں کہ بعد نماز متصلاً قبل خطبہ دعا ہو یا بعد خطبہ غرض ناجائز نہ یہ ہے نہ وہ ہمارا معمول بعد خطبہ ہی ہے اور مجھے جہاں تک یاد ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا معمول بھی بعد خطبہ ہی تھا اور جب یہ معلوم نہیں کہ عہد رسالت میں دعا کس کے بعد ہوتی تھی تو اگر دونوں کے بعد ہو تو زیادہ مناسب ہے کہ اس میں یقیناً سنت بھی ادا ہو جائے گی اور مکرر دعا کا دہرا ثواب بھی ہوگا۔ (ص ۱۷۳) فتاوی امجدیہ میں ہے بعد خطبہ دعا مانگنا بہتر ہے۔ (ج ۱ ص ۳۰۲) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: عبدالرحیم فیضی
۲۸ ذی القعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

دونوں خطبوں کے درمیان یا آگے پیچھے اُردو خطبہ پڑھنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید ایک گاؤں میں عید کی نماز پڑھانے کے لئے آیا اس نے عید کی نماز کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر اردو خطبہ پڑھا پھر عربی خطبہ پڑھا اس کے بعد دعا کیا، لوگوں نے پوچھا کیا اس طرح کرنا صحیح ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اردو خطبہ عربی خطبہ کا ترجمہ ہے اور ایسا کرنا صحیح ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جمعہ یا عیدین

میں دونوں عربی خطبوں کے شروع میں یا درمیان میں یا اخیر میں اردو خطبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کا اس طرح مسئلہ بتانا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز اگر عوام اردو خطبہ پڑھنے پر مجبور کریں تو جمعہ وعیدین میں اردو خطبہ پڑھنے کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی:** ماسٹر عبد الرقیب، کھل گاؤں، ضلع اتر دیناج پور (مغربی بنگال)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب عیدین و جمعہ کا خطبہ صرف عربی میں ہونا چاہئے اس کے علاوہ کسی دوسری زبان میں پڑھنا یا دوسری زبان کو عربی کے ساتھ ملا کے پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف اور مکروہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور تابعین عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کہیں منقول نہیں کہ انہوں نے عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھا ہو حالانکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ مبارکہ میں ہزاروں عجمی شہر فتح ہوئے اور ان میں جمعہ قائم ہوئے۔ مگر حاضرین کی زبان جاننے کے باوجود ان کے سمجھنے کی رعایت کرتے ہوئے کبھی صحابہ کرام نے ان کی زبان میں خطبہ نہ پڑھا، اس لئے زید کا یہ کہنا کہ اردو خطبہ عربی خطبہ کا ترجمہ ہے لہذا اردو خطبہ پڑھ سکتے ہیں سراسر غلط ہے کہ اولاً اردو خطبہ عربی خطبہ کا ترجمہ نہیں ہوتا، ثانیاً: عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا سنت کے خلاف ہے البتہ اگر عوام اردو خطبہ پڑھنے پر مجبور کریں تو جمعہ میں اذان ثانی سے پہلے اور عیدین میں خطبۂ ثانیہ کے بعد وعظ و نصیحت کے طور پر اسی اردو خطبہ کو پڑھ سکتے ہیں۔

درمختار میں ہے: "لان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم" اھ (ص ۱۸۰، ج ۲ باب العیدین) فتاویٰ رضویہ میں ہے: "زمان برکت نشان حضور پرنور سید الانس والجان علیہ وعلی آلہ افضل الصلاۃ و السلام سے عہد صحابۂ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور وماثور اور باآنکہ صحابہ و مَن بعدهم من ائمة الكرام کے زمانوں میں ہزارہا بلاد عجم فتح ہوئے، ہزارہا جوامع بنیں، ہزارہا منبر نصب ہوئے عامۂ حاضرین اہل عجم ہوئے اور ان حضرات میں بہت وہ تھے کہ مفتوحین کی زبان جانتے، اس میں اس سے کلام فرماتے باایں ہمہ کبھی مروی نہ ہوا کہ خطبہ غیر عربی میں فرمایا، یا دونوں زبانوں کا ملایا ہو۔" اھ (ص ۷۲۵، ج ۳ باب الجمعة)

اسی میں ہے "ترجمہ کے سبب خطبۂ ثانیہ یا نماز جمعہ میں تاخیر فصل اجنبی تو نہیں ہے کہ ترجمۂ خطبہ بھی خطبہ ہے ہاں خطبہ کی تطویل ہوگی اور یہ خلاف سنت ہے خصوصاً اگر مقتدیوں پر ثقیل ہو کہ اب سخت ممانعت ہے اور نہ بھی ہو تو خطبہ میں غیر زبان عربی کا خلط خود مکروہ اور سنت متوارثہ کے خلاف ہے ہاں عیدین میں بعد خطبہ ثانیہ اگر لوگ راضی و متوجہ ہوں بہ نیت وعظ، نہ بہ نیت خطبہ عید پند و نصیحت کر سکتا ہے اگرچہ وہی جو خطبہ میں

بزبان عربی مذکور ہوئی'' اھ ملخصاً (ص ۶۷۷، ج ۳، **باب الجمعة**) بہار شریعت میں ہے: ''غیر عربی میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ دوسری زبان خطبہ میں خلط کرنا خلاف سنت متوارثہ ہے'' اھ (ص ۹۸، حصہ ۴) زید نے غلط مسئلہ بتایا اس پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور آئندہ بغیر جانکاری کے اپنے جی سے مسئلہ نہ بتانے کا پکا عہد کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد صدیق عالم قادری منظری

۲۱ رشوال المکرم ۱۴۲۶ھ

کیا نابالغ کی روایت غیر مقبول ہے؟

اذان خطبہ منبر کے قریب پہلی صف میں ہونا کس حدیث میں ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسائل میں

(۱) ابوداؤد شریف کی حدیث مبارک میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تھے تو اپنے سامنے دروازے پہ اذان خطبہ کہلواتے تھے جس کے راوی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ ہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی کی عمر سات سال ہے جو نابالغ ہیں اس وجہ سے یہ حدیث معتبر نہیں ہے ان علماء کا کہنا کہاں تک درست ہے؟

(۲) وہ حدیث شریف بیان فرمایئے جن میں صاف لکھا ہو کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان خطبہ پہلی صف میں منبر کے قریب دلوائی ہے۔

(۳) امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لکھی ہوئی کتابوں کے حوالے سے بیان فرمایئے جن میں صاف لکھا ہو کہ اذان خطبہ منبر کے قریب پہلی صف میں ہوتی ہے۔

(۴) فقہ حنفی کی کتابیں جیسے درمختار، عالمگیری، عینی، طحاوی وغیرہ میں صاف لکھا ہو کہ اذان خطبہ منبر کے قریب پہلی صف میں ہوتی ہے بیان فرمایئے۔

(۵) بعض لوگوں کے سامنے جب کوئی حدیث پیش کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث پر ہمارے پیرومرشد کا عمل نہیں ہے تو ہم بھی اس پر عمل نہیں کریں گے۔ ان لوگوں کہنا کیا درست ہے؟

المستفتی: معین الدین خاں نوری، مقام دلیل گنج، ضلع پیلی بھیت، یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) روایت حدیث میں بلوغ شرط نہیں، اگر بچہ باشعور ہے تو اس کی روایت صحیح ہے اگر

چہ اس کی عمر پانچ سال یا اس سے کم ہو۔ اور سات سال کا بچہ عموماً باشعور ہوتا ہے اس لیے حکم ہے جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز وغیرہ پڑھنا سکھایا جائے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر سات برس ہے تو ان کی روایت صحیح ہے اسے صحیح نہ ماننا درست نہیں۔

چنانچہ عمدہ القاری شرح صحیح البخاری باب متی یصح سماع الصغیر میں ہے:

والذی ینبغی فی ذلك اعتبار التمییز فان فهم الخطاب ورد الجواب كان ممیزا، وصحیح السماع وان كان دون خمس، وان لم یكن كذلك لم یصح سماعه ولو كان ابن خمس بل ابن خمسین"۔ اھ ملخصاً (ج ۲ ص ۶۸)

نیز نزہۃ القاری میں ہے "پانچ سال کے بچے کا سماع درست ہے اور اس کی روایت مقبول ہے اس میں چند سطر بعد ہے "اگر کوئی بچہ پانچ سال سے کم عمر میں باشعور ہو اور کسی بات کو سمجھ کر یاد رکھے تو اس کی یہ روایت صحیح ہے اور اگر زیادہ عمر کا ہو مگر باشعور نہ ہو تو اس کا سماع صحیح نہیں" اھ ملخصاً (ج ۱ ص ۳۷۴) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان خطبہ ممبر کے قریب پہلی صف میں دلوائی ہو البتہ یہ ضرور ہے کہ زمانہ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وعہد صدیقی وفاروقی میں اذان خطبہ منبر کے سامنے دروازے پر ہوتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے۔

عن سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنه قال كان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر"۔ اھ (ج ۱ ص ۱۶۲) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳-۴) امام اعظم وفقہائے حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کہیں نہیں ثابت ہے کہ اذان خطبہ منبر کے قریب پہلی صف میں دلواتے ہوں، بلکہ فقہ حنفی کی مشہور ومعتمد کتابوں میں یہی مذکور ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے "لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد میں اذان نہ دی جائے" اھ (ج ۱ ص ۷۸) اور ایسا ہی فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۵۵ اور بحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ میں ہے۔

اور طحطاوی علی المراقی ص ۱۷۰ پر ہے "یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القهستانی عن النظم" یعنی قہستانی میں نظم سے ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے، اھ اور ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج دوم ص ۴۳۴ پر ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے جس میں اذان خطبہ بھی شامل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) احکام شرعیہ میں مسلمانوں پر اپنے اماموں کی پیروی لازم ہے مذہب حنفی میں مسجد کے اندر

اذان مکروہ ہے تو حنفیوں کو چاہیے کہ اپنے امام کی تقلید کریں نہ کہ اپنے پیر کی جسے نہ مسئلہ شرعیہ کی تحقیق نہ اس پر عمل کی توفیق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری
۸؍شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کیا ایک ہی مسجد میں دو مرتبہ جمعہ جائز ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک ہی مسجد میں دو جمعہ کی جماعت یکے بعد دیگرے ادا کی جاتی ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب جلد عنایت فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔ اور جو لوگ دو جمعہ ایک ہی مسجد میں پڑھوار ہے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شفیع نوری لال باغ اندور (ایم پی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ایک مسجد میں دو مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ اس لیے کہ نماز جمعہ کے لیے ضروری ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اس کا مقرر کردہ وماذون ہو اور یہ نہ ہو تو بضرورت وہاں کے مسلمانوں نے جسے امامت جمعہ کے لیے معین ومقرر کیا ہو، اور مسجد واحد کے لیے دو امام کی ضرورت نہیں، کہ عوام از خود مقرر کرلیں ہاں اگر مسجد تنگ ہو اور وہاں کوئی سنی جامع مسجد بھی نہ ہو تو اراکین مسجد سنی قاضی کے یہاں اس کی درخواست پیش کریں اگر قاضی ضرورت سمجھے تو ایک اور لائق امام شخص کو امامت جمعہ کی حیثیت سے مقرر کردے۔ اب بوجہ ضرورت باری باری دونوں کی اقتدا میں نماز درست ہوگی لیکن ایک امام کی اقتدا میں دو جماعت ہرگز جائز نہیں۔

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے:

"ويشترط لصحتها السلطان او مامورة باقامتها لو صلى احد بغير اذن الخطيب لا يجوز الا اذا اقتدى به من له ولاية الجمعة وقالوا يقيمها امير البلد ثم الشرطي ثم القاضي ثم من ولاه قاضي القضاة و نصب العامة غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز للضرورة۔ ملخصًا (باب الجمعة ص ۱۳۷ تا ۱۴۳، ج۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد صدیق عالم القادری المنظری
۱۱؍ربیع الغوث ۱۴۲۶ھ

مسافر جمعہ پڑھ لے تو ظہر ساقط ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ امام مقیم ہے اور مقتدی مسافر ہے اور مسافر پر جمعہ نہیں ہے۔ اگر مقیم امام کی اقتدا میں مسافر نے جمعہ ادا کی تو مسافر پر جو ظہر باقی ہے وہ ساقط ہوگی کہ نہیں؟ اور جمعہ کے تکمیل کے لیے کتنی چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ **المستفتی محمد حسین**، مقام بیدی پور، ضلع بستی، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر مقیم امام کی اقتدا میں مسافر نے جمعہ ادا کی تو جمعہ کی نماز صحیح ہے اور ظہر اس کے ذمہ سے ساقط ہوگی۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

من لا جمعة علیه ان ادّاها جاز عن فرض الوقت کذا فی الکنز (ج ۱، ص ۱۴۴، الباب السادس فی صلاة الجمعة)

ردالمحتار میں ہے:

ان المسافر لما التزم الجمعة صارت واجبة علیه ولذا صحت امامته: اھ (ج ۳، ص ۳۴، فی باب الجمعة)

جمعہ پڑھنے کے لیے چھ شرطیں ہیں، ان میں سے ایک بھی شرط مفقود ہو تو ہوگا ہی نہیں۔ (۱) مصر یا فنائے مصر۔ (۲) سلطان اسلام یا اس کا نائب جسے جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا۔ (۳) وقت ظہر۔ (۴) خطبہ۔ (۵) جماعت یعنی امام کے علاوہ کم از کم تین مرد۔ (۶) اذن عام، یعنی مسجد کا دروازہ کھول دیا جائے کہ جس مسلمان کا جی چاہے آئے۔ کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ درمختار میں ہے:

ویشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر او فناؤه والثانی السلطان او مامورة باقامتها والثالث وقت الظهر والرابع الخطبة فیه الخامس کونها قبلها بحضرة جماعة ینعقد الجمعة والسادس الجماعة، والسابع الاذن العام من الامام وهو یحصل بفتح ابواب الجامع للواردین۔ اھ ملخصاً (ج ۳، ص ۵ فی باب الجمعة)

مزید تفصیل کے لیے بہار شریعت حصہ چہارم، صفحہ ۸۳ کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد شاہد رضا الہشامی

۱۰ ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ

خطبۂ جمعہ کی ابتدا کب سے ہوئی؟ خطبۂ جمعہ پہلے اور عیدین کا بعدِ نماز کیوں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:
جمعہ کی نماز سے قبل جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اس کی ابتداء کب سے ہوئی اور نماز سے قبل خطبہ جمعہ کیوں ضروری ہے اور عیدین میں خطبہ بعد میں کیوں پڑھا جاتا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اقلیم رضا قادری الجامعۃ الرضویہ شمس العلوم منگول پور، دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب خطبہ جمعہ کی ابتداء ایک ھ میں اس وقت ہوئی جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفا وتکریما کی جانب ہجرت کے ارادے سے نکلے اور راستے میں قبیلہ بنی سالم بن عوف کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھائی جسے مسجد جمعہ کہتے ہیں۔ اس وقت سرکار نے جمعہ کا پہلا خطبہ دیا پھر نماز جمعہ پڑھائی۔

تفسیر کشاف میں ہے:

خرج یوم الجمعة عامدالمدینة فادرکته صلاة الجمعة فی بنی سالم بن عوف فی بطن وادلهم فخطب وصلی الجمعة۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن مدینہ جانے کے ارادے سے نکلے تو قبیلہ بنو سالم بن عوف کی ایک وادی میں جمعہ کا وقت ہو گیا تو سرکار نے خطبہ دیا اور نماز جمعہ پڑھائی۔ (ج ۴ ص ۵۳۴)

اور خطبہ جمعہ نماز سے پہلے اس لئے ضروری ہے کہ وہ جمعہ کے لئے شرط ہے اور شرط شی پر مقدم رہتی ہے۔

درمختار میں ہے: کونها قبلها لان شرط الشئی سابق علیه۔ (ج ۳ ص ۱۹ باب الجمعۃ)

اور عیدین میں خطبہ بعد میں اس لئے ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے یہی ثابت ہے۔

نیز خطبۂ عیدین کی مشروعیت بندے کی تعلیم ونصیحت کے لئے ہوئی کہ عیدین کے دن اس پر کیا واجب ہے؟ اسی لئے نماز سے موخر ہے تاکہ اس نصیحت اور تعلیم پر عمل زمانہ تعلیم سے قریب ہو۔

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس قال شهدت العید مع رسول الله صلی الله علیه وسلم و ابی بکر وعمر وعثمان فکلهم کانوا یصلون قبل الخطبة۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم ہر ایک کے ساتھ نماز عید ادا کی تو سب نے نماز عیدین خطبہ سے پہلے پڑھائی اور بعد میں

خطبہ دیا۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۳۱)

بدائع الصنائع میں ہے: ولانها وجبت لتعليم ما يجب اقامته يوم العيد والوعظ والتكبير فكان التاخير اولی ليكون الامتثال اقرب الی زمان التعليم۔ (ج ۱ ص ۶۱۸ شرائط وجوب العيدين) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: عبدالرحیم فیضی

۲ ربیع الغوث ۱۴۳۲ھ

ایک شخص دیہات میں جمعہ ناجائز سمجھ کر نہیں پڑھتا اور اسی جگہ عیدین کی امامت کرتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید عالم ہے، وہ دیہات میں جمعہ کو ناجائز سمجھ کر جمعہ کی نماز نہیں پڑھتا ہے، لیکن وہی زید عید کی نماز کا امام بنتا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ زید کا قول وفعل کہاں تک درست ہے؟ قول یہ ہے کہ دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے اور فعل یہ ہے کہ وہ جمعہ کی نماز نہیں پڑھتا ہے اور عید کی نماز کا امام بنتا ہے، حالانکہ فقہاء کے نزدیک دونوں کا حکم یکساں ہے۔ از روئے شرع مسئلہ کی وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع دیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: ... یان جامع مسجد دھوم ڈانگی اتر دیناج پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب یہ صحیح ہے کہ گاؤں میں جمعہ کی نماز ناجائز ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ دیہات میں عیدین کی نماز بھی جائز نہیں، اس لئے کہ نماز عیدین کی وہی شرطیں ہیں جو جمعہ کی ہیں، تو جہاں نماز جمعہ صحیح ہے وہاں نماز عیدین بھی صحیح ہے اور جہاں نماز جمعہ صحیح نہیں وہاں نماز عیدین بھی صحیح نہیں۔ فتاویٰ امجدیہ میں ہے: "یہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور خود امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے۔" (ج ۱، ص ۳۰۲)

ہدایہ میں ہے: لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع أو فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقوله عليه السلام لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع۔

(هداية اولين، باب صلوة الجمعة، ص ۱۶۸)

درمختار میں ہے: صلاة العيد فی القری تكره تحريما أی لانه اشتغال بما لا يصح لأن المصر شرط الصحة۔ (كتاب الصلوة، باب العيدين، ج ۲، ص ۱۶۷)

اور ہندیہ میں ہے: ویشترط للعید ما یشترط للجمعۃ الا الخطبۃ۔ (کتاب الصلوۃ،باب صلاۃ العیدین، ج۱،ص۱۵۰)

جب زید گاؤں میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھتا تو اسے گاؤں میں عیدین کی نماز بھی نہ پڑھنی چاہئے کہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔زید کو چاہئے کہ عیدین کی نماز کسی قریبی شہر میں ادا کرے، یونہی جمعہ کی نماز بھی، تاکہ لوگ اس کے تعلق سے بدگمان نہ ہوں اور طعن و تشنیع نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد آصف ملک العلیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۴/ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

امام خطبہ بھول جائے تو لقمہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

امام زبانی خطبۂ جمعہ دے رہا ہو کہ اچانک اس طرح بھول جائے کہ جتنا پڑھ چکا ہے اس کے مابعد کی عبارت بالکل یاد نہ آئے تو مصلیان جمعہ میں سے کوئی شخص لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں دے سکتا ہے تو امام ایسی حالت میں کیا کرے اور اگر لقمہ دے سکتا ہے تو پھر حدیث "اذا صعد الامام المنبر فلا صلوٰۃ ولا کلام" کی کیا توجیہ ہوگی؟ بینوا بالکتاب توجروا بیوم الحساب۔

المستفتی: مقبول احمد نظامی، متعلم درجۂ ثالثہ دار العلوم امجدیہ، اوجھا گنج، بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب امام زبانی خطبۂ جمعہ دے رہا ہو اور اچانک اس طرح بھول جائے کہ جتنا پڑھ چکا ہے اس کے مابعد کی عبارت بالکل یاد نہ آئے تو مصلیان جمعہ میں سے کوئی شخص لقمہ نہیں دے سکتا اب اگر امام پہلا خطبہ دے رہا تھا تو دوسرا خطبہ بعد جلوس شروع کر دے اور اگر دوسرا خطبہ تھا تو اخیر کے جملہ پڑھ کر ختم کرے، کچھ بھی یاد نہ آئے تو امام وہیں پر خطبہ ختم کر دے۔اس لیے کہ امام بقدر فرض خطبہ دے چکا ہے، مقدار فرض ایک بار الحمد للہ یا سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اگر اتنا پڑھ چکا ہے تو لقمہ دینے کی اجازت نہیں اور اتنا پڑھنے میں کسی کو تشابہ نہیں لگتا، نہ عموماً کوئی بھولتا ہے اور اگر اتنا بھی نہیں پڑھ پایا تو دوسرا شخص اس کی جگہ کھڑے ہو کر اتنا خطبہ دے۔ یہ خطبہ شرائط جمعہ سے ہے۔ یہی واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش آیا تھا آپ نے الحمد للہ پڑھا اس کے بعد تشابہ ہوا تو آپ نے خطبہ وہیں ختم کر کے نماز پڑھائی اور کسی نے لقمہ نہ دیا۔ درمختار "شروط جمعہ" میں ہے:

"وکفت تحمیدۃ اوتہلیلۃ او تسبیحۃ للخطبۃ المفروضۃ مع الکراھۃ. ویسن

خطبتان خفیفتان۔" اھ (ج۲،ص۱۴۸)

نیز اسی میں ہے "کل ما حرم فی الصلوٰۃ حرم فیھا ای فی الخطبۃ خلاصۃ وغیرھا فیحرم اکل وشرب وکلام ولوتسبیحا اورد سلام اوامر ابمعروف بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت بلا فرق بین قریب وبعید۔" اھ (ج۲،ص۱۵۹)

البحر الرائق "باب الجمعۃ" میں ہے:

"لما خطب (عثمان) فی اول جمعۃ ولی الخلافۃ صعد المنبر فقال الحمد للہ فارتج علیہ فقال ان ابابکر و عمر کانا یعدان لھذا المقام مقالا وانتم الی امام فعال احوج منکم الی امام قوال وستاتیکم الخطب بعد واستغفر اللہ لی ولکم ونزل وصلی بھم ولم ینکر علیہ احد منھم فکان اجماعاً۔ اھ (ج۲،ص۱۴۹) واللہ تعالٰی اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

دونوں خطبوں کے درمیان کتنی دیر بیٹھنا ضروری ہے؟ اس میں کیا پڑھا جائے، بیٹھنے کی حکمت کیا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان کتنی دیر بیٹھنا ضروری ہے اور اس میں کیا پڑھا جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان کیوں بیٹھا جاتا ہے اس بیٹھنے میں کون سی حکمت ہے؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: مولانا خورشید الاسلام نظامی مدرسہ رضویہ جنگل پکڑی جنگل اوریا مہراج گنج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان تین آیت کی مقدار بیٹھنا سنت ہے ارشاد الساری شرح صحیح البخاری شریف کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اس جلسے میں سورہ اخلاص کے برابر قرآنی آیتیں پڑھی جائیں محدثین کرام نے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی یہ حکمت بتائی ہے کہ ان کے درمیان فرق وامتیاز پیدا ہوجائے اور پہلے خطبے کا دوسرے خطبے سے کوئی التباس باقی نہ رہے اور بعض محدثین کرام نے راحت وآرام کو بھی ذکر فرمایا ہے۔

فتاویٰ عالمگیر میں ہے: والخامس عشر الجلوس بین الخطبتین ھکذا فی البحر الرائق

ومقدار الجلوس بينهما مقدار ثلاث آیات فی ظاهر الروایة هکذا فی السراج الوهاج. اھ (ج ۱، ص ۱۴۷)

ارشاد الساری شرح البخاری شریف میں ہے:

ولم یشترط الحنفیة والمالکیة والحنابلة هذه القعدة انما قالوا بسنیتها للفصل بین الخطبتین. "ویستحب ان یکون جلوسه بینهما قدر سورة الاخلاص تقریباً لاتباع السلف والخلف وان یقرأ فیه شیأ من کتاب الله للاتباع. رواه ابن حبان" اھ (ج ۲، ص ۱۸۶)

فتح الباری شرح صحیح البخاری شریف میں ہے:

واختلف فی حکمتها فقیل للفصل بین الخطبتین قیل للراحة وعلی الاول وهو الاظهر یکفی السکوت بقدرها. اھ (ج ۲، ص ۵۱۶)

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری شریف میں ہے:

قیل الجلسة بعینها لیست معتبر وانما المعتبر حصول الفصل سواء حصل بجلسة او بسکتة او بکلام من غیر ماهو فیه. "وصرح امام الحرمین بأن الطمانیة بینهما واجبة وهو خفیف جدا قدر قرأة سورة الاخلاص تقریباً وذکر ابن التین ان مقدارها کالجلسة بین السجدتین. وقال الکرمانی وفی الحدیث ان خطبة الجمعة خطبتان وفیه الجلوس بینهما لاستراحة الخطیب ونحوها. اھ (ج ۶، ص ۲۲۸) والله تعالیٰ اعلم.

کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی
۲۷ ربیع النور ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کِتَابُ الْجَنَائِزِ

جنازہ کا بیان

جنازہ میں صفوں کا طاق ہونا مستحب ہے واجب نہیں

بلاعذر صفوں میں خلا یا ٹیڑھاپن مکروہ ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) کتب حدیث وفقہ میں جنازے کی نماز میں تین صفوں کی فضیلت وارد ہے اور فرمایا گیا کہ جس میت پر تین صفیں ہوں اس کے لیے جنت واجب ہوتی ہے اور اس کی ترکیب یہ بتائی گئی ہے کہ اگر سات آدمی ہی ہوں تو ان میں ایک امام بن جائے اور تین پہلی صف میں، اور دو دو دوسری صف میں اور ایک تیسری صف میں کھڑا ہو جائے۔

نیز دوسری احادیث کریمہ میں ہے کہ اگر کسی جنازہ کی نماز میں چالیس یا سو آدمی شریک ہوں تو میت کے مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ لیکن صفوں کی تعداد کی وضاحت نہیں فرمائی گئی ہے۔

دیکھا یہ جاتا ہے کہ تین صفوں کے بعد بقیہ صفوں کی ترتیب کچھ اس طرح کی جاتی ہے کہ صفیں طاق ہوں جفت نہ ہوں یعنی پانچ یا سات یا نو یا گیارہ وغیرہ اس پر اتنی سختی سے پابند ہیں کہ صفوں کی شمار کے لیے نکلتے ہیں اور طاق صفیں بنواتے ہیں۔ اور اگر صفیں ٹیڑھی ہیں تو اس کی درستگی کے لیے کسی کو پروا نہیں۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صفیں طاق ہی ہونی چاہیے جفت نہیں؟

المستفتی: قاضی اطیعوا الحق عثمانی، علاؤالدین پور، سعد اللہ نگر، بلرام پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب شرعاً نماز جنازہ میں صفوں کا طاق ہونا مستحب ہے فرض، واجب نہیں یہی کتب احادیث وفقہ سے ثابت ہے اس لیے ان کا یہ عمل مستحسن ہے حدیث شریف میں ہے "ان اللہ وتر یحب الوتر" حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو محبوب رکھتا ہے (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۰۷)
غنیۃ المستملی میں ہے "ویستحب ان یصفوا ثلاثة صفوف حتی لو کانوا سبعة یتقدم احدهم للامامة ویقف وراء ثلاثة ودائهم اثنان ثم واحد ذکره فی المحیط لقوله علیه السلام من صلی علیه ثلاثة صفوف غفرله رواه ابو داؤد والترمذی وقال حدیث حسن" (باب الجنائز ص ۵۸۸)

اور صفوں کو درست کرنا اس سے اہم ہے کہ بے عذر صفوں میں خلا یا ٹیڑھا پن مکروہ ہے اور صف کا سیدھا رکھنا برابر ہونا بیچ میں کہیں ذرا کشادگی نہ ہونا لازم ہے کہ احادیث میں صف میں سیدھا کھڑے ہونے پر تاکید اور اس کے ترک پر وعید آئی ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے

"عن النعمان بن بشیر قال کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یسوی صفوفنا حتی کانما یسوی بها القداح حتی رائ اناقدعقلنا عنه ثم خرج یوما فقام حتی کاد ان یکبر فرای رجلا بادیا صدره من الصف فقال عباد الله لتسون صفوفکم اولیخالفن الله بین وجوهکم رواه مسلم" (باب تسویة الصف، ص ۹۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری صفیں تیر کی طرح سیدھی کرتے یہاں تک کہ خیال فرمایا کہ اب ہم سمجھ لیے پھر ایک دن تشریف لائے اور کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر کہیں کہ ایک شخص کا سینہ جماعت سے نکلا دیکھا فرمایا اے اللہ کے بندو! صفیں برابر کرو یا تمہارے اندر اللہ تعالیٰ اختلاف ڈال دے گا۔ اسی میں ہے۔

عن ابن عمر قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات الشیطان ومن وصل صفا وصله الله ومن قطعه قطعه الله ۔ (الفصل الثالث ص ۹۹)

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفیں سیدھی کرو اور اپنے کندھوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھو کشادگیاں بند کرو۔ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو شیطان کے لیے کشادگیاں نہ چھوڑو اور جو صف کو ملائے اللہ اسے ملائے اور جو صف کو توڑے اللہ اسے توڑے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: ینبغی للقوم اذا قاموا الی الصلاة ان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسوّوا بین مناکبهم فی الصفوف ۔ (ج ۱ ص ۸۹)

یہ احادیث نماز پنجگانہ کے تعلق سے ہیں مگر یہی حکم نماز جنازہ کا بھی ہونا چاہیے کیونکہ یہ نماز بھی صف

بنتے ہی پڑھنے کا حکم ہے تو جو حکم ایک جگہ صف کا ہے وہی حکم دوسری جگہ بھی ہوگا۔ ہاں کچھ باتوں میں فرق ہے کہ نماز میں افضل صف اول ہے اور جنازہ میں صف اخیر اور نماز میں تین صفیں ہونا مطلوب نہیں مگر یہاں صفیں درست کرنے اور رکھنے کے بارے میں کوئی فرق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد انوار الحق قادری
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

کفر بکنے والے اور کفر کی حمایت کرنے والے کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا حرام ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

منافقت کے عمل کرنے والے اور کفریہ کلمات بولنے والے اور کفر کی حمایت کرنے والے اور فتوی کے رسم پر عمل نہیں کرنے والے قبرستان میں دفن ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ **المستفتی:** نذیر عالم مقام وپوسٹ کرجا، مظفر پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ایسا شخص جو کفریہ بکتا اور کفر کی حمایت کرتا ہو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا حرام وگناہ ہے۔ جب کہ اسی حال پر بغیر توبہ کیے مر گیا ہو۔

الاشباہ والنظائر "باب الردۃ" میں ہے "اذا مات علی ردتہ لم یدفن فی مقابر المسلمین ولا اھل ملۃ وانما یلقی فی حفرۃ کالکلب والمرتد اقبح کفرا من الکافر الاصلی" اھ

(بحوالہ فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۴۰)

یہ حکم سوال کا ہے مگر کوئی ضروری نہیں کہ سائل جسے کلمہ کفر سمجھتا ہو وہ درحقیقت شریعت کی رو سے بھی کلمہ کفر ہو، لہٰذا سائل کو چاہیے کہ گول مول سوال نہ کرے، بلکہ ان کلمات کو لکھے جنہیں وہ کفر سمجھتا ہے تا کہ اس کا صحیح جواب جاری کیا جاسکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد صابر حسین فیضی
۴؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

میت اور دفن میت سے متعلق چند مسائل

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) میت کے ساتھ قبرستان میں حلوہ، روٹیاں اور گیہوں لیجانا اور عورتیں کچھ پانی پڑھ کر دیتی ہیں وہ پانی قبر میں میت پر ڈالنا کیسا ہے؟

(۲) عورتوں کا کہنا ہے کہ کفن کے کپڑے میں سے ایک جوڑا توشہ کا نہلانے والے فقیر کو دیا جاتا ہے اور تیجہ کے دن بھی ایک جوڑا فقیر کو دیا جاتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳) میت کو تیار کر کے چار پائی کے چاروں پاؤں پر کیا پڑھنا چاہیے عورتوں کا کہنا ہے کہ سورہ یس شریف پڑھی جاتی ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۴) جس جگہ میت کو غسل دیتے ہیں اس کو لحد کہتے ہیں اس جگہ پر چالیس دن تک روشنی کرنا چاہیے یعنی موم بتی جلانا چاہیے اگر بتی بھی سلگانا چاہیے عند الشرع اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۵) میت کے لیے چالیس دن برابر فاتحہ کرنی چاہیے چالیسویں تک کسی دن فاتحہ نہ ہوا تو سال بھر تک فاتحہ کرنی چاہیے اس کے بارے میں عند الشرع کیا حکم ہے۔

(٦) میت کو دفن کرنے اور پٹرے لگانے کے بعد کانٹے دار بیری کی شاخ رکھتے ہیں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس لیے رکھتے ہیں کہ جانور قبر کو کھود نہ سکے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سنت ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

(۷) گھر میں میت رکھی ہے عورتیں میلاد شریف پڑھ کر بی بی جمیلہ کی فاتحہ کرتی ہیں اور کچھ عورتیں کہتی ہیں کہ مرد کے مرنے پر بی بی جمیلہ کی فاتحہ نہیں ہوتی اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۸) میت کو دفن کر کے قبرستان سے باہر نکل کر کتنی دور پر فاتحہ پڑھنی چاہیے؟ لوگوں کا کہنا ہے کہ قبرستان سے چالیس قدم دوری سے فاتحہ پڑھنا چاہیے۔

(۹) زوال کے وقت یعنی دوپہر کو نماز جنازہ ہوسکتی ہے یا نہیں اور فاتحہ ہوسکتی ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد رضی خاں رضوی قادری علیمی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) میت کے ساتھ قبرستان میں حلوہ، روٹیاں اور گیہوں وغیرہ لے جانا فضول ہے میت کی طرف سے گھر پہ ہی تصدق کرنا چاہیے کہ اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے فتاوی رضویہ میں میت کے ساتھ کھانا وغیرہ لے جانے سے متعلق ہے کہ "مردہ کی طرف سے تصدق کرنا چاہیے اور ساتھ لے جانا فضول ہے۔" (ج ۴ ص ۱۶۲)

اور قبر میں میت پہ دم کیا ہوا پانی چھڑکنا جائز ہے "لعدم المنع و مالم یمنع لا یمنع" ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۱۶۲، ۱۶۳ پر ہے۔ واللہ تعالی اعلم

(۲) یہ تصدق شرعاً لازم وضروری نہیں ہاں باعث ثواب ضرور ہے اگر وہ کپڑا میت کے مال سے نہ ہو بلکہ کسی نے اپنی طرف سے دیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر میت کے مال سے ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ورثہ سب عاقل ہوں اور سب کی اجازت سے ہو جب بھی جائز ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ورثہ میں کل یا بعض نابالغ ہوں تو اب یہ کپڑے ترکہ سے ہرگز نہیں دیے جاسکتے اگرچہ نابالغ نے اجازت بھی دے دی ہو کہ نابالغ کا مال صرف کر لینا حرام ہے خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۟" (سورۂ نساء آیت ۱۰)

اس سے یہ خیال نہ گزرے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا و تیجہ وغیرہ کرنا منع ہے کہ یہ تو ایصال ثواب ہے اس سے کون منع کرے گا منع وہ کرے گا جو وہابی، دیوبندی ہو بلکہ ناجائز طور پر جو صرف کیا جاتا ہے اس سے منع ہے کوئی اپنے مال سے کرے یا ورثہ بالغ ہوں ان سے اجازت لے کر کرے تو ممانعت نہیں ایسا ہی بہار شریعت ح ۴ ص ۱۴۲ پر اور فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۱۳۹، ۱۴۰ پر بھی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) کلمہ، درود شریف وسورہ یٰسٓ شریف پڑھنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) جس جگہ میت کو غسل دیتے ہیں اس کو لحد نہیں کہتے بلکہ لحد کا معنی بغلی قبر ہے یعنی قبر کھود کر اس میں قبلہ کی طرف میت کو رکھنے کے لیے جگہ بنانا شرح نقایہ میں ہے:

"ویلحد القبر ای یحفر بحفرة فی جانبه وهو السنة فی الدفن اذا كانت الارض صلبة ويكون فی الجانب يلی القبلة" اھ (ج ۱ ص ۱۳)

اور جس جگہ میت کو غسل دیتے ہیں اس جگہ چالیس دن روشنی کرنا موم بتی اگر بتی جلانا فضول اور داخل اسراف ہے اس سے میت کو کچھ فائدہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) میت کے لیے برابر چالیس دن فاتحہ دلانا بہتر ہے لازم وضروری نہیں اعلیٰ حضرت رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ "ہر روز ایک خوراک پر میت کی فاتحہ دلا کر مسکین کو دینا، اور ہر پنجشنبہ کی رات چند مساکین کو کھلانا چالیس روز تک ایسا ہی کرنا اور ہوسکے تو سال بھر تک یا ہمیشہ کرنا یہ سب باتیں بہتر ہیں۔"
(فتاوی رضویہ، ج ۴ ص ۲۱۳)

رہی یہ بات کہ چالیس دن تک کسی دن فاتحہ نہ ہو تو پھر سال بھر تک فاتحہ کرنی چاہیے بے اصل اور فضول ہے بلکہ جس دن بھی میسر ہو اور جتنا بھی فاتحہ خوانی وطعام خورانی کر کے میت کو ایصال ثواب کیا جائے گا میت کو فائدہ پہنچے گا تیجہ وغیرہ کی تعیین عرفی ہے اس سے ثواب میں خلل نہیں آتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) میت کو قبر میں اتار کر پٹرے لگانے کے بعد بیری کی شاخ وغیرہ لگانے میں کیا حکمت ہے یہ نظر سے نہ گزرا البتہ تر لکڑی رکھنا سبب تخفیف عذاب وانس میت ہے حدیث پاک میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں سے گزرے فرمایا انہیں عذاب ہو رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انهما ليعذبان وما يعذبان فى كبير اما احدهما فكان لايستتر من البول وفى رواية المسلم لايستنزه من البول واما الاخر فكان يمشى باالنميمة ثم اخذ جريدة رطبة فشقها بنصفين ثم غرز فى كل قبر واحدة قالوا يارسول الله لِمَ صنعت هذا فقال لعله ان يخفف عنهما مالم ييبسا"

یعنی ان پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں نہیں جس سے بچنا دشوار ہو ان میں کا ایک پیشاب کرتے وقت پردہ نہ کرتا اور ایک روایت میں ہے کہ پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا اور اس کے بعد ایک شاخ منگا کر دو ٹکڑے کیا اور ہر ایک قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا اور فرمایا امید ہے کہ جب تک خشک نہ ہوں ان پر عذاب میں تخفیف ہو" اھ (مشکوۃ شریف ص ۴۲)

اس حدیث سے قبروں پر پھول ڈالنا علماء نے مستحسن رکھا ایسا ہی فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۳۲۹ پر ہے اور دوسری حکمت جانوروں سے تحفظ بھی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) عورتوں کا میلاد شریف پڑھنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ سننے والی صرف عورتیں ہوں اور کوئی غیر محرم ان کی آواز نہ سنے وجہ یہ ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے ہے سورہ نور رکوع ۴ کی آیت کریمہ "ولا یضربن بارجلهن" کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے " رفع صوتها بحيث يسمع الاجانب كلامها حرام" یعنی عورت کی آواز کو اس طرح بلند کرنا کہ اجنبی مرد سنے حرام ہے اور ردالمحتار میں ہے "رفع صوتهن حرام" "یعنی عورت کو اپنی آواز اونچی کرنا حرام ہے" (ج ۱ ص ۲۵۷)

اور یہ بھی مشاہدہ سے ہے کہ جب میت ہوتی ہے تو مرد و عورت سب ہی جمع ہوتے ہیں اور ایسی صورت میں جب عورتیں میلاد شریف پڑھیں گی تو ان کی آواز ضرور غیر محرموں تک جائے گی لہٰذا ایسی جگہ عورتوں کا میلاد شریف پڑھنا منع ہے۔

رہی بات بی بی جیلہ کی فاتحہ کی تو اس کی کوئی اصل نہیں صرف اور صرف عورتوں کا من گھڑت ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۸) میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا مستحب ہے جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے گوشت تقسیم کر دیا جائے کہ وہاں رہنے سے میت کو انس ہوگا اور نکرین کا جواب دینے میں وحشت نہ ہوگی

مسلم شریف میں ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آخری وقت میں فرمایا "ان ادفنتمونی فشلوا علی التراب شناثم اقیموا حول قبری قدر ماینحر جزر ویقسم لحمها حتی استانس بکم واعلم ماذا ارجع به رسول ربی" اھ (ج ۱ ص ۹۲)

لہٰذا اتنی دیر تک فاتحہ، تلاوت قرآن مجید اور میت کے لیے دعائے استغفار کریں اور یہ دعا کریں کہ سوال نکیرین کے جواب دینے میں ثابت قدم رہے چالیس قدم کی خصوصیت بلا وجہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۹) زوال یعنی نصف النہار سے آفتاب ڈھلنے کا وقت صحیح کامل ہے اس وقت تو ہر نماز صحیح ہے ہاں زوال ہونے سے پہلے جب سورج ٹھیک سر پہ ہو یعنی نصف النہار وہ وقت مکروہ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جنازہ اگر ایسے وقت میں لایا گیا تو اس وقت پڑھنا جائز ہے اور اگر پہلے سے لا کر رکھا ہوا تھا کہ وقت مکروہ آ گیا تو اب جائز نہیں یہاں تک کہ وقت مکروہ گزر جائے فتاوی ہندیہ میں ہے:

"اذا وجبت صلوٰۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ فی وقت مباح واخرتا الی ھذا الوقت فانہ لایجوز قطعا أمالو وجبتا فی ھذا الوقت و ادیتافیہ جاز لانہا ادیت ناقصۃ کما وجبت کذا فی السراج الوھاج۔ اھ (ج ۱ ص ۵۲)

اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ "جنازہ اگر اوقات ممنوعہ میں لایا گیا تو اسی وقت پڑھیں کوئی کراہت نہیں کراہت اس صورت میں ہے کہ پیشتر سے تیار موجود ہے اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقت کراہت آ گیا۔" (بہار شریف، ح ۳، ص ۲۱)

فاتحہ کے لیے کوئی وقت متعین نہیں جس وقت بھی کیا جائے ثواب ملے گا ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۱۶۲ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد ارشد رضا نظامی مصباحی
۳؍ ربیع الغوث ۱۴۲۴ھ

قبرستان کی چہار دیواری کے لئے غیر مسلم سے چندہ لینا، قبرستان کے درختوں کو بیچ کر اس کی آمدنی مسجد و مدرسہ پر لگانا، قبر ڈھا نکنے کے بعد اس پر سیمنٹ کی فرشی لگانا کیسا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) قبرستان کی چہار دیواری کے لیے ہندوؤں سے مالی تعاون لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور قبرستان چوں کہ بہت بڑا ہے تقریباً بچاس ایکڑ زمین میں ہے اس میں بڑے بڑے درخت بھی ہیں اور سیتا جوایک کھانے کا

پھل ہوتا ہے جس کو سیتا پھل بھی کہتے ہیں قبرستان کے اندر اس کے پیڑ بہت زیادہ ہیں ہر سال اس کی نیلامی سے تقریباً پندرہ سے بیس ہزار روپے تک کی آمدنی ہو جاتی ہے اب تک ان پیسوں کو قبرستان اور لاوارث میت کے کام میں صرف کیا جاتا رہا ہے سوال یہ ہے کہ قبرستان کی آمدنی جو پھل اور پیڑ وغیرہ کے بیچنے سے حاصل ہوتی ہے کیا ان پیسوں کو دیگر رفاہ عام یا مسجد و مدرسہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) قبرستان میں میت کی قبر کو ڈھانکنے کے لیے ہمارے کھنڈوہ اطراف میں فرشی کا استعمال ہوتا ہے چوں کہ وہ سیمنٹ کی بنی ہوتی ہے اور برسوں گزر جانے کے بعد بھی وہ محفوظ رہتی ہے اب قبرستان میں ہزاروں فرشیاں ہیں اور ان فرشیوں کی وجہ سے قبرستان تنگ ہوتا جا رہا ہے صرف فرشی کی موجودگی سے پتا چلتا ہے کہ یہاں قبر رہی ہوگی باقی کوئی دوسری نشانی نہیں ہے۔ کیا برسوں پرانے قبروں کی فرشیاں ہٹا کر انھیں فرشیوں کو دفنانے کے کام میں لے سکتے ہیں یا نہیں؟ المستفتی: حاجی محمد سلیم پٹیل قبرستان کمیٹی کھنڈوہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب قبرستان کی چہار دیواری کے لیے ہندو یا کسی بھی غیر مسلم سے مالی تعاون لینا یا مانگنا جائز نہیں کہ حدیث پاک میں ہے۔ "انا لا نستعين بمشرك" (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۷۵) اور قبرستان کے وہ درخت جو خود بہ خود اگے یا جنہیں قبرستان کے پیسے سے متولی نے لگائے ہیں وہ قبرستان کی ملکیت ہیں اگر وہ سبز یعنی ہرے ہیں تو ان کی نیلامی اور فروختگی ممنوع ہے اور اگر ان میں سے بعض خشک ہیں تو ان سوکھے ہوئے درختوں کی نیلامی اور فروختگی کی اجازت ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے۔ "لو وقف شجرة بأصلها على مسجد فيبست او يبس بعضها يقطع اليابس ويترك الباقي" (ج ۲ ص ۴۷۵) رہا قبرستان کے فروخت شدہ درختوں سے حاصل شدہ آمدنی کو دوسرے رفاہی کاموں میں خرچ کرنا تو وہ جائز نہیں کہ وقف کی آمدنی کو اس کے علاوہ دیگر مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ فتاوی رضویہ میں ہے۔ "جو چیز جس غرض کے لیے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا جائز نہیں اگر چہ وہ غرض بھی وقف ہی کے فائدے کی ہو کہ شرط واقف مثل نص شارع علیہ السلام واجب الاتباع ہے۔ (ج ٦ ص ۴۵۵) درمختار میں ہے شرط الواقف كنص الشارع اي في المفهوم والدلالة. اھ (ج ۴ ص ۴۳۳) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر ان فرشیوں کی وجہ سے قبرستان کا ایک معتد بہ حصہ تنگ ہو جاتا ہے اور تدفین میت میں دشواری آتی ہے تو ایسی صورت میں انہیں ہٹانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں۔ "اگر ان کے سبب مقابر پر زمین تنگ کر دے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ درخت کاٹ کر زمین خالی کر دے۔" (فتاوی رضویہ ج ٦ ص ۳۵۱) مگر ہٹانے کے بعد وہاں کچھ نشان قائم

کردیں جس سے معلوم ہو کہ وہ جگہ قبر کی ہے تاکہ لوگ اس پر چلنے پھرنے سے احتراز کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابراراحمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: غلام احمد رضا
۲۹؍ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

غیر وارث نے اپنے طور پر میت کو تختہ دیا تو ورثہ سے عوض لے سکتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کا انتقال ہوا گھر کے لوگوں نے تجہیز و تکفین کا کام انجام دیا مگر زید کی تجہیز و تکفین میں زید کے بڑے والد بکر نے مرحوم کی قبر کا تختہ دیدیا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد آپس میں کچھ نااتفاقی ہوئی تو بکر نے زید مرحوم کے گھر والوں سے کہا کہ میں نے جو تختہ کے لیے لکڑی دی تھی مجھے وہی لکڑی واپس ملنی چاہیے ورنہ اس کی قیمت ۲۰۰۰۰ بیس ہزار روپے چاہیے۔ زید کے گھر والے مناسب لکڑی کی قیمت دینے پر رضامند ہیں مگر بکر ماننے کیلئے تیار نہیں اور بکر زید مرحوم کو گالی گلوج بھی دیتا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر نے جو تختہ دیا تھا اور اس کی قیمت جو بیس ہزار مانگ رہا ہے اس کے لیے شرع کا کیا حکم ہے اور بکر جو گالی گلوج دے رہا ہے اس پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد مقصود رضا خان، صدر مدرس مدرسہ عربیہ فیضان غریب نواز، بیدی پور، بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بکر اگر زید کا وارث نہیں اور اس نے زید کی قبر کے لیے اپنے طور پر تختہ دیا ہے تو اس کا کچھ بھی عوض لینے کا حقدار نہیں ہے۔ زید کے ورثہ پر لکڑی کی واجبی قیمت بھی دینی واجب نہیں وجہ یہ ہے کہ بکر کا یہ فعل محض تبرع واحسان ہے جس کے بدلے میں کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ"۔ (سورۂ رحمٰن آیت ۶۰)

"بنایہ فصل فی التکفین" میں ہے "ولو کفنه من یرثه یرجع به فی ترکته وان کفنه من اقاربه لا یرجع به فی الترکة سواء اشهد بالرجوع اوْلا۔ اھ (ص ۲۰۶، ج ۳) اور اگر صورت اس کے سوا ہے تو اسے واضح کر کے دوبارہ حکم معلوم کر لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابراراحمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی امجدی
۲۵؍شوال ۱۴۲۷ھ

کیا قبرستان میں مٹی ڈالنے کے لئے اس میں ٹرالی لے جاسکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) قبرستان کافی بڑا اور گہرا ہے، بارش کی وجہ سے قبرستان میں پانی بھر جایا کرتا ہے، ایسی صورتوں میں قبرستان کو بھرنے کے لیے ٹریکٹر قبرستان میں لے جا کر مٹی بھرا جاسکتا ہے؟

(۲) اگر قبرستان میں ٹریکٹر سے مٹی بھرا جارہا ہے تو ٹریکٹر قبروں پر دوڑایا جائے گا جس سے صاحب قبر کو تکلیف ہوگی۔ اور حدیث مبارکہ ہے کہ قبرستان کے اندر جایا کرو تو اپنے جوتے چپل قبرستان سے باہر ہی رکھو۔

(۳) کچھ دنوں پہلے ٹریکٹر سے قبرستان میں مٹی بھرا گیا، یہ بات ایسی ہوئی کہ شہر کے چند نوجوان ٹریکٹر سے مٹی بھرنا چاہ رہے تھے تو زید نے قبرستان کے اندر ٹریکٹر جانے سے روک دیا، اوپر جو حدیث مبارکہ گزری بتادیا گیا لیکن ان لوگوں نے صدر مدرس الجامعۃ الغوثیہ سے جا کر کہا کہ زید نے قبرستان میں ٹریکٹر جانے سے روک دیا ہے، کیا اس کی کوئی صورت ہے کہ قبرستان میں ٹریکٹر سے مٹی بھرا جائے؟ موصوف مدرس نے زید سے کہا کہ قبرستان کے کام کے لیے ٹریکٹر سے اگر مٹی بھرا جارہا ہے تو اس میں کوئی اعتراض نہیں۔ زید نے کہا قبرستان کو بھرنے کے لیے مٹی قبرستان سے باہر گرایا جائے اور مزدور سے مٹی اٹھوا کر قبرستان کو بھرایا جائے۔

موصوف مدرس نے کہا کام خالص قبرستان کو بھرنے کا ہے اس لیے قبرستان میں ٹریکٹر جانے سے نہ روکا جائے یہ ایک بہت بڑا کام ہے اس سے قبرستان کو فائدہ ہے۔ زید چوں کہ عالم دین نہیں اس لیے لوگوں نے زید کی بات پر توجہ نہ دے کر صدر مدرس کے قول کو قبول کیا اور قبرستان میں ٹریکٹر سے مٹی بھرانا شروع کردیا۔ ویسے یہ کام چند ہی دنوں میں بند ہوگیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید نے غلط روکا یا صدر المدرسین نے درست بیان کیا، برائے کرم تفصیلی جواب ارسال فرما کر سکون قلب عطا فرمادیں تا کہ اعتراض مٹ جائے اور بات واضح ہوجائے۔ بینوا توجروا

المستفتی: مشتاق احمد قادری سکریٹری الجامعۃ الغوثیہ جامع مسجد، سمستی پور بہار

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱، ۲، ۳) قبرستان میں ٹریکٹر کو داخل کر کے مٹی بھروانا ناجائز وگناہ ہے کہ اس سے مُردوں کو سخت تکلیف ہوگی، قبرستان میں تو چلنا حرام ہے اور ٹریکٹر کو اس کے اندر بار بار لے جانا تو اور زیادہ حرام ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ ”قبروں پر چلنے کی ممانعت

ہے نہ کہ جوتا پہننا کہ سخت توہین اموات مسلمین ہے" اھ (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۱۰۷) اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "قبر پر بیٹھنا، سونا، چلنا، یا پاخانہ پیشاب کرنا حرام ہے" پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں کہ "اپنے کسی رشتہ دار کی قبر تک جانا چاہتا ہے مگر قبروں پر گزرنا پڑے گا تو وہاں تک جانا منع ہے دور ہی سے فاتحہ پڑھ دے" اھ مختصراً (بہار شریعت ح ۴ ص ۱۶۴)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے "ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیہ او یوطا علیہ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط" اھ (ج ۱ ص ۱۶۶)

درمختار میں ہے "اذا لم یصل الی قبرہ الا بوطأ قبر ترکہ" اھ (ج ۲ ص ۲۴۵) اور رد المحتار میں ہے "ان اباحنیفۃ کرہ وطأ القبر والقعود او النوم او قضاء الحاجۃ علیہ" اھ (ج ۲ ص ۲۴۵)

لہٰذا زید کا کہنا صحیح ہے کہ قبرستان کو بھرنے کے لیے مٹی قبرستان سے باہر گرائی جائے پھر مزدوروں کے ذریعہ قبرستان کو بھرا جائے وہ بھی اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ قبروں پر نہ چلیں۔ ہمیں کسی شخص خاص سے غرض نہیں، نہ یہ معلوم کہ کس نے کیا کہا اور واقعہ کیا ہے، جو بھی شخص یہ بات کہے کہ "کام خالص قبرستان کو بھرنے کا ہے اس لیے قبرستان میں ٹریکٹر جانے سے نہ روکا جائے یہ ایک بہت بڑا کام ہے اس سے قبرستان کو فائدہ ہے" وہ غلط مسئلہ بتاتا ہے اس پر واجب ہے کہ اس قول سے توبہ کرے اور آئندہ بلا تحقیق مسئلہ بتاتے سے احتراز کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

مزار کا طواف کرنا اسے چومنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں میں نے اکثر مزاروں پر دیکھا کہ لوگ اپنے پیر کے مزار کا طواف کرتے ہیں اور مزار کی چوکھٹ کو چومتے ہیں اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں اور الٹے پاؤں واپس آتے ہیں، کیا شریعت نے ایسی اجازت دی ہے آسان اردو میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حافظ اختر حسین مقام و پوسٹ دھکدھئی نیپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب مزار کا طواف صرف تعظیم کی نیت سے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف صرف خانۂ کعبہ کے ساتھ خاص ہے، مزار کو بوسہ نہ دینا چاہیے اس میں علماء کرام مختلف ہیں اور بچنا بہتر ہے کہ اس میں ادب زیادہ ہے چوکھٹ چومنے میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع مطہر میں ممانعت نہیں آئی اور

جس چیز کو شرع شریف نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتی،" قال اللہ تعالیٰ ان الحکم الا للہ" اور ہاتھ باندھے الٹے پاؤں واپس آنا ایک طرز ادب ہے اور جس ادب سے شریعت مطہرہ نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں۔ ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذا یعنی تکلیف کا اندیشہ ہو تو اس سے بچنا چاہئے۔ کذا قال الامام احمد رضا خان علیہ رحمۃ المنان فی الجزء الرابع من الفتاوی الرضویۃ فی ص ۸۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی
۲۵ رصفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بیٹے کا گلا دبا کر مارنے والے کی جنازہ ہے یا نہیں؟ قبر پر اگربتی جلانا کیسا ہے؟

مسئلہ (۱) والدین یا دونوں میں سے ایک اگر اپنے بیٹے کو گلا دبا کر مار ڈالیں تو ایسے والدین کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہمارے اطراف میں یہ دستور ہے کہ جب میت کو قبر میں دفن کر دیتے ہیں اس کے بعد میت کے سرہانے اگربتی جلائی جاتی ہے اور نیت یہ ہوتی ہے کہ اگربتی سے میت کو خوشبو دینا مقصد ہے نہ کہ آگ جلانا اسی طرح سے شب برأت کے موقع سے جب عوام قبرستان کو جاتے ہیں تو جانے کے بعد اگربتی جلاتے ہیں اور پھر فاتحہ پڑھتے ہیں تو کیا قبرستان میں اگربتی جلانا جائز ہے جب کہ نیت خوشبو کی ہو؟ **المستفتی**: محمد زبیر اشرفی، دھوبچھرہ، بکسر بہار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ایسے لوگ سخت گنہگار ہیں جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر ناحق مار ڈالتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا". یعنی جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ اس میں مدتوں رہے اور اللہ نے اس پر غضب فرمایا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے" یہ اگرچہ بہت برا کام ہے گناہ کبیرہ ہے لیکن اس کی وجہ سے ظالم و قاتل ماں باپ اسلام سے خارج نہ ہوئے اس لیے ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی کہ ہر مسلمان کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، درمختار میں ہے "ھی فرض علی کل مسلم مات" اھ (ص ۲۱۰، ج ۲) البتہ وہ زندہ ہوں تو ان پر علانیہ توبہ واستغفار لازم ہے اگر وہ ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) خاص قبر پر اگربتی سلگانا ممنوع ہے، ہاں اگر قبر سے ہٹ کر خالی جگہ پر سلگائیں تو کوئی حرج

نہیں، مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہاں کچھ لوگ موجود ہوں ورنہ اگر میت کو خوشبو پہنچانے کی نیت سے ہو تو فضول ہے کہ میت کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "اگر بتی قبر کے اوپر رکھ کر نہ جلائی جائے کہ اس میں سوء ادب اور بدفالی ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے "ان سقف القبر حق المیت" ہاں قریب قبر زمین خالی پر رکھ کر سلگائیں کہ خوشبو محبوب ہے" اھ (فتاوی رضویہ جلد ۴، ص ۱۸۵) پھر اسی میں ہے "اگر بتی جلانا اگر تلاوت قرآن کے وقت تعظیم قرآن عظیم کے لیے ہو یا وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں ان کی ترویح کے لیے ہو تو مستحسن ہے ورنہ فضول، وتضیع مال، میت کو اس سے کچھ فائدہ نہیں"۔ (فتاوی رضویہ ج ۴، ص: ۲۲۰) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۵ر جمادی الآخر ۱۴۲۵ھ

خودکشی کرنے والے کی جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

مسئلہ صاحب بہار شریعت بہار شریعت میں تحریر فرماتے ہیں کہ خودکشی اگرچہ حرام ہے مگر پھر بھی ہم نماز جنازہ ادا کریں گے اگر خودکشی کرنے والا مسلمان ہو۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی اپنی کتاب الملفوظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں تو اعلیٰ حضرت اور صاحب بہار شریعت ایک ہی مسئلہ میں دو طرح کی باتیں کیوں تحریر فرماتے ہیں، ہم دونوں کی باتوں میں سے کس کی بات پر عمل کریں اعلیٰ حضرت کی یا پھر صاحب بہار شریعت کی ہماری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: محمد زبیر اشرفی، دھونچھیرہ برہم پور بکسر، بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب خودکشی کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یہی صحیح ہے در مختار باب صلوٰۃ الجنازۃ میں ہے "من قتل نفسہ ولو عمداً یغسل ویصلی علیہ بہ یفتی وان کان اعظم وزراً من قاتل غیرہ" اھ (ص ۱۰۸، ج ۳) اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی لکھا ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس وقت الملفوظ جو دستیاب ہے اس میں ناجائز والی بات نہیں لکھی ہے اور اگر کسی قدیم نسخہ میں ناجائز لکھا ہو تو اسے کتابت وطباعت کی غلطی سمجھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۵ر جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ

چالیس قدم میت لے کر چلنے سے چالیس کبیرہ معاف ہوتے ہیں تو کیا یہ حکم ہر ایک کے جنازے کا ہے یا صرف پرہیزگاروں کے جنازے کا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ

بہار شریعت ص ۱۴۴ چہارم میں ہے کہ "حدیث میں ہے جو چالیس قدم جنازہ لے چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ مٹا دیے جائیں گے نیز حدیث میں ہے جو جنازہ کے چاروں پاؤں کو کندھا دے اللہ تعالیٰ اس کی حتمی مغفرت فرمادے گا" تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ عوام وخواص سب کے جنازہ کو لے کر چلنے کا یہ حکم ہے یا صرف خاص لوگوں یعنی علماء کرام، متقی پرہیزگار کے جنازہ کو لے کر چلنے کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کے چالیس کبیرہ گناہ مٹا دیے جائیں گے؟ بینوا توجروا **المستفتی**: مولانا غلام رسول نظامی، مقام کنشہرہ بازار ضلع گورکھپور، یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب حدیث شریف میں جو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص چالیس قدم جنازہ لے کر چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ مٹا دیے جائیں گے" مطلقاً فرمایا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عوام و خواص کی تخصیص نہیں فرمائی۔ حدیث پاک کے اصل کلمات درمختار "کتاب الجنائز" میں یوں منقول ہیں "من حمل جنازة اربعين خطوة كفرت عنه اربعين كبيرة" (درمختار ص ۲۳۱ ج ۲) اس کے تحت ردالمحتار میں ہے "بهناء كفرت للفاعل و ضميره للجنازة على تقدير مضاف: اى حملها، والكبيرة قد تطلق على الصغيرة، لان كل ذنب صغير بالنظر لما فوقه كبير بالنسبة لما تحته او المراد بالكبيرة حقيقتها، و قولهم ان الكبائر لا تكفر الا بالتوبة او بمحض الفضل او بالحج المبرور محمول على مالم يرد النص فيه" اھ (ص ۲۳۱ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم عوام وخواص سب کے جنازہ کو لے کر چلنے کا ہے علماء یا متقی کے جنازہ کے ساتھ خاص نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: غلام نبی نظامی علیمی
۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

قل کی مٹی میت کے سرہانے رکھنا کیسا ہے؟

جنازہ میں بعد سلام فوراً دعا کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل کے بارے میں

(۱) قل کی مٹی جمع کر کے میت کے سرہانے رکھنا عند الشرع کیسا ہے؟

(۲) جنازہ کی نماز کے بعد سلام پھیرتے ہی فوراً دعا کرنا کیسا ہے؟ کیا نماز جنازہ میں جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ کافی نہیں؟

المستفتی: خلیل ایس شیخ دیرار تھانہ مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) قول وغیرہ پڑھ کر مٹی پر دم کر کے قبر میں بغرض تبرک رکھنے میں اصلاً حرج نہیں بلکہ بہتر ہے جب کہ قبر میں جگہ نہ گھیرے "لعدم المنع وما لا یمنع لا یمنع" ایسا ہی فتاویٰ امجدیہ جلد اول ص ۳۳۰، ۳۳۳، اور فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۱۶۱ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) نماز جنازہ کے بعد یا قبل دعا مطلقاً مستحب ومندوب ہے مگر جس ہیئت پر نماز پڑھی تھی اس ہیئت پر رہتے ہوئے دعا نہ کریں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "میت کے لیے دعا قبل نماز جنازہ وبعد نماز جنازہ ہمیشہ مطلقاً مستحب ومندوب ہے، اور اس سے اصلاً ممانعت نہیں خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے قبل وبعد نماز دونوں وقت میت کے لیے دعا فرمانا اور اس کا حکم دینا ثابت ہے، بعد نماز اسی ہیئت پر بدستور صفیں باندھے امام ومقتدی وہیں کھڑے دعا کریں یہ نامناسب ہے کہ نماز پر شبہہ زیادت نہ ہو" اھ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۲۰۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی

یکم جمادالاولی ۱۴۲۶ھ

غیر مسلم کے دفن میں شریک ہونا کیسا ہے؟

مسئلہ بکر ایک غیر مسلم کے دفن میں شریک ہوا چونکہ اس کے باپ سے بکر کے تعلقات تھے اور یہ غیر مسلم بھی دکھ درد میں شریک ہوتا ہے، اب خالد نے بکر سے کہا تم پر تجدید ایمان وتجدید نکاح ضروری ہے کیونکہ تم ایک ہندو کے دفن میں شریک ہوئے ہو بہر حال جو بھی شریعت کا حکم ہے آگاہ فرمائیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد احمد، دار العلوم تبلیغیہ، مقام رسول آباد، ضلع سلطانپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب غیر مسلموں کے دفن میں شریک ہونا ناجائز وحرام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "ولا تقم علی قبرہ انہم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فسقون" (سورۃ التوبۃ ۹، آیۃ ۸۴)

تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کریمہ کے تحت ہے "وقولہ تعالیٰ ولا تقم علی قبرہ عطف علی "لا تصل" ای لا تقف علی قبرہ للدفن والزیارۃ۔ (ص ۳۰۸)

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے "ای ولا تقف عند قبرہ للدفن اوللزیارۃ والدعا وکان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دفن المیت وقف علی قبرہ ودعالہ۔ (ص ۸۷۴ ج ۳) لہٰذا بکر ایک ناجائز وحرام کام کرنے کی وجہ سے سخت گنہگار ہوا اس پر لازم ہے کہ علانیہ مجمع مسلمین میں توبہ واستغفار کرے اور آئندہ کے لیے یہ عہد کرے کہ وہ غیر مسلموں کے دفن وغیرہ میں شریک نہ ہوگا۔ لیکن یہ کفر نہیں اس وجہ سے بکر پر تجدید ایمان وتجدید نکاح ضروری نہیں۔ اور خالد پر لازم ہے کہ اپنے قول سے توبہ ورجوع کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: غلام نبی نظامی علیمی

۱۰ / جمادی الآخر ۱۴۲۶ھ

اگلی امتوں سے کس نبی کے بارے میں سوال ہوتا تھا؟

انبیا سے سوال ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کس چیز کے بارے میں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

(۱) اگلی امتوں سے کس نبی کے متعلق سوال ہوتا تھا؟

(۲) انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کس چیز کے متعلق؟

المستفتی: قاری محمد عثمان، بہرائچی، خادم دار العلوم امجدیہ اہل سنت ارشد العلوم اوجھا گنج، بستی، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) اگلی امتوں سے سوال قبر کے سلسلے میں صحیح وراجح قول یہی ہے کہ اگلی امتوں سے سوال قبر نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ اسی امت محمدیہ کے ساتھ خاص ہے۔ فتاویٰ حدیثیہ میں ہے۔ "وکان اختصاصھم بالسوال فی القبر من التخفیفات التی اختصوا بھا عن غیرھم لما تقرر فتامل ذلك و مقتضی احادیث سوال الملکین ان المومن ولو فاسقا یجیبھما کالعدل و لکن بشارته تحتمل ان تکون بحسب حاله ویوافقه قول ابن یونس اسمھما علی المذنب منکر" اھ (ص ۱۱) اور اس کی ترجیح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ "نقل العلقمی فی شرحه علی الجامع الصغیر ان الراجح ایضا اختصاص السوال بھذہ الامة خلافا

لما استظهره ابن القيم ونقل ايضا عن الحافظ ابن حجر العسقلانی ان الذی يظهر اختصاص السوال بالمكلف وقال وتبعه عليه شيخنا يعنی الحافظ السيوطی" اھ (ردالمحتار ج۲ص۱۹۲) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اصح قول یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال نہیں ہوتا۔ درمختار میں ہے:

"والأصح ان الأنبياء لا يسألون۔" اھ ردالمحتار میں ہے۔ "واشار الشارح الى ان يزاد الانبياء عليهم الصلاة والسلام لانهم اولىٰ من الصديقين۔" اھ (ج۲ص۱۹۲ مطلب ثمانية لا يسألون فی قبورهم) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی　　　كتبهٔ: غلام احمد رضا

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی　　　۱۱ر محرم الحرام ۲۹ھ

جاء الحق میں کفن میں عمامہ کا بھی ذکر ہے اور بہار شریعت وغیرہ میں نہیں ایسا کیوں؟

مسئلہ جاء الحق کتاب میں کفنی یا الفی لکھنے کے بیان میں یہ بات درج ہے کہ بسم اللہ وغیرہ پیشانی پر لکھے یا کفن پر، یا عمامہ پر، اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ میت کے کپڑوں میں عمامہ بھی ہے جب کہ بہار شریعت وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ میت مرد کے لیے تین کپڑے ہیں لفافہ، ازار، قمیص۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ عمامہ دئے جانے کا رواج بھی نہیں ہے۔ عمامہ دیا جانا اگر درست نہیں تو جاء الحق میں عمامہ کے ذکر کا مطلب کیا ہے؟ اگر درست ہے تو اس کا رائج کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نور محمد نوری، کہمارہ، ماکھپور، جریلی، سیتاپور یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب مرد کے لیے کفن تین ہی کپڑے ہیں جیسا کہ بہار شریعت میں ہے البتہ فقہائے متاخرین نے علماء و مشائخ کے لیے عمامہ کو بھی مستحسن رکھا اس طرح علماء و مشائخ کو کفن میں چار کپڑے ہوئے اور عوام کے لیے تین ہی رہے عوام کو عمامہ دینا مکروہ۔ فتاوی ہندیہ "الفصل الثالث فی التكفين" میں ہے "وليس فی الكفن عمامة فی ظاهر الرواية و فی الفتاوى استحسنها المتأخرون لمن كان عالما ويجعل ذنبها على وجهه بخلاف حال الحياة كذا فی الجوهرة النيرة اھ (ج۱ص۱۶۰) اور صاحب بہار شریعت نے بھی فتاوی امجدیہ میں ذکر کیا ہے "کفن میں عمامہ ہونا علماء و مشائخ کے لیے جائز عوام کے لیے مکروہ" (ج۱ص۳۶۷) لہٰذا ان مذکورہ بالا عبارتوں سے بہار شریعت اور جاء الحق دونوں کی عبارت کا

مطلب واضح ہو گیا کہ حضرت صدرالشریعہ نے بہار شریعت میں جو کفن میں تین کپڑے کا ذکر کیا ہے وہ کفن مسنون کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا وہاں عمامہ کا ذکر نہیں کیا اور صاحب جاء الحق نے کفن مسنون کا ذکر نہیں کیا بلکہ کفن پر درود و دعا وغیرہ لکھنے کے جواز کے ثبوت میں درمختار کی عبارت پیش کی ہے جس میں عمامہ کا بھی ذکر ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کفن میں عمامہ بھی ہے تو یہ علماء و مشائخ کے لیے ہے نہ کہ عوام کے لیے اور یہی جاء الحق کی عبارت کا مطلب ہے۔ اور جب متاخرین فقہا نے علماء اور مشائخ کے لیے عمامہ کو مستحسن قرار دیا ہے تو اس کو علماء اور مشائخ کے لیے رائج کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد حسن رضا رضوی
۲۷ر جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

ہجڑے کی جنازہ ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مسئلہ ذیل میں:
ہجڑوں کی نماز جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اس کی نماز جنازہ مولانا پڑھا سکتے ہیں کہ نہیں جو ہجڑا کبھی نماز پڑھنے نہ گیا ہو؟ بینوا توا جروا **المستفتی:** محمد فاروق خاں، بی اے دوم، جمیل میڈیکل اسٹور، متھرا بازار، بلرام پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اگر ہجڑا مسلمان ہے تو بلا شبہ اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز و درست بلکہ فرض کفایہ ہے اگر چہ وہ کیسا ہی گنہگار و مرتکب کبائر ہو اگر چہ اس نے زندگی میں کبھی نماز نہ پڑھی ہو۔ تنویر الابصار میں ہے: والصلوٰة عليه فرض كفاية وشرطها اسلام الميت " (۲/۲۰۷، باب صلوٰۃ الجنازۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد حسین الرضوی جام نگری
۲۷ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ

جسے جنازہ کی نیت نہ معلوم ہو کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے جو نیت امام کی وہ ہماری؟ قبرستان میں حلوا روٹی وغیرہ لے جانا کیسا ہے؟

مسئلہ میت کے ساتھ بہت آدمی اکٹھا ہوتے ہیں لیکن جب جنازہ کی نماز پڑھانے کا وقت آتا ہے بہت لوگ الگ کھڑے ہو جاتے ہیں بہت کم لوگ نماز میں شریک ہوتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے کیا حکم

ہے؟ اگر یہ لوگ نماز میں شریک ہو جائیں اور نیت میں یہ کہہ لیں جو نیت امام کی وہ نیت میری اس طرح مقتدی کی نماز جنازہ ہو جائے گی کیوں کہ بہت لوگوں کو نماز جنازہ آتی نہیں ہے۔

(۲) قبرستان میں میت کے ساتھ گھر سے روٹی، حلوہ، غلہ، گیہوں وغیرہ لے جاتے ہیں؟

المستفتی: محمد رضی خان تلہری، محلہ نظر پور، قصبہ، تلہر ضلع شاہ جہانپور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب جو لوگ میت کے ساتھ ہوتے ہیں اگر وہ مسلمان ہیں اور نماز جنازہ نہیں پڑھتے تو یہ ان کے لیے بڑی محرومی کی بات ہے حدیث شریف میں نماز جنازہ پڑھنے والے کے لیے ایک قیراط (احد پہاڑ کے برابر) ثواب کی بشارت ہے اور جو دفن میں شریک ہو اس کے لیے دو قیراط" اھ (رواہ مسلم فی صحیحہ)

اگر نماز جنازہ میں عدم شرکت اس وجہ سے ہے کہ انہیں نیت نہیں معلوم تو سوال میں درج نیت کر سکتے ہیں امام کو چاہیے کہ پہلے دس منٹ لوگوں کو نماز جنازہ کی تعلیم و تربیت دے پھر پڑھائے تا کہ تمام مسلمان جو حاضر ہیں شریک ہو سکیں۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

"جب امام کے پیچھے ہو اور یہ نیت کرے کہ امام جو نماز پڑھاتا ہے وہی میں بھی پڑھتا ہوں تو یہ نماز ہو جائے گی" اھ (بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۳) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) قبرستان میں روٹی، حلوہ، غلہ، گیہوں وغیرہ لے جانا اگر وجوب نہ جانے تو کوئی حرج نہیں ہاں اگر اسے شرعاً لازم جانے اور بے اس کے فاتحہ کو قبول نہ سمجھے تو غلط ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: "اور مالیدہ و شیرینی خصوصیات عرفیہ میں اگر وجوب نہ جانے حرج نہیں اور قبر پر لے جانے کی نہ ضرورت نہ اس میں معصیت ہاں اسے شرعاً لازم جانے یا بغیر اس کے فاتحہ کا قبول نہ سمجھے تو یہ اعتقاد فاسد ہے اس اعتقاد سے احتراز لازم ہے" اھ (ج ۴ ص ۱۴۱) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ابراہیم مصباحی — **الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی**

۱۸ ر جمادی الآخر ۱۴۳۲ھ — **الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی**

روح قبض ہونے کے بعد مردے کو کس طرح لٹایا جائے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع کہ جب انسان کی روح قبض ہو تو اسے فوراً مشرق کی سمت سر اور مغرب (قبلہ) کی سمت پیر کر کے لٹایا جائے، جبکہ قبر میں شمالاً جنوباً لٹایا جاتا ہے اور صرف

چہرہ قبلہ کی جانب کیا جاتا ہے۔ روح قبض ہوتے ہی مردے کو کس طرح لٹایا جائے؟
بعض جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ مردے کے سر کے نیچے تکیہ بھی رکھا جاتا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے؟

المستفتی: صغری بشیر قادری، دربار کالونی، سکندر نگر، احمد نگر، ایم ایس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) جب موت کا وقت قریب آئے اور علامتیں پائی جائیں تو اس کے لٹانے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ دہنی کروٹ پر لٹا کر قبلہ کی جانب منہ کر دیں اور یہ بھی جائز ہے کہ چت لٹائیں اور قبلہ کو پاؤں کریں کہ یوں بھی قبلہ کی طرف منہ ہو جائے گا۔ مگر اس صورت میں سر کو قدرے اونچا رکھیں اونچا کرنے کے لیے خواہ مردے کے سر کے نیچے تکیہ رکھیں یا کوئی اور صاف و پاک چیز۔ اور اگر قبلہ کو منہ کرنا دشوار ہو کہ میت کو تکلیف ہوتی ہو تو جس حال پر ہے چھوڑ دیں، درمختار میں ہے "(یوجه المحتضر القبلة علی یمینه هو السنة (وجاز الاستلقاء) علی ظهره (وقدماه الیها و) لکن (یرفع راسه قلیلاً) لیتوجه للقبلة (وقیل یوضع کما تیسر علی الاصح وان شق علیه ترك علی حاله)" اھ ملخصاً (کتاب الصلاۃ باب صلاۃ الجنازۃ ج ۳ ص ۷۷/۷۸ مطبع زکریا)

ایسا ہی بہار شریعت ج ۴ ص ۸۰۷/۸۰۸ مطبع المکتبۃ المدینۃ دہلی میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد آصف ملک علیمی
۴ رشعبان المعظم ۱۴۳۱ھ

قبر میں قرآن شریف اور عہد نامہ رکھنا کیسا ہے؟

مسئلہ ایک شخص نے کہا میرے مرنے کے بعد میری قبر میں قرآن مجید رکھ دینا جواب طلب امر یہ ہے کہ مردہ کی قبر میں قرآن مجید رکھنا جائز ہے؟ زید کہتا ہے کہ قرآن مجید رکھنا جائز نہیں لیکن بکر کہتا ہے کہ جائز ہے کہ قبر میں عہد نامہ وغیرہ رکھا جاتا ہے تو ان دونوں میں سے کس کا قول درست ہے۔

المستفتی: محمد ارشد رضا رونا ہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بکر کا قول صحیح ہے کہ میت کی پیشانی پر یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے یا اس کو قبر میں رکھ دیا جائے دونوں جائز ہیں اور یوہی اس کے سینے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینے میں بھی کوئی قباحت نہیں امید ہے کہ اللہ رب العزت اس کے ذریعہ سے بخش دے اور اس کے عذاب میں تخفیف فرمادے درمختار میں ہے۔

کتب علی جبهة المیة او عمامته او کفنه عهدنامه یرجی ان یغفر الله للمیت اوصی بعضهم ان یکتب فی جبهته وصدرہ بسم الله الرحمن الرحیم ففعل (ج۲ ص۲۴۶) والله تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد احمد قادری مصباحی
۹ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

ہجڑے کو غسل کون دے

مسئلہ ہجڑے کا انتقال ہوا تو اسے غسل کون دے گا؟

المستفتی: یار محمد جموتی ڈیہہ، ایس نگر یوپی

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) خنثیٰ اگر آلہ تناسل سے پیشاب کرتا تھا تو وہ مرد ہے اس پر مرد کے احکام جاری ہوں گے اور اس کو مرد ہی غسل وکفن دیں گے اور اگر عورتوں کے مشابہ شرمگاہ سے پیشاب کرتا تھا تو وہ عورت ہے اس پر عورتوں کے احکام جاری ہوں گے اور عورتیں ہی غسل وکفن دیں گی۔ اور اگر دونوں مخرج سے پیشاب کرتا ہو یا مردوں کی خصوصی علامتوں کے ساتھ اس میں زنانہ شناختیں بھی نمایاں ہوں تو وہ خنثیٰ مشکل ہے نہ اسے مرد غسل دے نہ عورت بلکہ اس کو تیمم کرایا جائے گا۔

ہدایہ "کتاب الخنثی" میں ہے: "فان کان یبول من الذکر فھو غلام وان کان یبول من الفرج فھو انثی" اھ (ج۲ ص ۶۸۵) ہندیہ "کتاب الجنائز" میں ہے "والخنثی المشکل المراھق لم یغسلھا رجل ولا امرأۃ ویتیمم وراء ثوب کذا فی الزاھدی" اھ (ج۱ ص۱۶۰) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: زبیر احمد قادری
۲۴ر ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

ایک قبر میں چند مردے رکھنا کیسا ہے؟

کیا ایک ساتھ چند جنازہ پڑھنا جائز ہے؟ اگر ہاں تو مقدم کسے کریں؟

مسئلہ (۱) ایک قبر میں دو چار مردے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) ایک ساتھ دو چار جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اگر پڑھ سکتے ہیں تو ان میں مقدم کس کو کیا جائے؟

المستفتی: مولانا باقر علی قادری، درجن پور، دھانے پور، گونڈہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ایک قبر میں بلا ضرورت دو چار مردے رکھنا جائز نہیں ہے اور اگر ضرورت ہو تو رکھ سکتے ہیں مگر دو میتوں کے درمیان مٹی وغیرہ سے آڑ کر دیں اور اس میں افضل کو مقدم کریں پھر اس کے بعد جو افضل ہو۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "لا یدفن اثنان اوثلاثة فی قبر واحد الاعند الحاجة فیوضع الرجل ممایلی القبلة ویجعل بین کل میتین حاجز من التراب کذا فی محیط السرخسی" اھ ملخصاً (ج ۱ ص ۱۶۶) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) سب جنازوں کی نماز ایک ساتھ پڑھیں یا الگ الگ دونوں صورتیں جائز ہیں مگر الگ الگ پڑھنا بہتر واولیٰ ہے۔ اور ان میں افضل کو مقدم کرنا افضل ہے یعنی اگر ہر نوع کا جنازہ ہے تو پہلے مردوں کی صف ہو پھر بچوں کی، پھر خنثیٰ کی، پھر عورتوں کی پھر مراہقوں کی۔ اور اگر سب مرد ہی ہوں تو امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان میں کا افضل وہ ہے جو عمر میں ان سے زیادہ ہو اور اگر آزاد و غلام ہوں تو آزاد کو مقدم کرنا چاہیے۔ درمختار میں ہے: "اذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلاة علی کل واحدة اولیٰ من الجمع وان جمع جاز" اھ ملتقطاً (ج ۲ ص ۲۱۸) فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ولو اجتمعت الجنائز یخیر الامام ان شاء صلی علی کل واحد علی حدة وان شاء صلی علی الکل دفعة بالنیة علی الجمیع... و ترتیبھم بالنسبة الی الامام کترتیبھم فی صلوتھم خلفه حالة الحیاة فیقرب منه الافضل فالافضل فیصف الرجال الی جھة الامام ثم الصبیان ثم الخناثی ثم النساء ثم المراھقات ولو کان الکل رجالا روی الحسن عن ابی حنیفة رحمة الله تعالیٰ علیه یوضع افضلھم و اسنھم ممایلی الامام ولوا جتمع حر وعبد فالمشھور تقدیم الحر علی کل حال کذا فی فتح القدیر" اھ ملتقطاً (ج ۱ ص ۱۶۵) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد معراج احمد قادری
۱۲ ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

جن کی جنازہ ممنوع ہے اگر کسی نے ان کی جنازہ پڑھ لیا تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ

مسلمانوں میں جن کی نماز جنازہ پڑھنا ناجائز وممنوع ہے اگر ان کی نماز جنازہ پڑھ دی گئی تو پڑھنے والوں پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد طیب، فاضل نگر، کشی نگر، یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب نماز جنازہ ہر مسلمان کی پڑھنا فرض کفایہ ہے، اگر چہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو، اس سے کچھ لوگ مستثنیٰ ہیں (۱) ڈاکو کہ ڈاکہ زنی کے وقت مارا جائے (۲) یا جو لوگ ناحق پاسداری میں لڑیں اور اسی حالت میں مارے جائیں (۳) یا جو لوگ ناحق پاسداری میں لڑنے کا تماشہ دیکھ رہے ہوں اور ان کو پتھر یا گولی وغیرہ لگی اور مر گئے (۴) یا جو اپنی ماں یا باپ کو مار ڈالے (۵) یا جو کسی مسلمان کا مال چھین رہا تھا اور اسی حال میں مارا گیا وغیرہم مگر ان لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنا ممنوع یا ناجائز نہیں بلکہ فقہائے کرام نے دوسروں کو عبرت دلانے اور خود اس طرح کے مجرمین کی زجر وتوبیخ اور مرنے والے مجرمین کی توہین کے لیے فرضیت نماز جنازہ کا ان سے استثناء فرمایا ہے۔

لہٰذا اگر ان کی نماز جنازہ پڑھ دی گئی تو پڑھنے والوں پر کچھ حرج نہیں۔ درمختار میں ہے: "وھی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعۃ بغاۃ وقطاع طریق فلا یغسلوا ولا یصلی علیھم اذا قتلوا فی الحرب وکذا اھل عصبۃ ومکابر فی مصر لیلاً بسلاح وخناق خنق غیر مرۃ فحکمھم کالبغاۃ ولا یصلی علی قاتل احد ابویہ اھانۃ لہ" اھ ملخصاً۔ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "(قولہ فلا یغسلوا) انما لم یغسلوا ولم یصل علیھم اھانۃ لھم وزجراً لغیرھم عن فعلھم" اھ (باب صلاۃ الجنازۃ ص ۲۱۰ ج ۲) اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: "نماز ہر مسلمان کے جنازے کی فرض کفایہ ہے، علماء کرام نے فرضیت نماز جنازہ سے صرف چند شخصوں کو استثناء فرمایا، باغی اور آپس کے بلوائی کہ فریقین بطور جاہلیت لڑیں، اور ان کے تماشائی اور ڈاکو، اور وہ کہ لوگوں کو گلا دبا کر پھانسی دے کر مار ڈالا کرتا ہو، اور وہ جس نے اپنے ماں باپ کو قتل کیا" اھ (فتاوی رضویہ ص ۵۳ و ۵۴ ج ۴) ایسا ہی بہار شریعت ص ۱۴۴ حصہ چہارم میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد حسین گجراتی
۲۰ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

پوسٹ مارٹم کے بعد لاش سڑ گئی تو غسل وکفن کیسے دیں؟ اور جنازہ ہے کہ نہیں؟

مسئلہ زید کا ایک حادثہ میں انتقال ہوگیا پھر اس کی نعش پوسٹ مارٹم کے لیے گئی جہاں سے کئی دنوں بعد اس وقت واپس ملی جب وہ سڑ گئی اور اس میں بدبو پیدا ہوگئی تھی تو اب اس کو غسل وکفن کس طرح دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: مولانا قمر الدین صاحب مقام کوبیان ڈاک خانہ سرونیا کسیلا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں شخص مذکور کو غسل وکفن دینا پھر اس کی نماز جنازہ پڑھنا ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض کفایہ ہے اگر چہ نعش سڑ گئی ہو اور اس میں بدبو پیدا ہوگئی ہو۔ اگر کسی نے بھی اس کو غسل وکفن نہ دیا یا نماز جنازہ نہ پڑھی تو سب گنہگار ہوں گے۔ ہاں اگر میت کا بدن اس طرح سڑ گیا ہے کہ اس کے بدن پر ہاتھ لگانے سے کھال ادھڑ جاتی ہے تو غسل میں ہاتھ نہ لگائیں صرف پانی بہادیں اس کے بعد بہ نرمی تمام کام انجام پہنچائیں ایسا ہی بہار شریعت ح ۴ ص ۱۳۶ پر ہے اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۱۵۸ پر ہے "لو کان المیت متفسخا یتعذر مسحه کفی صب الماء علیه کذا فی التتار خانیة اھ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: عبد القادر نظامی مصباحی

۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ

دیوبندی کی جنازہ نہ پڑھنا اور دوسروں کو اس سے روکنا کیسا ہے؟

کیا حضور نے کسی کی جنازہ پڑھنے پڑھانے سے منع کیا ہے؟

مسئلہ (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ حاجی زید کا انتقال ہوگیا جو عقیدتاً دیوبندی ہے ہمارے محلہ کے امام جو سنی ہیں اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کیا۔ ساتھ ہی سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کو بھی جنازہ پڑھنے سے منع کیا اور کہا جو اس کی نماز جنازہ پڑھے گا اس کے لئے تجدید ایمان ونکاح وبیعت لازم ہے۔ اب صورت مذکورہ میں امام کا یہ فرمانا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پڑھنے اور پڑھانے والے پر شرعاً کیا حکم ہے اور اگر نہیں تو امام پر کیا حکم ہے؟

(۲) کیا زمانہ رسول میں بھی ایسا ہوا ہے کہ رسول نے کسی کی نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے سے منع کیا ہو؟ اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ اور اگر نہیں تو پھر آج کل کے علمائے اہلسنّت جو دیوبندی کی نماز جنازہ پڑھنے یا

پڑھانے سے یہ صورت مذکورہ بیان کرتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ المستفتی: حاجی سید مجاہد حسین دلاور پوربی، بی این-۲ ضلع کیندراپاڑا، اڑیسہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) جس امام نے دیو بندی کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کیا اور سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کو بھی اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا اس نے صحیح کیا اور اس پر یہی لازم تھا کیونکہ دیو بندی، وہابی ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں اور ضروریات دین کا منکر کافر ومرتد ہے۔ جیسا کہ ردالمحتار میں ہے "لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام و ان کان من اهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات کما فی شرح التحریر۔" یعنی یہ بات متفق علیہ ہے کہ ضروریات اسلام کا مخالف کافر ہے اگرچہ عمر بھر عبادت کرتا رہے۔ (ج ۱ ص ۵۶۱) اھ فتاوی رضویہ، ج: ۳، ص: ۱۷۰ میں ہے اب وہابیہ میں کوئی ایسا نہ رہا جس کی بدعت کفر سے گری ہو خواہ وہ غیر مقلد ہو یا بظاہر مقلد۔ اھ

لہٰذا ان کی نماز جنازہ پڑھنا ہرگز جائز نہیں۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔" یعنی نہ ان میں سے کسی کی میت پر نماز پڑھنا اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا بے شک وہ اللہ اور رسول سے منکر ہوئے اور فاسق ہی مر گئے۔ (سورۂ توبہ، آیت ۸۴) تو جو لوگ زید کے عقائد سے مطلع تھے پھر بھی اس کی نماز جنازہ پڑھی یا پڑھائی ان پر علانیہ توبہ وتجدید ایمان لازم اور اگر بیوی رکھتے ہوں تو بعد توبہ وتجدید ایمان، تجدید نکاح بھی لازم۔ ایسا ہی فتاوی رضویہ ج: ۶، ص: ۱۲۱ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) آیت کریمہ لا تصل علی احد منهم مات ابدا۔ نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق وکافر ومرتد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور نہ پڑھنے کی اجازت دی۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر ج: ۲، ص: ۴۱۷ میں اسی آیت کے تحت ہے "لهذا کان رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد نزول هذه الاية عليه لا يصلی علی احد من المنفقين ولا يقوم علی قبره۔" یعنی اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ کسی منافق کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ ہی کسی منافق کی قبر پر کھڑے ہوئے۔ ادھر جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا دعی لجنازة سأل عنها فان اثنی علیها خیر قام فصلی علیها وان اثنی علیها غیر ذلك قال لاهلها شانکم بها ولم یصل۔" اھ (مسند امام احمد ابن حنبل، ج: ۶، ص: ۴۰۶) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری
۳ر محرم الحرام ۲۳ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

جنازہ لے کر چلنے میں سر آگے ہونا چاہئے یا پیر؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید جو اپنے آپ کو حافظ قاری، مفتی اور عالم کہتا ہے، ایک جنازہ کے موقع پر اس نے اپنی تقریر میں میت کو لے کر چلنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ میت کو لے کر چلیں تو اس کا پاؤں آگے رہے اور سر پیچھے، بار بار حوالہ طلب کرنے کے باوجود بھی کوئی کتاب نہ دکھا سکا اور اس کی جہالت کا عالم یہ ہے کہ جب اس سے مصنف کا نام پوچھا گیا تو نام مسلک اعلیٰ حضرت بتایا اور اپنی تقریر میں اکثر کہتا ہے: ''مسلک اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: '' پوچھنے پر کہتا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت سرکار اعلیٰ حضرت کا نام ہے۔ اور اپنی اہمیت جتانے کے لئے اپنے آپ کو اشرفیہ مبارکپور کا فارغ بتاتا ہے جب کہ معلومات کے بعد پتہ چلا کہ وہ وہاں کا فارغ نہیں ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید نے جو مسئلہ بتایا وہ صحیح ہے یا غلط؟ اور ایسے جھوٹے شخص کی اقتدا میں نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی**: غلام محمد رضوی، مدرسہ اہل سنت فیض الاسلام، ترکھا، جگدیش پور، بستی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زید نے جو مسئلہ بتایا وہ غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جنازہ لے چلنے میں سر آگے ہونا چاہئے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ''وفی حالة المشی بالجنازة یقدم الراس کذا فی المضمرات'' اھ (ص ۱۶۲، ج ۱، الفصل الرابع فی حمل الجنازة) بہار شریعت میں ہے: ''جنازہ لے چلنے میں سر آگے ہونا چاہئے۔'' (ص ۱۴۲، حصہ چہارم)

بغیر علم مسئلہ بتا کر لوگوں کو گمراہ کرنا اور جھوٹ بول کر لوگوں کو دھوکا دینا ناجائز و گناہ ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''من افتی بغیر علم لعنته ملئكة السماء و الارض۔'' یعنی جو شخص بغیر علم لوگوں کو مسائل شرعیہ بتاتا ہے اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ (کنز العمال ص ۱۹۳، ج ۱۰)

اگر وہ واقعی جامعہ اشرفیہ مبارکپور کا فارغ التحصیل نہیں ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے کہ وہاں کا کوئی فارغ التحصیل ایسا نہیں ہوتا تو یہ جھوٹ ہے اور فریب بھی جو حرام و گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البر وان البر یهدی الی الجنة وما یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقاً. وایاکم والکذب فان الکذب یهدی الی الفجور وان الفجور یهدی الی النار وما یزال العبد یکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عند اللہ کذاباً۔''

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صدق کو لازم کرلو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے، اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فجور جہنم کا راستہ دکھاتا ہے اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ (ترمذی شریف ص ۱۸، ج ۲)

لہٰذا زید پر لازم ہے کہ بے علم مسئلہ بتانے، جھوٹ بولنے، اور فریب دینے سے باز آئے اور صدق دل سے علانیہ توبہ واستغفار کرے۔ اگر زید ایسا کر لیتا ہے تو ٹھیک ورنہ اس کی اقتدا میں نماز درست نہیں بشرط استطاعت اسے امامت سے ہٹا دیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام مسلک اعلیٰ حضرت نہیں ہے بلکہ آپ کا نام "احمد رضا" اور "اعلیٰ حضرت" آپ کا لقب ہے۔ اور اس زمانے میں مسلک اہل سنت کا ایک نام مسلک اعلیٰ حضرت بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: غلام نبی نظامی علیمی
۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

نکیرین کا سوال عربی میں ہوگا یا سریانی زبان میں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

عوام وخواص میں یہ بات مشہور ہے کہ قبر میں منکر نکیر کا سوال عربی میں ہوگا اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے بھی اپنی کتاب جاء الحق میں تحریر فرمایا ہے کہ منکر نکیر کا سوال عربی میں ہوگا۔ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ "حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے حالانکہ بہت سے جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مرنے سے عربی زبان میں ملائکہ سوال کرتے ہیں وہ عربی سمجھ لیتا ہے" اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ سے کسی نے عرض کیا "عربی زبان مرنے کے وقت سے ہوجاتی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا "اس کی بابت تو کچھ حدیث میں ارشاد نہیں ہوا ہے حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب کتاب ابریز کے شیخ فرماتے ہیں منکر نکیر کا سوال سریانی میں ہوگا اور کچھ لفظ بھی بتائے ہیں۔ (الملفوظ ح ۴، ص ۱۲) تو آیا منکر نکیر کا سوال عربی میں ہوگا یا سریانی میں دونوں متضاد اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد معصوم ارشد رشیدی، تارا باڑی، پوسٹ آسجہ موبیہ ضلع پورنیہ، بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب منکر نکیر کا سوال عربی میں ہوگا یا سریانی میں اس کے متعلق کوئی صریح حدیث نہیں ہے۔ البتہ بعض علمائے کرام نے عربی زبان کا اور بعض نے سریانی زبان کا قول کیا ہے جیسے شیخ الاسلام صالح بلقینی اور حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہما نے سریانی زبان کا قول کیا ہے اور ان علمائے کرام نے جن احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ اسے تفصیل سے فتاوی حدیثیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"والحاصل الاخذ بظاهر الاحاديث هو ان السوال لسائر الناس بالعربية نظير مامر انه لسان اهل الجنة الا ان ثبت خلاف ذلك ولايستبعد تكلم غيرالعربي بالعربية لان ذلك الوقت وقت تخرق فيه العادات و من ثم ذكر القرطبي والغزالي عن ابي مسعود رضي الله عنه انه قال "يا رسول الله ما اول مايلقي الميت اذا دخل قبره قال يا ابن مسعود ما سالني عنه الا انت فاول ماياتيه ملك اسمه رومان يجوس خلال المقابر فيقول يا عبدالله اكتب عملك فيقول مامعي دواة ولاقرطاس فيقول هيهات كفنك قرطاسك ومدادك ريقك وقلمك أصبعك فيقطع له قطعة من كفنه ثم يجعل العبد يكتب وان كان غير كاتب في الدنيا فيذكر حسناته وسياته كيوم واحد" الحديث بطوله" ثم رايت شيخ الاسلام صالحاً البلقيني افتى بان السوال في القبر بالسرياني لكل ميت ولعله أخذهٗ من الحديث الذي ذكرته لكنك قدعلمت مما قررته فيه انه لادلالة في الحديث ومن ثم قال تلميذه الجلال السيوطي لم ار ذلك لغيره.

ظاہر حدیث سے جو اخذ کیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ تمام لوگوں سے عربی زبان میں سوال ہوگا۔ اس کی نظیر وہ حدیث ہے جو گزر چکی کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔ مگر یہ کہ اس کے خلاف ثابت ہو جائے اور غیر عربی کا عربی بولنا بعید نہیں ہے اس لئے کہ وہ وقت ایسا ہے جس میں عادت کے خلاف ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے قرطبی و غزالی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی کہ انہوں نے فرمایا۔ یارسول اللہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو سب سے پہلے میت کی ملاقات کس سے ہوتی ہے۔ فرمایا اے ابن مسعود یہ سوال صرف تم نے ہی مجھ سے پوچھا ہے۔ پس سب سے پہلے جو میت کے پاس آتا ہے وہ فرشتہ ہے جس کا نام رومان ہے جو قبروں کے درمیان گھس جاتا ہے اور کہتا ہے اے اللہ کے بندے اپنے اعمال لکھ تو مردہ کہتا ہے میرے پاس دوات و کاغذ نہیں ہے تو فرشتہ کہتا ہے اپنے کفن کو کاغذ بناؤ اور اپنے تھوک کو روشنائی اور اپنی انگلی کو قلم بناؤ۔ تو مردہ اپنے کفن سے ایک ٹکڑا اس کے لئے

پھاڑتا ہے پھر لکھنا شروع کرتا ہے اگر چہ دنیا میں لکھنا نہ جانتا ہو تو وہ اپنی بھلائیاں و برائیاں ایک دن کی طرح ذکر کرتا ہے "حدیث لمبی ہے" پھر میں نے شیخ الاسلام صالح بلقینی کو دیکھا کہ انہوں نے تمام مردوں سے سریانی زبان میں سوال ہونے کا فتویٰ دیا اور شاید انہوں نے اسی حدیث سے اخذ کیا جو میں نے ذکر کی۔ لیکن آپ جانتے ہیں جو میں نے اس کے تعلق سے ثابت کیا کہ حدیث میں اس کی دلالت نہیں ہے اور اسی وجہ سے ان کے شاگرد جلال الدین سیوطی نے فرمایا میں نے ان کے علاوہ کسی کو اس کا قائل نہ دیکھا۔ (ص۱۱)

رہی بات یہ کہ منکر نکیر کا سوال عربی میں ہوگا یا سریانی میں تو یہ مرنے کے بعد معلوم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد محسن المصباحی
۱۷ جمادی الاخر ۱۴۳۲ھ

بالغ و نابالغ کی جنازہ ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:
بالغ اور نابالغ بچے کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عاشق علی رضوی، بہرائچی دار العلوم اہل سنت، شاہی مسجد ناسک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بالغ اور نابالغ بچے کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں مگر اولیٰ یہ ہے کہ ہر ایک کی نماز جنازہ الگ الگ پڑھی جائے۔ درمختار و ردالمحتار میں ہے: "**اذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلاۃ علی کل واحد اولی من الجمع**" اھ (ص۱۱۸، ج۳) ایسا ہی فتاویٰ مصطفویہ ص ۶۶ میں بھی ہے اور امام سے قریب بالغ اور نابالغ میتوں کو اس ترتیب سے رکھیں کہ جب امام نماز جنازہ کے لئے کھڑا ہو تو سب کے سینوں کے مقابل ہو کہ یہی سنت ہے۔ ردالمحتار میں ہے: "**لان السنۃ ھی قیام الامام بحذاء المیت**" اھ (ج۳، ص۱۱۸) جیسے اگر میت مرد اور نابالغ بچہ، مخنث یا قریب البلوغ عورت کی ایک ساتھ جمع ہو جائے تو امام کے قریب مرد پھر نابالغ بچہ پھر مخنث پھر بالغ عورت پھر قریب البلوغ عورت کو رکھا جائے۔ درمختار و ردالمحتار میں ہے: "**فیقرب منہ الافضل فالافضل الرجل مما یلیہ فالصبی فالخنثی فالبالغۃ فالمراھقۃ**" (ج۳، ص۱۱۹) ایسی صورت میں امام سب سے پہلے بالغین کی نماز جنازہ والی دعائیں پڑھے پھر نابالغین والی دعائیں پڑھے ایسا ہی فتاویٰ مصطفویہ ص ۲۹۰ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: مشتاق احمد قادری عزیزی
۱۹ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ

نائیلون کے تھیلوں میں مٹی بھر کر لحد بند کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:
ہمارے علاقے میں پہلے قبر کی لحد کچی اینٹوں سے بند کرتے تھے لیکن اب کچھ جگہوں میں اینٹوں کے بجائے نائیلان (Nylon) کے تھیلوں میں مٹی بھر کر اس سے قبر کی لحد بند کرتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ یہ نائیلان تھیلے گلتے سڑتے نہیں تو کیا نائیلان تھیلوں میں مٹی بھر کر اس سے لحد بند کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: از عبد الغفار وانی، سویہ بگ، بڈگام کشمیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب سنت یہی ہے کہ قبر کی لحد کچی اینٹوں سے بند کی جائے اور کچی اینٹوں کے بجائے نائیلان تھیلے میں مٹی بھر کر بند نہ کرنا چاہئے کہ یہ خلاف سنت ہے۔ ہدایہ میں ہے:
"و یسوی اللبن علی اللحد لانہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل علی قبرہ اللبن" اھ (ص ۱۶۲، ج ۱ باب الجنائز فصل فی الدفن)

ایسا ہی بہار شریعت ص ۱۶۱، ح ۴ میں بھی ہے۔
اور اگر نائیلان یا اس کا تھیلا تیار کرنے کے لئے اسے آگ یا بجلی کے ذریعہ پگھلایا جاتا ہو تو اس وجہ سے بھی اس کا استعمال ممنوع ہوگا کہ اس میں آگ اور اس کے قائم مقام چیز بجلی سے بدفالی ہے یہی وجہ ہے کہ پختہ اینٹوں کے استعمال سے ممانعت کی گئی ہے۔ درمختار میں ہے:
"و یسوی اللبن و القصب لا الاجر المطبوخ" اھ رد المحتار میں بدائع سے ہے:
"لانہ مما مستہ النار، فیکرہ ان یجعل علی المیت تفاؤلا کما یکرہ ان یتبع قبرہ بنار تفاؤلا" اھ (ص ۲۳۶، ج ۲)

ہاں اگر وہاں کی زمین نرم ہو اس لئے نائیلان استعمال کرتے ہوں تاکہ قبر دھنسنے سے محفوظ رہے تو اجازت ہے اور اب کوئی حرج نہیں۔ درمختار میں ہے: "و جاز ذلک حولہ بارض رخوۃ کالتابوت" اھ ردالمحتار میں ہے: "قولہ وجاز ذلک ای الآجر و الخشب" اھ نیز اسی میں ہے: "و قال مشائخ بخاری لایکرہ الاجر فی بلدتنا للحاجۃ الیہ لضعف الأراضی" اھ (ص ۲۳۶، ج ۲) واللہ تعالیٰ أعلم۔

کتبہ: محمد حسین رضوی
۲۵ ر جمادی الآخرہ ۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا دوسرے محلہ والوں کو اپنے محلہ کی قبرستان میں دفن سے روک سکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ہم باشندگان سویہ بگ کے تین محلے (فقیر محلہ، آستان پورہ اور گرہ محلہ) میں چھ سو سال پہلے قبرستان وجود میں آیا ہے جس میں ہم تینوں محلے والے میتوں کو دفناتے آتے رہے باقی دوسرے محلے والے اپنے اپنے نزدیک قبرستان میں میتوں کو دفناتے آتے رہے آج سے تقریباً ۷۰ رسال پہلے تین پیشہ ور لوگ جو ہمارے گاؤں کے دوسرے محلہ میں رہتے تھے گاؤں کی خدمت کرتے تھے ان کے مرنے کے وقت ان مذکورہ پیشہ ور لوگوں کو ہمارے پرانے بزرگوں نے ہمارے تینوں محلے والے قبرستان میں دفنانے کی اجازت دی تھی تب سے مذکورہ اشخاص کے خاندان کی اولاد اپنی میتوں کو ہمارے قبرستان میں دفناتی چلی آ رہی ہے اور ساتھ ہی ان کو ہمارے قبرستان تک درمیان میں تین قبرستان آتے ہیں وہ چھوڑ کر ہمارے قبرستان میں لاتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ دو تین سالوں سے ہم محلہ والے ان کو اس قبرستان میں میت دفنانے سے روک رہے ہیں ہمیں اپنے تینوں محلوں کے لئے اس قبرستان میں پوری گنجائش نہیں ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ ان کو اس قبرستان میں میت دفنانے سے روک دیں تو از روئے شرع ان کو روکنا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: باشندگان، سویہ بگ، بڈگام، کشمیر

الجواب مستحب یہی ہے کہ جس گاؤں یا شہر یا محلہ میں کسی کا انتقال ہو وہیں کے قبرستان میں اسے دفن کریں۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ویستحب فی القتیل و المیت دفنہ فی المکان الذی مات فی مقابر اولئك القوم" اھ (الفصل السادس فی القبر و الدفن و النقل من مکان الی آخر.)(ص ۱۶۷، ج ۱)

جب مذکورہ اشخاص کے خاندان کی اولاد تقریباً ۷۰ رسال سے دوسرے محلہ میں آباد ہیں تو ان کے لئے مستحب یہی ہے کہ وہ اپنی اموات کو اپنے محلہ والوں کے قبرستان میں دفن کریں اب اگر آپ لوگوں کا انھیں روکنا اس غرض سے ہے کہ آپ لوگوں کے محلہ والے قبرستان کا وقف اسی محلہ کی اموات کے لئے خاص ہے یا قدیم عمل درآمد یہی ہے تو درست ہے۔ ورنہ تدفین سے روک نہیں سکتے، اور قدیم قبرستان میں عموماً شرط واقف کا پتہ نہیں ہوتا اور اس کا اثبات بھی بہت مشکل ہے۔ اگر یہاں بھی ایسا ہی ہے تو عامۂ مسلمین کو وہاں تدفین سے روکنا شرعاً درست نہ ہوگا۔

"تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے: "ثم لا فرق فی الانتفاع بمثل ھذہ

الاشیاء بین الغنی و الفقیر حتی جاز للکل النزول فی الخان و الرباط و الشرب من السقایۃ و الدفن فی المقبرۃ۔ اھ (کتاب الوقف، ص ۴۳۱، ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: محمد حسین رضوی
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

دوسرے گاؤں کے مردے کو قبرستان میں دفن سے روکنا کیسا ہے؟

قبرستان میں اُپلا بنانا اور سُکھانا کیسا ہے؟ ’’خلوق‘‘ کسے کہتے ہیں؟

مسئلہ (۱) زید کا انتقال ہوا تو بغل میں ایک گاؤں ہے بیگار پور اس گاؤں میں بہت بڑا قبرستان ہے وسیع و عریض ہے۔ زید کی تدفین کے لئے اس قبرستان میں قبر کھودی جارہی تھی کہ گاؤں کے چند لوگ وہاں پہنچ کر منع کر دئے کہ بیگار پور کے علاوہ اس قبرستان میں کسی کی مٹی نہیں ہوگی پھر زید کو اپنی زمین جو دروازے کے سامنے ہے مسجد کے بغل میں دفن کر دیا گیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ شرعی روشنی میں صرف گاؤں والے ہی قبرستان میں دفن ہو سکتے ہیں۔ دوسرے گاؤں والوں کو نہیں دفن کیا جا سکتا ہے؟ کیا منع کرنے والے غلطی پر ہیں۔ اور ان پر حکم شرع کیا ہے؟

(۲) قبرستان میں گوبر کا اوپلا بنانا اور سکھانا کیسا ہے؟ حکم شرع بیان فرمائیں نیز والدین کی قبر کے بغل میں بھینس باندھنا شرعاً کیسا ہے؟

(۳) بہار شریعت حصہ دوم میں ہے ’’تین شخصوں کے پاس فرشتے نہیں آتے کافر کا مردہ، خلوق میں لتھڑا ہوا ’’جنب مگر یہ کہ وضو کرلے‘‘ کافر کا مردہ اور خلوق کا خلاصہ فرمائیں خلوق کیا ہے؟ فقط والسلام

المستفتی: حافظ شکیل احمد عطاری، امام مسجد چکا

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اصل حکم شرع یہ ہے کہ جس کا جہاں انتقال ہوا اسے وہیں کے قبرستان میں دفن کیا جائے اور دوسری جگہ دفن کرنے کے لئے نہ لے جایا جائے۔ اس لئے اگر زید کے گاؤں کا کوئی قبرستان تھا تو اسے وہیں دفن کرنا چاہئے تھا لیکن سوال سے ایک احساس یہ ابھرتا ہے کہ شاید اس کے گاؤں میں کوئی قبرستان نہیں کیونکہ قبرستان میں دفن پر روک کی صورت میں اسے اس کی زمین میں دفن کیا گیا۔ اگر واقعی یہی ہے اور بیگار پور کا قبرستان وقفی ہے تو زید کو اس میں دفن کرنے سے روکنا زیادتی ہے کہ اب وہی قبرستان زید کا قریبی قبرستان ہے اور وقفی قبرستان میں عامہ مسلمین کو دفن کا حق ہے اور اس سے ممانعت بے جا۔

بہار شریعت میں ہے جس شہر یا گاؤں وغیرہ میں انتقال ہوا وہیں کے قبرستان میں دفن کرنا مستحب ہے۔ اگرچہ وہاں رہتا نہ ہو بلکہ جس گھر میں انتقال ہوا اس گھر والوں کے قبرستان میں دفن کریں اور ایک دو میل باہر لے جانے میں حرج نہیں۔ شہر کے قبرستان اکثر اتنے فاصلہ پر ہوتے ہیں اور اگر دوسرے شہر کو اس کی لاش اٹھالے جائیں تو اکثر علماء نے منع فرمایا اور یہی صحیح ہے۔ (ص:۱۴۵، ح:۴)

وقفی قبرستان عام مسلمانوں کے لئے وقف ہوتا ہے تو کسی بھی مسلمان کو اس میں دفن کیا جاسکتا ہے اس لئے صرف گاؤں والوں کے لئے خاص کر لینا یا کسی مسلمان کو اس وقفی قبرستان میں تدفین سے روکنا ناجائز و گناہ ہے اور شریعت پر زیادتی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ "مقبرہ عام مسلمانوں کے لئے وقف ہوتا ہے ہر مسلمان کو اس میں دفن کا حق پہنچتا ہے بلکہ مقبرہ کا عموم مسجد کے عموم سے بھی بہت زیادہ ہے بہت لوگ ہیں جنہیں مسجد سے روکنے کا حکم ہے مثلاً جذامی اور ابرص جس کا برص شائع ہو یا جس کے منھ یا بدن یا لباس میں بدبو ہو یا بدزبان یا جس کے آنے سے فتنہ اٹھے جیسے غیر مقلدین، وہابی، رافضی، وغیرہم مگر مقبرہ اہلسنت میں کسی سنی مسلمان کی ممانعت نہیں ہوسکتی۔" (ملخصاً، ص ۴۹۰، ج ۶)

لہٰذا جن لوگوں نے زید کو قبرستان میں دفن ہونے سے روکا وہ تمام لوگ زید کے گھر والوں سے جنہیں ایذا پہنچائی ان سے معافی طلب کریں اور اپنی اس حرکت سے بھی توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) قبرستان میں گوبر کے اوپلے بنانا اور بھینس باندھنا ممنوع و مکروہ ہے کہ اس کی وجہ سے قبرستان کی زمین نجاست سے آلودہ ہوتی ہے۔ پیشاب، پاخانہ کی بدبو پھیلتی ہے جو زیارت قبور سے مانع ہے۔ کوئی پاکیزہ طبیعت شخص ایسی جگہ ٹھہر کر فاتحہ نہیں پڑھ سکتا زیارت قبور شرعاً مطلوب ہے اور یہ امور اس میں حرج پیدا کرتے ہیں اس لئے وہ ممنوع و مکروہ ہے۔

ساتھ ہی ان باتوں سے قبور مسلمین کی بے حرمتی بھی ہوتی ہے جو بجائے خود مکروہ و ممنوع ہے اور اگر وہ قبرستان وقفی ہو تو اس میں ایک الگ قباحت ہے کہ یہ وقف کو غیر مصرف میں استعمال کرنا ہے بلکہ وقف میں تصرف مالکانہ ہے اور وقفی قبرستان میں کسی طرح کا مالکانہ تصرف جائز نہیں اگر کوئی شخص موقوفہ زمین میں کسی بھی طرح کا مالکانہ تصرف کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اسے روکیں اور اگر متولی ہے تو اسے بھی اس کی اجازت نہیں ہے چہ جائے کہ عام لوگ اس میں گوبر کا اوپلا بنائیں یا قبرستان میں بھینس باندھیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے "وقف میں تصرف مالکانہ حرام ہے اور متولی جب ایسا کرے تو فرض ہے کہ اسے

نکال دیں اگر چہ خود واقف ہو چہ جائے کہ دیگر درمختار میں ہے ویلزع وجوبا ولوالواقف درر فغیرہ بالاولی لو غیر مامون۔ "(ص ۳۵۴ ج: ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ثلاثۃ لاتقربھم الملئکۃ جیفۃ الکافر والمتضمخ بالخلوق والجنب الا ان یتوضأ رواہ ابو داؤد (مشکوۃ المصابیح، ص: ۵۰، ج:۱)

اس حدیث میں خلوق سے مراد ایک قسم کی رنگین خوشبو ہے جو زعفران سے بنائی جاتی ہے اور اس میں سرخی یا زردی زیادہ ہوتی ہے یہ خوشبو عورتوں کے لئے جائز اور مردوں کے لئے ناجائز ہے۔

حاشیہ مشکوۃ میں ہے: بالخلوق ھو طیب له صبغ یتخذ من الزعفران وغیرہ وتغلب علیه حمرۃ مع صفرۃ وقد ابیح تارۃ ونھی اخری عنه وھو الاکثر والنھی مختص بالرجال دون النساء (ص: ۵۰، ج:۱) ایسا ہی بہار شریعت ص ۳۰، ج ۳ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: غلام مرتضیٰ رضوی
۲۲ / جمادی الآخر ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کافرہ نے تین، چار لوگوں کے سامنے اسلام قبول کیا تو اس کی تجہیز و تکفین ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک ہندو عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا پھر کچھ دنوں بعد مذکورہ عورت تین چار لوگوں کی موجودگی میں مسلمان ہوگئی اور ایک مسلمان کے ساتھ اس نے کورٹ میرج ونکاح بھی کرایا دونوں الگ ایک کرائے کے مکان میں رہنے لگے۔ لیکن ان باتوں کا یعنی مسلمان ہونے کا اور نکاح کرنے کا اعلان نہیں کیا گیا تین چار سال کے بعد ایکسیڈنٹ میں عورت کا انتقال ہو گیا تو کیا انتقال شدہ عورت کی نماز جنازہ و مسلمان کے قبرستان میں دفنانا درست ہے یا نہیں؟ **المستفتی:** ارشاد علی حشمتی، مقام و پوسٹ محمود آباد ضلع بارہ بنکی (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب مذکورہ عورت نے تین چار لوگوں کی موجودگی میں جب اسلام قبول کر لیا ہے گو کہ اس نے اپنے مسلمان ہونے اور نکاح کرنے کا عام اعلان نہ کیا ہو وہ ایک مسلمہ عورت ہے محض اعلان عام نہ کرنے کے سبب اسے اسلام سے خارج نہ مانا جائے گا جب تک اس سے کوئی قول یا فعل جو منافی ایمان ہے نہ صادر ہو۔ ایسا ہی بہار شریعت ح:۱، ص: ۵ میں ہے اور فتاویٰ رضویہ میں ہے۔ "پھانسی ہو جانے سے ایک آن پہلے اسلام لائے مسلمان ہو جائے گا

اوراس کی تجہیز وتکفین اوراس کے جنازہ کی نماز مسلمانوں پر فرض ہوگی۔ (ج:۶،ص:۱۲۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابراراحمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد اکبر علی المصباحی
۳۰؍شوال المکرم ۱۴۳۱ھ

دفن کے لئے زمین بیچنا کیسا ہے؟

مسئلہ نجی زمین روپیہ لے کر دفن کرنے کے لئے دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: مولانا شریف الحسن قادری، ہوڑہ بنگال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب نجی زمین روپیہ لے کر دفن کرنے کے لئے دینا جائز ہے جبکہ اس سے قبل اس زمین میں مردے نہ دفن کئے گئے ہوں اور اگر مردے دفن کئے گئے ہوں تو مواضع قبور کو روپیہ لے کر دفن کرنے کے لئے دینا جائز نہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ”جو قبرستان کسی کی ملک ہو جس میں اس نے مردے دفن کئے ہوں مگر اس کام کے لئے وقف نہ کیا ہو وہ بھی نہ مواضع قبور کو بیچ سکتا ہے نہ رہن کر سکتا ہے کہ اس میں توہین اموات مسلمین ہے جو حرام ہے۔“ (فتاوی رضویہ ج:۴،ص:۱۰۸) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابراراحمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد ارشد رضا نظامی مصباحی
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

کیا قبر پر اذان درست ہے؟

مسئلہ بعد دفن میت قبر پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا

المستفتی: خلیل ایس شیخ، ویرارتھانہ (مہاراشٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعد دفن میت قبر پر اذان پڑھنا بدعت حسنہ یعنی اچھا کام ہے۔ یہ اذان شیطان کے وسوسے سے بچانے اور منکر نکیر کے سوالات کے جوابات سکھانے اور میت کو انس دلانے کے لئے ہے۔ منکر نکیر جب میت سے سوال کرتے ہیں ”من ربک“ تو ابلیس لعین اپنی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ معاذ اللہ میت ابلیس کو اپنا رب کہہ دے تو ایسے وقت میں اذان پڑھنے سے شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اذان کن نہیں پاتا ہے پھر میت کو منکر نکیر کے سوال پر جواب دینے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

فتاویٰ مصطفویہ میں ہے ہمارے علماء کا اجماعی قاعدۂ مسلمہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ تو اذان علی القبر بھی اصل میں اجماعا مباح ہے اور عروض کراہت وحرمت کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ اھ (ص:۲۷۵)

ردالمحتار "باب استیلاء الکفار" میں ہے "ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" اھ (ص:۱۶۱، ج:۴)

یہ اذان کہنے کو تو اذان ہے ورنہ حقیقت میں تلقین میت اور اصل تلقین میت حدیث سے ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے بعد دفن میت کو تلقین کرنے کا حکم دیا۔ تو قبر پر کہے اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔ تو دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ فائدہ ہی ہے کہ میت کو ذکر اللہ سے انسیت ہوتی ہے اور اذان میں پوری تلقین ہے۔

ردالمحتار "مطلب فی التلقین بعد الموت" میں ہے:

"اما عند اھل السنۃ فالحدیث ای لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ" محمول علی الحقیقۃ وقد روی عنہ علیہ السلام انہ امر بالتلقین بعد الدفن فیقول یا فلان بن فلان اذکر دینک الذی کنت علیھا و انما لاینھی عن التلقین بعد الدفن لانہ لاضرر فیہ بل فیہ نفع فان المیت یستانس بالذکر علی ماورد فی الآثار۔" اھ ملخصا (ص:۱۹۱، ج:۲)

اہلسنت کے نزدیک یہ حدیث "لقنوا موتاکم" اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کرنے کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر کہے کہ فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا اور دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں نفع ہے کیونکہ میت ذکر الٰہی سے انس حاصل کرتی ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

اور نماز کے علاوہ چند جگہ اذان پڑھنا مستحب ہے ان میں سے ایک جگہ یہ بھی ہے کہ جب میت کو دفن کرکے فارغ ہوں۔ ردالمحتار "باب اذان" میں ہے "قد یسن الاذان لغیر الصلاۃ کما فی اذن المولود والمھموم المصروع والغضبان ومن ساء خلقہ من انسان او بھیمۃ وعند مزدحم الجیش وعند الحریق قیل وعند انزال المیت القبر۔" اھ (ص:۳۸۵، ج:۱)

نماز کے علاوہ اور جگہ بھی اذان مسنون ہے جیسے نومولود اور مغموم اور مرگی والے اور غصہ والے اور شریر انسان یا چوپائے کے کان میں اور لشکروں کے مڈبھیڑ ہونے کے وقت اور آگ لگنے کے وقت اور میت کو قبر میں اتارنے کے وقت" ایسا ہی "ایذان الاجر فی اذان القبر" اور فتاویٰ امجدیہ ص:۳۶۶، ج:۱ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: غلام نبی نظامی علیمی
۳۰ ربیع النور ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

جنازہ کے بعد دُعا کا کیا ثبوت ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل میں کہ جنازہ کے بعد دعا کا ثبوت قرآن و حدیث سے درکار ہے؟ فقط والسلام

المستفتی: عبدالرشید شیخ، مہتمم مدرسہ عزیزیہ مدینۃ الاسلام، جامع مسجد سیڑی حدہانہ، پونچھ کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب دعا بعد نماز جنازہ مندوب وشرعاً مطلوب ہے۔ نصوص قرآن وحدیث مطلق دعا کے بارے میں وارد ہیں جس میں کسی زمانہ کی تقیید وتحدید نہیں کہ فلاں وقت جائز ومستحب ہے اور فلاں وقت میں ناجائز وممنوع لہٰذا بعد نماز جنازہ کی دعا مطلق دعا میں شامل ہے تو اس کے جائز ومباح ہونے کے بارے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ مشکوۃ شریف باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیہاص ۱۴۶ پر ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء' یعنی جب تم لوگ نماز جنازہ پڑھ لو تو میت کے لئے دعا مانگو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد شاہ عالم قادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۴ ذوالقعدہ، ۲۲ھ

کیا رمضان و جمعہ کو انتقال کرنے والے اور شہید بلا حساب جنت میں جائیں گے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

جس کا انتقال رمضان شریف کے مہینے میں یا جمعہ کے دن ہو یا جو راہ خدا میں شہید ہو وہ بغیر حساب جنت میں جائے گا کیا یہ صحیح ہے؟ اگر ہاں تو اس کا معنی کیا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: نور محمد خان مائل رضوی چورو، راجستھان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جس کا انتقال ماہ رمضان المبارک میں یا جمعہ کے دن یا جمعہ کی شب میں ہو یا وہ شہید ہو تو اس سے سوال قبر نہ ہوگا اور وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا تو شان کریمی کا تقاضا یہ ہے کہ جب ایک چیز کو معاف کردے تو دوبارہ اس پر مواخذہ نہ کرے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: ''جو مسلمان ان میں مرے گا سوال

نکیرین وعذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ واللہ اکرم ان یعفو من شئی ثم یعود فیہ اللہ اس سے زیادہ کریم ہے کہ ایک شی کو معاف فرما کر پھر اس پر مواخذہ کرے" اھ (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۱۲۴)

درمختار میں ہے: "و من مات فیہ او فی لیلتہ امن من عذاب القبر ولا تسجر فیہ جهنم" اھ (ج ۳ ص ۴۴، باب الجمعة)

قبر میں سوال ہوتا ہے حساب و کتاب نہیں ہوتا حساب و کتاب تو قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائے گا اور اپنے کچھ خاص بندوں کو بلا حساب ہی جنت سے سرفراز فرمائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد ابراہیم المصباحی
۲۸ ربیع الغوث ۱۴۳۲ھ

جس قبرستان میں بدمذہب بھی دفن ہو اس میں ایصال ثواب کیسے کرے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ایک قبرستان ہے اس میں شیعہ اہل سنت وجماعت اور وہابی دیوبندی ہر طرح کے لوگ مدفون ہیں۔ اہل سنت کے حضرات اس قبرستان میں ایصال ثواب کرنے کے لئے جاتے ہیں تو کس طرح سے ایصال ثواب کریں۔

کیا اس قبرستان میں مدفون پورے مردوں کے لئے ایصال ثواب کریں۔

المستفتی: عبدالرشید احمد نوری بھوپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ایسا قبرستان جس میں اہل سنت اور رافضی وغیرہ بدمذہب وہابی دیوبندی مدفون ہیں اس میں ایصال ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ دعا میں خاص مسلمان مردوں کی روحوں کو ایصال ثواب کا قصد کرے یا یہ کہے یا اللہ اس قبرستان کے تمام مسلمین ومسلمات کو ثواب عطا فرما۔

اس لئے کہ وہابی دیوبندی شان رسالت میں گستاخیاں کرنے اور ضروریات دین کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ومرتد ہیں اسی طرح آج کل کے عام رافضی بھی کافر ومرتد ہیں لہٰذا ان کو ایصال ثواب کرنا حرام ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ

یعنی ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک وہ اللہ ورسول

سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔ (سورۃ توبہ آیت ۸۴)

فتاویٰ رضویہ میں ہے آج کل کے عام رافضی کہ منکرات ضروریات دین ہیں اسے ہرگز کسی طرح کسی فعل خیر کا ثواب نہیں پہنچ سکتا۔ قال اللہ تعالیٰ و مالھم فی الاٰخرۃ من خلاق انہیں ایصال ثواب کرنا معاذ اللہ خود راہ کفر کی طرف جانا ہے۔ (ج ۴ ص ۱۹۶)

جنازہ کے باب میں فقہا نے صراحت فرمائی ہے کہ اگر لاشیں مختلط ہوں اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان میں کون مسلمان ہے کون کافر تو جنازہ میں خاص مسلمین کے لئے دعا کا قصد کیا جائے۔

درمختار میں ہے: اختلط موتانا بکفار و لا علامۃ اعتبر الاکثر فان استووا غسلوا واختلف فی الصلاۃ علیھم اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے فقیل لا یصلی لان ترک الصلاۃ علی المسلم مشروع وقیل یصلی ویقصد المسلمین لانہ ان عجز عن التعیین لا یعجز عن القصد۔

(ج ۳ ص ۹۳، ۹۴ باب صلاۃ الجنائز)

کتبہٗ: عبدالرحیم فیضی

۲۴ ربیع الغوث ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

اپنی زندگی میں اپنے لئے قبر و گنبد بنوانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ایک شخص ابھی باحیات ہے اور اپنی حیات ہی میں اپنے لئے قبر اور اس کے اوپر گنبد تیار کروالیا ہے اب مسئلہ غور طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح حیات ہی میں قبر اور پھر اس کے اوپر گنبد تیار کر کے رکھوانا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تشفی بخش جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت کریں۔

المستفی: تاج محمد صاحب رحمت نگر سیڑم گلبرگہ کرناٹک ۔ ۵۸۵۲۲۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زندگی ہی میں پہلے سے اپنے لئے قبر نہ بنانا چاہئے کہ بے کار اور بے معنی ہے اس لئے کہ معلوم ہی نہیں کہ اس کا انتقال کب اور کہاں ہوگا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد پاک ہے وما تدری نفس بای ارض تموت (سورۃ لقمان آیت ۳۴) لہٰذا اپنی حیات ہی میں اپنے لئے قبر تیار کروانا منع ہے۔

درمختار باب صلاۃ الجنازۃ میں ہے والذی ینبغی ان لا یکرہ تھیئۃ نحو الکفن بخلاف القبر لقولہ تعالیٰ وماتدری نفس بای ارض تموت (ج ۳ ص ۱۵۴ کتاب الجنائز)

اوراسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ کفن پہلے سے تیار کرنے میں کوئی حرج نہیں اور قبر پہلے سے بنانا نہ چاہیے (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۸۲) ایسا ہی بہار شریعت ح ۴ ص ۱۴۶ پر بھی ہے۔

اور جب قبر بنانا عندالشرع ناپسندیدہ ہے تو مزار وگنبد بنانا بدرجہ اولیٰ ناپسندیدہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: عبدالرحیم نیفی
۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کافر کا بچہ مسلمان نے گود لیا تو اس کی تجہیز و تکفین کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ زید بے اولاد تھا اس نے ایک غیر مسلم کے تین روزہ بچے کو گود لیا پھر وہ دو ماہ کے اندر بیمار پڑا اور فوت ہوگیا اسے مسلم قبرستان میں دفن کرنا کیسا؟ وہاں کے لوگوں نے اسے مسلم قبرستان میں دفن نہیں کرنے دیا کیونکہ ان کی نظر میں بچہ مسلمان نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سید محمد شبیر قادری مالونی، ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب چھوٹے بچے اپنے والدین کے تابع ہوتے ہیں اس لئے مشرکین کے بچوں کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ بحر الرائق ج: ۲، ص: ۱۸۹ پر ہے: "لا یصلی علیه لانه تبع لهما للحدیث کل مولود یولد علی الفطرة فابواہ یهودانه" الخ اھ۔

زیر غور مسئلے میں بچے کا نسب ثابت ہے اس کے والدین کا غیر مسلم ہونا متحقق ہے نہ بچہ کا دار بدلا نہ اس کے والدین کی تبعیت سے مانع کوئی شی پائی گئی تو وہ دنیوی احکام میں اپنے والدین ہی کے تابع ہے صرف گود لینے سے وہ مسلمان کے تابع نہ ہوا۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ رافضی وغیرہ بدمذہبوں کے بچے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں "نابالغ سمجھدار ہے تو اس کا اسلام معتبر ہے اور ناسمجھ ہے تو خیر الابوین کا تابع ہے اس میں دیگر ورثاء کا اعتبار نہیں لہٰذا اگر اس کے والدین کفریہ عقائد رکھتے ہوں اور بچہ ناسمجھ ہو تو جنازہ میں شرکت جائز نہیں (فتاویٰ امجدیہ ج: ۱، ص: ۳۱۴) اس عبارت سے یہ امر پورے طور پر واضح ہوگیا کہ تبعیت میں والدین ہی کا اعتبار ہے دیگر لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا غیر مسلم کا وہ بچہ جس کو مسلمان نے گود لیا اور دو مہینے کے اندر فوت ہوگیا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ اسے مسلم قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد حبیب اللہ مصباحی
۲۷ رشوال المکرم ۲۳ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

حادثات میں مرنے والی خواتین کی پہچان کس طرح کی جائے؟

مسئلہ حادثات میں مرنے والی خواتین کی پہچان کس طرح کی جائے؟ بینوا توجروا

المستفتی: عبدالستار خاں، کرناٹک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب صورت مذکورہ میں دیکھا جائے اگر اس کی وضع قطع مسلمانوں جیسی ہو یا کوئی ایسی علامت ہو جس سے اس کا مسلمان ہونا ثابت ہو یا مسلمانوں کے محلہ میں ملی تو اسے غسل وکفن دیں اور نماز جنازہ پڑھیں ورنہ نہیں۔ فتاوی عالمگیری میں ہے: من لایدری انہ مسلم او کافر فان کان علیہ سیما المسلمین اوفی بقاع دار الاسلام یغسل والافلا، کذا فی معراج الدرایۃ۔اھ (ج:۱،ص:۱۵۹) اور ایسا ہی بہار شریعت حصہ چہارم ص: ۱۴۷ پر بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری جونپوری
۱۰؍ربیع النور ۱۴۲۴ھ

میت کی صندوق یا چارپائی پر آیات لکھی چادر ڈالنا کیسا ہے؟

مسئلہ میت کو صندوق میں یا چارپائی پر رکھنے کے بعد ایک چادر اوپر ڈالی جاتی ہے جس پر آیات قرآنیہ یا کلمات وغیرہا چہار جانب مرقوم ہوتے ہیں اس کے بارے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: صوفی صدیق نوری، ۲۰، جواہر مارگ، اندور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب یہ چادر میت کے جسم پر نہیں ڈالی جاتی بلکہ اس کی چارپائی کے چاروں طرف جو اونچی دیوار ہوتی ہے اس پر ڈالی جاتی ہے اور اس میں آیات قرآن اور کلمات شریفہ وغیرہا کی کوئی توہین نہیں ہوتی۔ سر کی طرف جو چادر ہے ادھر تو توہین کا محل ہی نہیں ہے۔ ہاں پاؤں کی طرف چادر کا جو حصہ ہوتا ہے وہاں بے حرمتی کا گمان ہوسکتا ہے مگر وہاں یہ بے حرمتی اس لئے نہیں پائی جاتی کہ چادر اور قدم کے بیچ میں لکڑی وغیرہ کی دیوار حائل ہوتی ہے۔ الغرض احتیاط کے ساتھ چارپائی کی دیواروں کے اوپر سے برکت کے لئے ایسی چادر ڈالنی جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ تحقیق کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کا رسالہ "الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن" مشمولہ فتاوی رضویہ جلد ۴ کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: غلام احمد رضا قادری
۱۳؍ربیع الغوث ۱۴۲۹ھ

وہابی کی جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ اگر کوئی بلا نیت کھڑا ہو جائے تو؟

مسئلہ زید جو کہ عالم دین ومفتی بھی ہیں انہوں نے ایک ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جس کی وہابیت مشہور ہے۔ قصبہ کے کچھ ذمہ داروں نے جب ان سے یہ کہا کہ آپ تو مفتی ہیں اور آج تک اپنی تقریروں میں یہی بیان فرمایا کہ نہ وہابیوں کی نماز جنازہ پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو پھر آپ نے ایسے شخص کی جس کی وہابیت مشہور ہے نماز جنازہ کیسے پڑھی تو اس کے جواب میں کہا کہ میں بغیر نیت کئے ایسے ہی کھڑا تھا۔ واضح رہے کہ نہ کسی کا اصرار تھا اور نہ ہی کسی کا زور ودباؤ اور نماز پڑھانے والا امام وہابی تھا۔

اس واقعہ کو تھوڑا عرصہ گزرا تھا اس کے بعد پھر ایک ایسے شخص کا انتقال ہوا وہ نماز پنج گانہ اور نماز جمعہ جماعت اسلامی کی مسجد میں انہیں کے امام کی اقتدا میں تاحیات ادا کرتا رہا ایسے شخص کے انتقال کے بعد اس کا جنازہ سنیوں کی جامع مسجد میں لایا گیا ایسے شخص کی نماز جنازہ مذکورہ عالم دین ومفتی صاحب کے علاوہ دوسرے ذمہ داروں نے ادا کی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے متعلق حکم شرع کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرما کر ممنون کرم فرمائیں۔ **المستفتی**: سید افتخار الحسن برکاتی، محلہ قاضی گڑھی، پوسٹ مورانواں ضلع اناؤ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب دیوبندی وہابی شان الوہیت ورسالت میں شدید گستاخ اور ضروریات دین کے منکر ہیں جس کے باعث وہ اسلام سے خارج کافر ومرتد ہیں رد المحتار میں ہے:

"اذ لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام من حدوث العالم وحشر الاجساد ونفی العلم بالجزئیات وان کان من اہل القبلۃ المواظب طول عمرہ علی الطاعات کما فی شرح التحریر۔" اھ (ج:۲،ص:۳۰۰)

حدیث پاک میں ہے:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم ان مرضوا فلاتعودوھم و ان ماتوا فلاتشھدوھم و ان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم ولاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم۔ اھ

یعنی ان سے الگ رہو انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں۔ کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ۔ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر حاضر نہ ہو وہ ملیں تو سلام نہ کرو۔ ان کے پاس نہ بیٹھو ان کے ساتھ پانی پیو نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ، شادی بیاہ نہ کرو۔ یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، ابن

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب عورت اور مرد کی نماز جنازہ کے طریقے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح مردوں کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح عورتوں کی بھی پڑھی جاتی ہے۔ اور ہجڑا واقع میں عند اللہ مرد ہے یا عورت لہٰذا اس کی بھی نماز جنازہ معروف طریقے کے مطابق پڑھی جائے گی ہاں بالغ اور نابالغ کی دعاؤں میں فرق ہے لہٰذا ہجڑا بالغ ہوگیا ہو یا بلوغ کی عمر کو پہنچ گیا ہو یعنی کامل پندرہ سال، تو دعا بالغ کی پڑھی جائے گی ورنہ نابالغ کی، ہاں کچھ دعاؤں میں مرد و عورت کا بھی فرق پایا جاتا ہے جن کی تفصیل اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے رسالہ "المنة الممتازة فی دعوات الجنازة" میں ہے تو اس کے متعلق ہم آگے چل کر وضاحت کریں گے۔

ہاں تکفین اور تدفین میں کچھ تفصیل ہے اس کے سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ ہجڑے تین طرح کے ہوتے ہیں (الف) وہ ہجڑا جس میں مرد کی علامت پائی جائے (ب) وہ ہجڑا جس میں عورت کی علامت پائی جائے (ج) وہ ہجڑا جس میں مرد و عورت دونوں کی علامت پائی جائے۔ اگر اس میں مرد کی علامت پائی جائے تو وہ مرد کے حکم میں ہے اس کی تکفین و تدفین مردوں جیسی ہوگی اور اگر عورت ہونا متعین ہو تو اس کی تکفین و تدفین عورتوں جیسی ہوگی اور اگر اس کے اندر دونوں علامتیں موجود ہوں تو اس کو خنثیٰ مشکل کہیں گے۔ ہدایہ "کتاب الخنثی" میں ہے: "واذا بلغ الخنثی و خرجت لحيته أو وصل إلى النساء فهو رجل و لو ظهر له ثدى كثدى المرأة أو نزل له لبن فى ثديه او حاض او حبل أو امكن الوصول إليه من الفرج فهو امرأة وإن لم يظهر احدى هذه العلامات فهو خنثى مشكل و كذا اذا تعارضت هذه المعالم" اھ ملتقطاً (ج۲، ص ٦٨٥)

خنثیٰ مشکل کی تکفین و تدفین کے بارے میں فقہ حنفی کا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ امور دین میں جو صورت زیادہ احتیاط کی ہو اسی پر عمل کیا جائے اور ایسا کوئی حکم صادر نہ کیا جائے جس کے ثبوت میں شک واقع ہو۔ فتاویٰ ہندیہ "فصل فی احکامه" میں ہے:

"الاصل فى الخنثى المشكل ان يؤخذ فيه بالاحوط و الأوثق فى أمور الدين و أن لا يحكم بثبوت حكم وقع الشك فى ثبوته" اھ (ج٦، ص ٤٣٨)

لہٰذا خنثیٰ مشکل اگر مرجائے تو اسے عورتوں کی طرح پانچ کپڑے کا کفن احتیاطاً دیا جائے گا کہ مرد ہو تو تین کپڑے سے سنت ادا ہو جائے گی اور عورت ہو تو اس کے کفن مسنون سے سبکدوشی حاصل ہو جائے گی۔

ہدایہ کتاب الخنثی میں ہے:

"يكفن كما يكفن الجارية وهو أحب إلى يعنى يكفن فى خمسة أثواب لأنه اذا كان

أنثى فقد أقيمت سنة وإن كان ذكرا فقد زادوا على الثلث ولا بأس بذلك" اھ (ج ۲،ص ۶۸۷)

اسی کے تحت بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

"لأن عدد الكفن يعتبر بعدد الثياب حال الحياة فالزيادة على الثلاثة فى الكفن للرجل غير ضار كما فى حال الحياة فإن للرجل أن يلبس حال حياته ازيد من الثلاثة" اھ (ج ۱۳، ۵۳۵)

رہی نماز جنازہ کی دعا تو عورت و مرد دونوں کے لئے ایک ہی ہے جب اس کو پڑھے تو اس میں لفظ یا ضمیر کی تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۸۸ پر ہے۔ ہاں اگر نماز جنازہ میں وہ دعائیں پڑھی جائیں جن میں مذکر ومؤنث کی ضمیریں ہیں تو خنثیٰ مشکل کے لئے مذکر کی ضمیریں استعمال کی جائیں گی کہ اصل تذکیر ہی ہے وجہ یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں کہیں خنثی مشکلہ نہیں کہا گیا بلکہ تذکیر کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے بنایہ میں ہے:

"قال: المشكل ولم يقل المشكلة لانه لما لم يعلم تذكيره وتانيثه والاصل هو الذكر لان حواء عليها السلام خلقت من ضلع آدم عليه السلام" اھ (ج ۱۳،ص ۵۳۱)

البتہ دفن کے وقت مثل عورت اس کی قبر پر پردہ کرلیا جائے۔ رد المحتار کتاب الخنثی میں ہے:

"وندب تسجية قبره أى تغطيته لانه ان كان انثى أقيم واجب وان كان ذكرا لا تضره التسجية" اھ (ج ۶،ص ۷۳۰) والله تعالىٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد معراج احمد قادری مصباحی
۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۸ھ

بچہ مرا پیدا ہوا تو جنازہ ہے یا نہیں؟

مسئلہ بکر کی بیوی کو مرا ہوا بچہ پیدا ہوا تو آیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ حضور والا سے گزارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد شمیم رضا مقام سرائے کھٹھاں عرف بکھراؤں ضلع مہراج گنج یوپی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب جو بچہ مرا ہوا پیدا ہوا اس کی نماز جنازہ نہیں ہے لہٰذا بکر کی بیوی کے مردہ بچہ کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

ماجہ اور عقیلی کی روایات کا مجموعہ ہے۔

اور اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ (سورۂ توبہ آیت نمبر: ۸۴)

اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کے قبر پر کھڑے ہونا بیشک یہ لوگ اللہ اور رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی پر مر گئے۔ (کنزالایمان)

اور فتاویٰ رضویہ شریف میں ہے "اگر مردہ منکر بعض ضروریات دین تھا اور کسی شخص نے باں کہ اس کے حال سے مطلع تھا دانستہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اس کے استغفار کی جب تو اس شخص کو تجدید اسلام اور اپنی عورت سے از سرنو نکاح کرنا لازم ہے

"فی الحلیة نقلا عن القرافی واقره الدعاء بالمغفرة للکافر کفر لطلبه تکذیب النصوص القطعیة۔" اھ (ج:۴،ص:۵۳)

ردالمحتار "مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء بالمغفرة للکافر ولجمیع المومنین۔" میں ہے: "فالدعاء به کفر لعدم جوازه عقلا و لاشرعا ولتکذیبه النصوص القطعیة بخلاف الدعاء للمومنین۔" اھ (ج:۲،ص:۳۴۷)

اس تفصیل کا تقاضہ یہ ہے کہ وہابی کی نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ سے زید پر حکم کفر ہو مگر چونکہ وہ بیان دے رہا ہے کہ بلانیت نماز جنازہ میں بس یونہی کھڑا ہو گیا تھا اس لئے اس پر حکم کفر نہ ہوگا تاہم وہابیوں کا مجمع بڑھانے کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوا اس پر واجب ہے کہ اس گناہ سے علانیہ توبہ کرے اور آئندہ کے لئے ایسا نہ کرنے کا عہد کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: سید نعمان احمد
۱۶ رربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

ہجڑے کی جنازہ کس طرح پڑھی جائے اور اس کی تکفین وتدفین کیسے ہو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ہجڑے کی نماز جنازہ کس طرح پڑھی جائے گی عورت کی طرح یا مرد کی طرح؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: مولانا باقر علی قادری، درجن پور ڈاکخانہ دھانے پور، ضلع گونڈہ یوپی

بَابُ طَعَامِ الْمَيِّتِ وَالْفَاتِحَةِ

طعام میت اور ایصال ثواب کا بیان

کیا میت کا کھانا دعوت دے کر اغنیا فقرا کسی کو نہیں کھلا سکتے؟

طعام میت کی جائز و ناجائز صورتیں

مسئلہ طعام میت اغنیاء عزیز واقارب، دوست واحباب اور پٹی دار کو دعوت دیکر کھلانا ناجائز و گناہ ہے۔ اب اس پر چند امور دریافت طلب ہیں جو بالترتیب درج ہیں۔ (۱) مذکورہ بالا لوگوں کو اگر بلا دعوت کھلایا جائے تو کیا جائز ہے؟ (۲) مستحقین مثلاً غریب ونادار، مدارس اسلامیہ کے طلبہ اور اغنیاء کے نابالغ بچوں کو دعوت دے کر کھلانا جائز ہے؟ (۳) دعوت کے ناجوازی کی تعلیل فقہائے کرام "الدعوۃ شرعت فی السرور لافی الشرور" میں زید یہ تاویل کرتا ہے کہ شادی بیاہ کی طرح دعوت دے کر کسی کو بھی (خواہ اغنیاء ہوں یا مستحقین) کھلانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شادیوں کے کھانے محض دعوت ومہمانداری کی نیت سے پکائے اور کھلائے جاتے ہیں، اسے ثواب سے کچھ لگاؤ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس طرح کی دعوت طعام میت میں کرنا ناجائز و گناہ ہے۔ زید اپنے قول کی تائید میں امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کی کتاب "فتاوی رضویہ" جلد چہارم ص ۲۳۰ کی ملخصا یہ عبارت پیش کرتا ہے۔ "جب مقصود ایصال ثواب نہ ہو بلکہ دعوت ومہمانداری کی نیت سے پکائے جیسے شادیوں کا کھانا پکاتے ہیں تو اسے بیشک ثواب سے کچھ علاقہ نہیں۔ نہ ایسی دعوت شرع میں پسند نہ اس کا قبول کرنا چاہیے۔ کہ ایسی دعوت کا محل شادیاں ہیں نہ غمی ولہٰذا علماء فرماتے ہیں کہ یہ بدعت سیئہ ہے" اھ اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ اگر نیت محمود اور مقصود ثواب ہو تو بذریعہ دعوت بھی سب کو کھلانا جائز ہے۔ زید اپنے اس قول کی تائید میں اسی فتاوی رضویہ ج چہارم ص ۲۲۹ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔ "جو کھانا فاتحہ کے لیے پکایا گیا بلاتے وقت اسے بلفظ دعوت تعبیر کرنا اس نیت کو باطل نہ کرے گا" اھ زید اپنے ان دونوں قولوں میں کہاں تک حق بجانب ہے؟ اور یہ ضرور بالضرور تحریر فرمائیں۔ کہ طعام میت میں اپنے ضلع کشی نگر کے مروجہ طریقے بدعت سیئہ میں داخل ہیں، یا بدعت مباحہ میں؟ بینوا بالتفصیل توجروا عند الجلیل۔

المستفتی: مجیب الرحمن رضوی کشی نگری

"بہار شریعت" میں نماز جنازہ کے بیان میں ہے کہ "میت سے مراد وہ ہے جو زندہ پیدا ہوا ہو پھر مر گیا تو اگر مردہ پیدا ہوا بلکہ اگر نصف سے کم باہر نکلا اس وقت زندہ تھا اور باہر نکلنے سے پیشتر وہ مر گیا تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔" اھ (ج ۴، ص ۱۴۴) بدائع الصنائع میں ہے: "ولا یصلی علی من ولد میتاً" اھ (ج ۲، ص ۴۷) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "وان مات حال ولادته فإن كان خرج اکثره صلی علیه وإن كان أقله لم يصل عليه۔" (ج ۱، ص ۱۶۳) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد محفوظ عالم قادری مصباحی
۱۱ر جمادی الآخرۃ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زید کا یہ کہنا ہے کہ "شادی بیاہ کی طرح دعوت دے کر کسی کو بھی (خواہ اغنیاء ہوں یا مستحقین) کھلانا ناجائز ہے" صحیح ہے کہ محض ضیافت ومہمانداری کے طور پر دعوت کرنا کہ ایصال ثواب مقصود نہ ہو خواہ کسی کی بھی ہونا جائز ہے کہ یہ موقع خوشی کا نہیں غمی کا ہے۔ البتہ فقراء ومساکین کا اسے کھانا جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ "طعام تین قسم ہے، ایک وہ کہ عوام ایام موت میں بطور دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز وممنوع ہے لان الدعوة انما شرعت فی السرور لا فی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں" اھ (فتاویٰ رضویہ ص ۲۱۴ ج ۴) یونہی زید کا یہ کہنا کہ "اگر نیت محمود اور مقصود ایصال ثواب ہو تو دعوت دے کر بھی سب کو کھلا سکتے ہیں" یہ بھی درست ہے۔ کیونکہ ممانعت اس دعوت سے ہے جو محض بطور ضیافت ہو یا بطور ریا وتفاخر ہو ایصال ثواب سے اسے کوئی غرض نہ ہو۔ فقہا کے قول "لان الدعوة شرعت فی السرور لا فی الشرور" وغیرہ میں دعوت سے وہی دعوت مراد ہے جو بطور ضیافت ہو۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے قول "ہاں جسے یہ مقصود ہی نہ ہو بلکہ دعوت ومہمانداری کی نیت سے پکائے جیسے شادیوں کا کھانا پکاتے ہیں تو اسے بیشک ثواب سے کچھ علاقہ نہیں نہ ایسی دعوت شرع میں پسند نہ اس کا قبول کرنا چاہیے کہ ایسی دعوتوں کا محل شادیاں ہیں نہ غمی ولہٰذا علماء فرماتے ہیں کہ یہ بدعت سیئہ ہے " اھ (فتاویٰ رضویہ ص ۲۳۰ ج ۴) کا بھی یہی مطلب ہے اور چونکہ میت کے ایصال ثواب کا کھانا صدقہ نافلہ ہے لہٰذا اسے امیر وغریب سبھی کھا سکتے ہیں البتہ امیروں کو اس سے بچنا بہتر ہے کہ فقراء اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصال ثواب کے لیے بہ نیت تصدق کیا جاتا ہے فقرا اس کے لیے احق ہیں اغنیاء کو نہ چاہیے۔" اھ (فتاوی رضویہ ص ۲۱۴ ج ۴)

خلاصہ یہ کہ مدار نیت پر ہے اگر نیت محض ضیافت کی ہے تو کسی کو بھی دعوت دینا جائز نہیں۔ اور اگر نیت ایصال ثواب کی ہے ضیافت کی نہیں تو سبھی کو دعوت دے کر یا بلا دعوت کھلانا جائز ودرست ہے۔ البتہ فقرا کو کھلانا زیادہ مناسب ہے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

ضلع کشی نگر اور اس کے مضافات میں طعام میت کے جو طریقے رائج ہیں وہ دونوں طرح کے ہیں لہٰذا ان کا حکم بھی اسی تفصیل کے مطابق ہے۔ کہ جو لوگ شادیوں کے طور پر دھوم دھام سے کرتے اور نیوتہ دیتے لیتے ہیں گنہگار ہیں ان کی دعوت میں شریک ہونا ناجائز وگناہ ہے۔ اور جو لوگ سیدھے سادے انداز سے ایصال ثواب کے لیے لوگوں کو مدعو کرتے ہیں کوئی دھوم دھام اور نیوتہ لینے دینے سے گریز کرتے ہیں ان

کی دعوت میں شریک ہونا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی
۱۰ رجمادی الآخرہ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

تیجہ چہارم وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

ہمارے علاقے میں عرصۂ قدیم سے مرنے کے بعد چہارم کرتے ہیں اور کچھ جگہوں پر تیجہ کرتے ہیں تو دونوں کے لیے از روئے شرع کیا حکم ہے بینوا توجروا

المستفتی: اخلاق احمد خادم دار العلوم برکاتیہ مؤید الاسلام، مگہر، سنت کبیر نگر یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب انتقال کے بعد تیسرے دن سوئم، چوتھے دن چہارم، دسویں دن دسواں، چالیسویں دن چالیسواں کرنا جائز ہے البتہ انہیں مذکورہ دنوں میں ایصال ثواب کرنا ایک رسمی بات ہے کوئی لازم نہیں اس لیے خاص اس دن کو اس کے لیے لازم نہ جانے بلکہ ان دنوں کے آگے پیچھے بھی ایصال ثواب کرسکتا ہے مردہ ڈوبتے ہوئے آدمی کی طرح ہوتا ہے اسے مدد کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے جتنی جلدی ہو اسے ایصال ثواب کیا جائے تو بہتر ہے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اموات مسلمین کو ثواب قطعاً مستحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ اور یہ تعینات عرفیہ ہیں ان میں اصلا حرج نہیں بلکہ اسے شرعاً لازم نہ جانے اور نہ یہ سمجھے کہ انہیں دنوں ثواب پہنچے گا آگے پیچھے نہیں (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۲۱۹) فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ تحریر فرماتے ہیں فاتحہ خوانی کے لیے وقت مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ بغیر تعیین وقت لوگوں کو دقت ہوگی مگر یہ کوئی ضروریات شرع نہیں بلکہ تخصیص عرفی ہے۔ لہٰذا انتقال کے تیسرے دن سوئم اور چوتھے دن چہارم کے نام پر ایصال ثواب کرنے میں شرعا کوئی حرج نہیں۔

(فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۳۴۳)اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد احمد مصباحی قادری
۱۰ ربیع النور ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بعد دفن میت یا تیجہ کے دن کب، کہاں اور کتنی بار فاتحہ پڑھی جائے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ زید کے گاؤں میں دفن میت

کے بعد قبر پر فاتحہ پڑھا گیا چالیس قدم ہٹنے کے بعد اذان دلایا گیا۔ زید نے بکر سے کہا فاتحہ پڑھو بکر نے فاتحہ پڑھی، اس کے بعد صاحب میت کے مکان پر گئے زید نے کہا فاتحہ پڑھو بکر نے فاتحہ پڑھی، تیجہ کے دن قرآن خوانی ہوئی بکر نے فاتحہ پڑھی اس کے بعد پیالی میں چند پھول لائے اس پر دم کرائے پھر زید نے کہا فاتحہ پڑھو بکر نے فاتحہ پڑھی پھر صاحب میت کے مکان پر گئے زید نے کہا فاتحہ پڑھو پھر بکر نے فاتحہ پڑھی بکر نے کہا شریعت کو مزاج میں نہ ڈھالو کیوں کہ بار بار فاتحہ پڑھنا یہ مزاج کی بات ہے نہ کہ شریعت کی۔ (۱) دفن میت کے بعد کب اور کہاں کہاں کتنی بار فاتحہ پڑھنا ضروری ہے؟ (۲) تیجہ کے دن قرآن خوانی کے بعد کب اور کہاں کہاں کتنی بار فاتحہ پڑھنا ضروری ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: امین بھائی میمن متولی صدر رضا جامع مسجد سیری شاہ گجرات

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱-۲) بعد دفن میت یا تیجہ کے دن قرآن خوانی کے بعد کب اور کہاں، کتنی بار فاتحہ پڑھنا چاہئے۔ شریعت میں اس کی کوئی معیاد و مقدار متعین نہیں۔ مسلمانوں کو جب بھی میسر ہو تو وہ اپنے مردوں کے لیے فاتحہ و ایصال ثواب کریں۔ اس کا ثواب مردوں اور پڑھنے والوں کو ملے گا۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص مقبرہ والوں کو فاتحہ پڑھ کر بخشے تو سورۂ فاتحہ کا ثواب سب مردوں کو پورا پورا ملے گا۔ البتہ اگر کسی خاص وقت یا دن کو فاتحہ کے لیے شرعاً لازم جانے تو یہ صحیح نہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔ وصرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاة او صوما او صدقة او غیرها کذا فی الهدایة۔" اھ (ج ۲ ص ۲۴۳) نیز اسی میں ہے۔" سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لاهل المقبرة الفاتحة هل یقسم الثواب بینهما ویصل لکل منهم مثل ثواب ذلك کاملا فأجاب بانه افتی جمع بالثانی وهو اللائق بسعة الفضل۔" اھ (ج ۲ ص ۲۴۴) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ابو بکر المصباحی
۱۰ ربیع النور ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا ارہر کی دال اور مچھلی پر فاتحہ دلانا جائز ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت درج ذیل مسئلہ میں۔

زید کا کہنا ہے کہ عرصہ دراز سے لوگ ارہر کی دال اور مچھلی پر فاتحہ نہیں دلاتے اسی سبب ہم بھی ان چیزوں پر فاتحہ کرنا پسند نہیں کرتے۔ عمرو نے کہا کہ ایسے لوگوں کا یہ کرنا لاعلمی پر مبنی ہے۔ ارہر کی دال اور مچھلی

جب پاک وطیب ہیں ان کا کھانا بھی حلال تو ان پر فاتحہ دلانا کیونکر غیر درست ہے۔ یوں ہی جو بھی حلال وطیب چیزیں ہوں ان پر فاتحہ دلا سکتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید وعمر میں سے کسی کے قول صحیح ہیں؟

المستفتی: نور محمد نوری کمہارہ ماکھ پور جریلی، سیتا پور یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب زید کا قول غلط اور باطل ہے اور عمر کا قول حق وصحیح کہ اکثر عوام جاہل ہیں ان کے بہت سے کام جہالت پر مبنی ہوتے ہیں شریعت میں جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ اور ارہر کی دال ومچھلی پر فاتحہ نہ دینا، دلانا بھی انہیں کاموں میں سے ہے۔ لہٰذا عوام کے افعال سے پسند وناپسند جائز وناجائز ہونے کی دلیل پکڑنا سخت نادانی وجہالت ہے۔

کسی شی کے ناپسند وناجائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شریعت کی جانب سے اس پر کوئی دلیل شرعی ہو۔ اور مذکورہ چیزوں پر فاتحہ کے ناپسند ہونے سے متعلق کوئی دلیل شرعی نہیں۔ اور اشیاء میں اصل اباحت ہے جیسے کہ الاشباہ والنظائر ص ۱۱۵ پر ہے "ان الاصل فی الاشیاء الاباحة" لہٰذا مذکورہ چیزوں پر فاتحہ دینا ودلانا جائز ودرست ہے اسے ناپسند وناجائز نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ من جانب الشرع اس کی ناپسندیدگی یا عدم جواز پر کوئی دلیل نہ مل جائے۔ نیز زید کا یہ کہنا کہ "عرصہ دراز سے لوگ ارہر کی دال اور مچھلی پر فاتحہ نہیں دلاتے اسی سبب ہم بھی ان چیزوں پر فاتحہ کرنا پسند نہیں کرتے" سخت جہالت ونادانی ہے اس سے احتراز لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** عبد المقتدر مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۷ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

طعام میت کب جائز ہے کب ناجائز؟

کیا چہلم کے موقع پر بڑے لڑکے کے سر پر پگڑی باندھنا جائز ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان اسلام ان مسائل میں کہ لوگوں کا رسم چہلم کے لیے دعوت دینا کیسا ہے؟ مرحوم کے اگر کئی ورثہ ہوں کچھ بالغ کچھ نابالغ تو ان کے حصے کے پیسے کو بغیر تمامی ورثہ کی اجازت کے مرحوم کے ایصال ثواب میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ اگر ایسا کر کے کھانا ایصال ثواب کیا جائے تو کرنے والے اور کھانے والے پر کیا حکم ہوگا؟ کیا نابالغ اجازت دے سکتا ہے؟ ہماری قوم کے اندر چہلم اس لیے کیا جاتا ہے کہ ایصال ثواب بھی ہو جائے اور مرحوم کے بڑے لڑکے کے سر پر قوم کے لوگ پگڑی باندھ کرانے سے معاشرے میں رہنے کا حق دیں۔ اس دن سے وہ لڑکا اپنے کو قوم کا سردار سمجھتا ہے کیا اسلام میں اس رسم کی کوئی اصل ہے؟

اس رسم کو ادا کرنے کے لیے دعوت دی جاتی ہے نام ایصال ثواب رکھا جاتا ہے تو کیا حیثیت نہ ہوتے ہوئے بھی ایسے مراسم میں خوب مال خرچ کرنا اسراف نہیں؟ اس رسم کی ادائیگی کے لیے لوگوں کو بھاری بھاری قرض بھی لینا پڑتا ہے تو کیا علماء کے نزدیک یہ عمل بدعت نہیں؟ اکثر لوگ اس رسم کو اپنے لیے لازم اس لیے جانتے ہیں کہ ہم نہیں کریں گے تو قوم کے لوگ ہم پر لعنت کریں گے سردار ہم لوگوں سے باز پرس کریں گے۔ رسم چہلم پر پوری روشنی پا جانے کے بعد بھی جو سردار اس بات پر مصر ہوں اور لوگوں کو اس کے لیے اکساتے ہوں ان کے لیے شریعت کا حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد اقبال کلکتہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب مسلمانوں میں اپنے اموات کے ایصال ثواب و فاتحہ کے لیے جو چہلم کیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مقصود قرآن خوانی اور ایصال ثواب ہو اسی غرض کے لیے فقراء مسلمین اور اہل تعلق علماء صلحاء، اور طلبہ کو مدعو کیا جائے اور اس میں غیر شرعی فعل کا (مثلاً یتیموں کا مال صرف کرنا) دخل نہ ہو یہ بلاشبہ جائز و مستحسن ہے جیسا کہ علماء صلحا کے چہلم میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

اور اگر یہ چہلم شادی اور خوشی کی دعوت کے طور پر کیا جائے یا فخر و مباہات مقصود ہو یا اس میں یتیموں کا مال بھی صرف کیا جائے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ موقع شادی و خوشی کا نہیں بلکہ رنج کا ہے اور فخر و مباہات سوائے کچھ استثنائی صورتوں کے عموماً ناجائز ہے اور یتیموں کا مال ان کی ضرورتوں اور مصالح کے سوا صرف کرنا بھی حرام ہے کچھ جاہل عوام چہلم شادی کی دعوت کے طور پر کرتے ہیں ان کی اصلاح کی جائے اور انہیں حکم شرعی سے آگاہ کر کے شرعی طور پر چہلم کرنے کی ترغیب دی جائے لیکن یہ واضح رہے کہ کچھ جاہل عوام کے غیر شرعی چہلم کرنے کی بنا پر ہر چہلم ناجائز و گناہ نہ ہوگا۔

رہ گیا بڑے لڑکے کے سر پر پگڑی باندھنے کا مسئلہ تو یہ والد کی جانشینی کا انتخاب ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ ان کے والد قوم و ملت کی جو خدمات انجام دیتے تھے وہ خدمات اب یہ انجام دیں گے یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں پائی جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد حبیب اللہ مصباحی
۱۸ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

فرضی قبر بنانا اس میں چندہ دینا کیسا ہے؟ اسے بت پرستی کہہ سکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں:

ہمارے اکثر علاقہ میں بشکل مزار شریف اچھی عمارت ہوتی ہے جس کے اندر مقبرہ کی شکل میں مزار ہوتے ہیں۔ اور کہیں کہیں گنبد وغیرہ بھی اس میں بناتے ہیں، بعدہٗ اس مصنوعی مزار کو کسی مشہور صحابی، یا ولی کی جانب منسوب کر دیتے ہیں اور اس کا نام چلّہ مولیٰ علی مشکل کشا، یا چلّہ محبوب سبحانی، یا چلّہ غریب نواز وغیرہ۔ بعدہٗ لوگ دور دراز، قرب وجوار سے آتے ہیں زیارت کے لیے اور منتیں مانگتے ہیں درود فاتحہ دیگر ذکر واذکار کرتے ہیں جیسا کہ لوگ ایک حقیقی مزار میں جا کر کرتے ہیں، بعض لوگ تو اس مصنوعی مزار کی تعظیم کرنے میں حد سے گزر جاتے ہیں، پھر وہاں کے باشندوں میں سے بعض لوگ مجاور ہوتے ہیں جو اس چلّہ کی آمدنی کو کھاتے ہیں اور وہاں کے لوگ سال میں کوئی تاریخ مقرر کرتے ہیں عرس کے لیے اور مقرر کردہ تاریخ میں باقاعدہ عرس منایا جاتا ہے۔ جس میں زائرین کی بہت بھیڑ رہتی ہے۔ ایک دن ہمارے جامع مسجد کے امام صاحب خطاب کے دوران لوگوں کو اس مصنوعی مزار (چلّہ) میں جانے سے اور منتیں مرادیں مانگنے سے اور اس کی تعظیم کرنے سے سختی کے ساتھ بت پرستی سے تشبیہ دیتے ہوئے روکا تو بہت سارے لوگ مولانا کو وہابی کہہ کر اس پر ظلم وستم کر کے امامت وخطابت سے معزول کر دیا اب رہا سوال (۱) ایسے مصنوعی مزار بنانا کیسا؟ (۲) اس کی تعمیر کے لیے چندہ دینا کیسا؟ (۳) وہاں جا کر منتیں، مرادیں مانگنا کیسا؟ (۴) اس کی آمدنی کو کھانا کیسا؟ (۵) وہاں شیرینی لے جا کر فاتحہ وغیرہ پڑھنا کیسا؟ (۶) مولانا کو امامت سے معزول کر کے ان پر ظلم وستم کرنا کیسا؟ (۷) جن جن لوگوں نے مولانا پر ظلم وزیادتی کیا وہ لوگ عندالشرع کیسے ہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: محمد سلیم اختر رضوی، گھوڑواڑی شریف، کرناٹک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب یہ فعل بت پرستی ہرگز نہیں، بت پرستی تو شرک ہے جو کبھی معاف نہیں اور مسلمان ہرگز ہرگز بت پرستی نہیں کرتا، ہاں فرضی قبر بنانا ناجائز وگناہ ہے پھر اسے مزار ولی کی حیثیت دینا اور زیادہ گناہ اور اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا مثلاً زیارت کرنا، فاتحہ خوانی کرنا، عرس کرنا، گنبد بنانا، پھر ان تمام واہیات وخرافات کو کسی صحابی، یا ولی کی طرف منسوب کرنا اور اس مصنوعی قبر کا نام "مولیٰ علی مشکل کشا، محبوب سبحانی، یا غریب نواز کا چلّہ رکھنا سب کا سب گناہ ہے۔

اس کا قائل اور تمام لوگ جو "مولانا" مذکور کے منع کرنے کے بعد بھی خرافات وبدعات کرتے ہیں وہ گنہگار، مستحق عذاب نار، اور مستوجب غضب جبار ہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا ناجائز وبدعت ہے۔"

(ص ۱۱۵ ج ۴) اور اس مصنوعی قبر کی تعمیر کے لیے چندہ دینا بھی ناجائز ہے کہ اس میں گناہ پر اعانت ہے۔
"قال الله تعالیٰ: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (پ ۶ سورہ مائدہ، آیت: ۲) رہ گیا امام صاحب کا معاملہ تو یہ تحقیق طلب ہے حرام و گناہ ہونے تک امام کا قول درست ہے، مگر اسے بت پرستی کہنا، یا اسے بت پرستی سے تشبیہ دینا یہ درست نہیں۔ اگر لوگوں کو امام پر وہابی ہونے کا شبہ ہے تو وہ ذمہ دار علماء کے ذریعہ امام کے عقائد کی تحقیق کرائی جائے، اگر یہ علما بعد تحقیق بتائیں کہ امام سنی صحیح العقیدہ ہے تو اسے امامت پر بحال کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد صابر عالم قادری مصباحی امجدی
۸ رشعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

کسی بزرگ کی چلہ گاہ کی زیارت کے لئے جانا وہاں فاتحہ پڑھنا، برکت حاصل کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں
(۱) تواتر کے ساتھ یہ بات عوام میں مشہور ہے کہ فلاں جگہ ایک بزرگ کی چلہ گاہ ہے اس سے قبل کرامات کا ظہور ہو چکا ہے۔ وہاں ایک درخت ہے لوگ دور دراز مقامات سے زیارت کے لیے آتے ہیں اور کھانا یا شیرنی وغیرہ سے اس درخت کے نیچے فاتحہ دلاتے ہیں جبکہ وہاں مزار نہیں ہے صرف اتنا مشہور ہے کہ اس درخت کے نیچے انہوں نے عبادت یا چلہ کشی کی تھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ فاتحہ کے لیے اس درخت کو مخصوص کر لینا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ فاتحہ کسی بھی جگہ دلائی جا سکتی ہے جگہ مخصوص کر لینا صحیح نہیں؟
(۲) جس جگہ مزار نہ ہو صرف فاتحہ دلانے کی غرض سے جانا چاہیے یا تبرک حاصل کرنے کی نیت سے؟

المستفتی: محمد مفیض الرحمن انڈ کی کنز دینوالی تعلقہ سرسی ضلع کاروار کرناٹک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱-۲) بزرگان دین وسلف صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنا جائز و درست ہے علماء وصوفیا سب جواز کے قائل ہیں۔ امام اجل ابوذکریا نووی شرح صحیح مسلم شریف میں زیر حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: انی احب ان تاتینی تصلی فی منزلی فاتخذہ مصلی" فرماتے ہیں "فی هذا الحديث انواع من العلم ففيه التبرك بآثار الصالحين وفيه زيارة العلماء والفضلاء والكبراء اتباعهم وتبريكهم اياهم" ترجمہ: اس حدیث میں کئی قسم کے علوم و

معارف ہیں اور اس میں بزرگان دین کے آثار سے تبرک اور علماء اور بزرگوں اور ان کے متبعین کی زیارت اور ان سے برکات کا حصول ثابت ہے (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۷۴) اس میں زیر حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مایوتی باناء الا غمس یدہ فیہ مدینہ کے خدام پانی سے بھرے ہوئے اپنے اپنے برتن لے کر آتے حضور ہر برتن میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے فرماتے ہیں فیہ التبرک بآثار الصالحین" اس میں صالحین کے آثار سے تبرک ثابت ہے۔ (کتاب الفضائل ج ۲ ص ۲۵۶)

لہٰذا اگر واقعی وہاں کسی بزرگ کی چلہ گاہ ہے (خواہ مزار ہو یا نہ ہو) تو وہاں فاتحہ دلانے اور اس سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے جانا جائز ہے اور فاتحہ کسی بھی جگہ دلائی جاسکتی ہے لوگ جگہ اس لیے خاص کرتے ہیں کہ صاحب برکت کی برکتیں بھی حاصل ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: زبیر احمد مصباحی
۵/ ربیع الغوث ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

میت کے ساتھ غلہ وغیرہ قبرستان لے جانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہمارے یہاں مردے کے ساتھ دو، چار کلو چاول قبرستان لے جاتے ہیں پھر وہاں سے لاکر مسجد میں رکھ دیتے ہیں اگر راستے میں فقیر یا مسکین وغیرہ مل جاتے ہیں تو انہیں دے دیتے ہیں ورنہ مسجد میں رکھنے کی صورت میں کبھی وہ ضائع ہو جاتے ہیں تو اس کے لیے حکم شرعی کیا ہے اور اسے بہت ضروری سمجھتے ہیں؟

المستفتی: مکتوب حسین، مقام پانچ پیر، وایا پوٹھیا، ضلع کشن گنج (بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب میت کی طرف سے گیہوں، چاول وغیرہ کا صدقہ وخیرات کرنا جائز ومستحسن ہے۔ اس کا ثواب مسلم میت کو پہنچے گا مگر اس کے لیے گیہوں یا چاول وغیرہ کو میت کے ساتھ قبرستان تک لے جانے کی حاجت نہیں۔ اگر کوئی اس لیے ایسا کرے کہ اس طور پر میت کو صدقہ کا ثواب پہنچے گا تو جہالت ہے اور اگر ایسا اس لیے کیا جاتا ہو کہ قبرستان میں مسلمان فقراء ومساکین اکٹھا ہو جاتے ہیں وہاں ان کو دینے میں آسانی ہوگی تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر غلے کو میت کی چارپائی وغیرہ پر بہر حال نہ رکھیں۔ مناسب یہی ہے کہ جو کچھ بھی میت کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنا ہو وہ گھر پر رکھیں وہیں سے مسلم فقراء ومساکین میں تقسیم کریں۔ اور جو غلہ مسجد میں رکھ دیا جاتا ہے اگر وہ مسجد کے لیے رکھا جاتا ہو تو مسجد میں رکھتے ہی مسجد اس کی مالک ہو جاتی ہے اس تقدیر

پر غلے کو بیچ کر مسجد کے مصارف میں خرچ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: غلام احمد رضا قادری
یکم شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

تیجہ میں کھانا، چنا، بتاشہ وغیرہ شیرنی کی نیت سے کھانا

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) تیجہ کے دن گھر والوں کو اور دیگر مسلمانوں کو تیجہ کا کھانا اور چنا بتاشہ وغیرہ شیرینی کی نیت سے کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

المستفتی: الحاج محمد اسمٰعیل مقام اندولی ضلع بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) میت کے گھر والوں اور دیگر مسلمانوں کا میت کے ایصال ثواب کے لیے پکا ہوا کھانا کھانا جائز ودرست ہے کہ یہ صدقہ نافلہ ہے صدقہ واجبہ نہیں مگر اس کے لیے شادیوں کی طرح دھوم دھام اور نوید اور دعوت کا اہتمام ناجائز وبدعت قبیحہ ہے۔ رد المحتار میں ہے:

"یکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اھل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور، وھی بدعة مستقبحة" اھ (ج ۲ ص ۲۴۰)

اگر شادیوں کی طرح دھوم دھام نہ ہو بلکہ سادہ طریقے پر ایصال ثواب کے لیے کھانا کھلایا جائے تو امیر غریب سب کو کھانا جائز ہے۔

رہا تیجہ کا چنا اور بتاشہ تو ہمارے یہاں کا عرف ورواج یہ ہے کہ یہ خاص مساکین کے لیے نہیں ہوتے بلکہ محض ایصال ثواب کی غرض سے عام حاضرین پر تقسیم کے لیے ہوتے ہیں اور اسی نیت سے منگائے جاتے ہیں اس لیے گھر کے افراد اور دیگر اغنیاء وغیرہ کا لینا جائز ہے ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۱۳۸ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد معراج احمد مصباحی قادری
۸ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

میت کے پاس قرآن پڑھنا کیسا ہے

مسئلہ کہا جاتا ہے کہ جس کمرے میں لاش رکھی ہو وہاں قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرنا چاہیے کہ اس کا جسم کثیف رہتا ہے البتہ دوسرے کمرے میں تلاوت کی جائے۔ اگر کسی کے یہاں صرف ایک کمرہ ہو

وہ ایصال ثواب کے لیے کیا کرے۔ اگر خدانخواستہ لاش رات بھر گھر میں پڑی رہے کسی کے انتظار میں تب تک کیا کرے؟ حالانکہ میت لے جانے تک ایک قرآن پاک آسانی سے ہو جاتا ہے جب کہ خود مردہ ثواب کے ذریعہ کا انتظار کرتا ہے کہ جلد سے جلد اسے ثواب پہنچایا جائے۔

المستفتی: صغریٰ بشیر قادری، دربار کالونی، سکندر نگر، احمد نگر، ایم ایس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب میت کے پاس تلاوت قرآن مجید و ایصال ثواب جائز ہے۔ جب کہ اس کا تمام بدن کپڑے سے چھپا ہوا اور تسبیح و دیگر اذکار میں مطلقاً حرج نہیں۔ خواہ میت اسی کمرے میں ہو یا دوسرے میں۔

ردالمحتار میں ہے: "الحاصل ان الموت ان کان حدثا فلا کراهة فی القرأة عنده وان کان نجسا کرهت وعلی الاوّل یحمل ما فی النتف وعلی الثانی ما فی الزیلعی وغیرہ۔ وذکر (ط) ان محل الکراهة اذا کان قریبا منه اما اذا بعد عنه بالقراءة فلا کراهة۔ اھ

قلت: والظاهر انّ هٰذا ایضا اذا لم یکن المیت مسجی بثوب یستر جمیع بدنه ولا بأس بالتسبیح والتهلیل وان رفع صوته" اھ ملخصاً (کتاب الصلاۃ باب صلاۃ الجنازۃ مطلب فی القرأۃ عند المیت ج ۳ ص ۸۵ مطبع زکریا) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد آصف ملک علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۴ ر شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ

کیا دفن کے بعد ۴۰ قدم چلنے کے بعد ہی فاتحہ پڑھی جائے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں میت کو دفن کرنے کے بعد فاتحہ پڑھتے ہیں پھر لوگ قبرستان سے باہر آ کر قبرستان کی طرف منہ کر کے دوبارہ فاتحہ پڑھتے ہیں لوگوں کا کہنا ہے کہ چالیس قدم قبرستان سے باہر آ کر فاتحہ پڑھنا چاہیے کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد رضی خان علہری، نظر پور، علہر، شاہ جہاں پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب فاتحہ پڑھنے کے لیے کوئی میعاد و مقدار نہیں ہے جب بھی وقت فراہم ہو فاتحہ و ایصال ثواب کر سکتا ہے، لوگوں کی چالیس قدم کی تاخیر بے اصل و بلا وجہ ہے اس لیے اس رسم کو بند کرنا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں: "دعا مانگنا ہر وقت جائز ہے اور

چالیس قدم کی خصوصیت بلا وجہ" اھ (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۱۶۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد ابراہیم مصباحی

۱۸ / جمادی الآخر ۱۴۳۲ھ

یہ عقیدہ رکھنا کہ رواں سال میں مرنے والے کا جب تک عرفہ کا فاتحہ نہ ہو جائے عام روحوں کو فاتحہ دلانا مناسب نہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے یہاں اگر کوئی شخص قبل شب برات خواہ ایک دن پہلے یا دس ماہ پہلے مرجاتا ہے تو اس کے لیے آنے والے اس شب برات سے ایک رات پہلے ہی الگ سے اس کے نام سے فاتحہ دلاتے ہیں اور اسے عرفہ کا نام دیتے ہیں پھر شب برات میں مع اس میت کے تمام روحوں کے نام عام فاتحہ دلاتے ہیں اور شب برات سے ایک رات قبل اس میت کا فاتحہ دلانا لازمی سمجھتے ہیں اس رات بھی وہ تمام لوازمات تیار کیے جاتے ہیں جو شب برات میں تیار کئے جاتے ہیں۔

حضور مفتی صاحب قبلہ آپ سے اس مسئلہ کا یہ حل طلب کرنا ہے کہ اس میت کے لیے قبل شب برات اس طرح فاتحہ دلانا کیسا ہے؟ اور اسے عرفہ سے موسوم کرنا کیسا ہے؟ اور سال بھر میں صرف اس رات کو خاص کرنا کیسا ہے؟ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ جب تک اس میت کے لیے عرفہ کا مخصوص فاتحہ نہیں ہو جاتا شب برات میں عام روحوں کو فاتحہ دلانا مناسب نہیں یہ عقیدہ کیسا ہے؟ بینوا وتوا جروا

المستفتی: محمد فاروق مصباحیؔ، رضا مسجد، سنگم وہار، نئی دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب میت کو ایصال ثواب کے لیے شرع کی جانب سے کوئی خاص دن متعین نہیں ایصال ثواب کرنے والے کو سال یا ماہ میں جس دن سہولت نظر آئے وہ دن اس کے لیے خاص کر سکتا ہے لہٰذا میت کو ایصال ثواب کے لیے شعبان کی پندرہویں رات سے پہلے چودہویں رات کو خاص کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

نیز اگر وہ فاتحہ سنت طریقہ پر کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی امر خلاف شرع انجام نہیں پاتا تو یہ فاتحہ محمود مستحسن ہے اور یہ خیال کہ جب تک اس سال کی میت کے لیے عرفہ کا مخصوص فاتحہ نہیں ہو جاتا شب برات میں عام روحوں کو فاتحہ دلانا مناسب نہیں باطل خیال ہے کہ احادیث مبارک میں شب برات کی عبادت وفاتحہ کی بہت زیادہ فضیلت وارد ہے۔

فتاوی رضویہ، میں ہے عرفہ تک یا بعد تک اگر الگ ہمیشہ فاتحہ دیں تو حرج نہیں شامل نہیں تو حرج نہیں۔

یہ سمجھنا کہ عرفہ تک الگ کا حکم ہے پھر شامل کا یہ غلط و جہالت ہے۔ اھ (ج ۴ ص ۲۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

فاتحہ دی ہوئی چیز کو اگر اہل خانہ خود ہی کھالیں تو وہ پہنچے گا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ قرآنی آیات و درود شریف وغیرہ پڑھ کر کسی بزرگ ولی اللہ یا کسی مردے کو ایصال ثواب یا کسی بھی جائز طریقے سے صدقۂ جاریہ کرنا یا مرحوم کے نام سے غرباء وفقراء کو کھانا کھلانا یہ تو باعث ثواب سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن جو کھانے یا شیرنی وغیرہ پر قرآنی آیات و درود شریف وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں اور کھانے کو اہل خانہ حضرات خود کھالیتے ہیں کسی غریب فقیر جو اس کا مستحق ہو اس کو نہیں دیتے تو اس میں قرآنی آیات و درود شریف وغیرہ کا ثواب تو مرحوم کی روح کو پہنچتا ہے یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن کھانے سے ثواب کا تعلق؟ ہاں اگر کھانے کو لائق مستحق کو دیتے تو بحیثیت خیرات ثواب ہوتا۔ لیکن کھانے کو جب اہل خانہ حضرات خود کھالیتے ہیں تو کیا اس کا (کھانے) ثواب مرحوم کی روح کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ بہتر جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا جمال انور صاحب گرام گوہر، پوسٹ بلواں بازار جونپور، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بیشک قرآنی آیات و درود وغیرہ پڑھ کر کسی بزرگ ولی اللہ یا کسی مردے کو ایصال ثواب یا کسی بھی جائز طرق سے صدقۂ نافلہ جاریہ کرنا یا مرحوم کے نام سے غرباء وفقراء حضرات کو کھانا کھلانا باعث اجر و ثواب و کار خیر ہے اور اس کا ثواب مرحوم کی روح کو پہنچتا ہے اگر چہ وہ کھانا یا شیرنی فقراء ومساکین جو اس کے مستحق ہیں انہیں نہ دے کر اہل خانہ خود کھالیں بشرطیکہ وہ ثواب کی نیت سے گھر کے تمام افراد کو کھلائے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے ”عرف عام پر نظر شاہد کہ چہلم وغیرہ کے کھانے پکانے سے لوگوں کا اصل مقصود میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے اسی غرض سے یہ فعل کرتے ہیں۔ ولہٰذا اسے فاتحہ کا کھانا چہلم کی فاتحہ وغیرہ کہتے ہیں اور عند التحقیق صرف فقراء ہی پر تصدق میں ثواب نہیں بلکہ اغنیاء پر بھی مورث ثواب ہے۔ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”فی کل ذات کبد حری اجر“ ہر گرم جگر میں ثواب یعنی جس زندہ کو کھانا کھلائے گا پانی پلائے گا ثواب پائے گا۔ اور حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”فیما یاکل ابن آدم اجر و فیما یاکل السبع اجر و الطیر اجر“ جو کچھ آدمی کھا جائے اس میں ثواب ہے اور جو

درندہ کھا جائے اس میں ثواب ہے جو پرند کو پہنچے اس میں ثواب ہے رواہ الحاکم عن جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وصحیح سندہ۔ بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ سلم فرماتے ہیں "ما اطعمت زوجك فهو لك صدقة وما اطعمت ولدك فهو لك صدقة وما اطعمت خادمك فهو لك صدقة وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة"۔ جو کچھ تو اپنی عورت کو کھلائے وہ تیرے لئے صدقہ ہے اور جو کچھ اپنے بچوں کو کھلائے وہ تیرے لئے صدقہ ہے اور جو کچھ اپنے خادم کو کھلائے وہ تیرے لئے صدقہ ہے اور جو کچھ تو خود کھائے وہ تیرے لئے صدقہ ہے یعنی جب کہ نیت محمود اور ثواب مقصود ہو۔" (ج ۴ ص ۲۲۸، ۲۲۹)

اور صدقہ کے ثواب کے متعلق درمختار میں ہے "لان المقصود فيها الثواب یعنی صدقہ کا اصل مقصود ثواب ہے" (ج ۸ ص ۵۲۰)

اور ظاہر ہے کہ فاتحہ، چہلم وغیرہ کے کھانے یا شیرنی خواہ خود کھائے یا دوسروں کو کھلائے اصل مقصد مرحوم کی روح کو ثواب پہنچانا ہے لہٰذا اہل خانہ خود کھالیں تب بھی اس کا ثواب مرحوم کی روح کو پہنچتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد نوشاد برکاتی

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

۷ر شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

ایک طرف فاتحہ دی جارہی ہو دوسری طرف لوگ کھا رہے ہوں صحیح ہے یا نہیں؟

کیا چہلم کا کھانا اغنیا واقرباء کھا سکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ چالیسواں کی فاتحہ وغیرہ میں رشتہ داروں کو بلایا جاتا ہے وہ حضرات آکر کھانا کھاتے ہیں گھر میں امام صاحب فاتحہ لگاتے ہیں کیا اس طرح کھلانا مردے کو ثواب ہوگا یا یہ فضول خرچی میں آئے گا کیونکہ آنے والے حضرات کھا کر چلے جاتے ہیں ایک شخص کا کہنا ہے کہ کھانا کھلانا ثواب ہے۔ دوسرے نے کہا یہ فضول خرچی ہے یہ کھا کر چلے جاتے ہیں کچھ پڑھتے نہیں ہیں۔ کیا برادری کے لوگوں کو کھانا کھلانا ثواب ہے مردے کو فائدہ ہوگا؟

المستفتی: حافظ غفران احمد موہن پورہ اندور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب تیجہ، دسواں، چہلم، ششماہی، برسی وغیرہ میں غرباء وفقراء کے ساتھ اپنے اعزہ واقرباء کو اس طرح کھانا کھلانا کہ ایک طرف یہ لوگ کھانا کھا رہے ہوں اور دوسری طرف امام صاحب گھر میں فاتحہ دے رہے ہوں تو اس طرح کھانا کھلانے سے بھی مردے کو ثواب پہنچتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے "کھانے پر فاتحہ جائز ہے قبل کھانے کے بھی اور بعد بھی اور قبل دینے میں ایصال ثواب میں تعجیل ہے اور تعجیل خیر خیر ہے" (ج ۴ ص ۲۲۷)

اور ایصال ثواب کے لئے کھانا بنوانا اور پھر فاتحہ دلوانا دوسرا امر مستحسن ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے "اموات مسلمین کے نام پر کھانا پکا کر ایصال ثواب کے لئے تصدق کرنا بلاشبہ جائز و مستحسن ہے اور اس پر فاتحہ سے ایصال ثواب دوسرا امر مستحسن ہے اور دو چیزوں کا جمع کرنا زیادہ خیر ہے" (ج ۴ ص ۲۱۴)

اور میت کے نام پر کھانا بنوانے اور کھلانے سے مقصود صرف اور صرف مرحوم کی روح کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے اسی غرض سے کھانا بنواتے ہیں لہٰذا یہ کھانا صدقات نفل سے ہوا اور صدقۂ نفل اعزہ و اقارب اغنیاء و امراء سب کے لئے جائز و درست ہے ممنوع نہیں اور یہ فضول خرچی بھی نہیں بلکہ اگر برادری کے لوگ بغیر کچھ پڑھے کھانا کھا کر چلے جائیں تب بھی اس کا ثواب مرحوم کی روح کو پہنچتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے "عرف عام پر نظر شاہد کہ چہلم وغیرہ کے کھانے پکانے سے لوگوں کا اصل مقصود میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے۔ اسی غرض سے یہ فعل کرتے ہیں ولہٰذا اسے فاتحہ کا کھانا چہلم کی فاتحہ وغیرہ کہتے ہیں اور عند التحقیق صرف فقراء پر تصدق میں ثواب نہیں بلکہ اغنیاء پر بھی مورث ثواب ہے۔ اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "فی کل ذات کبد حری اجر" ہر گرم جگر میں ثواب ہے یعنی جس زندہ کو کھانا کھلائے گا پانی پلائے گا ثواب پائے گا اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا "فیما یا کل ابن آدم اجرو فیما یا کل السبع اجر و الطیر اجر" جو کچھ آدمی کھا جائے اس میں ثواب ہے اور جو درندہ کھا جائے اس میں ثواب ہے اور جو پرند کو پہنچے اس میں ثواب ہے۔" (ج ۴ ص ۲۲۸)

البتہ یہ نسبت اغنیاء و امراء، اعزہ و اقرباء کے فقیر افضل و اولی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کھانوں کا اغنیاء و امراء کو کھلانا ممنوع و ناجائز ہے اگرچہ افضل یہ تھا کہ فقراء و غرباء پر تصدق کرتے کیونکہ جب اس سے مقصود ایصال ثواب ہے تو وہی کام سب سے انسب ہے جس میں زیادہ ثواب ہو۔ پھر اصل مقصود مفقود نہیں جب کہ نیت ثواب پہنچانا ہو۔

فتاوی رضویہ میں ہے "یوں بھی اس نیت محمود میں کچھ خلل نہیں اگرچہ افضل وہی تھا کہ صرف فقراء پر تصدق کرتے کہ جب مقصود ایصال ثواب تو وہی کام مناسب تر جس میں ثواب اکثر و اوفر پھر بھی اصل مقصود مفقود نہیں جب کہ نیت ثواب پہنچانا ہے" (ج ۴ ص ۲۲۹، ۲۳۰) ہاں جس کی یہ نیت نہ ہو بلکہ شادیوں کی طرح دعوت و مہمانداری کی نیت سے پکائے تو اسے بیشک ثواب سے کوئی علاقہ نہیں نہ ایسی دعوت ایصال ثواب کے موقع سے شرع میں پسند ہے اور نہ ایسی دعوت قبول کرنی چاہیے کیونکہ ایسی دعوتوں کا محل تو شادیاں ہیں نہ کہ غمی۔

فتح القدیر میں ہے "ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ" (ج ۲ ص ۱۵۱) لہٰذا برادری کے لوگوں کو بھی کھانا کھلانے سے مرحوم کی روح کو ثواب پہنچتا ہے بشرطیکہ نیت محمود ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد نوشاد برکاتی
۲۴/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

فاتحہ دینے سے پہلے اس سے کچھ کھا لینا کیسا ہے؟

مسئلہ زید جو حافظ اور عالمانہ تعلیم بھی غالباً حاصل کر رہا ہے جب کسی کے یہاں فاتحہ کرنے جاتا ہے تو پہلے حاضر شیرینی میں سے کچھ کھا لیتا ہے۔ پھر فاتحہ کرنا شروع کرتا ہے۔ زید کے اس فعل پر عمرو نے اعتراض کیا کہ یہ طریقہ علماء و صوفیاء کرام سے کہیں دیکھا نہیں گیا نہ سنا گیا ہے اور نہ ہی کسی کتاب میں پڑھنے کو ملا۔ اس پر زید نے کہا کہ کیا کھانا یعنی شیرینی جوٹھی ہو گئی ایسا تو میرے استاذ گرامی بھی کرتے ہیں۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو اس کے ثبوت میں کہیں پر کوئی عبارت موجود ہے تو نقل فرمائیں اور اگر ایسا فعل ناجائز و مکروہ ہے تو بھی ارشاد فرمائیں نیز زید کو اس فعل سے روکا جائے یا نہیں؟

المستفتی: علاء الدین، مقام و پوسٹ، اوجھا گنج، ضلع بستی (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ملک غیر میں بغیر اجازت تصرف جائز نہیں۔ لہٰذا اگر زید فاتحہ سے پہلے یا بعد میں بغیر مالک کی اجازت کے کھا لیتا ہے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں۔ اور اگر مالک کی اجازت سے کھاتا ہے (اجازت خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً) تو کوئی حرج نہیں۔ رہی بات فاتحہ سے پہلے کھانے کی تو یہ نہ ہونا چاہئے کہ فاتحہ میں شیرینی وغیرہ کا ثواب حضور سید عالم اور انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام نیز اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بارگاہ میں پہلے نذر کیا جاتا ہے پھر عامۂ مومنین و مومنات کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور جوٹھے کھانے و شیرینی کے ثواب کی نذر محبوبان بارگاہ کے ادب اور ان کی عظمت شان کے مناسب نہیں، پھر فاتحہ سے پہلے کھانا حرص کا بھی مشعر ہے۔ اس لئے زید ہرگز ایسا نہ کرے، وہ اپنی اس عادت سے باز آئے بعد فاتحہ مالک کی اجازت سے کھا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: زبیر احمد مصباحی
۲۹/ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

کافروں کے یہاں جا کر ان کے کھانوں پر فاتحہ دینا اور ان کے یہاں کھانا پینا کیسا ہے؟

مسئلہ (۱) یہاں کے کفار بزرگوں کے نام کی نیاز فاتحہ کرتے، کھانا پکا کر مسجد یا درگاہ کے پاس آ کر فاتحہ کے لئے مسلمانوں کو لے جاتے ہیں اور فاتحہ پڑھنے کے بعد سب کو کھانا کھلاتے ہیں تو اس طرح کافروں کے گھر جا کر ان کے پکائے کھانا پر فاتحہ کرنا اور ان کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: غلام محمد فضل الرحیم قادری عرف پاشا، ہو پیٹ مومن مسجد بلاری (کرناٹک)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) کافر کی کوئی نیاز اور کوئی بھی عمل قبول نہیں، نہ ہرگز اس پر ثواب ممکن جسے پہنچایا جائے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔ (س فرقان ۲۵، آیت ۲۳)

اس کے کھانے پر فاتحہ دینا اس کے ثواب پہنچنے کا اعتقاد کرنا ہے اور یہ قرآن پاک کے خلاف ہے جو شخص ایسا کرے اس پر توبہ فرض ہے بلکہ تجدید اسلام و نکاح بھی چاہئے۔ ایسا ہی فتاویٰ فیض الرسول جلد دوم ص ۶۵۳ میں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کافر کی شیرینی لے کر اپنی کر کے فاتحہ دے دے۔

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں ”ہندو سے شیرینی لے کر اپنی کر کے اپنے آپ فاتحہ دے کر اپنی سمجھ کر تقسیم کر دیں۔“ (فتاویٰ مصطفویہ، ص ۴۵۳) لیکن فاتحہ کے بعد انہیں فاتحہ کی شیرینی نہ دی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہ:** شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۷؍ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

نماز روزہ وغیرہ فرائض کا ایصال ثواب مردوں کو کر سکتے ہیں؟

مسئلہ نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ فرائض کو والدین وغیرہ مردوں کے نام ایصال ثواب کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد کلیم بن مولانا اقبال احمد، بولٹن، برطانیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہا عبادات بدنیہ و مالیہ فرائض و نوافل کا ثواب میت کو پہنچانا جائز و مستحب ہے اور اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ردالمحتار کتاب الجنائز میں بحر سے ہے:

"وفی البحر من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء

جاز، ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة كذا فی البدائع، ثم قال: وبهذا علم انه لافرق بين ان يكون المجعول له ميتا او حيا والظاهر انه لافرق بين ان ينوى به عند الفعل للغير او يفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره. لاطلاق كلامهم وانه لافرق بين الفرض والنفل. اھ (ج ۲، ص ۲۴۳)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "الاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة كان او صوما او صدقة او غيرها كالحج وقراءة القرآن والاذكار وجميع انواع البر. "اھ ملخصاً۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد ارشاد رضا نظامی مصباحی
۲۴ رصفر المظفر ۱۴۲۵ھ

شیخ سدو کے نام فاتحہ دلانا کیسا ہے اگر فاتحہ دینے والا دوسرے کے نام کردے تو؟

مسئلہ بنگال میں ہندو اور بعض مسلمان شیخ سدو کے نام فاتحہ کراتے ہیں جو بہت بڑا زناکار شخص تھا وہ سفلی عمل کے ذریعہ بہت سی دوشیزاؤں کو لاتا اور ان کے ساتھ زنا کرتا تھا۔

غور طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کے نام فاتحہ کیا جا سکتا ہے؟ یہ ہر پڑھا لکھا طبقہ جانتا ہے کہ ایسے شخص کو ایصال ثواب کرنا گناہ ہے لیکن وہاں کے لوگ نہیں مانتے۔ اگر فاتحہ کرنے والا شخص شیخ مذکور کے علاوہ کسی اور بزرگ کے نام ایصال ثواب کردے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ ملکیت اس شخص کی ہے۔ کیا فاتحہ کروانے والے پر از روئے شرع کوئی مواخذہ نہیں اگر کوئی شخص بے علمی میں اس کے نام فاتحہ کردیا تو اس کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟ بينوا توجروا۔

المستفتی: مقصود عالم، مقام و پوسٹ امسن کلاں، ضلع فیض آباد (یوپی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب شیخ سدو کوئی بزرگ نہیں بلکہ خبیث روح ہے جس کا مسلمان ہونا بھی معلوم نہیں۔ اس کے نام فاتحہ دینا، ایصال ثواب کرنا حرام و گناہ ہے کہ اس میں خبیث روح کی تکریم ہے جو عند الشرع ممنوع ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیخ سدو کے نام مرغ وغیرہ ذبح کرنے اور میلاد وغیرہ پڑھنے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "ذکر میلاد شریف بہ نیت ہدایت پڑھے اور اس میں ایسی روح کی تکریم سے ممانعت کرے جس کا اسلام تک معلوم نہیں بلکہ بعض علماء نے اسے ارواح خبیثہ لکھا اور وہ مرغ وغیرہ ذبیحہ نہ کھائے جو ایسوں کے نام ذبح ہو، اور بہتر یہ ہے کہ اس کے یہاں کا اور کھانا بھی نہ کھائے جب تک وہ توبہ نہ کرے۔" زجر اللہ و

توبیخا۔ اھ (فتاویٰ رضویہ ج ۸، ص ۲۴۰)

لہٰذا فاتحہ کروانے والوں اور جس نے جان بوجھ کر فاتحہ کیا سب پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ اگر ایسا نہ کریں تو خود کو ان سے دور رکھیں اور ان کو اپنے قریب نہ آنے دیں۔

اگر فاتحہ کرنے والا سدو کے علاوہ کسی دوسرے بزرگ کے نام ایصال ثواب کرے تو یہ جائز ہے۔ اور اگر کسی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شیخ سدو کی فاتحہ کراتا ہے تو پھر اس کے یہاں فاتحہ کے لئے جانے سے ممانعت ہوگی کہ دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ سدو ہی کے نام ایصال ثواب کیا جارہا ہے جن سے ان کے فاسد خیالات کو اور تقویت ملے گی اور دوسروں کے سامنے اس کو دلیل بنا کر پیش کریں گے۔ اور اگر بے علمی میں سدو کے نام ایصال ثواب کیا تو اس پر مواخذہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد ارشد رضا نظامی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۵ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ

کیا کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر فاتحہ دینا جائز ہے؟ یہ حضور سے ثابت ہے یا نہیں؟

مسئلہ سامنے کھانا، شیرینی رکھ کر فاتحہ پیش کرنا کیا جائز ہے؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی:** عبدالرشید قادری نوری برکاتی، بھوپال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب کھانا یا شیرینی کو سامنے رکھ کر فاتحہ دینا جائز ہے اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ اگرچہ زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں رائج نہیں تھا وجہ یہ ہے کہ شرع میں اس کی ممانعت وارد نہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے: "**وماسكت عنه فهو مما عفا عنه۔**"

لہٰذا اگر کوئی ایسا کرے تو حرج نہیں کہ اس سے اموات و احیاء کو فائدہ پہنچتا ہے کہ فتاویٰ عزیزیہ میں ہے:

"فاتحہ بر شیرینی یا طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضراں نمایند ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفاء راشدین نہ بود اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ احیاء و اموات را حاصل شود۔" اھ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۹ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ

نیم کے درخت کو غوث پاک کی نشانی بتانا فرضی مزار بنانا اس پر فاتحہ پڑھنا ہار پھول وغیرہ ڈالنا اسے سجدہ کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ (۱) آندھرا پردیش اور کرناٹک کے علاقہ میں نیم کے درخت کو تقریباً قد برابر چہار دیواری سے گھیر کر اس پر جھنڈے لگائے جاتے ہیں اور اسے غوث پاک رضی اللہ عنہ کی نشانی قرار دیتے ہیں۔ پس غوث پاک کی نشانی سمجھ کر عام طور پر لوگ اس درخت کے نیچے چہار دیواری کے اندر فاتحہ دلاتے ہیں اگر بتی لوبان اور چراغ جلاتے ہیں اس درخت کے سامنے سجدہ بھی کرتے ہیں اور گیارہ دنوں تک ربیع الآخر کے مہینے میں اس درخت کے نیچے غوث پاک کی سیرت پر مشتمل ''زین المجالس'' نامی کتاب پڑھی جاتی ہے بعض جگہ مذکورہ درخت کے قریب ہی کسی مقرر کو بلا کر سیرت غوث پاک پر گیارہ دنوں تک بیان کراتے ہیں پھر گیارہویں دن ڈھول باجے تاشے ناچ اور قوالی کے ساتھ غوث پاک کے نام پر صندل نکالا جاتا ہے جس میں مرد و عورت کے اختلاط کے ساتھ گشت ہوتا ہے پس عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور شرعاً درست ہیں یا نہیں؟

(۲) گیارہویں شریف کے مہینے میں غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر فاتحہ دلانے کا رواج ان علاقوں میں یہ ہے کہ فاتحہ کے وقت سامنے مالیدہ رکھتے ہیں، اور اس کے اوپر گیارہ چراغ آٹے یا چاندی کے رکھے جاتے ہیں اس پر گھی ڈال کر روشن کیا جاتا ہے اور ہر چراغ میں چاروں سمت چار چار فلیتے ہوتے ہیں اور سارے فلیتے ختم ہونے تک چراغوں میں گھی ڈالتے رہتے ہیں، پھر نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ آٹے کے چراغوں کا کل یا بعض حصہ جل جاتا ہے ساتھ ہی کچھ ملیدہ بھی جل جاتا ہے۔ ان جلے ہوئے حصہ کو کچھ لوگ کھا جاتے ہیں اور کچھ لوگ زیر زمین دفن کر دیتے ہیں۔ پس مذکورہ بالا امور کہاں تک درست ہے؟

المستفتی: محمد ارشاد احمد برکاتی، اننت پور، اے پی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزارات کی حاضری سعادت اور انہیں ایصال ثواب مستحب اور مزارات پر پھول ڈالنا حسن ہے فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **وضع الورد والریاحین علی القبور حسن۔** "اھ (ج۵، ص۳۵۱)

لیکن اس نیم کے درخت کو غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشانی قرار دینا یا فرضی مزار بنا لینا پھر اس پر فاتحہ پڑھنا اور پھول ڈالنا اور اس کی زیارت کو جانا اور عرس منانا اور ناچ گانے مزامیر کے ساتھ غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر صندل نکالنا اور اس میں مرد و عورت کا مخلوط ہو کر ایک ساتھ گشت کرنا یہ سارے کام حرام

وگناہ ہیں۔رہ گیا جاہل عوام کا اس کا درخت کے سامنے سجدہ کرنا تو یہ بھی حرام ہے جبکہ بروجہ عبادت نہ ہو۔
فتاوی رضویہ میں ہے: غیر خدا کو سجدہ بلاشبہ حرام ہے پھر اگر بروجہ عبادت ہو تو قطعاً یقیناً اجماعاً کفر ہے اور
اگر بروجہ تحیت ہو تو کفر میں اختلاف ہے اس کے حرام ہونے میں اختلاف نہیں اور حق یہی ہے کہ بے نیت
عبادت حرام ہے کبیرہ ہے اور بالخصوص سجدۂ قبر کے بارے میں حدیث موجود ہے: "ارایت لو مررت
بقبری اکنت تجسد له قال فلا تفعل۔" اھ (ج ۹، نصف اخیر، ص ۱۱۳) فقیہ ملت علیہ الرحمہ اپنی کتاب
"فتاویٰ فیض الرسول" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "مصنوعی قبر کی زیارت حرام ہے اور حدیث شریف میں لعنت
آئی ہے: "لعن الله من زار بلا مزار" اھ (ج ۲، ص ۵۳۴) لہٰذا تمام لوگوں پر لازم ہے کہ اپنے گھر
والوں اور رشتہ داروں کو اس میں شرکت سے منع کریں اور ایسی خرافات اور شنیع رسم و رواج سے پرہیز کریں۔
واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) مالیدہ اور شیرینی وغیرہ سامنے رکھ کر یا بغیر سامنے رکھے فاتحہ دلانا اور اس شیرینی وغیرہ کا ثواب
حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں پیش کرنا مستحسن ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: "ایصال ثواب
مندوب و ثواب اور مالیدہ و شیرینی خصوصیات عرفیہ میں اگر وجوب نہ جانے حرج نہیں ہاں اسے شرعاً لازم جانے
یا بغیر اس کے فاتحہ قبول نہ سمجھے تو یہ اعتقاد فاسد ہے اس اعتقاد سے احتراز لازم ہے۔" اھ (ج ۴، ص ۱۴۱)

لیکن فاتحہ کے وقت چاندی کے چراغ جلانا ممنوع ہے۔ علامہ وانی فرماتے ہیں کہ سونے چاندی کا
استعمال ممنوع ہے اس لئے کہ اصل اس باب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے سونا چاندی دونوں
میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ البتہ عورتوں کے لئے حلال ہیں وہ بھی بطور زیور پھر اس کے علاوہ سونا
چاندی اپنی حرمت پر رہیں گے۔ فتاویٰ رضویہ میں سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار سے ہے:

"قال العلامة الوانی المنهی عنه استعمال الذهب والفضة اذ الاصل فی هذا الباب
قوله علیه الصلاة والسلام هذان حرامان علی ذکور امتی حل لاناثهم ولما بین ان المراد
من قوله حل لاناثهم مایکون حلیا لهن بقی ماعداه علی حرمته سواء استعمل بالذات
اوبالواسطة۔" اھ (ج ۹، نصف اول، ص ۶)

علامہ ابن عابدین شامی اپنی کتاب 'ردالمحتار' میں فرماتے ہیں جو چیز مکمل چاندی کی ہے اسے جس
طریقے سے بھی استعمال کیا جائے حرام ہے اگرچہ جسم کے ساتھ مس نہ ہو یہی وجہ ہے کہ چاندی کی انگیٹھی میں
عود جلانا حرام ہے۔ الذی کله فضة یحرم استعماله بای وجه کان ولو بلا مس بالجسد ولذا
حرم ایقاد العود فی مجمرة الفضة۔ اھ (ج ۹، ص ۴۹۵ کتاب الحظر والاباحة)

ہاں آٹے کے چراغ میں گھی ڈال کر روشن کرلیں پھر اس آٹے کو اپنے استعمال میں لے آئیں تو کوئی حرج نہیں اور نہ اسے کھانے کے اوپر رکھیں۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: بلا ضرورت گھی جلانا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے اور فاتحہ وقرآن خوانی اور درود خوانی کے لئے اگر چراغ قرب کی حاجت ہو اور اس خیال سے کہ تیل میں کچھ بدبو آتی ہے گھی سے چراغ روشن کرے اور اس لحاظ سے کہ استعمالی چراغ صاف نہیں ہوتا اور کورے میں جلائیں وہ گھی پیئے گا لہٰذا آٹے کا چراغ بنائیں کہ آٹا پیئے بھی تو اس کی روٹی پک سکتی ہے تو اس میں حرج نہیں اور اس میں بھی وہ چراغ کھانے کے اوپر نہ رکھا جائے بلکہ کھانے سے الگ۔" اھ (ج ۴، ص ۱۹۸) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد راشد مصباحی

۱۷/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

چہلم کا کھانا ایصال ثواب کی نیت سے ہو تو اغنیا فقرا سب کھا سکتے ہیں البتہ اغنیا کو احتراز بہتر ہے

مسئلہ زید کا کہنا ہے کہ میت کے چہلم کا کھانا مالداروں کو کھلانا حرام و گناہ ہے کیونکہ اس کھانے کے مستحق صرف فقراء ومساکین اور غرباء ہیں اور مالداروں کو بھی کھانا حرام ہے کیونکہ غربا ومساکین اور فقراء کی حق تلفی کرتے ہیں اور کسی کی حق تلفی کرنا حرام ہے۔

جبکہ خالد کہتا ہے کہ اگر میت کے وارثین غرباء ومساکین وفقراء کے ساتھ مالداروں کو بھی کھلانے کی نیت کر کے کھانا تیار کروا کر فاتحہ دلائیں اور غرباء وفقراء کے ساتھ مالداروں کو بھی کھلائیں تو حرام و گناہ نہیں مگر مالدار جو کھانا کھائیں گے اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچے گا لیکن چہلم کے فاتحہ میں شریک ہو کر جو قرآن پاک کی تلاوت کریں گے کلمہ طیبہ کا ورد کریں گے اس کا ثواب میت کو ملے گا۔ افضل ومستحب غرباء ومساکین کو ہی کھلانا ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید صراط مستقیم پر ہے یا خالد۔ اگر زید ہے تو جو مالداروں نے ابھی تک کھایا ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

المستفتی: مولانا سید حشمت علی، غوثیہ مسجد، چندن نگر، اندور، ایم پی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اگر محض ایصال ثواب کی نیت سے پکائے نام ونمود یا شادی بیاہ کی طرح دعوت اور مہمان نوازی وضیافت کے طور پر نہ ہو تو اسے فقراء واغنیاء سب کھا سکتے ہیں۔ تاہم اغنیاء کو اس سے احتراز اولیٰ ہے کما حققہ الامام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فی الفتاویٰ الرضویۃ۔

ردالمحتار میں بحر الرائق سے ہے: "صرح فی الذخیرۃ بأن التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر۔" اھ درمختار میں ہے: "الصدقۃ لا رجوع فیھا ولو علی غنی لان المقصود فیھا الثواب. اھ اسی طرح ہدایہ وغیرہ میں ہے مجمع بحار الانوار میں توسط شرح سنن ابی داؤد سے ہے: "الصدقۃ ما تصدقت بہ علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلک فانھا علی الغنی جائزۃ عندنا یثاب بہ بلا خلاف۔" اھ

ہاں اس صورت میں جبکہ کھانا محض فاتحہ و ایصال ثواب کی نیت سے پکایا گیا ہو تو بلاتے وقت اسے بلفظ دعوت تعبیر کرنا اس نیت کو باطل نہ کرے گا لیکن اگر یہ مقصود نہ ہو بلکہ نام و نمود، تفاخر یا دعوت و مہمان نوازی کی نیت سے شادی بیاہ کی طرح پکائے تو یہ بلاشبہ ناجائز و حرام ہے کہ اس کا ثواب سے کچھ علاقہ نہیں۔ اغنیاء کو ایسی دعوت قبول کرنا ناجائز ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۲۲۹ و ۲۳۰ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

سوئم کے چنے مالدار کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

بعض علماء کہتے ہیں کہ سوئم کے چنے مالدار لوگ بھی کھا سکتے ہیں اور بعض علما فرماتے ہیں کہ مالدار سوئم کے چنے نہیں کھا سکتے تو عوام الناس کس پر عمل کریں؟ اس طرح کا اختلاف کیوں ہے؟ اس سے عوام کو کیا فائدہ؟

المستفتی: از مقبول حسین ۲۰ جواہر مارگ اندور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سوم کے چنے ایصال ثواب کے لئے منگائے جاتے ہیں۔ اگر مالک نے صرف فقراء و مساکین کو دینے کے لئے منگائے اور یہی اس کی نیت ہے تو مالدار کو کھانا جائز نہیں اور اگر اس سے عام حاضرین پر تقسیم کے لئے منگائے ہیں تو اس صورت میں مالدار بھی کھا سکتا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

"اور سوم کے چنے بتاشے کہ بغرض مہمانی نہیں منگائے جاتے بلکہ ثواب پہنچانے کے قصد سے ہوتے للہ۔ یہ اگر مالک نے صرف محتاجوں کے دینے کے لئے منگائے اور یہی اس کی نیت ہے تو غنی کو ان کا بھی لینا ناجائز اور اگر اس نے عام حاضرین پر تقسیم کے لئے منگائے ہیں تو اگر غنی بھی لے گا تو گنہگار نہ ہوگا اور یہاں بحکم عرف و رواج عام حکم یہی ہے کہ وہ خاص مساکین کے لئے نہیں ہوتے تو غنی کو بھی لینا ناجائز نہیں۔ اگرچہ احتراز

زیادہ پسندیدہ ہے۔اھ مخلصاً (ص۱۳۸ ج۴)

لہٰذا جن علما نے یہ کہا کہ سوم کے چنے مالدار لوگ بھی کھا سکتے ہیں یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ عام حاضرین پر تقسیم کے لئے منگائے گئے ہوں اور عرف ورواج یہی ہے کہ وہ خاص مساکین کے لئے نہیں منگائے جاتے بلکہ تمام حاضرین کے لئے ہوتے ہیں خواہ وہ فقیر ہوں یا غنی۔اور جن علما نے یہ کہا کہ مالدار لوگ سوم کے چنے نہیں کھا سکتے تو یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ مالک نے چنے صرف فقیروں کو دینے کے لئے منگائے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد سفیر الحق رضوی نظامی

۱۷ جمادی الاخری ۱۴۳۲ھ

پان اور پھول اٹھانا کیسا ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ہمارے یہاں تیجہ یا چہارم کے دن یہ رسم جاری ہے کہ پان اور پھول اٹھاتے ہیں یعنی دوست و احباب اکٹھا ہوتے ہیں اور پھول سے تیل لے کر ہتھیلی، سر اور چہرے پر ملتے ہیں اور پان کھاتے ہیں اور شیرینی لے کر مردے کو دعائیں دیتے ہوئے اپنے اپنے گھر جاتے ہیں تو یہ ازروئے شرع کیسا ہے؟ جواب سے نوازیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد وسیم قادری، سکرا پٹھان پوسٹ بھوانی پور، ضلع بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اس کی شرعاً نہ ممانعت ہے اور نہ ہی اس کا حکم ہے بلکہ شریعت نے سکوت اختیار کیا اور حدیث شریف میں ہے "وماسکت منه فهو عفا عنه" اھ البتہ اس طرح کے امور کی ایجاد سے احتراز کرنا چاہئے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد صدیق عالم قادری منظری

۲۳ رشوال المکرم ۱۴۲۶ھ

کتاب الزکاۃ

زکاۃ کا بیان

فکس روپیہ کردیا تو اس کی زکاۃ کتنی دے اور کب دے؟ نابالغ کے نام رقم فکس ہے اس پر زکاۃ ہے یا نہیں رقم بچا کر رکھا ہے خرچ نہیں کرتا تو زکاۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت ان مسائل میں کہ

(۱) بینک میں روپیہ سات سال کے لیے فکسڈ (Fixed) کیا جو کہ سات سال بعد ملے گا، اس روپے کی ہر سال زکاۃ نکالیں یا سات سال بعد جب وہ نکلے گا تب نکالیں اور کتنا نکالیں؟

(۲) جو رقم بینک میں لڑکا اور لڑکی کے نام سے رکھا جائے جب کہ وہ نابالغ ہیں لڑکا دو سال اور لڑکی چار سال کی ہے، ان کی پڑھائی اور لڑکی کی شادی کے لیے ہے تو اس رقم کی زکاۃ نکالنی پڑے گی یا نہیں؟ اگر بیس ہزار روپے ہیں تو کتنا زکاۃ دینا ہوگا، جب کہ وہ رقم بھی فکسڈ ہے، ہر سال یا سات سال میں جب وہ رقم ملے گی؟

(۳) پچاس ہزار روپے اپنے بڑھاپے کے لیے رکھا ہے اور اتنی ہی رقم حج کے لیے رکھا ہے، اگر دیگر مکان وموٹر سائیکل جو ضرورت سے لیتے ہیں تو وہ رقم خرچ ہوجائے گی، مگر نہ مکان بنواتے ہیں اور نہ ہی موٹر سائیکل خریدتے ہیں اور دال روٹی سے گزارہ کر کے اس روپیہ کو استعمال نہیں کرتے تو کیا اس رقم میں زکاۃ ادا کرنی پڑے گی اور کتنا دینا پڑے گا؟ **المستفتی: شیخ رحمت اللہ، اسکول بازار سہٹ، بالاسور، اڑیسہ**

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب بینک میں جو روپے سات سال کے لیے فکس (Fixed) ہیں وہ شرعی نقطۂ نظر سے اپنے ہی قبضے میں ہیں کہ بینک کے ذمہ وہ مال قرض ہوتا ہے اور مال قرض دہندہ کے قبضے میں ہی مانا جاتا ہے، اس لیے ہر سال اس پر زکاۃ واجب ہوتی ہے مگر واجب الادا اس وقت ہوتی ہے جب نصاب کا پانچواں حصہ یا اس سے زیادہ وصول ہو، البتہ ہر سال کی واجب شدہ رقم نصاب سے کم کردی جائے گی اور باقی پر دوسرے سال کی زکوۃ

واجب ہوگی، فرض کیجئے کل رقم چالیس ہزار روپے جمع ہوئی تو پہلے سال اس پوری رقم پر زکوۃ فرض ہوگی یعنی ایک ہزار روپے، دوسرے سال جمع شدہ رقم سے ایک ہزار کم کردیں گے تو صرف انتالیس ہزار روپے کی زکاۃ دینی ہوگی، اس طرح سات سال تک کم کرتے رہیں۔ البتہ ساتویں سال چونکہ اس کو نفع بھی مل رہا ہے، اگر وہ نفع سال زکاۃ پورا ہونے سے پہلے وصول ہوجائے تو اصل جمع شدہ روپے کے ساتھ اس نفع کے روپے کو بھی جوڑیں اور صرف ساتویں سال پوری میزان کی زکاۃ ادا کریں یونہی تمام سالوں کی زکاۃ ادا کی جائے گی۔ درمختار "کتاب الزکاۃ" میں ہے: اعلم ان الدیون عند الامام ثلثة قوی ومتوسط وضعیف فتجب زکاتها اذا تم نصابا وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درهما من الدین القوی"۔ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: وذکر فی المنتقی رجل له ثلث مائة درهم دین حال علیها ثلاثة احوال فقبض مائتین فعند ابی حنیفة یزکی للسنة الاولی خمسة وللثانية والثالثة اربعة اربعة من مائة وستین ولاشی علیه فی الفضل لانه دون الاربعین" اھ (ص ۳۰۵ ج ۲) ایسا ہی فتاوی رضویہ ص ۴۱۶ ج ۴ اور فتاوی امجدیہ ص ۳۶۹ ج ۱، اور بہار شریعت ص ۳۹ حصہ پنجم میں بھی ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ ہر سال جمع شدہ مجموعی رقم کی زکاۃ ادا کرتا رہے اس میں آسانی بھی ہے اور ساتھ ہی ہر سال حق اللہ سے سبکدوشی بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جو رقم بینک میں نابالغہ لڑکی، اور نابالغ لڑکا کے نام سے جمع کی جاتی ہے وہ مالک بنانے کے لیے جمع کی جاتی ہے یوں بھی نابالغ یا نابالغہ کے نام رقم کردینا ملکیت ہی ہوتا ہے اس لیے ان کے بلوغ تک کسی پر زکاۃ واجب نہیں۔ والدین پر اس لیے نہیں کہ اب وہ رقم ان کی ملکیت میں نہ رہی، اور لڑکا اور لڑکی پر اس لیے نہیں کہ وہ نابالغ ہیں اور وجوب زکاۃ کے شرائط میں سے ایک شرط عاقل، بالغ ہونا ہے اور ایک دوسری شرط مال کا پورے طور پر ملک میں ہونا بھی ہے اور یہاں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں۔ فتاوی ہندیہ "کتاب الزکاۃ" میں ہے: واما شروط وجوبها فمنها العقل والبلوغ ومنها الملک التام" اھ (ص ۱۷۲ ج ۱) درمختار "کتاب الزکاۃ" میں ہے: وشرط افتراضها عقل وبلوغ" اھ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: فلا تجب علی مجنون وصبی لانها عبادة محضة ولیسا مخاطبین بها" اھ (ص ۲۸۵ ج ۲)

اور اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ہر نابالغہ کا حصہ جدا کرکے یہ کہہ دے کہ میں نے اسے اس کا مالک کیا اس کی زکاۃ ان کے بلوغ تک کسی پر واجب نہیں" اھ ملخصا (ص ۴۱۷ ج ۴) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) پچاس ہزار روپے جو اپنے بڑھاپے کے لیے رکھا ہے اور ان کو ان اسباب کے لیے خرچ نہیں

کرنا جن کی اسے حاجت ہے اور اس پر سال گزر گیا تو اس پر زکاۃ واجب ہے۔ یونہی جو روپے حج کے لیے رکھا ہے اس پر بھی سال گزر گیا اور حج کے لیے نہیں گیا تو اس پر بھی زکاۃ واجب ہے، اگرچہ زکاۃ نکالنے کے بعد اتنی رقم نہ رہ جائے جس سے حج کرسکتا ہو۔ ردالمحتار میں ہے: اذا امسکه لینفق منه کل مایحتاجه فحال الحول وقد بقی معه منه نصاب فانه یزکی ذلک الباقی وان کان قصده الانفاق منه ایضا فی المستقبل لعدم استحقاق صرفه الی حوائجه الاصلیة وقت حولان الحول" اھ (ص ۲۶۲ ج ۲) درمختار "کتاب الزکاۃ" میں ہے: فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد بخلاف دین نذر و کفارة وحج لعدم المطالب" اھ (ص ۲۶۰ ج ۲) فتاوی ہندیہ "کتاب الزکاۃ" میں ہے: و کل دین لا مطالب له من جهة العباد کدیون الله تعالیٰ من النذور والکفارات وصدقة الفطر ووجوب الحج لا یمنع کذا فی محیط السرخسی" اھ (ص: ۱۷۳ ج ۱)

گویا اس کے پاس ایک لاکھ روپے ہیں تو اس پر سال گزرنے کے بعد اس کی زکاۃ دو ہزار پانچ سو روپے واجب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: غلام نبی النظامی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۹ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

زید کے پاس ۱۹۶۲ء سے ۹۶۰ گرام چاندی اور ۷۷ گرام سونا ہے تو اب تک کتنی زکاۃ نکلے گی؟

مسئلہ زید کے پاس ۲۹ / اکتوبر ۱۹۶۲ء سے ۹۶۰ / گرام چاندی جس میں ۳۰ فیصد بٹہ ہے، ۶۷۲ / گرام خالص چاندی ہے۔

نیز ۷۷ / گرام سونا ہے بٹہ ۳۰ فیصد، ۵۴ / گرام خالص سونا ہے اب تک زکاۃ نہیں دی گئی ہے، امسال زکاۃ دینا ہے تو کتنا دینا ہوگا۔ بینوا توجروا

المستفتی: مبین احمد قادری، جامعہ عربیہ اظہار العلوم نیا بازار، جہانگیر گنج، فیض آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سوال میں جو چاندی اور سونا مذکور ہے ان سب میں زکاۃ ہے اس میں بٹے وغیرہ کا کچھ لحاظ نہیں کہ سونا اور چاندی میں اگر کوئی دوسری دھات ملی ہو اور ملی ہوئی دھات میں چاندی، سونا غالب ہے جب بھی پورے کی زکاۃ ادا کرنا ہوگی، یوں ہی اگر دونوں برابر ہوں جب بھی زکاۃ ادا کرنا ہوگی۔ حضور صدر الشریعہ

علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ ”اگر سونے چاندی میں کھوٹ ہو اور غالب سونا چاندی ہے تو سونا چاندی قرار دیں گے اور کل پر زکاۃ واجب ہے یوں ہی اگر کھوٹ سونے چاندی کے برابر ہو تو زکاۃ واجب ہے“ اھ (بہار شریعت ح ۵ ص ۲۷)

درمختار ”باب زکاۃ المال“ میں ہے ”وغالب الفضۃ والذهب فضۃ وذهب وما غلب غشه منهما یقوّم کالعروض واختلف فی الغش المساوی والمختار لزومها احتیاطاً“۔ ملخصاً (ج ۲ ص ۳۰۰) رہا کئی سالوں سے اب تک زکاۃ ادا نہ کرنا تو یہ بہت سخت گناہ ہے لازم ہے کہ فوراً توبہ و استغفار کرے اور جلد از جلد حساب کر کے پوری زکاۃ فوراً ادا کرے کہ اب تک تاخیر کی وجہ سے گنہگار ہوا ہی اس میں مزید تاخیر کرنا اور قابل گرفت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”وتجب علی الفور عند تمام الحول حتی یاثم بتاخیره من غیر عذر“ اھ (ج ۱ ص ۱۷۰)

اس کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ معلوم کریں کہ سونا اور چاندی دونوں نصاب بھر ہیں یا نہیں پھر ہر ایک کی زکاۃ سال بسال اس طرح ادا کریں کہ سونا اور چاندی اگر دونوں اپنے نصاب سے زیادہ ہے اور زیادتی نصاب کا پانچواں حصہ ہے تو اس کی بھی ادا کریں اور اگر پانچواں نہیں ہے تو معاف ہے۔ در مختار میں ہے ”وفی کل خمس بحسابه وما بین الخمس الی الخمس عفو“ اھ اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے ”ای ما زاد علی النصاب عفو الی ان یبلغ خمس نصاب“ اھ (ج ۲ ص ۲۹۹)

مثلاً چاندی ۶۳ تولہ ہے تو زکاۃ میں ایک تولہ چھ ماشہ $7\frac{1}{5}$ رتی ادا کرنا ہوگا اور ۵۲ تولہ ۶ ماشہ کے بعد ہر ۱۰ تولہ ۶ ماشہ پر ۳ ماشہ $1\frac{1}{5}$ رتی بڑھائیں، اسی طرح سونا اگر نو تولہ ہو تو ۲ ماشہ ۳/۵ رتی یعنی ۷ تولہ ۶ ماشہ کے بعد ہر ایک تولہ ۶ ماشہ پر $\frac{3}{5}$ رتی بڑھاتے جائیں، اور سوال میں چاندی اور سونے کی جو مقدار مذکور ہے وہ تو نصاب کے پانچویں حصہ سے زیادہ ہے۔ لہٰذا مذکورہ قاعدہ کے مطابق ہر سال کا حساب کر کے جتنی زکاۃ نکلے اس کو ادا کرے پھر دوسرے سال کے حساب میں اتنا کم کر کے حساب کرے کہ جتنا پہلے والے سال میں ادا کیا ہے، اسی طرح ہر سال کا حساب کر کے ادا کرتا جائے۔ اور جب دونوں نصاب سے کم ہو جائیں تو دونوں کو ایک میں ملا دے اگر دونوں کو ملانے سے ایک نصاب پورا ہو جاتا ہے مثلاً چاندی کو سونے میں ملانے سے چاندی کا نصاب یا سونے کو چاندی میں ملانے سے سونے کا نصاب پورا ہو جاتا ہے تو جس نصاب سے فقیروں کا زیادہ فائدہ ہو اسی سے ادا کرے، اور اگر دونوں کو ملانے سے نصاب پورا نہ ہو تو معاف ہے۔

فتاوی عالمگیر ”الباب الثالث فی زکاۃ الذهب والفضۃ والعروض“ میں ہے ”والذهب المخلوط بالفضۃ ان بلغ الذهب نصاب الذهب وجبت فیه زکاۃ الذهب وان بلغت الفضۃ نصاب

الفضة وجبت فيه زكاة الفضة وهذا اذا كانت الفضة غالبة واما اذا كانت مغلوبة فهو كله ذهب لانه اعز واعلى قيمة كذا في التبيين" اھ (١ص١٧٩) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی امجدی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۴؍شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ

چرم قربانی وزکاۃ کی رقم کسی تنظیم کو دینا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ

آج کل ایک جماعت نکلی ہوئی ہے جو بنام سنیت دین کے کام کی مدعی ہے لیکن درحقیقت یہ جماعت مفاد پرست ہے اور اپنے قول وفعل سے دینی ادارے کو نقصان پہنچانے والی ہے ویسے ہی ہمارے دارالعلوم مالی بحران کے شکار ہیں ہمارے شہر کے جو لوگ سنی دارالعلوم کی مدد کرتے تھے ان لوگوں کو ورغلا کر اور دھوکہ دے کر چرم قربانی اور رمضان کے موقع پر زکاۃ کی رقم لے کر اپنے شہر کے لیے نہیں بلکہ دوسرے شہر میں اپنے مرکز میں بھیجتی ہے اس وجہ سے ہمارے سنی دارالعلوم کو نقصان پہنچا۔ کیا ایسی جماعت لائق حمایت ہے یا لائق مذمت؟

المستفتی: حاجی صلاح الدین نوری منزل، ہزار کھولی، دھولیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجواب (١) زکاۃ کے اصل حقدار فقرا ومساکین ہیں، ارشاد باری ہے: "انما الصدقٰت للفقرا والمسٰکین" الآیۃ۔ مگر اہم دینی ضرورت اور علوم دینیہ وشعائر اسلام کے تحفظ کے لیے فقہا نے زکاۃ کی رقم میں حیلہ شرعیہ کی اجازت دی کیونکہ اس کے بغیر نہ تو علوم دینیہ کا تحفظ ہوسکتا ہے نہ جمعہ وجماعات کے قیام کے لیے مناسب ائمہ مل پاتے اور مسلمانوں میں گمرہی پھیل جاتی تو زکاۃ کی رقم میں حیلہ شرعیہ کے لیے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ایک تو اہم دینی کام دوسرے اس کی شرعی ضرورت کہ اس کے بغیر دین کا وہ کام نہ چل سکے جہاں یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں وہاں کے لئے زکاۃ وصول کرنا اور حیلہ کرنا جائز نہیں دوسری تنظیمیں عموماً ایسے ہی کاموں کے لیے زکاۃ کی رقوم وصول کرتی ہیں لہٰذا ان کو دینے سے پرہیز کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۱؍ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ

جیون بیمہ پر زکاۃ کا حکم؟

مسئلہ زید جیون بیمہ میں تین ماہ پر ۶۵۹ روپے جمع کرتا ہے پچیس سال میں کتنی رقم زکاۃ کی زید

کو ادا کرنی ہوگی؟ کیا پچیس ویں سال سونے چاندی کے نصاب کے اعتبار سے ادا کرے یا جس وقت سے جمع کر رہا ہے اس وقت کے اعتبار سے ادا کرے گا جیون بیمہ بینک میں نصاب کے برابر روپے ہو جانے کے بعد فوراً زکاۃ دینا واجب ہے یا کل رقم جب پچیس سال کے بعد مل جائے تب دینا واجب ہے؟ کس طرح زید زکاۃ دے کہ گناہ سے بچ جائے۔ بینوا توا جروا۔

المستفتی: شبیر احمد مدرسہ حنفیہ جونپور یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جیون بیمہ کرنے والا اگر مالک نصاب ہے تو اصل جمع شدہ رقم کی زکاۃ سال بسال واجب ہوتی رہے گی مگر جب وہ مل جائے گی، تب واجب الادا ہوگی اور زائد رقم حاصل ہونے کے بعد اصل نصاب سے ملحق ہو جائے گی اور اس کی زکاۃ نصاب کے حولان حول پر واجب ہوگی۔ (صحیفۂ فقہ اسلامی ص ۲۳ مطبوعہ مبارکپور) اور سونے چاندی کے نصاب کا اعتبار وقت جمع سے ہوگا۔

اور اگر زید نے سال بسال زکاۃ ادا نہیں کیا تھا اور پچیسویں سال میں تمام سالوں کی زکاۃ ادا کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر سال گزشتہ کی زکاۃ سال آئندہ سے مستثنیٰ رکھے مثلاً کسی کے ایک ہزار روپے بینک میں جمع ہیں سال تمام پر اس کی زکاۃ پچیس روپے ہوئے، اب سال آئندہ صرف نو سو پچہتر روپے کی زکاۃ دے اور تیسرے سال نو سو پچہتر روپے کی زکاۃ کی مقدار نکال کر جو بچے اس کی واجب ہوگی۔ روپے وصول ہونے پر اسی طرح سال بسال کا حساب کیا جائے گا۔ آسانی اس میں ہے کہ جتنے روپے جمع ہوتے جائیں سال تمام پر سب کی زکاۃ سال بسال دیتا جائے۔ (حاشیہ فتاویٰ امجدیہ ص ۳۶۹ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد صابر عالم قادری مصباحی

۱۷ ربیع الغوث ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

حیلہ کیا ہے؟ اس کی ایجاد کب، کیوں اور کن مصالح کے تحت ہوئی؟ کیا کتاب وسنت میں اس کی اصل ہے؟

مسئلہ حیلہ شرعی کسے کہتے ہیں؟ اس کی ایجاد کب اور کیوں ہوئی؟ کن مقاصد و مصالح کے تحت اس کا وجود یا جواز عمل میں آیا؟ کیا کتاب وسنت سے بھی اس کی اصل یا اس کے جواز کا ثبوت و پروف ملتا ہے؟ جن امور کے لیے اس کا وجود یا جواز عمل میں آیا ان کے علاوہ بھی اس کا استعمال درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبد الرشید قادری پیلی بھیتی، خادم مراۃ الدعوۃ الاسلامیہ پیلی بھیت شریف پرنسپل مدرسہ اہل سنت فیض العلوم جوکھن پور بھیڑی ضلع بریلی شریف پن 243201

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب حیلہ اسے کہتے ہیں جو آدمی کو ناپسند چیز سے محبوب چیز کی طرف پھیر دے۔ حیلہ شرعی ضرورت کے وقت جائز ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک جائز دوسرا ناجائز، تو اس ناجائز طریقہ کو چھوڑ کر جائز طریقہ کو اختیار کیا جائے، اور یہ قرآن و حدیث وفقہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم پورا کرنے کا حیلہ یہ تعلیم دیا۔ "خذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولاتحنث" اور تم اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر ماردو اور قسم نہ توڑو" اھ (سورہ ص آیت ۴۴ پ: ۲۳)

اور حدیث شریف میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں برنی کھجور حاضر لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کہاں سے لائے ہو، عرض کی "کان عندنا تمر ردی فبعت منہ صاعین بصاع" ہمارے یہاں خراب کھجوریں تھیں، ان کے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع خریدا تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "اوہ اوہ عین الرباعین الربا لاتفعل ذلک" اف یہ تو خالص سود ہے ایسا نہ کرو، پھر فرمایا "لکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع آخر ثم اشتر بہ" ہاں اگر خریدنا چاہو تو اپنی کھجوریں کسی اور شی کے بدلے بیچو پھر اس سے خریدو" اھ (بخاری شریف ج ا ص ۳۱۱)

امام قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں حیلہ کی ایک مستقل فصل ذکر کیا ہے "فصل فیما فرارا عن الربا" اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بیع عینہ کو جائز بتایا بلکہ کرنے والے کو ماجور فرمایا، ردالمحتار میں ہے "عن ابی یوسف العینۃ جائزۃ ماجور من عمل بہا" اھ (ج ۵ ص ۲۷۳) فتح القدیر میں ہے "قال ابو یوسف لایکرہ ھذا البیع لانہ فعلہ کثیر من الصحابۃ وحمدوا علی ذلک ولم یعدوہ من الربا" اھ (ج ۶ ص ۳۲۴) اور ایسا ہی فتاوی امجدیہ ج ۳ ص ۱۷۳ پر بھی ہے۔

زکاۃ کے اصل مصارف فقراء و مساکین وغیرہ ہیں مگر آج کل مالداروں کی راہ خدا میں صرف کرنے کی رغبت بہت کم ہو گئی ہے، دین کی بقاء کے لیے دینی مدارس کا وجود ضروری ہے، اس لیے بوجہ ضرورت حیلہ شرعیہ کرنے کے بعد زکاۃ صدقہ فطر کی رقوم مدارس اسلامیہ میں صرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اور یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ جو حکم بضرورت ہوتا ہے وہ ضرورت کی مقدار سے متجاوز نہیں ہوتا، مشہور قاعدہ کلیہ ہے "ما ابیح للضرورۃ یتقدر بقدرھا" لہٰذا زکاۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقم حیلہ کے بعد بھی دنیوی اسکول، کالج وغیرہ میں صرف کرنے کی اجازت نہیں ہو گی، درمختار میں ہے "الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ھذا الاشیاء" اھ (ج ۲ ص ۳۴۵) ردالمحتار باب المصرف میں ہے "ویکون لہ ثواب الزکوۃ وللفقیر ثواب ھذہ القرب بحر" اھ (ج ۲ ص ۳۴۵) درمختار میں ہے: وحیلۃ التکفین بہا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون

الثواب لھما و کذا فی تعمیر المسجد و تمامہ فی حیل الاشباہ" (ج ۲ ص ۱۷۲) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی نظامی
۲۷ ربیع الغوث ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

مستحقین زکاۃ، جسے سالانہ پچاس ساٹھ ہزار ملتے ہوں زکاۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟ شیخ زکاۃ کے لئے اپنے کو شاہ بتائے تو؟ اس سے مرید ہونا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے اندر:

(الف) حضرت رحمۃ اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے اللہ کے ولی اور برگزیدہ بزرگ اس ظاہری دنیا سے وصال فرما چکے ہیں۔ لیکن جب تک رحمت اللہ شاہ صاحب اس ظاہری دنیا میں باحیات تھے تب تک انہوں نے بہت سے حاجتمندوں کی حاجتوں کو پورا کیا کسی کی طبیعت خراب ہوتی تو ان کے پاس آتے اور یہ اللہ کے ولی ان کی صحت یابی کی دعا رب کی بارگاہ میں فرماتے تو آنے والی کی طبیعت رب کائنات اپنے ان ولی کے صدقہ میں ٹھیک فرما دیتا اور جن لوگوں کی مرادیں پوری ہو جاتیں تو وہ آخر حضرت بارگاہ میں خوشی سے ایک بیگھہ دو بیگھہ زمین دیتا اسی طرح سے حضرت کے پاس باون بیگھہ زمین ہوگئی لیکن جب حضرت اس ظاہری دنیا میں نہ رہنے کا علم ہو چکا اور سمجھ گئے کہ اب مجھ کو اس دنیا کو چھوڑنا ہے تو حضرت نے ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا جس میں تحریر یہ ہے کہ ہمارے بعد جو بھی اس خانقاہ میں بیٹھے گا وہ ان تمام زمینوں کا مالک ہوگا اور اس زمین سے جو بھی فائدہ ہوگا اس سے خانقاہ کا ہر ایک کام ہوگا اور سارے کام کرنے کے بعد جو روپے بچ جائے وہ روپے کا مالک ہوگا جو خانقاہ میں ہماری جگہ ہوگا (حضرت کی شادی نہیں ہوئی تھی اور نہ کسی رشتہ دار کا کچھ پتہ ہے)

مندرجہ بالا حضرت کی جگہ زید بحیثیت پیر بیٹھا ہے جو برادری کا شیخ ہے اور زید کی ایک بیوی ہے اور کوئی اور نہیں لیکن پھر بھی زید اپنے مریدوں سے کہتا ہے کہ ہمارے سرکار رحمت اللہ شاہ صاحب برادری کے شاہ تھے اس لیے میں بھی شاہ ہی ہوا لہٰذا تم لوگ مجھے صدقہ فطر اور زکاۃ کا روپیہ دو چونکہ شاہ صاحب کو فطرہ اور زکاۃ کا روپیہ لینا جائز ہے اور ساتھ ہی جتنا چرم قربانی ہوتا ہے وہ بھی زید اپنے ذمہ لے کر فروخت کر دیتا ہے اور سارا روپیہ اپنے ذمہ خرچ کر دیتا ہے جب کہ مندرجہ بالا خانقاہوں کی زمین سے سال بھر میں قریب ایک لاکھ کی آمدنی ہے اور خانقاہ کے ذمہ جو خرچ ہے تیس یا چالیس ہزار روپے ہے اس طریقہ سے زید کو پچاس یا ساٹھ ہزار روپے خانقاہ کی زمین سے جو کہ آمد ہے مل جاتا ہے جو کہ اس کے اور اس کی بیوی کے لیے کافی ہے ان تمام صورتوں میں زید کا اپنے مریدوں سے فطرہ وزکاۃ اور چرم قربانی کا روپے مانگنا جائز ہے؟ اور اگر زید مانگتا ہے تو

مریدوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا زید کے ہاتھ بیعت ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا برادری کا شاہ ہو لیکن مالدار ہو تو ہم فطرہ اور زکاۃ صرف برادری کی وجہ سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد زبیر احمد اشرفی، دھونچھپرہ، برہم پور بکسر، بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب) الف) زکوۃ اور صدقہ فطر کے اصل حقدار فقیر اور غریب مسلمان ہیں" قال اللہ تعالیٰ "انما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین" یعنی زکاۃ تو انہیں لوگوں کے لیے ہے محتاج اور نادار (س توبہ ۹ آیت ۶۰) لہٰذا زکاۃ اور صدقۂ فطر انہی لوگوں کو دینے سے ادا ہوگی، مالداروں کو دینے سے ادا نہ ہوگی۔

صورت مسئولہ میں جب کہ زید کو پچاس، ساٹھ ہزار روپیہ خانقاہ کی زمین سے مل جاتا ہے جو اس کی ضرورت کے لیے کافی ہے تو وہ مالک نصاب ہوا اور مالک نصاب کو زکاۃ وصدقہ فطر دینا اور لینا جائز نہیں، اگر دیا تو فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، درمختار میں ہے "ولا الیٰ غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجتہ الاصلیۃ من ای مال کان" اھ (ص ۲۹۵، ج ۳)

یونہی زید کا زکاۃ وفطرہ کے رقوم مانگنا اور لوگوں کا دینا بھی ناجائز وگناہ ہے حدیث شریف میں ہے "لا تحل الصدقۃ لغنی ولذی مرۃ سوی صدقۃ" یعنی صدقہ حلال نہیں ہے کسی غنی کے لیے اور نہ کسی قوی تندرست کے لیے، اور دوسری حدیث پاک میں ہے "من سأل الناس ولہ مایغنیہ جاء یوم القیامۃ ومسئلتہ فی وجھہ خموش" یعنی جو لوگوں سے سوال کرے اور اس کے پاس وہ شی ہو جو اس کو بے نیاز کرتی ہو تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر خراش وزخم ہو۔

اور درمختار میں ہے "لا یحل ان یسأل شیأ من القوت من لہ قوت یومہ بالفعل او بالقوۃ کالصحیح المکتسب ویأثم معطیہ ان علم بحالہ لاعانتہ علی المحرم" (ص ۳۰۵، ج ۳)

جو شیخ برادری کا ہو لیکن زکاۃ لینے کے لیے شاہ برادری کا بتاتا ہو اس پر اللہ ورسول، تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے خدائے تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول فرمائے گا اور نہ نفل، حدیث پاک میں ہے "من ادعی الی غیر ابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل منہ یوم القیامۃ صرفاً ولا عدلا" رواہ البخاری ومسلم

لہٰذا زید جو حقیقت میں شیخ برادری کا ہے مگر زکاۃ اور فطرہ کی رقم وصول کرنے کے لیے شاہ برادری کا بتاتا ہے اور اس برادری کے لیے زکاۃ وصدقہ فطر کی رقم لینا حلال جانتا ہے تو وہ سخت فاسق وفاجر ہے، اس سے

مرید ہونا ہرگز جائز نہیں، بہار شریعت حصہ اول ص ۷۱ میں ہے "پیری کے لیے چار شرطیں ہیں قبل از بیعت ان کالحاظ فرض ہے، اول سنی صحیح العقیدہ ہو، دوم اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضروریات کے مسائل کتابوں سے نکال سکے، سوم فاسق معلن نہ ہو، چہارم اس کا سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

اور چرم قربانی صدقہ نافلہ ہے امیر غریب سب لے سکتے ہیں مگر غریبوں کو دینا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی

۲۵؍ رجمادی الآخر ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

زکاۃ کی رقم دنیاوی اسکول کی زمین و تعمیر میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ کیا بیت المال، صدقہ، وزکوۃ کی رقم سے دینی اور دنیاوی تعلیم کے لیے اسکول کی زمین خریدنا درست ہے اور تعمیر اسکول بھی درست ہے؟

المستفتی: محمد اقبال کلکتہ، بنگال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زکاۃ وصدقہ کی رقم کے اصل حقدار فقیر اور مسکین مسلمان ہیں، قرآن پاک میں ہے "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ" (پ۱۰ ع ۱۴ آیت ۶۰) تو زکاۃ انہیں کو دینے سے ادا ہوگی، اور دوسرے کو دینا ناجائز وگناہ ہے، اس لیے کسی بھی اسکول میں زکاۃ کی رقم دینا جائز نہیں اور نہ ہی اسکول میں دینے سے زکاۃ ادا ہوگی۔

دینی مدرسہ میں جو زکاۃ کی اجازت فقہائے کرام نے دی ہے تو وہ ضرورت شرعیہ کے تحت دی ہے، فقہ کا قاعدہ کلیہ ہے "الضرورات تبیح المحظورات، الحاجة قد تنزل منزلة الضرورة المشقة تجلب التیسیر" اھ اور اسکول میں ضرورت شرعیہ کیا، حاجت شرعیہ بھی نہیں پائی جاتی۔

لہٰذا زکاۃ وصدقہ کی رقم کسی بھی دنیاوی اسکول میں دینے سے ہرگز ادا نہ ہوگی اور نہ ہی اس سے اسکول کی زمین خریدنا اور اس سے اسکول کی تعمیر کرنا جائز ہے، البتہ بیت المال کی رقم جو زکاۃ، صدقۂ فطر، نیز کسی اور صدقۂ واجبہ کی نہ ہو بلکہ چندے وعطیہ کی رقم ہو جس کا مصرف قومی وملی فلاح وبہبود کے کام ہوں تو اس سے اسکول کی زمین خریدنا اور تعمیر کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کھیت کی قیمت بقدر نصاب ہے تو قربانی وفطرہ ہے یا نہیں؟ حاجت اصلیہ سے کیا مراد ہے؟ بکر کے پاس ایک لاری ہے تو اس پر قربانی وفطرہ ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مندرجہ ذیل مسائل میں

(۱) زید ایک کسان ہے اور ایک بیگھہ زمین کا مالک بھی ہے جس کی مالیت پچاس ہزار روپے ہے۔ زید پینتالیس ہزار کا قرضدار بھی ہے اور بازار میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت پونے پانچ ہزار روپے ہے۔ اسی صورت میں زید پر قربانی اور زکاۃ وفطرہ واجب ہے کہ نہیں؟

(۲) اسباب حاجت اصلیہ سے کیا مراد ہے؟ بکر کے پاس ایک لاری ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے گھریلو اخراجات کو پورا کرتا ہے۔ بکر پر قربانی وفطرہ واجب ہے کہ نہیں؟

المستفتی: خورشید عالم قادری، شیرا والا اسٹریٹ، کھڑک، بمبئی۔ ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) صورت مستفسرہ میں زید مالک نصاب ہے اور اس پر قربانی وصدقۂ فطر واجب ہے اگرچہ وہ پینتالیس ہزار روپے کا قرضدار ہے اس لیے کہ جب بازار میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت پونے پانچ ہزار روپے ہیں تو کھیت کی مابقیہ قیمت نصاب کو پہنچ جاتی ہے جو قربانی وفطرہ واجب ہونے کے لیے کافی ہے۔ فتاوی بزازیہ کتاب الاضحیہ میں ہے **لو له عقار يشتغلها قال الزعفراني ان بلغت قيمتها نصابا تلزم**۔ اھ (ج ۳ ص ۲۸۶)

البتہ اس زمین کی زکاۃ واجب نہیں کہ کھیت کا وظیفہ عشر یا خراج ہے اور عشر وزکاۃ ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ ایسا ہی فتاوی فیض الرسول جلد دوم ص ۴۴۲ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اسباب حاجت اصلیہ سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ آدمی کو زندگی گزارنے میں جن کی ضرورت ہو۔ جیسے رہنے کا مکان، جاڑے گرمیوں میں پہننے کے کپڑے، خانہ داری کے سامان، سواری، جنگی اوزار، اہل علم کے لیے کتابیں، پیشہ وروں کے اوزار اور آلات کسب بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔ ردالمحتار میں ہے **الحاجة الاصلية وهى مايدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج اليها لرفع الحر او البرد**۔ اھ (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۲۶۲) اور فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۲ میں ہے **ومنها فراغ المال عن حاجته الاصلية وكذا كتب العلم ان كان من اهله وآلات المحترفين۔ هذا فى الآلات التى ينتفع بنفسها ولا يبقى اثرها فى المعمول**۔ اھ ملخصًا

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ لاری جوکمانے کے لیے ہو حاجت اصلیہ میں شامل ہے اوراس پر زکاۃ و فطرہ اورقربانی واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ہارون رشید قادری کمبولوی گجراتی
۱۲ رصفرالمظفر ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابراراحمد امجدی برکاتی

میت کا قرض ادا کرنے کے لئے ورثہ زکاۃ لے سکتے ہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے اندر

زید ایک تاجر آدمی ہے تجارت کے لین دین میں زید بہت زیادہ مقروض ہوگیا پھراس کا انتقال ہوگیا۔ اوراس نے اتنا ترکہ نہیں چھوڑا کہ قرض ادا کیا جاسکے۔ صورت مذکورہ میں زید کے ورثہ کو قرض ادا کرنے کے لیے زکاۃ کی رقم لینا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: عبدالمصطفیٰ نوری بازار، جہانگیر گنج، امبیڈکر نگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں زید کے ورثہ اداء قرض کے لیے زکاۃ کی رقم لے سکتے ہیں۔ قرآن شریف سورۃ التوبہ میں ہے "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ" اھ یعنی زکاۃ تو انہیں لوگوں کے لیے ہے محتاج اور نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھوڑانے میں اور قرضداروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو" اھ (پ ا ع ۱۴ آیت ۶۰)

حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "زکوٰۃ کے مصارف سات ہیں۔ (۱) فقیر (۲) مسکین (۳) عامل (۴) رقاب (۵) غارم (۶) فی سبیل اللہ (۷) ابن السبیل۔ ان میں سے ہر فرد زکاۃ کا مال لے سکتا ہے اس میں پانچواں شخص غارم ہے۔ غارم سے مراد قرضدار یعنی اس کے پاس اتنا قرض ہو کہ اسے نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے" اھ ملخصا (بہار شریعت ح ۵ ص ۵۶ تا ۵۸)

در مختار باب المصرف میں ہے "ومدیون لا یملک نصابا فاضلا عن دینہ" اھ (ج ۳ ص ۹۸۲) اور فتاویٰ عالمگیری باب المصارف میں ہے" ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه" اھ (ج ا ص ۱۸۸)

ہدایہ کتاب الزکاۃ میں ہے "والغارم من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه" اھ

(ج ا ص ۱۸۵) اور اسی کے تحت بنایہ شرح ہدایہ میں ہے "والغارم من لزمہ دین ولا یملک نصابا فاضلاً عن دینہ، ھذا ھو الخامس من المصارف یعنی 'یصرف للغارم ایضاً'" اھ (ج ۳ ص ۴۵۳) اور مجمع الانہر میں ہے "ومدیون والمراد من علیہ الدین من جھۃ کان، لا یملک نصابا فاضلاً عن دینہ ای عمایحتاج الیہ فیدخل فیہ من ھو مصرف بلا خلاف" اھ ملخصاً (ج ا ص ۲۲۱)

لہٰذا زید کے ورثہ کے لیے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں زکاۃ کی رقم لینا اور اس سے اپنے مرحوم باپ کا قرض ادا کرنا عند الشرع جائز و مباح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۱۵ ر جمادالثانی ۱۴۲۴ھ

سونے چاندی کے زیورات ہیں مگر ان میں سے کوئی بقدر نصاب نہیں تو کیا کرے؟ روپیہ بینک میں ہے تو سال تمام پر اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان اسلام ان مسائل میں (۱) زید کی اہلیہ کے پاس سونے چاندی کے زیورات ہیں مگر اتنے نہیں کہ نصاب کو پہنچیں تو کتنا سونا رہے تو چاندی میں ملا کر نصاب پورا کیا جائے اور کتنا چاندی رہے کہ سونے میں ملا کر نصاب پورا کیا جائے؟

(۲) بینک میں روپیہ ہے اور سال بھی تمام ہو گیا کیا اس پر زکاۃ واجب ہوگی؟ بینوا توجروا

المستفتی: اشرف جمال مدرسہ غوثیہ تبلیغیہ رسول آباد، سلطان پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) جب زید کی اہلیہ کے پاس سونے، چاندی دونوں کے زیورات ہیں اور ان میں سے کوئی تنہا بقدر نصاب نہیں تو جس سے نصاب پوری ہو سکتی ہے اس کی قیمت لگا کر دوسرے میں ملائے یعنی انفع للفقراء کا لحاظ کرے کہ مدار حکم اسی پر ہے۔ مثلاً اگر سونے کی قیمت کی چاندی، چاندی میں ملانے سے نصاب ہو جاتا ہے اور چاندی کی قیمت کا سونا سونے میں ملانے سے نصاب پورا نہیں ہوتا تو واجب ہے کہ سونے کی قیمت کی چاندی بنا کر چاندی میں ملائے تاکہ نصاب پورا ہو جائے۔

اور اگر دونوں صورتوں میں نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اسے اختیار ہے جیسا چاہے کرے چاہے سونے کی قیمت کی چاندی، چاندی میں ملائے یا چاندی کی قیمت کا سونا سونے میں ملائے درمختار کتاب الزکوۃ میں ہے

"لو بلغ باحدھما نصابا دون الآخر تعین ما یبلغ بہ (الدر المختار فوق رد المحتار ج ۳، ص ۲۲۹، باب زکاۃ المال) اور شامی میں ہے "فان بلغ بکل منھما فلہ خیار ان شاء قومھا بالفضۃ وان شاء قومہ بالذھب اھ ملخصا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) بینک میں جو روپے جمع ہیں وہ اپنے ہی قبضے میں مانے جائیں گے اور سال بسال اس کی زکاۃ واجب ہوتی رہے گی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں "روپیہ کہیں جمع ہو کسی کے پاس امانت ہو مطلقاً اس پر زکاۃ واجب ہے (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۴۱۵) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد حبیب اللہ مصباحی

۱۸ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

روپے سونا چاندی سب مل کر بقدر نصاب ہوں تو زکاۃ ہے یا نہیں؟ ساڑھے باون تولہ کا موجودہ وزن کیا ہے؟ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا سونا ہے تو مالک نصاب ہے یا نہیں؟

مسئلہ مالک نصاب ہونے کے لیے دینی کتابوں اور اکثر اشتہارات رمضان شریف وعید الاضحیٰ میں مرقوم ہوتے ہیں۔ ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونا کا جو مالک ہو مالک نصاب ہے اس کے متعلق دریافت طلب امر یہ ہے کہ (الف) کسی کے پاس کچھ روپے، کچھ چاندی، کچھ سونا ہوں اور ٹوٹل سب مل کر ساڑھے باون تولے چاندی کے دام کے برابر ہوں تو کیا وہ مالک نصاب ہوگا؟

(ب) موجودہ وزن کے حساب سے (یعنی گرام وکلو ساڑھے ۵۲ تولے کتنا وزن ہوگا؟ (ج) کسی کے پاس ساڑھے ۵۲ تولے چاندی کی قیمت کے برابر اگر سونا ہے تو کیا وہ مالک نصاب ہے؟

المستفتی: مولانا شکیل احمد عطاری، سلطانپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (الف) جس شخص کے پاس روپے، چاندی اور سونا اتنی مقدار میں ہیں کہ مجموعی طور پر ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہوں تو وہ شخص مالک نصاب ہے بعد حولان حول اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔ رد المحتار میں ہے: "فان کانت فضۃ تخلص تجب فیھا الزکاۃ ان بلغت نصابا وحدھا أو بالضم الی غیرھا۔" اھ (ج ۲، ص ۳۰۰، باب زکاۃ المال) واللہ تعالیٰ اعلم

(ب) نئے وزن کے حساب سے ایک تولہ کا وزن ۱۲ رگرام ۱۴۱ ۴ رملی گرام ۶ پوائنٹ ہے اس لحاظ سے موجودہ زمانہ میں ساڑھے ۵۲ تولے چاندی کا وزن ۶۵۳ گرام ۱۸۴ ملی گرام ہوگا (تحقیق محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب قبلہ ماہنامہ اشرفیہ مئی ۲۰۰۴ء) واللہ تعالیٰ اعلم

(ج) جو شخص ساڑھے ۵۲ تولے چاندی کی قیمت کے برابر صرف سونا کا مالک ہے وہ مالک نصاب نہیں ہے۔فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''سونے، چاندی کی زکاۃ میں وزن کا اعتبار ہے مثلاً سات تولے سونے یا کم کا زیور یا برتن بنا ہو کہ اس کی کاریگری کی وجہ سے دوسو درہم سے زائد قیمت ہو جائے یا سونا گراں ہو کہ ساڑھے سات تولے سے کم کی قیمت دوسو درہم سے بڑھ جائے جیسے آج کل کہ ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت چاندی کی کئی نصابیں ہوں گی غرض یہ کہ وزن میں بقدر نصاب نہ ہو تو زکاۃ واجب نہیں قیمت جو کچھ بھی ہو۔ (بہار شریعت ح ۵،ص ۳۵)

درمختار میں ہے: ''والمعتبر وزنهما اداء و وجوباً لا قیمتهما'' اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: ''ای من حیث الوجوب'' یعنی یعتبر فی الوجوب ان یبلغ وزنهما نصاباً حتی لو کان له ابریق ذهب او فضة وزنه عشرة مثاقیل او مائة درهم و قیمته لصیاغته عشرون او مائتان لم یجب فیه شئ اجماعاً'' (ج ۲،ص ۲۹۷، باب زکاۃ المال) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی علیمی
۱۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

گنے میں عشر ہے یا چالیسواں؟ عشر پوری پیداوار پر ہے یا ہل بیل وغیرہ کی اجرت نکال کر؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں:
گنے کی پیداوار میں عشر نکالا جائے گا یا چالیسواں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ گنے کی پیداوار میں چالیسواں نکالا جائے گا۔اصل مسئلہ کیا ہے اس کی وضاحت فرمائیں؟ نیز کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر نکالا جائے گا یا ہل بیل اور مزدوری وغیرہ نکال کر نکالا جائے گا؟ **المستفتی**: ماسٹر رحمت اللہ اترولہ، ضلع بلرام پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زمین کی پیداوار میں چالیسواں نہیں عشر یا نصف عشر واجب ہے خواہ وہ پیداوار گنا ہو یا غلہ وغیرہ۔البتہ اگر اس کھیتی کی سینچائی اپنے روپے کے پانی سے کرتا ہے تو جو کچھ بھی پیداوار ہوئی اس کا بیسواں

حصہ ادا کرے یعنی بیس کلو میں ایک کلو۔

اور اگر اس کی سینچائی بارش کے پانی سے ہوئی ہے تو دسواں حصہ نکالے یعنی دس کلو میں ایک کلو۔ اور بہر حال چاہے تو گنا کے دام سے بھی بیسواں اور دسواں تفصیل مذکور کے مطابق نکال سکتا ہے۔

اور جس پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے وہ مصارف زراعت ہل، بیل اور مزدوری وغیرہ نکالنے کے بعد نہیں بلکہ کل پیداوار میں واجب ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے اور ما سقت السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب اودالیۃ ففیہ نصف العشر۔" (رواہ البخاری) ہندیہ "کتاب الزکوۃ" میں ہے "ویجب العشر عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی کل ما تخرجہ الارض من الحنطۃ والشعیر والدخن والارز واصناف الحبوب والبقول والریاحین والاوراد والرطاب وقصب السکر ھکذا فی فتاوی قاضی خاں اھ (ج ۱ ص ۱۸۶) فتاوی ہندیہ میں ہے "لو باع العنب اخذ العشر من ثمنہ" (ج ۱ ص ۱۸۷) درمختار "باب العشر۔" میں ہے (بلا رفع مؤن ای کلف الزرع وبلا اخراج البذر) اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: ای یجب العشر فی الاول ونصفہ فی الثانی بلا رفع اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ ونحو ذلک" (ج ۳ ص ۲۶۹) ایسا ہی بہار شریعت حصہ پنجم ص ۵۲ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: زبیر احمد قادری
۷ رجمادی الآخر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

باپ دادا نے عشر نہ ادا کیا ہو تو کیا ورثہ پر اس کی ادائیگی ضروری ہے؟

مسئلہ ادھر دس بارہ سالوں سے ہمارے والد صاحب غلے کا عشر نکالتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے ہمارے باپ دادا نے عشر نہیں ادا کیا (ہماری معلومات کے مطابق) تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد زبیر احمد قادری دارالعلوم علی حسن، ساکی ناکہ، ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر آپ کے باپ دادا ابھی تک باحیات ہیں تو ان پر گزشتہ تمام ایام کا عشر ادا کرنا اب بھی واجب ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند سے کسی نے سوال کیا کہ بوجہ عدم واقفیت اب تک جو عشر ادا نہیں کیا گیا اور نہ اب گزشتہ ایام کا ادا کرنا ممکن ہے اس کے لیے کیا کیا جائے؟ تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ "اب بھی

واجب ہے جس قدر غلہ یا پھل ہوں ان کا پورا عشر علیحدہ کرے یا اس کی پوری قیمت دے جو فصل فروخت کی اس میں یہ تفصیل ہے تو یہ کرے اور اس دین الٰہی کی ادا کا ارادہ رکھے اور جس قدر کی ادا پر قدرت پاتا جائے ادا کرتا رہے" (فتاویٰ مصطفویہ ص ۲۹۸) اگر آپ کے باپ دادا باحیات نہیں اور وہ غلہ صرف ہو چکا ہے اور اس سلسلے میں ان کی کوئی وصیت بھی نہیں تو ان کے ذمہ جو عشر نکالنا باقی تھا اس کا ادا کرنا ورثہ پر واجب نہیں۔ فتاوی ہندیہ میں بحر الرائق سے ہے "یسقط بموت المالك من غير وصية اذا كان قد استهلكه" اھ (ص ۱۸۶ ج ۱، باب السادس فی زكاة الزرع والثمار) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد سفیر الحق رضوی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۳ر ذی القعدہ ۱۴۲۳ھ

حج کے لئے جمع روپیوں پر زکاۃ ہے؟ اگر یقین سے نہ معلوم ہو کہ کتنے سال مالک نصاب رہا تو اس کی زکاۃ کیسے نکالے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

میرے بھائی پندرہ سولہ سالوں سے بمبئی کمانے کے لیے جاتے ہیں، ایک ڈیڑھ سال بمبئی رہتے ہیں اور سال چھ مہینہ گھر پر گزارتے ہیں، اولاً بھاڑے پر دھندا کرتے تھے پھر اپنی کمائی سے خود ہی اپنا دھندا خرید لیا اور پھر اس کے بعد اپنی کمائی سے گھر بنوایا اور ضرورت کی چیزیں خریدیں اپنی شادی میں لگایا اور پھر بہن کی شادی کی اور اس سال والدین کو حج کے لیے بھیج رہے ہیں۔ اس دوران کبھی ان کے پاس لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے اکٹھا ہو گئے اور کبھی کچھ نہ بچا اور کبھی ان روپیوں پر سال ڈیڑھ سال گزر گیا اور کبھی جلد خرچ ہو گئے۔

لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو روپے حج کے لیے ابھی جمع ہیں ان کی زکاۃ نکالی جائے یا اتنے سالوں میں جو کمایا ان سب کی اور اگر ان سب سالوں کی ادا کی جائے تو کس طرح ادا کی جائے؟ کوئی آسان طریقہ تجویز فرما دیں عین نوازش ہوگی اس لیے کہ اب یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہو گیا کہ کب کب نصاب کا مالک ہوا اور کب کب نصاب پر سال گزرا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: زبیر احمد قادری دار العلوم علی حسن سا کی ناکہ ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حج کے لیے جو روپے جمع ہیں ان پر اگر حولان حول ہو چکا ہے تو ان روپیوں پر زکاۃ

واجب ہے ساتھ ہی گزشتہ ان تمام سالوں کے روپیوں پر بھی واجب ہے جن جن سالوں میں وہ مالک نصاب رہا لیکن جب تحقیقی طور پر یہ معلوم نہیں کہ کتنے سال وہ مالک نصاب رہا اور کتنے سال مالک نصاب نہیں رہا تو اب اس کی ادائیگی کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک بڑی سے بڑی رقم جس پر ظن غالب ہو جائے کہ اب اس سے زیادہ رقم زکاۃ کی نہیں نکلے گی فرض کر کے ادا کر دے امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے۔ فتاوی رضویہ میں ہے "مدت دراز گزرنے کے باعث اگر زکاۃ کا تحقیقی حساب نہ معلوم ہو سکے تو عاقبت پاک کرنے کے لیے بڑی سے بڑی رقم جہاں تک خیال میں آسکے فرض کر لے کہ زیادہ جائے گا تو ضائع نہ جائے گا بلکہ تیرے رب مہربان کے پاس تیری بڑی حاجت کے وقت کے لیے جمع رہے گا۔ اھ (ص ۴۳۹ ج ۴) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد سفیر الحق رضوی

۱۳ رذالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

جس مدرسہ میں بچوں کے قیام وطعام کا انتظام نہ ہو اس میں زکاۃ لگ سکتی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ یہاں احمد نگر میں مسلم خواتین کا اقلیتی سماجی، تعلیمی ادارہ عائشہ بزم خواتین کے نام رجسٹریشن ہوا ہے جس کے تمام اراکین صرف خواتین ہی ہیں۔ اس ادارے کے تحت ایک دینی مدرسہ "مدرسہ عائشہ تعلیم البنات" جس میں لڑکیوں کو عالمات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چونکہ مدرسہ فی الحال ایک بندۂ خدا نے ایک کمرہ تعلیم کے لیے مفت میں دیا ہے۔ اور وہ کمرہ صرف ایک ہونے کی وجہ سے دوسرے درجہ کی لڑکیوں کے لیے کافی نہیں ہوتا حالانکہ اس میں صرف تین گھنٹے تعلیم دی جاتی ہے۔

اس لیے ہم نے سوچا کہ کیوں نہ مدرسہ کے لیے ذاتی زمین خرید کر مدرسہ تعمیر کیا جائے جس کے لیے بعض ڈونر نے وعدہ کیا ہے کہ سیمنٹ، اینٹ وغیرہ کا تھوڑا خرچ اٹھائیں گے انتظار کیا جائے۔ لیکن کوئی نیک بندہ تیار نہیں ہو رہا ہے۔ اس لیے ہم چار پانچ سال سے رمضان المبارک میں زکوٰۃ، فطرہ کا چندہ جمع کر کے ہر سال بینک میں جمع کرتے رہے آج تک اس میں ایک لاکھ روپے جمع ہو گئے خدا کے فضل سے۔

مسئلہ یہ ہے کہ زکاۃ فطرہ وغیرہ کے یتیم، بیوہ مستحق ہوتے ہیں جس مدرسہ میں یتیم بچوں کا قیام وطعام کا انتظام نہ ہو اس مدرسہ کے لیے زکاۃ فطرہ یا قربانی کے چمڑے کی رقم جائز نہیں۔ برائے مہربانی اس کے لیے کیا کرنا چاہیے حالانکہ وہ جمع شدہ رقم ہم کسی بیوہ کو اس کا مالک بنا کر اس کے ذریعہ بینک میں جمع کرتے ہیں۔

مدرسہ کا خرچ عالمات کی تنخواہ وغیرہ ہم ادارے کے تمام اراکین ماہانہ چندہ جمع کر کے ادا کرتے ہیں

اس کے علاوہ اس ادارے کے تحت ہر سال عید میلاد النبی کے موقع پر خواتین کا اجتماع اور بچوں کے تقاریری، نعتیہ مقابلے کے پروگرام منعقد کرتے ہیں۔ اس کا خرچ بھی ہم ادارے کے اراکین مل کر کرتے ہیں۔

المستفتی: صغریٰ بشیر قادری، صدر عائشہ بزم خواتین، احمد نگر، (ایم ایس)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زکاۃ و صدقۂ فطرہ، صدقۂ واجبہ ہے جس کے اصل حقدار فقراء و مساکین ہیں قرآن شریف میں ہے "وَاِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰکِیْنَ"۔ (پ۱۰ التوبہ آیت ۶۰)

اس لیے زکاۃ انہیں کے دینے سے ادا ہوگی۔ تو براہِ راست مدرسہ میں صرف کرنا، یعنی مدرسین کی تنخواہ میں دینا، قیمت کتاب ادا کرنا، مدرسہ کے لیے زمین خریدنا یا تعمیر مدرسہ اور دیگر ضروریاتِ مدرسہ میں صرف کرنا جائز نہیں اور یہی اصل مسئلہ بھی ہے فتاویٰ ہندیہ میں ہے "لا یجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد و کذا القناطر والسقایات و کل ما لا تملیك فیه" اھ ملخصاً (باب المصارف ج ۱ ص ۱۸۸)

اگر وہ مدرسہ خالص دینی ہو اور دوسری طرح اس کے چلنے کی کوئی سبیل نہ ہو تو حیلۂ شرعی کر کے زکاۃ و فطرہ کی رقم بھی اس میں صرف کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ اس مدرسہ میں یتیم بچوں یا بچیوں کے قیام و طعام کا انتظام نہ ہو۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "(والحیلة فی ذلك) ان یتصدق السلطان بذلك علی الفقراء ثم الفقراء یدفعون ذلك الی المتولی ثم المتولی یصرف ذلك الی الرباط"۔ (کتاب الحیل، الفصل الثالث فی مسائل الزکاۃ ج ۶ ص ۳۹۲)

اور حضور شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"زکاۃ و فطرہ کی رقم میں حیلہ شرعیہ کر کے دینی مدرسہ میں صرف کی جائے حیلہ شرعیہ کے بعد یہ رقوم مدرسہ کی ہر مد میں صرف کی جاسکتی ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس میں یتیم و نادار بچے رہتے ہوں یا نہ رہتے ہوں"

(ماہنامہ اشرفیہ شمارہ مئی ۱۹۹۵ ص ۶)

لہٰذا اگر واقعی بیوہ مستحق زکاۃ ہے اور اس رقم کو اپنی ملک میں لے کر پھر وہ مدرسہ کے لیے بینک میں جمع کرتی ہے تو اس رقم کو مدرسہ کے لیے خریداری زمین، تعمیر مدرسہ اور دیگر مصارف مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ ان مصارف کا علم چندہ دہندگان کو ہو یا اشتہار وغیرہ کے ذریعہ ان کا اعلان کر دیا گیا ہو۔ رہی قربانی کے چمڑے کی رقم، تو وہ بغیر حیلہ شرعی بھی مدرسہ کے اخراجات میں صرف کی جاسکتی ہے فتاویٰ رضویہ میں ہے "مدرسۂ دینیہ کے عمارت میں خرچ کرسکتا ہے کہ قربت ہے" (کتاب الاضحیہ ج ۸ ص ۴۸۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد آصف ملک علیمی
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ

زید کے کھیت کی پیداوار پانچ کنٹل اور خرچ دس کنٹل ہے تو زید پر عشر ہے یا نہیں؟

مسئلہ زید کے پاس مثلاً ایک بیگہ کھیت ہے جس کی سالانہ پیداوار مثلاً پانچ کنٹل ہے اور زید کا سالانہ خرچ مثلاً دس کنٹل ہے ایسی حالت میں زید پر اس کھیت کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ نیز زید کے پاس اتنا کھیت ہے جس کی قیمت زید کو مالک نصاب بنا دیتی ہے اس کے علاوہ اس کے اور کوئی جائیداد نہیں جو اسے مالک نصاب بنائے ایسی صورت میں زید پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں؟ جب کہ بصورت اثبات کھیت کی پیداوار کا عشر واجب ہو۔ فقط **بینوا و توجروا**

المستفتی: نور محمد نوری، کہمار اما کھپور، جریلی سیتاپور یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زید جس کے پاس مثلاً ایک بیگہ کھیت ہے جس کی سالانہ پیداوار مثلاً پانچ کنٹل ہے اور زید کا سالانہ خرچ مثلاً دس کنٹل ہے اس صورت میں بھی زید پر اس کھیت کی پیداوار پر عشر واجب ہے اگر اس کی آبپاشی بارش یا نہر نالے کے پانی سے کی جائے اور اگر اس کی سینچائی معاوضہ دے کر کی جائے تو نصف عشر واجب ہے کیوں کہ کھیت کی پیداوار پر مطلقاً عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے خواہ وہ پیداوار کم ہو یا زیادہ اگرچہ کھیت کے مالک کا خرچ پیداوار سے زیادہ ہو۔ فتاویٰ ہندیہ "الباب فی زکاۃ الزروع والثمار" میں ہے "ویجب العشر عند ابی حنیفة فی کل ما تخرجه الارض من الحنطة والشعیر واشباه ذلك مما له ثمرة باقیة او غیر باقیة قل او کثر" (ج۱ص۱۸۶)

اور زید کے پاس اگر اتنا کھیت ہے جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو اس پر قربانی واجب ہے اگرچہ اس کھیت کی پیداوار پر عشر بھی واجب ہے کیوں کہ ہر وہ چیز جو حاجت اصلیہ سے زائد ہو اور نصاب تک پہنچتی ہو اس پر قربانی واجب ہے اگرچہ اس کے علاوہ اور کوئی جائداد نہ ہو۔ فتاویٰ ہندیہ "کتاب الاضحیة" میں ہے واما الذی یجب علی الغنی دون الفقیر فما یجب من غیر نذر ولا شراء للاضحیة بل شکرا لنعمة الحیاة. ومنها الیسار وهو ما یتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما یتعلق به وجوب الزکاة. والموسر فی ظاهر الروایة من له مائتا درهم او عشرون دینارا او شیء یبلغ ذلك سوی مسکنه ومتاع مسکنه ومرکوبه وخادمه فی حاجته التی لا یستغنی عنها فاما ما عدا ذلك من سائمة او رقیق او خیل او متاع لتجارة او غیرها فانه یعتد به من یساره وان کان له عقار ومستغلات ملك اختلف المشائخ المتاخرون رحمهم الله تعالی فالزعفرانی

والفقیہ علی الرازی اعتبرا قیمتھا وابو علی الدقاق وغیرہ اعتبروا الدخل واختلفوا فیما بینھم قال ابو علی الدقاق ان کان یدخل لہ من ذلک قوت سنۃ فعلیہ الاضحیۃ ومنھم من قال قوت شھر ومتی فضل من ذلک قدر مأتی درھم فصاعدا فعلیہ الاضحیۃ وان کان العقار وقفا علیہ ینظر ان کان قد وجب لہ فی ایام الاضحی قدر مائتی درھم فصاعدا فعلیہ الاضحیۃ والا فلا اھ ملخصا" (ج ۵ ص ۲۹۱) ایسا ہی بہار شریعت حصہ ۶ ص ۱۳۳ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد حسن رضا رضوی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

طالب علم کو مدرسہ میں دینے کے لئے زکاۃ دی اس نے نصف مدرسہ میں دیا نصف خود رکھ لیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ زید ایک مدرسہ کا طالب علم ہے جب وہ چھٹی میں گھر آیا تو اسے کچھ رقم زکوۃ کی ملی کہ اس کو اپنے مدرسہ میں دے دینا زید جب مدرسہ گیا کچھ دن رہا پھر وہاں سے ہمیشہ کے لیے آنے لگا تو مجبوری کے تحت زکاۃ کا کچھ حصہ مدرسہ میں دے دیا اور کچھ نہیں دیا تو وہ زکاۃ کا روپیہ زید پر جائز ہے جو طالب علم ہے جب وہ مدرسہ میں تھا زکوۃ کھایا کرتا تھا لیکن اب وہ اس مدرسہ کا متعلم نہیں ہے اس کے اوپر زکاۃ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس مدرسہ میں دے کہ اس کے مالک کو واپس کر دے؟ بینوا تواجروا — المستفتی: محمد ارشد رضا قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جب زکاۃ دینے والے نے اس زکاۃ کی رقم کو مدرسہ میں دینے کے لیے کہا تھا تو اب طالب علم اس کو اپنے اوپر خرچ نہیں کر سکتا بلکہ اس پر ضروری ہے کہ اس بچی ہوئی رقم کو یا تو مدرسہ میں دے دے یا اس کے مالک کے حوالے کر دے۔ بہار شریعت میں ہے کہ وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ خود لے لے ہاں اگر زکاۃ دینے والے نے یہ کہہ دیا ہو کہ جس جگہ چاہو صرف کرو تو لے سکتا ہے (ص ۲۲ حصہ پنجم) درمختار میں ہے وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربھا ضعھا حیث شئت (ج ۲ ص ۲۶۹، کتاب الزکاۃ مطلب فی الفرق بین السبب والشرط)

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد احمد مصباحی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۹؍ محرم الحرام ۲۹ھ

دنیاوی تعلیم کے لئے زکاۃ لینا جائز نہیں

مسئلہ زید ایک مسجد کا امام ہے اور رہنے کے لیے مسجد کا ایک مکان اور ماہانہ ہدیہ بھی دیا جا رہا ہے بہار سے آکر بیوی بچوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے اپنے لڑکے کی پڑھائی کے لیے جو انجینئرنگ میں داخلہ لیا ہوا ہے زکاۃ کا پیسہ لینا جائز بتا رہا ہے صرف پڑھائی کے لیے جائز قرار دیا جا رہا ہے کیونکہ اپنے وطن میں زمین جائداد رہنے سے اپنے خرچ کے لئے زکاۃ کا پیسہ جائز نہیں بلکہ اپنے لڑکے کو پڑھانے کے لیے جائز بتانا کہاں تک مناسب ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ فقط

المستفتی: : الحاج جعفری محی الدین اشرفی تاڑ پتری آندھر پردیش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب زکاۃ وصدقات واجبہ کے اصل مستحقین فقراء ومساکین ہیں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰکِیْنِ" (پ ۱۰، سورۃ المائدہ آیت ۶۰) لہٰذا زید اگر فقیر ہے یعنی اس کے پاس کھانے اور بدن چھپانے کے لیے ذرائع ہیں مگر وہ مالک نصاب نہیں تو وہ زکاۃ کا مستحق ہے اور وہ زکاۃ کے روپیے بچوں کی تعلیم اور دوسرے جائز کاموں میں خرچ کر سکتا ہے لیکن اس کے لیے سوال کرنا اور لوگوں کو راغب کرنا ناجائز ہے۔ اور زید کا یہ کہنا کہ ہمارے پاس زمین جائداد ہے اس لیے ہم اپنے خرچ کے لیے زکاۃ کی رقم نہیں لے سکتے مگر بچے کی پڑھائی کے لیے لے سکتے ہیں یہ سراسر غلط ہے اگر وہ مالک نصاب ہے تو اسے کسی کام کے لیے زکاۃ کی رقم لینا جائز نہیں خواہ بچے کی پڑھائی کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔

تنویر الابصار میں باب "مصرف زکاۃ" میں ہے، فقیر وھو من لہ ادنی شیء ومسکین من لا شیء لہ وعامل فیعطی بقدر عملہ ومکاتب ومدیون لا یملک نصابا فاضلا عن دینہ وفی سبیل اللہ وھو منقطع الغزاۃ" (ج ۳ ص ۲۸۳) ہاں اگر زید کا بالغ لڑکا خود فقیر ہے اگرچہ زید مالک نصاب ہے تو اسے زکاۃ دینا جائز ہے البتہ اس کے لیے سوال حلال نہیں، فتاویٰ ہندیہ میں ہے "ولا یجوز دفعھا الی ولد الغنی الصغیر کذا فی التبیین ولو کان کبیرا فقیرا جاز" (ج ۱ ص ۱۸۹)

اور اگر زید کو یہ وہم ہوا ہے کہ اس کا لڑکا طالب علم ہے اس لیے وہ زکاۃ کا مستحق ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کہ شریعت مطہرہ نے جس طالب علم کو زکاۃ کا مستحق قرار دیا ہے وہ دینی طالب علم ہے جو خدا کی طاعت وقربت کے لیے علم دین کی تحصیل میں کوشاں ہو، ردالمحتار میں ہے "فالتفسیر بطالب العلم وجیہ خصوصا وقد قال فی البدائع: فی سبیل اللہ جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعیٰ فی طاعۃ اللہ وسبیل

الخیرات اذا کان محتاجاً۔ اھ (ج ۳ ص ۲۸۹) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہ: محمد شمیم مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۱۳؍رجب المرجب، ۱۴۳۱ھ

بیت المال اور مصارف زکاۃ سے متعلق چند سوالات

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ:

(۱) مالک نصاب کی جانب سے جو زکاۃ کی رقم بیت المال و دینی مدارس میں جمع کی جاتی ہے۔ تو کیا اس میں حیلۂ شرعی کرنا ضروری ہے۔ بغیر حیلۂ شرعی کے اس رقم کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) بیت المال میں زکوۃ کی جمع شدہ رقم حیلۂ شرعی کے بعد ٹرسٹ جہاں چاہیں جائز مقامات پر خرچ کر سکتے ہیں۔ اس کا حکم عند الشرع کیا ہے؟ تفصیلا جواب سے نوازیں۔

(۳) قوم مسلم کے غریب و نادار اور ضرورت مند مالک نصاب یہ دونوں طبقہ اپنے بچوں کے دنیاوی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے چاہے وہ اندرون ملک ہو یا بیرون ملک بیت المال سے زکاۃ کی رقم حیلۂ شرعی کے بعد بطور قرض لیتے ہیں۔ جب کہ یہ مذکورہ دونوں حضرات لی گئی تمام رقومات کو دوبارہ قسط وار کی شکل میں ادا کر دیتے ہیں۔ اور بسا اوقات لی گئی رقومات کو ادا کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی بنیاد پر بیت المال اس کو معاف بھی کر دیتا ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان حضرات کو بیت المال اس شکل میں رقومات دے سکتا ہے۔؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

(۴) قوم میں دو قسم کے شخص ہیں ایک غریب و نادار اور دوسرے مالک نصاب ہونے کے باوجود ضرورت مند، تو دونوں طبقہ میں سے بعض اندرونِ ملک اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے بیت المال سے بطور قرض رقم لیتے ہیں۔ اور بعض بیرونِ ملک روزگار حاصل کرنے کے لیے بھی بیت المال سے قرض لیتے ہیں۔ اور بیت المال ایسے لوگوں سے بطور ضمانت اسٹیمپ پیپر پر دستخط بھی کراتا ہے جب کہ یہ دونوں حضرات لی گئی رقم قسط وار کی شکل میں دوبارہ بیت المال میں جمع کر دیتے ہیں۔ اور استطاعت نہ ہونے کی بنیاد پر بیت المال معاف بھی کر دیتا ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان دونوں حضرات کو بیت المال زکاۃ کی رقم حیلۂ شرعی کے بعد اس شکل میں دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) بیت المال سے بطور قرض دی گئی رقم جو لوگوں کے پاس ہے اور وہ رقومات قسط وار قرض داروں کی طرف سے بیت المال میں جمع ہوتی ہے۔ تو کیا وہ جمع شدہ رقومات کو بیت المال کے ارکان اسکول و کالج

وہوسٹل وغیرہ کی تعمیری کام میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبد القادر، دار العلوم حسینیہ ٹرسٹ جامع مسجد، کمپاؤنڈ، ہمت نگر، ضلع صابر کھانڈا (گجرات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب عہد حاضر میں بیت المال قائم کرنا ہی درست نہیں ہے چہ جائے کہ اس میں مالک نصاب کی جانب سے زکاۃ و فطرہ کی رقم لی جائے۔ اس لیے کہ بیت المال قائم کرنا بادشاہ اسلام کا حق ہے، اور تحصیل زکاۃ اموال ظاہرہ کا حق بادشاہ کو اس شرط پر حاصل ہے کہ وہ ظالموں، ڈاکوؤں، باغیوں وغیرہ سے ان اموال کی حفاظت کرتا ورنہ اسے بھی تحصیل زکاۃ کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

"واما شرط ولاية الاخذ فأنواع" کے تحت ہے "منها: وجود الحماية من الامام حتى لو ظهر اهل البغي على مدينة من مدائن اهل العدل او قرية من قراهم وغلبوا عليها فاخذوا صدقات سوائمهم وعشور أراضيهم وخراجها ثم ظهر عليهم امام العدل لا يأخذ منهم ثانيا لانّ حق الاخذ للامام لاجل الحفظ و الحماية ولم يوجد إلاّ انهم يفتون فيما بينهم وبين ربهم ان يودّوا الزكاة والعشور ثانيا وسكت محمد عن ذكر الخراج". (ج۲ ص ۱۳۷)

فتاوی رضویہ مترجم میں جامع الفصولین کے حوالے سے ہے "ان الحكم اذا ثبت بعلة فما بقي شي من العلة يبقى الحكم ببقائه". (ج۱۴ ص ۱۰۷ مطبع پور بندر)

یعنی جن علتوں کی وجہ سے فقہائے متاخرین نے بیت المال کو فاسد قرار دیا ہے وہ آج بدرجہ اتم موجود ہیں۔ لہٰذا بقائے علت کی وجہ سے فساد بیت المال کا حکم بھی باقی رہے گا۔

نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے "کچھ دنوں سے عوام میں یہ رجحان ہو چلا ہے دینوی مدارس اور سوسائٹیاں چلانے کے لیے زکاۃ اور فطرہ کی رقم وصول کرنے لگے ہیں۔ اس کی اجازت کسی طرح شریعت نہیں دے سکتی۔"

سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ رضوی برکاتی فرماتے ہیں:

"مختصر یہ کہ عصر حاضر میں بیت المال کی نہ اجازت ہے نہ ضرورت، نہ حاجت" اجازت اس لیے نہیں کہ ان اموال کی حفاظت و نگرانی اور صحیح مصارف میں ان کے استعمال کے لیے ضروری ہے کہ بیت المال کا وکیل اس کے ضروری مسائل کا عالم، تقویٰ شعار، ثقہ اور امین ہو۔ ساتھ ہی حاکم شرعی کی قوت نافذہ کا اس پر دباؤ بھی ہوتا کہ یہ وثوق حاصل ہو کہ یہ اموال خرد برد سے محفوظ رہیں گے۔ مگر آج کے زمانہ میں پہلی شرط کم یاب اور دوسری شرط نایاب ہے۔ (ماہنامہ اشرفیہ جون ۲۰۰۷ ص ۱۳)

بیت المال میں جمع شدہ زکاۃ کی رقم بطور قرض بھی کسی کو نہیں دی جاسکتی۔ کیوں کہ جب تک فقراو مساکین کی تملیک میں نہ آئے تب تک زکاۃ ادا ہی نہیں ہوگی اور خودساختہ بیت المال شرعاً جس کے قیام کی اجازت نہیں۔ اس میں زکاۃ وصدقات کی موجودہ رقمیں اراکین بیت المال کے پاس امانت ہیں وہ فوراً حقدار کے حوالے کریں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے "تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ"۔ (ج ۱ ص ۱۷۰)

ماہنامہ اشرفیہ میں ہے "آج جو بیت المال قائم ہیں ان کے اموال دوطرح سے صرف ہوتے ہیں ایک یہ کہ عموماً بغیر حیلہ شرعی کرائے کچھ رقم بینک میں جمع کردی جاتی ہے اور کچھ رقم بیماروں کے علاج اور مقروضوں کی طرف سے ادائے قرض وغیرہ میں صرف ہوتی ہے۔

علاج میں صرف کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اسپتال میں زکاۃ فنڈ میں مال زکاۃ جمع کردیا جاتا ہے اور فقرا کے آپریشن، دوا اور جانچ کے مصارف میں بغیر ان کی تملیک کے اپنے طور پر بحق اسپتال یا بحق ڈاکٹر یا پیتھالوجی وضع کرلیتے ہیں یا علاج کے مصارف ڈاکٹر اور میڈیکل اسٹور وغیرہ کو بلاتملیک فقیر دے دیتے ہیں۔

مقروضوں کا قرض یوں ادا کرتے ہیں کہ انہیں مالک بنائے بغیر قرض خواہوں کو دے دیتے ہیں اور بیت المال کے مصارف بھی اسی سے پورے کیے جاتے ہیں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ زکاۃ کا بیجا مصرف میں استعمال ہے اور غبن وخیانت کے واقعات اس کے سوا ہیں اور جو رقم بلاتملیک فقیر بینک میں جمع ہوئی وہ تو ہلاک ہوگئی اور اتنے اموال کی زکاۃ ارباب اموال کے ذمہ اور ان کا تاوان منتظمین بیت المال کے ذمہ رہا یہ بھی یقیناً مصرف بیجا میں استعمال ہے۔" (جون ۲۰۰۷، ص ۳۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد آصف ملک العلیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

کس ادارہ میں زکاۃ لگا سکتے ہیں کس میں نہیں؟ زکاۃ کا حیلہ کرکے اس سے مکان تعمیر کرواکے غریب ومتوسط طبقہ والوں کو نصف لاگت پر دینا یا اس سے روڈ بنوانا بورویل لگوانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں

(۱) (الف) ایک ادارہ ایسا ہے کہ جس میں دینی تعلیم اصل ہے اور اس کے ضمن میں دنیاوی تعلیم بھی ہے۔ جیسا کہ اس دور میں تمام دینی مدارس کہ ان میں انگلش وکمپیوٹر کی تعلیم وغیرہ ضمنی ہے؟

(ب) ایک دوسرا ادارہ ہے جہاں دنیاوی تعلیم اصل ہے لیکن اس کے ساتھ دینی تعلیم بھی ہوتی ہے جو ضمنی ہے۔

(ت) اور ایک ادارہ ایسا ہے جہاں دینی اور دنیاوی دونوں تعلیم یکساں طریقے پر ہوتی ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکاۃ کی حاصل شدہ رقومات کو حیلۂ شرعی کے بعد مذکورہ ان تینوں اداروں کے تعمیری کام، تعلیمی سرگرمیاں، مدرسوں کی تنخواہوں، طلبہ کے ڈریس، طلبہ کی فیس، آنے جانے کا کرایہ وغیرہ جائز امور میں صرف کر سکتے ہیں؟

(۲) بیت المال میں زکاۃ کی جمع شدہ رقومات کو حیلۂ شرعی کے بعد غیر آبادی علاقہ میں غریب ومتوسط طبقہ کے افراد کے لیے مکانات تعمیر کر کے مذکورہ افراد کو لاگت کی آدھی قیمت پر مالک بنا دینا، نیز روڈ اور یوروپل کی ضرورت پڑنے پر ان چیزوں پر بیت المال کی جمع شدہ رقومات سے حیلۂ شرعی کے بعد صرف کرنا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

المستفتی: عبدالقادر، دارالعلوم حسنیہ ٹرسٹ، جامع مسجد، کمپاؤنڈ ہمت نگر، ضلع صابر کھانٹا (گجرات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) زکوۃ کی رقم کو حیلۂ شرعی کے بعد دینی مدرسہ کے تعلیمی امور، مدرسین کی تنخواہوں اور دوسرے مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے۔ مگر یہ حکم اہل سنت وجماعت کے ان مدارس کے لیے ہے جن میں اصل دینی تعلیم ہو اور ایک یا دو مضمون ضمنی طور پر عصری علوم کے ہوں جیسے آج کل کے مدارس اسلامیہ میں انگریزی یا کمپیوٹر کی تعلیم ضمنی طور پر ہوتی ہے اور اصل دینی تعلیم ہے۔ لہٰذا مذکورہ تینوں اداروں میں سے پہلے ادارہ میں حیلۂ شرعی کے ذریعہ زکاۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے۔

دوسرے اور تیسرے قسم کے ادارے جن میں دینی اور دنیوی دونوں تعلیم یکساں ہوتی ہیں یا دینی تعلیم ضمنی طور پر ہوتی ہے ان میں مشروط طور پر صرف کی جاسکتی ہے کہ ذمہ داران ادارہ اس رقم کو جدا رکھیں۔ اور خاص دینی تعلیم کے اساتذہ وطلبہ پر صرف کریں اور دنیاوی تعلیم کے مصارف فیس وغیرہ دیگر ذرائع سے پورے کریں۔ فتاوی رضویہ میں ہے: "مدرسہ اسلامیہ اگر صحیح اسلامیہ خاص اہل سنت کا ہو، نیچریوں، وہابیوں، قادیانیوں رافضیوں، دیوبندیوں وغیرہم مرتدین کا نہ ہو تو اس میں مال زکاۃ اس شرط پر دیا جاسکتا ہے کہ مہتمم مدرسہ اس مال کو جدا رکھے اور خاص تملیک فقیر کے مصارف میں خرچ کرے۔ مدرسین یا دیگر ملازمین کی تنخواہ اس سے نہیں دی جاسکتی، نہ مدرسہ کی تعمیر یا مرمت یا فرش وغیرہ میں صرف ہو سکتی ہے ہاں اگر روپیہ بہ نیت زکاۃ کسی مصرف زکاۃ کو دے کر مالک کر دیں وہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دے دے تو تنخواہ مدرسین وملازمین وغیرہ

جملہ مصارف مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے" (کتاب الزکوۃ ج ۴ ص ۴۶۸)
رہی دنیوی اسکول کی تعمیر یا اس کی تعلیم تو اس میں زکاۃ کی رقم حیلۂ شرعی کے بعد بھی صرف کرنا ناجائز ہے، وجہ یہ ہے کہ حیلۂ شرعی کے ذریعہ زکاۃ اور صدقۂ واجبہ کی رقم قربت وطاعت کے کاموں میں ہی خرچ کی جاسکتی ہے اور اسکول کی تعمیر وتعلیم قربات وطاعات سے نہیں بلکہ صرف مباح ہے۔ اور حیلہ کی اجازت دوشرطوں کے ساتھ دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ غیر مصرف میں وہ رقم لگانے کی ضرورت پائی جائے۔ دوم یہ کہ وہ فی نفسہ قربت اور ثواب کا کام ہو۔

تو جہاں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں گی وہیں حیلہ کی اجازت ہوگی، اس کے نہ ہونے کی صورت میں حیلہ کی اجازت نہیں، مدارس اسلامیہ میں حیلہ کی اجازت اس وجہ سے ہے کہ دونوں شرطیں متحقق ہیں۔ کیوں کہ مدارس میں دینی تعلیم کا ثواب ہے اور حاجت وضرورت بھی کہ اگر انہیں زکاۃ نہ دی جائے تو یہ مدارس یا تو بند ہوجائیں گے یا کمزور ہوجائیں گے تو جب مدارس میں حیلہ کرکے روپیہ لگا سکتے ہیں تو مدارس کے جتنے بھی مصالح اور ضرورتیں ہیں جیسے طلبہ کو کھلانا، اساتذہ کو کھلانا، کتابیں خریدنا ان میں بھی لگا سکتے ہیں البتہ مستطیع اساتذہ ایسے طعام سے بچیں تو انسب ہے۔ اور دنیوی اسکول وکالج میں نہ قربت ہے اور نہ ہی حاجت وضرورت متحقق ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے مصارف میں زکاۃ وصدقات واجبہ کا حیلہ کرنا ناجائز وگناہ ہے۔ اور حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو بعد حیلہ شرعیہ بھی اسکول وکالج میں صرف کرنا ممنوع وناجائز قرار دیتے ہیں۔ فتاوی امجدیہ میں ہے: "امور خیر کے لیے حیلہ کرنے میں کسی قسم کی کراہت یا قباحت نہیں" اھ اسی عبارت کے تحت حاشیہ میں ہے" یہ اس کی دلیل ہے کہ امور خیر میں صرف کرنے کے لیے حیلہ کی اجازت ہے۔ فقراء کی حق تلفی اور امور دنیوی میں صرف کرنے کے لیے اجازت نہیں لہٰذا حیلے کے بعد بھی اسکول کالج دنیوی تعلیم میں صرف کرنا ممنوع ہے۔" اھ (ج ۱ ص ۳۷۶)

فقیہ عصر حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "کسی بھی دنیوی کام کے لیے حیلہ شرعیہ کرکے زکاۃ اور فطرہ کی رقم صرف کرنی جائز نہیں"، اھ (ماہنامہ اشرفیہ فروری ۱۹۹۶ء) فتاوی رضویہ مترجم میں ہے:

"انگریزی اور وہ بے سود تضییع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین، دنیا میں بھی نہیں پڑتا، جو صرف اس لیے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے ایں وآں ومہملات پر مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو، وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں، اور ہمارا دین کیا، جیسا کہ عام طور پر مشہود ومعہود ہے، جب تک یہ نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم وتکمیل عقائد حقہ وعلوم صادقہ کی طرف باگیں نہ موڑی جائیں، دہریت ونیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے" (ج ۱۴ ص ۴۳۱ مطبع پوربندر)

فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۴۸۷ پر ہے "مدرسہ دنیوی میں نہ دیں کہ وہ قربت نہیں"

فتاویٰ ہندیہ میں ہے "فی جمیع أبواب البر کعمارۃ المساجد وبناء القناطر، والحیلۃ له ان یتصدق بمقدار زکاته علی فقیر ثم یأمرہ بعد ذلك بالصرف الی ھذہ الوجوہ" اھ ملخصاً (کتاب الحیل، ج ۶، ص ۳۹۲)

ردالمحتار میں ہے "ویکون له (ای للمزکی) ثواب الزکاۃ وللفقیر ثواب ھذہ القرب" اھ (باب المصرف ج ۲ ص ۳۴۵ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اس زمانہ میں زکاۃ کا بیت المال قائم کرنے کی اجازت نہیں پھر سوال سے ظاہر ہے کہ زکاۃ کی کثیر رقم بیت المال میں جمع رہتی ہے اور اس کی ادائیگی میں کافی دیر ہوتی ہے بلکہ دیر کی جاتی ہے یہ ناجائز و گناہ ہے۔ بیت المال کے ارکان زکاۃ کی ادائیگی کے لیے صرف وکیل ہوتے ہیں اور ان پر لازم ہوتا ہے کہ زکاۃ کی ادائیگی میں تاخیر ہرگز نہ کریں اور اس کے مستحقین کو فوراً پہنچا دیں۔ صرف اتنی رقم حیلۂ شرعی کے بعد روک سکتے ہیں کہ سال میں جتنی رقم کی ضرورت عموماً پڑتی رہتی ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ" اھ (ص ا ص ۱۶۰)

غربا اور متوسط طبقہ کے وہ لوگ جو محتاج ہوں یعنی مصارف زکاۃ سے ہوں ان کو مکان بنا کر اس کا مالک کر دینا بغیر حیلہ شرعی کے بھی درست ہے مگر مالک کرنے میں یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے کو دے جو قبضہ کرنا جانتا ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ مال زکاۃ کو ضائع کر دے یا دھوکا کھائے ورنہ ادا نہ ہوگی۔ مثلاً نہایت چھوٹے بچے یا پاگل کو دینا۔ درمختار میں ہے: "فلو أطعم یتیماً ناویاً الزکاۃ لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم کما لو کساہ بشرط ان یعقل القبض الا اذا حکم علیه بنفقتھم ولو معتوھا" اور اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: "المعتوہ الناقص العقل، وقیل المدھوش من غیر جنون" اھ ملخصاً (کتاب الزکوٰۃ، ج ۳ ص ۱۷۱-۱۷۳)

زکاۃ کی ادائیگی کے لیے فقیر کو مالک بنانا اور اس پر اسے قبضہ دینا شرط ہے لہٰذا روڈ اور بورویل میں زکاۃ کا مال صرف کرنے سے زکاۃ ادا نہ ہوگی اس لیے کہ یہاں مصارف زکاۃ میں کسی کی ملکیت نہیں پائی گئی ہندیہ میں ہے "لا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجھاد وکل مالا تملیك فیه ولا یجوز ان یکفن بھا میت ولا یقضی بھا دین المیت" اھ (باب المصارف ج ۱ ص ۱۸۸)

اور صحیح تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں بیت المال قائم کرنا جائز ہی نہیں جیسا کہ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ

مبارکپور کے چودھویں فقہی سیمنار میں مندوبین علماء کرام کے اتفاق سے یہ فیصلہ ہوا ہے:

آج کے دور میں زکاۃ وصدقات واجبہ کا بیت المال قائم کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ بیت المال کے اموال کی حیثیت اموال یتیم کی ہوتی ہے، اور اس کی حفاظت کے لیے جس امانت قدرت اور دباؤ کی ضرورت ہے وہ آج کم یاب ہے کیونکہ خیانت، غصب، بدعہدی، ناخدا ترسی عام ہو چکی ہے اور حاکم شرعی کی قوت نافذہ نیز حق داروں کے مطالبہ، مواخذہ، احتجاج کا دباؤ بھی عموماً نہیں پایا جاتا جس کے پیش نظر یہ وثوق حاصل ہو کہ یہ اموال خرد برد اور بیجا مصارف میں صرف ہونے سے محفوظ رہیں گے" (ماہنامہ اشرفیہ۔ جون ۲۰۰۷ء ص ۳۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد آصف ملک علیمی
۲۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

کیا مکتب میں زکاۃ لگا سکتے ہیں؟

مسئلہ زید مدرسہ کے نام سے زکاۃ وصول کرتا اور کرواتا ہے اور مدرسہ ایک مکتب کی شکل میں ہے اس میں گاؤں کے ہی طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور مدرسہ کی کوئی خاص زمین نہیں ہے بلکہ ایک خانقاہ ہے جس میں درس دیا جاتا ہے اور مدرسین کو زکاۃ کی رقم سے تنخواہ دی جاتی ہے اور زکاۃ کی بہت سی رقم بچ جاتی ہے اس کو کہاں صرف کریں گے؟ اس کو اپنے خرچ میں لاسکتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر لاسکتا ہے تو کس صورت میں؟ اور وہ شخص جو مدرسہ کو چلاتا اور چلواتا ہے اس پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: کریم الانصار بن حفیظ الانصار سکراول بازار ٹانڈہ، امبیڈکر نگر یو پی

الجواب زکاۃ کی رقم کے اصل حقدار فقراء ومساکین ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ (پ ۱۰ التوبہ آیت ۶۰) ان مصارف کے علاوہ دوسری جگہ زکاۃ کا روپیہ دینا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ دوسری جگہ اس روپیہ کو لگانے کے لیے حیلہ شرعی ضروری ہے اس حیلہ کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے، ایک یہ کہ غیر مصرف میں وہ رقم لگانے کی ضرورت پائی جائے دوم یہ کہ وہ فی نفسہٖ قربت اور ثواب کا کام ہو تو جہاں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں گی وہیں حیلہ کی اجازت ہوگی اس کے نہ ہونے کی صورت میں حیلہ کی اجازت نہیں۔ مدارس دینیہ میں حیلہ کی اس وجہ سے اجازت دی گئی کہ وہاں دونوں شرطیں متحقق ہیں کیونکہ دینی تعلیم کار ثواب ہے اور اہم ترین ضرورت بھی ہے کہ اگر انہیں زکاۃ نہ دی جائے تو مدارس یا تو بند ہو جائیں گے یا کمزور ہو جائیں گے لہٰذا مدارس دینیہ میں زکاۃ دینا بعد حیلہ شرعی ان کے مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے۔

اور دینی مکاتب کے مصارف قلیل ہوتے ہیں وہ لوگوں کے چندے عطیات اور چرم قربانی کی رقم سے چل سکتے ہیں اس لیے ان میں زکاۃ وصدقہ کی رقم نہ استعمال کریں، ہاں جس جگہ لوگ اتنے غریب ہوں کہ نہ چلا سکیں یا بخیل ہوں کہ ہزار جد وجہد کے باوجود بقدر کفایت نہ دیں تو وہاں ضرورت کی مقدار زکاۃ وصدقۂ فطر کی رقم سے حیلہ شرعیہ کرکے خرچ کر سکتے ہیں۔

حضور شارح بخاری علیہ الرحمہ اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں "زکوۃ وصدقۂ فطر کی رقم حیلہ شرعیہ کرکے دینی مدرسہ میں صرف کیا جائے حیلہ شرعیہ کے بعد یہ رقوم مدرسہ کی ہر مد میں صرف کی جا سکتی ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس میں یتیم ونادار بچے رہتے ہوں یا نہ رہتے ہوں اھ (ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ مئی ۱۹۹۰ء ص ۲)

الاشباہ والنظائر میں ہے۔ الضرورات تبیح المحظورات اھ (ص ۹۴) فتاوی هندیه میں ہے فی جمیع ابواب البر کعمارۃ المساجد وبناء القناطیر والحیلة له ان یتصدق بمقدار زکاته علی فقیر ثم یامره بالصرف الی هذه الوجوه (کتاب الحیل، ج ۶ ص ۳۹۲)

مکتب کے ذمہ دار حضرات کے پاس بچی ہوئی رقم امانت ہے خواہ وہ رقم زکاۃ وصدقات کی ہو یا چرم قربانی وعطیات کی وہ اس رقم کو اپنے خرچ میں ہرگز نہیں لا سکتے ان پر فرض ہے وہ امانت میں کوئی خیانت نہ کریں، اگر ایسا کرتے ہیں تو خیانت کے مرتکب ہیں جو حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۲۷﴾ یعنی اے ایمان والو اللہ ورسول سے دغا نہ کرو اور نہ امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت کرو۔ (پ ۹ آیت ۲۷ سورۃ انفال) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد شاہد رضا حشمتی
۱۲؍ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا وہ غریب جو پچاس، ساٹھ روپیہ یومیہ سے اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا ہو زکاۃ لے سکتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید بہت غریب انسان ہے ایک وقت پچاس ساٹھ روپے کی مزدوری کرکے اپنا اور اپنے پورے کنبے کا پیٹ پالتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں وہ زکاۃ فطرہ کی رقم کھا سکتا ہے؟

گاؤں والوں کا کہنا ہے کہ یہ زکاۃ کھاتا ہے اس لیے اس کے یہاں کھانا پینا جائز نہیں۔ ان کا یہ کہنا درست یا نہیں؟

المستفتی: مقصود علی، مروٹیا تیواری، پوسٹ مہراج گنج، بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زید زکاۃ وفطرہ کی رقم کھا سکتا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ زکاۃ وصدقات کے اصل مستحقین فقراء ومساکین ہیں۔قرآن شریف میں ہے
إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ. (سورۃ توبہ پ ۱۰)
شرعی فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے فتاویٰ عالمگیری میں ہے
(ومنها الفقير) وهو من له ادنى شئى وهو مادون النصاب (ج ا،ص ۱۸۷) لہٰذا جب اتنا غریب ہے کہ ایک وقت پچاس ساٹھ روپے کی مزدوری کر کے اپنا اور اپنے کنبے کا پیٹ پالتا ہے تو وہ زکاۃ وفطرہ کی رقم کھا سکتا ہے۔زید کے گھر کھانے پینے میں کوئی قباحت نہیں اور جو لوگ ناجائز کا قول کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: غلام مرتضیٰ رضوی
۱۷ر جمادی الآخر ۱۴۲۹ھ

روپے فکس کر رکھے ہیں مزید کچھ روپے اور سونا وغیرہ ہیں جو بقدر نصاب نہیں تو کیا سب کو ملا کر زکاۃ دینی ہوگی؟

مسئلہ زید بینک میں سات سال (فکس) کے لئے اتنی رقم رکھا ہے جو نصاب کو پہنچتی ہے اس کے علاوہ ہر سال زید کے پاس کچھ نہ کچھ نقد روپے رہتے ہیں مگر نصاب کو نہیں آتا پھر سونا بھی کچھ رہتا ہے مگر وہ بھی نصاب کو نہیں پہنچتا تو کیا بینک میں جو رقم سات سال کے لئے فکس ہے اور نقد روپے اور سونا جو موجود ہے سب ملا کر زید زکاۃ ادا کرے گا۔واضح ہو کہ جو رقم بینک میں ہے اس پہ سال گزر گیا ہے۔اور کیا قربانی وصدقہ فطر بھی اس پہ واجب ہوگی؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد احسان الحق، کملا رامن نگر، گوینڈی، ممبئی ۴۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بینک میں جو روپے جمع ہیں وہ اپنے ہی قبضے میں مانے جائیں گے اس لئے جب بینک کی رقم سے نصاب پورا ہے تو ہر سال اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔یونہی اگر بینک کی رقم نصاب بھر نہ ہوتی مگر اور مال سونا چاندی ونقد روپے سے مل کر نصاب پورا ہوتا تو بھی زکاۃ واجب ہوتی۔بینک میں جمع شدہ رقم کی زکاۃ خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا جب خمس نصاب یا اس سے زیادہ وصول ہو جائے تو اس میں سے چالیسواں حصہ دے۔

مگر آسانی اس میں ہے کہ جتنے روپے جمع ہوں اور نقد روپے اور سونا جو اپنے پاس موجود ہے سب کی زکاۃ سال بسال دیتا جائے کہ معلوم نہیں کہ کب موت آئے اور وارثین زکاۃ دیں یا نہ دیں یا شیطان کو بہکاتے دیر نہیں لگتی اور وصول ہونے پر برسہا برس کی زکاۃ کی زائد رقم دیکھ کر لالچ میں آ جائے اور زکاۃ نہ ادا کرے۔

ایسا ہی فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۴۱۶ پر ہے۔

اور جب نصاب پورا ہے تو زید پر قربانی وصدقہ فطر بھی واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد صابر حسین نیفی

۷ر جمادی الاولیٰ ۲۵ھ

یہاں بیت المال کا قیام درست نہیں؟ تاہم اگر کریں تو کچھ شرطیں ضروری ہیں

مسئلہ ہماری برادری میں صاحب نصاب حضرات اپنی زکاۃ رمضان شریف میں متفرق طریقے پر دیتے ہیں۔ برادری کے مستحق حضرات اپنی آپ بیتی سنا کر ان سے زکاۃ میں سے رقم کا سوال کرتے ہیں اور ان کو مل بھی جاتی ہے وہ ہر سال یہی طریقہ اپنا کر مانگتے ہیں۔ تمام ذمہ داروں کے مشورے میں یہ طے ہوا ہے کہ ہم صاحب نصاب سے زکاۃ وصول کر کے بیت المال قائم کر کے اس میں جمع کر دیں اور جو مستحق حضرات ہیں ان کو بیت المال سے مطلوبہ رقم دے دی جائے۔ وہ یہ رقم لے کر کسی روزگار میں لگائیں اور ہر مہینے کچھ نہ کچھ رقم بیت المال میں جمع کر دیں گے۔ کچھ لوگ سود پر رقم لا کر اپنے روزگار میں لگاتے ہیں بزنس کے نہ چلنے پر سود کے بھاری بھرکم بوجھ تلے آ جاتے ہیں۔ مذکورہ صورت میں استفتاء یہ ہے کہ:

(۱) کیا اس طرح سے بیت المال کا قیام درست ہے؟

(۲) کیا قوم کی بہبودی اور امت کے سوال کرنے کی عادت سے نجات دلانے کے لئے اس طریقے سے زکاۃ کی تقسیم درست ہے؟

(۳) کیا صاحب نصاب کی زکاۃ اس طریقے سے ادا ہو جائے گی؟

(۴) کیا زکاۃ کی رقم بغیر سود کے بطور قرض دینا صحیح ہے تاکہ مستحق شخص کو اپنے روزگار کو پروان چڑھانے میں مددگار ثابت ہو؟

(۵) بیت المال میں جو رقم آئی ہے اگر حیلہ شرعی کر کے دیا جائے تو درست ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: خوشتر نورانی دار العلوم حسینیہ ہمت نگر، ضلع سابر کانٹھا (گجرات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱، ۵) بیت المال اسلامی خزانہ مال کو کہتے ہیں جس کے نگراں شاہان اسلام ہوتے تھے موجودہ دور میں یہاں نہ کوئی بادشاہ اسلام ہے نہ ہی اسلامی بیت المال، اگر عوام قائم کریں تو خائنوں کے خرد برد سے محفوظ رہنا مشکل امر ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے اصحاب حقوق کے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ خصوصاً جب خطیر رقم جمع ہو جائے گی تو حریص طبیعتیں اسے اپنا لقمہ تر بنا سکتی ہیں۔ اس وجہ سے زمانہ دراز سے بیت المال کا سسٹم ہی ختم ہو گیا اور انفرادی طور پر زکاۃ مستحقین تک پہنچانے کا طریقہ رائج ہوا اس لئے اس کے قیام سے اجتناب میں ہی عافیت وبھلائی ہے تاہم اگر کسی جگہ کچھ مصالح مہمہ کے پیش نظر بیت المال کا قیام اہل سنت وجماعت ضروری خیال کریں تو چند شرطوں کی پابندی اشد ضروری ہوگی، جملہ ارکان مسلمان ہوں، دیندار، تقویٰ شعار، پابند صوم وصلاۃ ہوں، حریص، خائن، فاسق بد دیانت نہ ہوں، ساتھ ہی کم از کم دو ذمہ دار باعمل علماء کو بھی رکھیں اور انہیں کی ہدایت کے مطابق کام کریں خودسری نہ برتیں اور اپنے بعد کے لئے بھی ایسے ہی دیندار غیر خائن غیر فاسق غیر حریص ارکان کا انتظام کرلیں، ساتھ ہی یہ فنڈ بقدر ضرورت مال پر مشتمل ہو جو جلد از جلد ان کے حقداروں تک پہنچا دیا جائے۔

زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر جائز نہیں جلد از جلد ادا کر دینا واجب ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "وتجب علی الفور عند تمام الحول حتی یاثم بتاخیرہ من غیر عذر" اھ (ج:۱،ص:۱۷۰) اس لئے دینی ضروری مصارف میں صرف کرنے کے لئے چند مسلم فقراء کے ذریعہ زکوۃ، صدقہ فطر کی رقم کا حیلہ شرعیہ کرکے ہی جمع کریں اور اسے مسلم محتاجوں نادار بیواؤں اور معذوروں پر اور ان کے بچوں کی تعلیم پر صرف کریں، ساتھ ہی مدارس اہل سنت اور طلبہ علم دین کی بھی خدمت کریں البتہ فنڈ کو زیادہ وسعت دینے سے بچیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی نظامی
۲۶ ربیع الغوث ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

چندہ کرکے آدھا خود ہی رکھ لینا کیسا ہے؟ کمیشن پر وصولی کی شرطیں

مسئلہ زید کا مدرسہ بورڈ سے الحاق ہے اور اس کے باوجود زید ہر جگہ سے چندہ کرکے آدھا کمیشن رکھ لیتا ہے اور اسی چندے سے تنخواہ بھی لیتا ہے جبکہ زید مالک نصاب بھی ہے اس کے باوجود زید کے مدرسہ میں نہ کوئی بیرونی طالب علم ہے، نہ دیگر مدرس اور خود بھی زید زکوۃ، صدقہ وفطرہ کی رقم کھاتا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: اراکین کمیٹی، مقام رانی پور گڈا، جھارکھنڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب زکاۃ وصدقہ فطر کے اصل مستحقین فقراء ومساکین ہیں جن کا ذکر قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں ہے:"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ الایۃ" (پ:۱۰، سورہ توبہ، آیت:۶۰)

لہٰذا زید کا چندہ کرکے خود سے آدھا کمیشن رکھ لینا جائز نہیں کہ یہ امانت میں خیانت ہے نیز غصب کے حکم میں ہے اور چندہ اگر زکاۃ وصدقہ فطر ہو تو زکاۃ وصدقہ فطر کی ادائیگی بھی نہ ہوگی۔ ہاں کمیشن پر چندہ کرنا کچھ شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ (۱) پوری وصول کردہ رقم بحفاظت تمام مدرسہ میں جمع کردے پھر مدرسہ بعد حیلۂ شرعیہ جس رقم سے بھی چاہے اس کی اجرت دےدے (۲) اجرت کی شرح اس لحاظ سے مقرر کی جائے کہ کام کے دنوں میں محصل اور اس کے اہل وعیال کے اوسط نفقہ کے لئے کافی ہو۔

اگر وہ مدرسہ خالص دینی ہے جو علم دین پڑھنے اور پڑھانے کے لئے قائم کیا گیا ہے تو بعد حیلۂ شرعیہ زید کا اس چندہ سے مناسب تنخواہ لینا جائز ہے۔ اگرچہ زید کے مدرسہ میں بیرونی طلبہ ودیگر مدرسین نہیں ہیں۔ لیکن بغیر حیلۂ شرعیہ اس چندہ سے تنخواہ لینا جائز نہیں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں "اگر روپیہ بہ نیت زکاۃ کسی مصرف زکاۃ کو دے کر مالک کردیں اور وہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دےدے تو تنخواہ مدرسین وملازمین جملہ مصارف مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ص:۴۶۸، ج:۴) ایسا ہی فتاویٰ امجدیہ ص:۳۷۶، ج:۱ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: غلام نبی نظامی علیمی
۲۲ ربیع النور ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

دینی کتابیں چھپوانے اور جلسہ وغیرہ کرنے کے لئے زکاۃ کا حیلہ کرسکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

حیلہ شرعی کروا کر زکاۃ کے روپے مدرسوں کے علاوہ دین کے دیگر اہم کاموں میں مثلاً دینی کتابیں چھپوانا، جلسے کروانا وغیرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ **المستفتی:** نور محمد خان مائل رضوی چورو راجستھان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب زکاۃ کے اصل مستحقین فقراء ومساکین ہیں مگر شرعی ضرورت ہو تو بعد حیلۂ شرعی مدارس کے علاوہ دین کے دیگر اہم کاموں میں بھی صرف کرنے کی اجازت ہے، بدمذہبوں کی روک تھام کے لئے

علمائے اہل سنت کی دینی کتابیں اوراعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تصنیفات مال زکاۃ سے طبع کرا کر مفت تقسیم کرنے اورخوب خوب عام کرنے کی ضرورت ہے اس لئے اس کی اجازت ہے۔فتاویٰ رضویہ میں ہے "مال زکاۃ سے وقف ناممکن ہے کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا اور زکاۃ میں فقیر کی تملیک شرط ہے اس کی تدبیر یوں ہوسکتی ہے کہ کسی نیک بندہ کو جوزکاۃ کا مصرف ہے روپیہ بنیت زکاۃ دے کر مالک کردیا جائے اوروہ اپنی طرف سے کتابیں خرید کر وقف کرے۔" اھ (ج ۴ ص ۴۶۹)

اور حضور فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ "ان کے اصل حقدار فقراء ومساکین ہیں مگر ضرورت شرعیہ ہو تو انہیں بعد تملیک دینی کاموں میں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔" اھ

پھر اسی میں چند سطر بعد ہے" وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت، نام نہاد اسلامی جماعت اوردوسرے بدمذہب فرقے جو مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے طرح طرح کے نئے طریقے نکال رہے ہیں۔زکاۃ کی رقم ان کی روک تھام پر بعد تملیک خرچ کریں۔علمائے اہل سنت خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی' کی تصانیف چھپوا کر مفت تقسیم کریں۔" اھ (فتاویٰ برکاتیہ ۴۶۸)

رہا جلسہ جلوس تو اس کے لئے مال زکاۃ صرف کرنے کی کوئی شرعی حاجت نہیں اس لئے جلسہ کے مصارف کے لئے حیلہ کرنے کی اجازت نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد اظہر الدین برکاتی

۱۷ر جمادی الآخر ۱۴۳۲ھ

زکاۃ کے لئے الگ کی گئی رقم کو استعمال کر لینا اور دوسری رقم سے زکاۃ ادا کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید نے چار ہزار روپے نکال کر الگ اس ارادے سے رکھ لئے کہ یہ روپے زکاۃ کے ہیں اسے زکاۃ کے حقداروں کو دوں گا۔درمیان میں اسے ضرورت پیش ہوئی تو اس نے ان میں سے کچھ رقم نکال کر خرچ کردی اور چند روز بعد اتنی ہی رقم واپس ملا کر زکاۃ پوری ادا کردی کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتی: نور محمد خان مائل رضوی چورو راجستھان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بغرض ادائے زکاۃ جو رقم علیحدہ رکھی گئی ہے اس رقم سے ضرورۃً خرچ کرنا بعدہ دوسری رقم اس میں ملا کر زکاۃ ادا کرنا جائز ہے کہ مال بنیت زکاۃ علیحدہ کرنے سے ملکیت ختم نہیں ہوتی، جب تک کہ فقراء کو

مالک نہ بنا دے۔ لہٰذا وہ رقم اسی کی ملک میں ہے اور وہ اپنی ملک کو جب چاہے خرچ کر سکتا ہے، یوں ہی محض مال کو علیحدہ کر دینے سے بری الذمہ نہ ہوگا، جب تک کہ فقیروں کو نہ دے دے رد المحتار میں ہے "او مقارنة بعزل ما وجب كله او بعضه ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالا داء للفقراء" اھ (ج ۳ ص ۱۸۹) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد اظہر الدین برکاتی
۱۷ / جمادی الاخر ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

خود کفیل مکتب کے لئے چندہ کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا پیسہ مکتب کے مدرسہ میں لینا جائز ہے کہ نہیں جبکہ مکتب کے مدرسہ کی آمدنی باہر سے ہوتی ہے نیز مکتب کا دومنزلہ کرایے پر ہے اس کی آمدنی مدرسہ کو ہوتی ہے پھر بھی رمضان المبارک کے مہینہ میں زکاۃ وصدقہ فطر کا پیسہ زید لوگوں سے وصول کرتا ہے عوام کے اعتراض پر زید کہتا ہے کہ زکاۃ وصدقہ فطر کی رقم وصول کر کے مدرسہ کی جانب سے غریبوں اور فقیروں کی مدد کی جاتی ہے۔ اس کا پیسہ مدرسہ میں کچھ بھی نہیں استعمال ہوتا تو کیا اس طریقہ سے مکتب کے مدرسہ میں زکاۃ وصدقہ فطر کا پیسہ وصول کر کے اکٹھا کرنا جائز ہے۔

المستفتی: محمد اجمل خان، دھورہ واڑہ دھاراوی ممبئی نمبر ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زکاۃ اور صدقہ فطر کے اصل مستحقین فقرا ومساکین ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ" الخ صدقات فقرا ومساکین کے لئے ہیں۔" (الآیۃ ۶۰ التوبہ ۱۰)

مگر فقہا نے بضرورت شرعیہ دینی مدارس میں بعد حیلہ شرعی صرف کو جائز کہا ہے خواہ ادارہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ فتاوی امجدیہ میں ہے "زکاۃ کا روپیہ حیلہ شرعی سے نیک کام میں صرف کرنا جائز ہے۔" (ج ۱ ص ۳۸۸)

لیکن بیان سائل سے ظاہر ہے کہ مذکورہ ادارہ خود کفیل ہے اسے ان رقوم کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ رقوم مدرسہ پر خرچ بھی نہیں ہوتیں لہٰذا زکاۃ وصدقہ فطر کی رقوم ایسے ادارہ کو نہ دی جائیں اور زید کا زکاۃ وصدقہ فطر کی رقم مدرسہ کے لئے وصول کر کے غریبوں اور فقیروں کو دینا ناجائز ہے۔ اس لئے زید اس سے باز آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد فیضل علی مصباحی
۶ / ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

فکس رقم کی زکاۃ سال بسال ہے یا ملنے کے بعد نیز منافع کی زکاۃ پر حولان حول شرط ہے یا اصل سے ملحق ہوگی؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں کہ جیون بیمہ یا فکس ڈپازٹ میں جو رقم قسط وار جمع ہوتی ہے ان کی زکاۃ سال بسال نکالے گا یا پوری رقم اکٹھا ملنے کے بعد نیز اس میں جو منافع یا زائد رقم ملتی ہے اس کی زکاۃ کی کیا صورت ہوگی آیا اس پر حولان حول شرط ہے یا اصل نصاب میں ملحق ہوجائے گی۔

المستفتی: منظور احمد رضوی، خادم دار العلوم غوثیہ نیوریا حسین پور، پیلی بھیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جیون بیمہ یا فکس ڈپازٹ کمپنیوں میں اصل جمع شدہ رقم حکما اپنے ہی قبضہ میں ہوتی ہے اس لئے اگر بینک کی رقم سے نصاب پورا ہے تو سال، بسال اس پر زکاۃ واجب ہے مگر ادا عند الحصول واجب ہے مگر بہتر یہ ہے کہ ان تمام رقوم کی بھی زکاۃ سال بسال دیتا جائے کیونکہ معلوم نہیں کہ موت کب آئے اور وارثین زکاۃ دیں یا نہ دیں، ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۴۱۶ پر ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکاۃ لازم ہے مگر جب بقدر نصاب یا خمس نصاب وصول ہو اس وقت ادا واجب ہوگی جتنے برس گزرے ہوں سب کا حساب لگا کر" اھ (ج ۴ ص ۴۳۲)

فتاوی امجدیہ میں ہے: "بینک میں روپیہ رکھا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ بینک میں بطور امانت رکھا ہے ایسا ہے جب تو سال بسال اس کی زکاۃ واجب الادا ہے اور اگر بینک کو بطور قرض دیا ہے جیسا کہ یہی متعارف ہے تو اگرچہ وجوب زکاۃ سال بسال ہوگا مگر واجب الادا اس وقت ہوگی کہ خمس نصاب کم از کم وصول ہوجائے اور جتنا وصول ہوگا اسی کی زکاۃ واجب الادا ہے کل کی نہیں مگر وصول ہونے پر سالہائے ماسبق کی زکاۃ بھی دینی پڑے گی۔" اھ (ج ۱ ص ۳۶۸)

اور وہ رقم کہ بینک سے بطور منافع حاصل ہوئی اس کی زکاۃ واجب نہیں کہ یہ وصول ہونے کے قبل اس کی ملک ہی میں نہیں ہاں وصول ہونے کے بعد جب اور اموال کا سال پورا ہوگا تو ان کے ساتھ اس کی بھی زکاۃ دے گا ایسا ہی فتاوی امجدیہ ج ۳ ص ۲۰۸ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد محسن چشتی مصباحی
۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

زمین مسلم یا کافر کو بٹائی پر دی تو صرف اپنے حصہ کا عشر دے گا یا پوری پیداوار کا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید کی دو زمین ہے اور دونوں زمین بٹائی پر ہے ایک زمین غیر مسلم کے پاس ہے اور دوسری زمین ایک مسلمان کے پاس ہے تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو زمین غیر مسلم کے پاس ہے تو کیا زید کے ذمہ اس زمین کی کل پیداوار پر عشر نکالنا واجب ہے یا صرف زید کے اپنے حصے پر؟ یوں ہی جو زمین مسلمان کے پاس ہے اس پر عشر کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا **المستفتی: محمد اللہ بخش باسنی ناگور، راجستھان**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جو زمین غیر مسلم کے پاس ہے اس زمین کی کل پیداوار پر عشر نکالنا زید کے ذمہ ہے وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی زمین غیر مسلم کو بٹائی پر دے کر فقراء کی حق تلفی کی ہے۔ اگر زید خود کاشت کرتا تو فقراء کی حق تلفی نہ ہوتی اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ کسی نے اپنی زمین کسی غیر مسلم کو عاریت دی تو مالک زمین پر کل پیداوار کا عشر واجب ہے کیونکہ اس نے ایک غیر مسلم کو عاریت دے کر فقراء کا حق مارا ہے۔ ردالمحتار میں ہے لو استعارھا ذمی فالعشر علی المعیر اتفاقا لتفویتہ حق الفقراء بالاعارۃ من الکافر کذا فی شرح درر البحار ای لکونہ لیس اھلا للعشر . اھ (ص ۳۳۴ ج ۲)

اور جو زمین مسلمان کے پاس ہے اس میں مالک ومزارع دونوں پر اپنے اپنے حصے کا عشر واجب ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "وفی المزارعۃ علی قولھما العشر علیھما بالحصۃ۔" اھ (ص ۱۸۷ ج ۱) ردالمحتار میں ہے۔ "ان المزارعۃ جائزۃ عندھما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینھما فیجب العشر علیھما" اھ (ص ۳۳۵ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد سفیر الحق رضوی نظامی
۲۹ ربیع الغوث ۱۴۳۲ھ

حیلہ کب اور کس لئے جائز ہے؟ کیا زکاۃ بعد حیلہ خانقاہ میں لگا سکتے ہیں؟

مسئلہ حیلۂ شرعی کس وقت اور کس کام کے لئے جائز ہے؟ بکر کا قول یہ ہے کہ زکاۃ وفطرہ کی رقم بعد حیلۂ شرعی بھی مشائخ کرام کی خانقاہوں میں لگانا جائز نہیں ہے۔ جبکہ زید کا کہنا یہ ہے کہ خانقاہ بھی مثل مدرسہ کے ہے۔ لہٰذا اس میں بھی مذکورہ رقم بعد حیلۂ شرعی صرف کرنا درست ہے، زید کا یہ قول از روئے شرع

کہاں تک صحیح ہے اور زید پر شرعاً کیا حکم وارد ہوتا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد ایوب، سکریٹری، انجمن ملت اسلامیہ، پلٹن بازار، گوہاٹی (آسام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زکاۃ کی رقم کے اصل حقدار فقیر اور مسکین مسلمان ہیں، قرآن شریف سورۃ التوبہ میں ہے: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ" الخ یعنی زکاۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار" اھ (پ:۱۰، آیت:۶۰)

تو زکاۃ انہیں لوگوں کو دینے سے ادا ہوگی، اور دوسرے کو دینا ناجائز و گناہ ہوگا۔ اس لئے کسی بھی خانقاہ میں زکاۃ کی رقم دینا جائز نہیں۔

حیلۂ شرعی کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ غیر مصرف میں زکاۃ کی رقم لگانے کی حاجت یا ضرورت پائی جاتی ہو۔ یعنی زکاۃ کی رقم استعمال کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ یا چارۂ کار تو ہو مگر سخت حرج اور دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔ فقہ کا قاعدۂ کلیہ ہے: "الضرورات تبیح المحظورات" الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ. المشقۃ تجلب التیسیر." اھ

اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کام فی نفسہٖ قربت اور ثواب کا کام ہوتا کہ حاجت و ضرورت کی صورت میں بھی وہ رقم اپنے مثل مصرف میں ہی استعمال ہو۔ فقہائے کرام نے جہاں کہیں حیلہ کی اجازت دی ہے وہاں مصرف باب قربت سے ہی ہوتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کتاب الحیل میں ہے: "فی جمیع ابواب البر کعمارۃ المساجد و بناء القناطیر الحیلۃ ان یتصدق بمقدار زکوتہ علی فقیر, ثم یامرہ بالصرف الی ھذہ الوجوہ" اھ (ج:٦، ص: ۳۹۲) اور ردالمحتار میں ہے: "ویکون لہ (ای للمزکی) ثواب الزکاۃ وللفقیر ثواب ھذہ القرب بحر" اھ (ج:۲، ص:۳۴۵)

لہٰذا اگر کہیں حاجت ہو مگر وہ کام ثواب کا نہ ہو۔ یا کام ثواب کا ہو مگر وہاں حاجت شرعیہ نہ ہو تو ان جگہوں پر حیلہ کی اجازت نہ ہوگی، مثلاً تنگ دست والدین کی امداد بڑے ثواب کا کام ہے لیکن لڑکا جو صاحب نصاب ہو وہ اپنے پاس سے ان کا تعاون کر سکتا ہے، مگر اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے مال کا حیلہ کر کے اسے والدین پر صرف کرے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

"یکرہ ان یحتال فی صرف الزکاۃ الی والدیہ المعسرین بان تصدق بھا علی فقیر, ثم صرفھا الفقیر الیھما کما فی القنیۃ قال فی شرح وھبانیۃ و ھی شھیرۃ مذکورۃ فی غالب الکتب." اھ (ج:۳، ص:۲۹۴)

مدارس دینیہ میں جو حیلہ کی اجازت دی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں دونوں شرطیں محقق ہیں، مدارس کی تعلیم کا کار ثواب ہونا تو ظاہر ہے کہ ان میں اصل مقصود دینی علوم، قرآن و حدیث وفقہ کی تعلیم ہے جو فرض ہے باقی علوم انہیں کے تابع ہیں اور ضمنی طور پر داخل نصاب ہیں کہ ان سے علوم دینیہ کی تحصیل وتفہیم میں مدد ملتی ہے اور حاجت وضروریات کا حال بھی ظاہر ہے کہ اگر حیلہ کی اجازت نہ دی جائے تو عام طور سے یہ مدارس یا تو بند ہو جائیں گے یا پھر بہت کمزور ہو جائیں گے جن سے علوم دینیہ کے تحفظ و بقاء اور اسلام کی نشر واشاعت بخوبی نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ اب قوم مسلم کا مزاج یہ ہو چکا ہے کہ وہ دین کا ہر کام زکاۃ کے فنڈ سے جو صرف ڈھائی فیصد ہے کرنا چاہتی ہے اور اسی میں ان کے ہر دینی مسئلے کا حل ہے اپنے پاس سے عطیہ و چندہ دینے کا مزاج نہ رہا بلکہ کتنے لوگ تو ایسے ہیں جو صحیح طور پر پوری زکاۃ بھی نہیں نکالتے ایسے ماحول میں مدارس کو چندے پر منحصر کرنا انہیں برباد کر دینے کے مترادف ہوگا۔ لہٰذا انتہائی مجبوری کی صورت میں جسے ضرورت شرعیہ کہا جاتا ہے اس کار خیر کے لئے علماء نے حیلے کی اجازت دی ہے۔ اس کے برخلاف خانقاہوں میں یہ ضرورت محقق نہیں اور مریدین پیر کے اشارے پر بہت کچھ خرچ کر دینے کے لئے برابر تیار رہتے ہیں۔

تو خانقاہ کا کام صرف چندے کے بل بوتے پر بہت آسانی کے ساتھ چل سکتا ہے اس لئے یہاں ضرورت شرعیہ کیا حاجت شرعیہ بھی نہیں پائی جاتی۔ چونکہ خانقاہ کی تعمیر شرعی نقطۂ نظر سے نہ فرض ہے نہ واجب، اس لئے خانقاہوں میں زکاۃ کی رقم کا استعمال کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ جس شخص نے چندے میں زکاۃ کی رقم دی اسے شریعت کے اس مسئلے سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ یہ رقم وہ مصرف زکاۃ میں صرف کرے اور خانقاہ کا تعاون اپنے عطیہ سے کرے۔

اور زید نے غلط کہا اس نے غلط مسئلہ بتایا وہ توبہ واستغفار کرے اور آئندہ اس طرح بے تحقیق مسئلہ بتانے سے احتراز کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۶؍ شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ

محصل کا حیلہ سے قبل چالیس فیصد لے لینا یا اپنی زکاۃ اپنی جانب لوٹانا یا خرچ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

عمر ایک مدرسے کا مدرس ہے اور اپنے مدرسے کے لئے وقتاً فوقتاً زکوٰۃ، فطرہ، عشر، چرم قربانی صدقات

وغیرہ وصولی بھی کرتا ہے۔ نیز عمر خوش حال مالک نصاب ہے۔ اپنی زکاۃ اپنے پاس جمع کر لیتا ہے۔ اب یہ تمام موصول شدہ صدقات کا ۴۰ فیصد کمیشن کاٹ کر بقیہ صدقات سکریٹری کے حوالے کرتا ہے۔ کبھی ان سے راہ خرچ بھی نکال لیتا ہے حضور سے عرض یہ ہے کہ حیلۂ شرعی سے قبل ۴۰% کمیشن کاٹ لینا، اپنی زکاۃ اپنے ہی طرف لوٹا لینا، توشہ راہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: نور الحسن جگدیش پور، جادو پور، کلیا چک مالدہ، مغربی بنگال

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) زکوٰۃ، صدقۂ فطر، عشر وغیرہ صدقات واجبہ میں بغیر حیلۂ شرعی کوئی تصرف کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اگر کسی ناخدا ترس محصل نے بغیر حیلۂ شرعیہ کرائے از خود لے لیا تو زکاۃ ادا نہ ہوئی کہ ادائیگی زکاۃ کے لئے تملیک فقیر شرط ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"لا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد و کذا الحج و کل ما لا تملیك فیه" اھ (ج ۱ ص ۱۸۸)

نیز مدارس کے سفراء و محصلین کی حیثیت اجیر خاص کی ہے اور وصول کردہ رقم ان کے پاس امانت ہوا کرتی ہے خواہ وہ رقم زکاۃ و صدقات کی ہو یا چرم قربانی و عطیات کی وہ اس کے امین و محافظ ہوتے ہیں اور امین کا فرض یہ ہے کہ وہ امانت میں کوئی خیانت نہ کرے۔ اگر ایسا کرتے ہیں تو خیانت کے مرتکب ہیں جو حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔" اھ

یعنی اے ایمان والو! اللہ و رسول سے دغا نہ کرو اور نہ امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت کرو۔ (پ ۹، سورۂ انفال، ۲۷) لہٰذا عمر کا زکوٰۃ، صدقۂ فطر، عشر و دیگر صدقات واجبہ کی رقم میں سے بغیر حیلۂ شرعی چالیس فیصد کمیشن کاٹ لینا یا خود سے خرچ کر لینا حرام و گناہ ہے اس پر لازم ہے کہ وہ تاوان دے اور آئندہ اس سے باز رہے۔ پھر کمیشن تحصیل کی اجرت ہے اور عمر نے اپنی زکاۃ کی تحصیل تو نہ کی اس لئے اس کی اجرت لینے کا حق اسے کبھی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیت المال کی رقم سے مساکین کی مدد ان کا علاج نیز دینی و دنیاوی مدرسہ کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ملت اس مسئلہ میں:

ایک کمیٹی نے بیت المال قائم کر رکھا ہے جس میں زکاۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقم لوگ جمع کرتے

ہیں۔ کمیٹی والے اس رقم سے غرباء ومساکین کی مدد کرتے ہیں اور ضرورت پر ان کا علاج کراتے ہیں۔ بیت المال میں کافی روپیہ جمع ہو گیا ہے کیا اس رقم سے دینی یا دنیاوی مدرسہ کی تعمیر جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد توحید الحق امام اشرفی مسجد زملی گلی دھرم محلہ، کولکاتا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زکاۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقم حیلۂ شرعی کے بعد دینی مدرسہ کی تعمیر میں لگانا جائز ہے جبکہ وہ مدرسہ خاص اہل سنت وجماعت کا ہو جیسا کہ فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۴۶۸ پر مرقوم ہے۔ رہی دنیاوی اسکول کی تعمیر تو یہ ناجائز ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حیلۂ شرعیہ کے ذریعہ زکاۃ اور صدقۂ واجبہ کی رقم نیک کاموں میں ہی خرچ کی جا سکتی ہے اور اسکول کی تعمیر نیک کام سے نہیں ہے بلکہ صرف مباح ہے۔ فتاویٰ امجدیہ میں ہے: "امور خیر کے لئے حیلہ کرنے میں کسی قسم کی کراہیت یا قباحت نہیں" اھ اسی عبارت کے تحت حاشیہ میں ہے: "یہ اس کی دلیل ہے کہ امور خیر میں صرف کرنے کے لئے حیلہ کی اجازت ہے فقراء کی حق تلفی اور امور دنیوی میں صرف کرنے کے لئے اجازت نہیں لہٰذا حیلے کے بعد بھی اسکول کالج دنیوی تعلیم میں صرف کرنا ممنوع ہے۔" اھ (ج ۱، ص ۳۷۶)

فقیہ عصر حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "کسی بھی دنیوی کام کے لئے حیلۂ شرعیہ کر کے زکاۃ اور فطرہ کی رقم صرف کرنی جائز نہیں" اھ (ماہنامہ اشرفیہ، فروری ۱۹۹۶) اور حیلۂ شرعیہ کے بعد بھی امور خیر میں صرف اسی صورت میں خرچ کر سکتے ہیں جب کہ وہ امور دیگر رقوم سے انجام نہ پا سکیں تاکہ زکاۃ کے اصل مستحقین کی حق تلفی نہ ہو۔ نیز غرباء ومساکین کے علاج میں روپیہ اگر براہ راست انھیں کو دیتے ہیں تب تو زکاۃ ادا ہو جاتی ہے اور اگر ڈاکٹر کو علاج کے لئے دیتے ہیں تو ادا نہیں ہوگی کہ اس صورت میں تملیک فقیر نہیں پائی جائے گی۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"لا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد و کذا الحج و کل ما لا تملیک فیہ" اھ ملخصاً۔

(ج ۱، ص ۱۸۸)

واضح ہو کہ آج کے دور میں بیت المال قائم کرنا جائز نہیں جیسا کہ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے چودھویں فقہی سیمینار میں یہ فیصلہ ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد معراج احمد مصباحی قادری
۱۲ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

زکاۃ ادا کرنے کے بعد نصاب ختم ہو گیا تو صدقہ فطر ہے یا نہیں؟ کسی سے کہا بکر کو سو روپے دو میں واپس کر دوں گا تو اس طرح زکاۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

(۱) زکاۃ ادا کرنے کے بعد نصاب ختم ہو گیا تو اس پر فطرہ واجب ہے کہ نہیں؟

(۲) ایک شخص نے زکاۃ دینے کی نیت سے فون کے ذریعہ زید سے کہا کہ بکر کو سو روپے دے دو، بعد میں ادا کر دوں گا تو اس طرح زکاۃ ادا ہو گی کہ نہیں؟

المستفتی: قاری شبیر احمد، مدرسہ حنفیہ جونپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زکاۃ وصدقہ فطر دونوں کے وجوب کے لئے مالک نصاب ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ دونوں میں کچھ فرق ہے، مگر نصاب دونوں کا ایک ہے، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مالک ہو اور ملکیت کا حوائج اصلیہ سے زائد ہونا دونوں میں ضروری ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: مقدار نصاب سب کے لئے ہے، کچھ فرق نہیں، ہاں زکاۃ میں مال نامی ہونا شرط ہے کہ سونا، چاندی، چرائی پر چھوٹے جانور، تجارت کے مال وبس اور سال گزرنا شرط ہے۔ صدقہ فطر وقربانی میں کچھ درکار نہیں۔ (ج ۴، ص ۴۹۴)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وهي واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الاصلية ولا يعتبر فيه وصف النماء. اھ (ج ۱، ص ۱۹۱، الباب الثامن في صدقة الفطر)

تو جب نصاب باقی نہ رہا تو صدقہ فطر بھی واجب نہ رہا کہ اذا فات الشرط فات المشروط۔ اگر کسی طرح اتنی آمدنی ہوتی ہے کہ خرچ پورا ہو جاتا ہے اور ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کے برابر متاع عید الفطر کے موقع پر موجود ہے تو صدقہ فطر واجب ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وقت الوجوب بعد طلوع الفجر الثاني من يوم الفطر فمن مات قبل ذلك لم تجب عليه الصدقة ومن ولد او اسلم قبله وجبت ومن ولد او اسلم بعده لم تجب وكذا الفقير اذا ايسر قبله يجب ولو افتقر الغني قبله لم تجب كذا في محيط السرخسي. اھ (ج ۱، ص ۱۹۲، الباب الثامن صدقة الفطر) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جس شخص نے زکاۃ دینے کی نیت سے فون پر زید کو کہا کہ بکر کو سو روپے دے دو تو وہ اس کا وکیل ہو گیا۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

اذا وكل رجلا غائبا واخبره رجل بالوكالة يصير وكيلا سواء كان المخبر عدلا او فاسقا اخبره من تلقاء نفسه او على سبيل الرسالة صدقه الوكيل فى ذلك او كذبه كذا فى الذخيرة. اھ (ج ۳، ص ۵۶۱ کتاب الوکالة)

اور وکیل نے باجازت موکل مستحق زکاۃ یعنی بکر کو دے دیا تو زکاۃ ادا ہو جائے گی کہ ادائیگی زکاۃ کے لئے ضروری نہیں کہ مال زکاۃ ہی سے دے بلکہ اگر قرض لے کر ادا کر دیا تو بھی زکاۃ ادا ہو جائے گی اور اس شخص پر لازم ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے، زید کی رقم واپس کر دے۔ ردالمحتار میں ہے:

لو ادى زكاة غيره بغير امره فبلغه فاجاز لم يجز لانها وجدت نفاذا على المتصدق لانها ملكه ولم يصير نائبا عن غيره فنفذت عليه اھ لكن قد يقال تجزى عن الامر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع قال فى البحر ولو تصدق عنه بامره جاز ويرجع بما دفع عند ابى يوسف وعند محمد لا يرجع الا بشرط الرجوع اھ۔

اسی میں ہے: لا يشترط الدفع من عين مال الزكاة ولذا لو امر غيره بالدفع عنه جاز كما قدمناه. اھ (ج ۳، ص ۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد شاہد رضا ہشامی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۰ ربیع الآخر، ۱۴۳۱ھ

زکاۃ مدرسہ میں لگ سکتی ہے؟ بلا حیلہ کوئی مدرسہ بنانے یا سفیر کرایہ، کھانا میں خرچ کرے تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

مدرسہ میں زکاۃ لگتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں لگتی ہے تو جو سفراء رمضان میں وصولی کے لئے آتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فلاں مدرسہ سے آیا ہوں، آپ اپنی زکاۃ کی رقم عنایت فرمائیں۔ زکاۃ دینے والے کی نیت مدرسہ کے ضروریات میں خرچ کے لئے دینے کی ہوتی ہے، اسے یہ نہیں معلوم کہ مدرسہ والے حیلہ شرعی کر کے اس کو خرچ کریں گے۔ کچھ لوگ بغیر حیلہ شرعی کے زکاۃ کی رقم سے مدرسہ کی بلڈنگ بناتے ہیں تو کیا حکم ہے؟ اور بعض سفراء اسی زکاۃ کی رقم کو سفر کا کرایہ، کھانا، ہوٹل کا کرایہ ادا کرنے میں خرچ کرتے ہیں تو کیا حکم ہے؟ اور اراکین مدرسہ محصلین کو الگ سے سفر خرچ نہیں دیتے ہیں تو وہ بھی شرعاً مجرم ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: حاجی محمد صدیق نوری، ۲۰ رجواہر مارگ، اندور (ایم پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زکاۃ وصدقات کے اصل مستحقین غرباء ومساکین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ۔ (پارہ ۱۰، التوبہ، آیت نمبر ۶۰)

لیکن مدارس اسلامیہ جن میں دینی تعلیم ہوتی ہے اور زکاۃ کی رقم کے بغیر وہ چل نہیں سکتے اور دین کی بقا کے لئے ان کا وجود ضروری ہے، اگر ان کا مدار صرف صدقات نافلہ اور چندے پر رکھا جائے تو وہ ختم ہی ہوجائیں گے، اس لئے ان کے تحفظ کی شرعی ضرورت متحقق ہے اور اسی ضرورت شرعی کی بنیاد پر فقہاء کرام نے یہ اجازت دی ہے کہ زکاۃ اور دوسرے صدقات واجبہ کی رقوم کو حیلہ شرعی کر کے مدرسہ میں لگا سکتے ہیں۔ بعض سفراء کا یہ کہنا کہ فلاں مدرسہ سے آیا ہوں، اپنی زکاۃ کی رقم عنایت کریں، صحیح ہے اور لوگوں کا مدارس کی ضرورت میں صرف کرنے کی نیت سے دینا بھی صحیح ہے کہ ذمہ داران مدارس عموماً بعد حیلہ شرعی مدارس کی ضروریات ہی میں صرف کرتے ہیں، لیکن اگر کوئی مدرسہ ایسا ہے کہ جس کے ذمہ داران بغیر حیلہ شرعی زکاۃ کی رقم مدرسہ کی بلڈنگ یا دوسرے کاموں میں لگاتے ہیں تو یہ ناجائز ہے اور اس طرح سے زکاۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔

اور جو سفراء اسی زکاۃ کی رقم کو سفر کا کرایہ، کھانا اور ہوٹل کا کرایہ ادا کرنے میں صرف کرتے ہیں وہ فعل حرام کے مرتکب ہوتے ہیں کہ یہ امانت میں خیانت ہے اور خیانت حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

یعنی اے ایمان والو! اللہ و رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

(پارہ ۹، سورۃ الانفال، آیت نمبر ۲۷)

لہٰذا ان سفراء پر واجب ہوگا کہ صاحب مال کو تاوان دیں، نیز اسے بتائیں کہ اس کی زکاۃ ادا نہیں ہوئی ہے۔ وہ ادا کر دے یا اسے مدرسہ کو پہنچا دے یا کم از کم اس سے یہ اجازت لیں کہ وہ اپنے پاس سے اس کی طرف سے جمع کر دیں۔ ارکان مدرسہ کو چاہئے کہ سفراء کو سفر خرچ دے دیں اور جب انھیں ان کا حق محنت ادا کریں تو سفر خرچ کی مقدار ان سے واپس لے لیں یا اتنا کم کر کے ہی دیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سفراء خاص اپنا مال مصارف سفر وغیرہ میں استعمال کریں اور خیانت کا ارتکاب نہ کریں۔ ہاں اگر سفراء اپنے ضروری انتظامات کے ساتھ گئے، لیکن کسی وجہ سے ان کا سرمایہ ختم ہوگیا اور اب اپنے ضروری اخراجات نیز واپسی کے لئے ان کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تو وہ اس وقت ابن السبیل ہوں گے اور خاص اس صورت میں اجازت ہوگی کہ بقدر ضرورت وصول کردہ صدقات سے لے لیں اور وطن واپس آکر اپنے پاس سے اتنا جمع کر دیں۔

مزید تفصیل کے لئے محقق مسائل جدیدہ حضور مفتی نظام الدین صاحب قبلہ رضوی کی کتاب "تحصیل صدقات پر کمیشن کا حکم" کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد شمیم مصباحی
۷ ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

سال پورا ہونے سے پہلے بیس ہزار زکاۃ میں دیئے تو سال پورا ہونے پر بوقت حساب وہ نصاب میں شامل ہوں گے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید نے سال پورا ہونے سے پہلے بیس ہزار روپے زکاۃ ادا کردی، پھر سال پورا ہونے پر حساب کیا تو کیا حساب کرتے وقت زکاۃ میں دیے گئے بیس ہزار روپے نصاب میں شامل ہوں گے؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی** محمد ارشد رضا امجدی، اوجھا گنج ضلع بستی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب سال پورا ہونے سے پہلے جو بیس ہزار روپے زکاۃ میں دیے گئے، سال پورا ہونے پر نصاب میں وہ روپے شامل نہ ہوں گے، کیونکہ جو روپے اس نے پیشتر زکاۃ میں دیے، اب ان روپوں کا یہ نہ مالک رہا اور نہ اس پر اس کا قبضہ رہا۔ درمختار میں ہے:

(وشرطه) أي شرط افتراض ادائها حولان الحول وهو في ملكه۔

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے:

أي والحال ان نصاب المال في ملكه التام۔ (کتاب الزکوٰۃ، ج ۲، ص ۲۶۷)

البتہ سال مکمل ہونے پر زکاۃ میں دیے گئے روپیوں کا حساب کرلے، تاکہ معلوم ہو کہ موجودہ املاک کی جو زکاۃ نکل رہی ہے وہ اگر ادا کردہ زکاۃ کی رقم سے کم ہے تو اسے پورا کرلے اور اگر زیادہ ادا کردیا ہے تو آئندہ سال کی زکاۃ میں محسوب کرسکتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو عجل زكاة ألفين وله ألف فقال ان اصبت ألفا أخرى قبل الحول فهي عنهما وإلا فهي عن هذه الألف في السنة الثانية اجزاه۔ رجل له اربع مائة درهم فظن ان عنده خمس مائة فادى زكاة خمس مائة ثم علم فله ان يحسب الزيادة للسنة الثانية كذا في محيط السرخسي۔ (باب الزکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۷۶)

فتاویٰ رضویہ میں ہے ''ہاں پیشگی دینے میں اختیار ہے کہ بتدریج دیتا رہے، سال تمام پر حساب کرلے۔ اس وقت جو واجب نکلے، اگر پورا دے چکا بہتر اور کم رہ گیا تو باقی فوراً اب دے اور زیادہ پہنچ گیا تو اسے آئندہ سال میں مجرا کرلے۔ (کتاب الزکوٰۃ، ج ۴، ص ۴۴۹) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد انوار الحق قادری

۷ ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ

ہندہ کے پاس دو کلو چاندی اور دو تولہ سونا ہے چالیس سال سے زکاۃ نہیں دی ہے تو کتنی زکاۃ واجب ہوگی؟ اگر سونا چاندی میں میل ہو تو زکاۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ہندہ کے پاس دو کلو چاندی اور دو تولہ سونا ہے (سونے چاندی کے زیورات) جن کی زکاۃ تقریباً چالیس سالوں سے ادا نہ ہو سکی۔ لہٰذا تحریر فرمائیں کہ (۱) ان سالوں کی زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں اور ہوگی تو کتنی؟ (۲) اگر زیورات میں کسی دوسری دھات کی آمیزش ہو جسے سنار میل کہہ کر خریدتے وقت اتنے پیسے کم دیتا ہے تو زکاۃ ادا کرتے وقت اس میل (آمیزش) کی بھی زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ **المستفتی:** محمد افضل، بجنور۔ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) ہندہ پر ان سالوں کی زکاۃ واجب ہوگی جب تک نصاب پورا رہے اور ہر سال گزشتہ کی زکاۃ سال آئندہ دین ہو کر اس قدر مال کم ہوتا جائے گا یہاں تک کہ اگر دیون زکاۃ جمع ہوتے ہوتے باقی مال نصاب سے کم رہ جائے تو اب کچھ تازہ واجب نہ ہوگا۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۴۱۴ میں ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"رجل له الف درهم لا مال له غيرها استاجر بها دارا عشر سنين لكل سنة مائة فدفع الالف و لم يسكنها حتى مضت السنون والدار في يد الأجريز كي الأجر في السنة الاولى عن تسع مائة و في الثانية عن ثمانمائة الا زكاة السنة الاولى ثم يسقط لكل سنة زكاة مائة اخرى و ما وجب عليه بالسنين الماضية۔" (ج ۱ ص ۱۸۱)

البتہ اگر چاندی کی زکاۃ چاندی سے اور سونے کی سونے سے ادا کی جائے تو وزن کا چالیسواں حصہ زکاۃ واجب ہے اور اگر روپے سے اس کی زکاۃ ادا کرنا چاہیں تو ڈھائی فیصد نکالیں یعنی سو روپے میں ڈھائی روپے واجب ہے اور یہی صورت اس وقت بھی ہے جب کہ چاندی کو سونا یا سونے کو چاندی میں ملا دیا جائے کہ قیمت کا اعتبار کیا جائے گا وزن کا نہیں کیونکہ خلاف جنس کا یہی حکم ہے۔ تنویر الابصار میں ہے "والمعتبر وزنهما اداء و وجوبا" (ج ۳ ص ۲۲۷) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زیورات کے سونے چاندی میں کچھ کھوٹ کی آمیزش ضرور ہوتی ہے مگر وہ مغلوب ہوتا ہے اور اعتبار غالب کا ہے لہٰذا غالب سونا یا چاندی ہے تو وہ زیور سونا یا چاندی ہے اور زکاۃ اس سونے یا چاندی کی واجب ہوتی ہے ہاں کھوٹ کی وجہ سے سونے چاندی کے زیور کا ریٹ بہ نسبت خالص سونا چاندی کے کم ہوتا

ہے۔ ہدایہ اخیرین میں ہے

"وان کان الغالب علیھما الغش فلیسا فی حکم الدراھم والدنانیر اعتبارا للغالب" (ج ۲ ص ۹۳) فتاوی ہندیہ میں ہے "و اذا کان الغالب علی الدراھم الفضة فھی فضة و ان کان الغالب علی الدنانیر الذھب فھی ذھب و ان کان الغالب علیھما الغش فلیسا فی حکم الدراھم والدنانیر" (ج ۳ ص ۲۱۹) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد اکبر علی مصباحی
۵ر ذی القعدہ ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

زید کے پاس ٹینٹ کے سامان ہیں اور کچھ نہیں تو کیا زکاۃ سامان و آمدنی دونوں پر ہے یا صرف آمدنی پر؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کے پاس ٹینٹ کے سامان ہیں جو کرائے پر دیے جاتے ہیں اور اس کے سوا کوئی اور دوسری چیز یعنی سونا چاندی اور روپیہ پیسہ اتنی مقدار میں نہیں ہے جو نصاب تک پہنچے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کی قیمت اور ان سے جو آمدنی ہوان دونوں پر زکاۃ واجب ہے یا صرف آمدنی پر واجب ہے اور کیا زید صرف ٹینٹ کے سامان کی وجہ سے صاحب نصاب مانا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: مولانا غلام زین العابدین صاحب، مقام بیدی پور ضلع بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زکاۃ صرف تین چیزوں پر واجب ہوتی ہے (۱) ثمن پر خواہ وہ خلقی ہو یعنی سونا چاندی یا اصطلاحی ہو یعنی روپیہ پیسہ (۲) مال تجارت (۳) چرائی کے جانور ان کے علاوہ باقی کسی چیز پر زکاۃ نہیں۔ ایسا ہی فتاوی رضویہ ص: ۲۸، ج: ۴ اور بہار شریعت ص: ۱۵، ح: ۵ میں ہے۔

ٹینٹ کے سامان مذکورہ چیزوں میں سے نہیں۔ نیز یہ آلات کسب سے ہیں اور آلات کسب پر زکاۃ نہیں جیسا کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "کرایہ پر اٹھانے کے لئے دیگیں ہوں ان کی زکاۃ نہیں یوں ہی کرایہ کے مکان کی۔" اھ (بہار شریعت ص: ۳۵، ح: ۵)

درمختار میں ہے: و کذلک آلات المحترفین الا ما یبقی اثر عینه کالعصفر لدبغ الجلد ففیه الزکاۃ بخلاف ما لا یبقی کصابون یساوی نصبا و ان حال الحول" اھ

(ص: ۱۸۳، ج: ۳، کتاب الزکاۃ)

لہٰذا زید مذکورہ ٹینٹ کے سامان کی وجہ سے صاحب نصاب نہیں ہوگا البتہ اگر اس کی آمدنی بقدر نصاب پہنچ جائے اور سال بھی پورا ہو جائے تو زکاۃ واجب ہوگی۔" اھ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی　　کتبہ: شہزاد احمد فیضی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی　　۱۸ شوال المکرم ۱۴۳۰ھ

کن مالوں میں زکاۃ ہے؟ سات تولہ سونا اور باون تولہ چاندی ہے تو زکاۃ ہے یا نہیں؟ روپیوں میں زکاۃ کی کیا صورت کتنے روپے ہوں تو زکاۃ واجب ہے؟

مسئلہ (۱) کن کن مالوں میں زکاۃ دینا واجب ہے؟

(۲) ہندہ کے پاس صرف سات تولہ سونا یا صرف باون تولہ چاندی ہے تو اس پر زکاۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟

(۳) روپے میں زکاۃ نکالنے کی کیا صورت ہے اور اس کی مقدار کیا ہے۔ نیز کتنے روپے موجود ہوں تو زکاۃ واجب ہو جاتی ہے؟　**المستفتی**: برکت علی خان، مقام موہن پور دھسوا کلاں مہراج گنج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱): زکاۃ صرف تین قسم کے مال پر واجب ہے (۱) سونا چاندی، (۲) مال تجارت (۳) سائمہ یعنی چرائی پر چھوٹے جانور۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں: زکاۃ صرف تین چیزوں پر ہے سونا چاندی کیسے ہی ہوں پہننے کی ہوں یا برتنے کے یا رکھنے کے سکے ہوں یا پتر ہوں یا ورق۔ دوسرے چرائی پر چھوٹے جانور تیسرے تجارت کا مال باقی کسی چیز پر نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ ص: ۴۲۸، ج: ۴) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر واقعی ہندہ کے پاس صرف سات تولے سونا ہے اس کے علاوہ اس کی ملک میں اور کچھ مثلاً روپے نہیں یا صرف باون تولے چاندی ہے اس کے علاوہ اور کچھ مثلاً روپے نہیں ہیں تو اس پر زکاۃ فرض نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: "نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم۔" اھ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے: "فما دون ذلك لا زكاة فيه" اھ (باب زکاۃ المال، ص: ۲۹۵، ج: ۲) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) چاندی کی نصاب ساڑھے باون تولے ہے اور سونے کی نصاب ساڑھے سات تولے ہے اور موجودہ رائج اعشاریہ وزن کے متعلق محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی نظام الدین رضوی مدظلہ العالی کی تحقیق یہ ہے کہ ایک تولہ کا وزن ۱۲ گرام ۱۴۴ ملی گرام ۶ پوائنٹ ہے۔ اس کے مطابق ساڑھے سات تولے

سونا کا وزن ۹۳ گرام ۳۱۲ ملی گرام اور ساڑھے باون تولے چاندی کا وزن ۶۵۳ گرام ۱۸۴ ملی گرام ہے۔
(ماہنامہ اشرفیہ شمارہ مئی ۲۰۰۴ء)

توجس کے پاس اپنی حاجت اصلیہ سے فارغ اتنے روپے موجود ہوں جو نصاب کی قیمت کو پہنچتے ہوں یا بقدر نصاب نقدی روپے کا وہ مالک نہ ہو مگر اس کے پاس سونا چاندی یا اسباب تجارت وغیرہ جو تنہا یا ایک دوسرے سے مل کر نصاب کی قیمت کو پہنچتے ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو سو روپے میں ڈھائی روپے زکاۃ فرض ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں ''زکوۃ ہر نصاب وخمس نصاب پر چالیسواں حصہ ہے اور مذہب صاحبین پر نہایت آسان حساب اور فقراء کے لئے نافع یہ ہے کہ فیصدی ڈھائی روپے ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ ص:۴۱۸، ج:۴) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد صابر عالم قادری
۲۷ر شوال ۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

جس مدرسہ میں درجہ پنجم یا اولیٰ ثانیہ تک تعلیم ہو یا تعلیم اوپر تک ہو مگر قیام وطعام کا انتظام نہ ہو اس میں زکاۃ لگانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

(۱) جن مدارس اسلامیہ میں درس نظامی کی پڑھائی نہیں ہوتی صرف مکتب کی درجہ پنجم تک پڑھائی ہوتی ہے مگر ضروری عقائد اہلسنت سے بچوں کو روشناس کرایا جاتا ہے۔

(۲) یا پڑھائی تو ہوتی ہے مگر اعدادیہ، اولیٰ، ثانیہ جماعت تک مگر بچے مدرسے میں نہیں کھاتے بلکہ جاگیر کھاتے ہیں۔

(۳) یا اس کے اوپر تک پڑھائی ہوتی ہے مگر مدرسہ میں بچوں کے قیام وطعام کا انتظام نہیں رہتا ایسے مدرسوں کا زکاۃ لینا کیسا ہے؟ اور ان مدارس میں دی گئی زکاۃ ادا ہوئی کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: مولانا امتیاز احمد مقام سرسیا پوسٹ برگدوا سدھارتھ نگر یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب دینی مکاتب کے مصارف قلیل ہوتے ہیں وہ لوگوں کے چندے عطیات اور چرم قربانی کی رقم سے چل سکتے ہیں اس لیے ان میں زکاۃ اور صدقہ فطر کی رقم نہ استعمال کریں، ہاں جس جگہ لوگ اتنے غریب ہوں کہ نہ چلا سکیں یا بخیل ہوں کہ جدوجہد کے باوجود بقدر کفایت نہ دیں تو وہاں ضرورت کی مقدار زکاۃ

وصدقۂ فطر کی رقم سے حیلۂ شرعیہ کر کے خرچ کر سکتے ہیں۔

• مدارس کے مصارف زیادہ ہوتے ہیں عموماً ان کا بجٹ لاکھوں میں ہوتا ہے انہیں ہر جگہ کے مسلمان اپنے چندے سے نہیں چلا سکتے اس لیے مدارس میں زکاۃ وصدقۂ فطر کی رقم حیلۂ شرعیہ کر کے استعمال کی جا سکتی ہے اور ان مدارس میں زکاۃ دہندگان کی زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

حضور شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ ''زکاۃ وفطرہ کی رقم حیلۂ شرعیہ کر کے دینی مدرسہ میں صرف کی جائے حیلۂ شرعیہ کے بعد یہ رقوم مدرسہ کی ہر مد میں صرف کی جا سکتی ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس میں یتیم ونادار بچے رہتے ہوں یا نہ رہتے ہوں۔'' اھ (ماہنامہ اشرفیہ شمارہ مئی ۱۹۹۸ء، ص۶) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: فیاض احمد برکاتی مصباحی
۹ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

مکان کے لئے جو روپے اکٹھے کئے ان پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

برطانیہ میں کچھ لوگ کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں۔ مکان چونکہ بہت ہی گراں ملتا ہے اس لیے اپنا ذاتی مکان جو حاجت اصلیہ میں داخل ہے خریدنے کے لیے بینکوں میں روپے جمع کرتے رہتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں مکان خریدنے کے لیے جو روپے اکٹھا کیے گئے بعد حولانِ حول ان پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ مفتی اکمل صاحب نے Q.T.V. پر بتایا ہے کہ زکاۃ واجب نہ ہوگی۔

المستفتی: حافظ حسام الدین، لندن، برطانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مذکورہ میں حاجت اصلیہ میں خرچ کرنے یعنی رہنے کے لیے مکان خریدنے کے لیے بینک میں جمع شدہ رقم اگر بقدر نصاب ہے اور سال پورا ہونے کے وقت وہ رقم مکان خریدنے میں خرچ بھی نہ کی گئی بلکہ بینک ہی میں رکھی رہی اگرچہ نیت یہی ہے کہ آئندہ اس سے مکان خریدا جائے گا تو بھی سال گزرنے پر اس رقم پر زکاۃ واجب ہوگی البتہ سال تمام کے وقت فوراً مکان خریدنا ضروری ہو اور مکان خرید لے تو اس صورت میں اس پر زکاۃ واجب نہ ہوگی۔ فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''حاجت اصلیہ میں خرچ کرنے کے روپے رکھے ہیں تو سال میں جو کچھ خرچ کیا کیا اور جو باقی رہے اگر بقدر نصاب ہیں تو ان کی زکاۃ

واجب ہے اگرچہ اسی نیت سے رکھے ہیں کہ آئندہ حاجت اصلیہ میں ہی صرف ہوں گے اور اگر سال تمام کے وقت حاجت اصلیہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔" (بہار شریعت، ج۵، ص۱۶)

ردالمحتار میں ہے:

اذا أمسکه لینفق منه کل ما یحتاجه فحال الحول وقد بقی معه منه نصاب فانه یزکی ذلك الباقی وان کان قصده الانفاق منه ایضاً فی المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلی حوائجه الاصلیة وقت حولان الحول بخلاف ما اذا حال الحول وهو مستحق الصرف الیها۔"

(ج۲، ص۲۶۲، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی

۲۸ر ربیع النور ۱۴۲۹ھ

جس مدرسہ میں زکاۃ دیتا ہے اس میں اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

میں صاحب نصاب ہوں اور ہر سال ایک مدرسہ میں صرف زکاۃ کی رقم دیتا ہوں۔ مدرسہ والے زکاۃ کی رقوم کا حیلہ کرتے ہیں کیا میں اسی مدرسہ میں اپنی اولاد کو تعلیم دلوا سکتا ہوں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: نبی بخش امجدی، ۵۵، خرادی محلہ، پالی مارواڑ، راجستھان

الجواب جب مدرسہ والے زکاۃ کی رقم حیلۂ شرعیہ کے بعد مصارف مدرسہ میں صرف کرتے ہیں تو اس مدرسہ میں زکاۃ دینے والے کا اپنی اولاد کو تعلیم دلانا جائز ہے کہ بعد حیلۂ شرعیہ وہ مال مال زکاۃ نہ رہا بلکہ صدقۂ نافلہ ہوگیا جس کے لئے تملیک فقیر شرط نہیں بلکہ کسی بھی نیک کام میں اسے صرف کرنا جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

"وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما، کذا فی تعمیر المسجد۔ اھ" (ج۲، ص۲۷۱، کتاب الزکاۃ)

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "زکاۃ کا روپیہ حیلۂ شرعیہ سے نیک کام میں صرف کرنا جائز ہے۔ اس حیلہ کے ساتھ مدرسہ کی امداد کرنا اور اس مدرسہ میں اپنی اولاد کو تعلیم دلانا بھی جائز ہے۔" اھ ملخصاً۔

(فتاویٰ امجدیہ ص۳۸۸، ج۱، کتاب الزکاۃ)

یہ اپنے لڑکے پر زکاۃ کی رقم صرف کرنے کا حیلہ نہیں ہے مدرسہ میں دوسرے لوگوں کی عطیات و چندے کی رقوم بھی آتی ہیں اور طلبہ پر صرف ہوتی ہیں اس لئے یہ متعین نہیں ہے کہ سائل کی دی ہوئی رقم اس کے لڑکے پر صرف ہوئی۔ البتہ یہ خیال ضرور رہے کہ جب سائل مستطیع ہے تو مدرسہ کو معاوضۂ خوراک دیا کرے

مفت میں مدرسہ کا کھانا نہ کھلائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

قرض دے کر نفع حاصل کرنا سود ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

چند افراد پر مشتمل ایک سوسائٹی ہے سب اس میں برابر برابر روپے جمع کرتے ہیں پھر جس کو روپے کی ضرورت ہوتی ہے تجارت وغیرہ کے لئے سوسائٹی اسے قرض دیتی ہے اور اپلیکیشن کے بیس روپے لیتی ہے۔ سوسائٹی کا یہ فیصلہ ہے کہ قرض خواہ نفع کی صورت میں سوسائٹی کو قرض کے سوا کچھ زائد رقم بھی دے گا اور نقصان کی صورت میں نقصان کو ختم کر کے باقی رقم واپس کرے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کمیٹی کا یہ طریقۂ کار کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اکرام قادری، چمپا باغ ملتانی لائن، اندور (ایم پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب قرض دے کر کسی بھی صورت میں قرض کی وجہ سے مشروط نفع لینا، دینا سود ہے اور حرام و گناہ۔ حدیث شریف میں ہے "کل قرض جر نفعا فھو ربوا" اور قرض دینے کے لئے فارم خریدنے کی شرط بھی ایک طرح کا نفع ہے۔ لہٰذا یہ بھی سود اور حرام وگناہ ہے دلیل وہی حدیث نبوی ہے۔

چاہیں تو عقد شرکت کرلیں جس میں نفع ونقصان دونوں میں تمام شرکا شریک ہوتے ہیں۔ نفع ونقصان کا فیصد سرمایۂ شرکت کی کمی بیشی کے لحاظ سے کم وبیش ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۹؍ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ

کسی کے پاس روپیہ سونا چاندی سب بقدر نصاب ہوں وہ زکاۃ تینوں کی ادا کرے یا کسی ایک کی؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید کے پاس سونا بھی ہے چاندی بھی اور رقم بھی ہے، جو نصاب تک پہنچ رہی ہے اور فقہائے اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی رقم ہو کہ دونوں میں سے کسی کی قیمت پر

پہنچ جائے، اس پر زکاۃ فرض ہے اور مالک نصاب ہوگیا ہے، جبکہ زید کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا بھی ہے اور ساڑھے باون تولہ چاندی بھی ہے اور روپیہ پیسہ بھی ہے۔ اب زید ان تینوں کی زکاۃ ادا کرے یا تینوں میں کسی کی زکاۃ ادا کرے؟ المستفتی: محمد حسین، مقام بیدی پور، ضلع بستی، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جب زید کے پاس سونا بھی بقدر نصاب ہے اور چاندی بھی بقدر نصاب ہے اور روپیہ بھی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ سونے کو چاندی یا چاندی کو سونا قرار دے کر زکاۃ ادا کرے، بلکہ ہر ایک کی زکاۃ جدا جدا واجب ہے۔ ہاں زکاۃ دینے والا اگر صرف ایک چیز سے زکاۃ ادا کرے تو اسے اختیار ہے، مگر اس صورت میں واجب یہ ہوگا کہ قیمت وہ لگائے جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہے۔

رد المحتار میں ہے:

وفی البدائع ایضاً ان ما ذکر من وجوب الضم اذا لم یکن کل واحد منهما نصاباً بان کان اقل فلو کان کل منهما نصاباً تاماً بدون زیادۃ لا یجب الضم بل ینبغی ان یودی من کل واحد زکاته فلو ضم حتی یودی کله من الذهب او الفضة فلا باس به عندنا ولکن یجب ان یکون التقویم بما هو انفع للفقراء رواجاً اھ۔ (ج۳،ص۲۳۴)

ایسا ہی بہار شریعت ح۵،ص۳۲ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد شاہد رضا ہشامی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۰؍ ربیع الآخر، ۱۴۳۱ھ

عشر کی ادائیگی کے بعد غلہ رکھ لیا تو دوسرے سال پھر اس کا عشر نکالنا ہوگا؟ اور اگر بیچ کر روپیہ کر لیا تو حولانِ حول پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ میرے کھیت میں غلہ پیدا ہوا میں اس غلہ سے عشر نکال دیا بعدہ غلہ کو باقی رکھا یہاں تک کہ دوسرا سال آیا اور گزر گیا تو کیا دوسرے سال پھر اس غلہ سے عشر یا زکاۃ نکالنا ہوگا حکم فرمائیں؟

اور اگر اس غلہ کو بیچ کر روپیہ بنا لیا اور اس پر بھی سال گزر گیا تو کیا پھر اس روپیہ سے بھی زکاۃ نکالنا ہوگا جو حکم ہو واضح فرمائیں ماجور ہوں گے؟ المستفتی: ڈاکٹر بشیر احمد دھنوجی، فاضل نگر، کشی نگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جس غلہ کا عشر ادا کر کے حفاظت سے رکھ دیا یہاں تک کہ اس پر سال گزر گیا بلکہ کئی سال

گزر گئے تو بھی اس پر نہ عشر واجب ہے نہ زکوٰۃ۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "ولودخل من ارضه حنطة تبلغ قیمتها قیمة نصاب ونوی ان یمسکها اویبیعها فامسکها حولا لاتجب فیه الزکاۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔" اھ (ج:۱،ص:۱۸۰)

اگر چہ زمین سے اتنی مقدار میں پیداوار ہوئی کہ اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جاتی ہو اور اس نے اسے اپنے پاس استعمال یا بیچنے کی نیت سے روک دیا یہاں تک کہ اس پر سال گزر گیا پھر بھی اس میں زکاۃ واجب نہیں لیکن اگر غلہ کا عشر ادا کرنے کے بعد اسے بیچ کر روپے بنالیا اور اس پر حولان حول ہو گیا اور وہ روپے نصاب کو پہنچتے ہوں تو اس پر زکاۃ واجب ہوگی اور اس روپے میں دوسرا روپیہ ملانے کی حاجت نہیں تنہا اسی روپے پر حولان حول کی صورت میں زکاۃ واجب ہوگی اور اگر نصاب کو نہ پہنچتے ہوں اور اس کے پاس پہلے سے کچھ روپے ہوں دونوں ملا کر نصاب کو پہنچ جاتے ہوں تو اس صورت میں بھی زکاۃ واجب ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "واما ثمن الطعام المعشور و ثمن العبد الذی ادی صدقة فطره فانه یضم اجماعا۔" اھ (ج:۱،ص:۱۷۵) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد اکبر علی امجدی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۵ / رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

کیا ٹیکس کی طرح زکاۃ میں بھی کوئی چھوٹ ہے؟ کسی کے پاس آٹھ تولہ سونا یا ساٹھ تولہ چاندی ہو تو زکاۃ صرف نصف تولہ سونا اور ساڑھے سات تولہ چاندی کی ہوگی یا پورے کی؟ صرف روپئے ہوں تو نصاب چاندی سے شمار ہوگا یا سونے سے؟

مسئلہ اگر کسی آدمی کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار روپے ہیں تو گورنمنٹ اس کو ایک لاکھ چھوٹ دیتی ہے اور اس سے صرف بیس ہزار کا انکم ٹیکس لیتی ہے تو اگر کسی آدمی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونا جس کی قیمت ایک لاکھ پینتیس ہزار روپے ہوتی ہے تو کیا اسلامی قانون کے اعتبار سے اس آدمی کو بھی چھوٹ ہے یا نہیں، اگر ۸ تولہ سونا ہے یا ۶۰ تولہ چاندی ہے تو کیا ۸ تولہ سونا اور ۶ تولہ چاندی کی زکاۃ واجب ہوگی یا آدھا تولہ سونا اور ساڑھے سات تولہ چاندی کی زکاۃ واجب ہوگی۔

(۲) کسی آدمی کے پاس سونا چاندی نہیں ہے، صرف ایک لاکھ روپے ہیں تو اس کا نصاب چاندی کے نصاب سے شمار ہوگا یا سونے کے نصاب سے؟ بینوا توجروا

المستفتی: حاجی محمد صدیق نوری، چوڑی والے، ۲۰ جواہر مارگ اندور (ایم پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) شریعت اسلامیہ نے ہمیں تین طریقوں سے چھوٹ دی ہے۔ ایک یہ کہ آدمی کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی سے اگر ایک رتی بھی کم ہو تو اس پر وجوب زکاۃ کا حکم ہی نہیں دیتی ہے۔ دوسری یہ کہ اگر کسی کے پاس نصاب سے زائد سونا، چاندی ہے مگر وہ خمس نصاب سے کم ہے تو صرف نصاب پر زکاۃ واجب ہے اور مابقی پر نہیں ہے۔

لہٰذا اگر کسی آدمی کے پاس ۸ تولہ سونا یا ۶۰ تولہ چاندی ہے تو اس پر صرف ساڑھے سات تولے سونا اور ساڑھے باون تولے چاندی کی زکاۃ واجب ہوگی مابقی کی نہیں۔

تیسرے یہ کہ نصاب مذکور پر زکاۃ اس وقت فرض ہے جب وہ حوائج اصلیہ سے فارغ ہو اور اس پر کوئی قرض و دین نہ ہو۔ اگر اس کے ذمے قرض و دین ہو جس کی ادائیگی کے بعد نصاب باقی نہ رہے تو اس پر بھی زکاۃ فرض نہیں ہے اس کے برخلاف انکم ٹیکس والے مسئلہ میں اس کا لحاظ نہیں ہوتا ہے۔

درمختار ''کتاب الزکوٰۃ'' میں ہے: "وشرط افتراضها ملك نصاب تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد وفارغ عن حاجته الاصلية لان المشغول بها كالمعدوم." اھ (ج: ۳، ص: ۱۷۳)

ردالمحتار "کتاب الزکوٰۃ" میں ہے: "ما زاد على النصاب عفو الى ان يبلغ خمس نصاب. اھ (ج ۲، ص ۲۹۹)

ھدایہ باب زکاۃ المال میں ہے: ليس فيما دون مائتي درهم صدقة وليس فيما دون عشرين مثقالا من ذهب صدقة اھ (ج ۱ ص ۱۷۴) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جس کے پاس سونا چاندی نہیں ہے صرف ایک لاکھ روپے ہیں اسے حکم یہ ہے کہ وہ صورت کرے جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو۔ اور چاندی کے نصاب سے شمار کرنے میں فقیروں کا زیادہ نفع ہے اس لئے چاندی کے اعتبار سے ڈھائی فیصد کے حساب سے زکاۃ نکال دے۔ درمختار باب زکاۃ المال میں ہے: ولو بلغ باحدهما نصابا وخمسا وبالآخر اقل قومه بالانفع للفقير، سراج. اھ (ج ۲، ص ۲۹۹) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** زبیر احمد مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۷ ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ

سونے چاندی کے نصاب میں اتنا تفاوت کیوں ہے؟

مسئلہ زکاۃ کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے موجودہ دور میں دونوں کی قیمت میں کافی فرق ہے۔ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت ۱۲ ہزار روپے ہوتے ہیں اور ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت تقریباً ۸۵ ہزار روپے ہوتے ہیں۔ اب کسی شخص کے پاس صرف سات تولہ سونا ہے تو اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی ہے اور اگر کسی آدمی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی ہے جس کی قیمت تقریباً ۱۲ ہزار روپے ہیں تو اس پر زکاۃ واجب ہو جاتی ہے تو اس طرح کا فرق کیوں رکھا گیا ہے اس کی حکمت کیا ہے؟ **بینوا و توجروا**

المستفتی: حاجی محمد صدیق نوری، چوری والے، ۲۰ جواہر مارگ اندور، ایم پی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب سونے اور چاندی کی زکاۃ میں سونے اور چاندی کا اعتبار ہے اس کی قیمت کا نہیں مثلاً سونا اور چاندی اس قدر گراں ہو جائیں کہ لاکھ روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا نہ مل پائے تو زکاۃ واجب نہیں اور اگر اس قدر سستے ہو جائیں کہ ایک روپے کے نوٹ سے مقدار مذکور مل جائے تو زکاۃ واجب ہے۔

اور دور نبوی میں ساڑھے باون تولے چاندی اور ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت یکساں تھی البتہ فی زمانہ کافی تفاوت ہو گیا ہے مگر حکم وہی باقی ہے جس طرح صدقہ فطر میں ایک صاع کھجور اور آدھا صاع گیہوں کی قیمت ایک تھی اور اس وقت کافی فرق ہے۔ مگر وہی حکم اب بھی برقرار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ مقدار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقرر کردہ ہے اس میں بندہ کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں تو جتنی مقدار چاندی اور سونے پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکاۃ کا حکم دیا ہے اتنی مقدار چاندی یا سونا پائے جانے پر بہر حال زکاۃ فرض ہو گی خواہ اس کی قیمت کچھ بھی ہو۔

بدائع الصنائع "کتاب الزکوٰۃ" میں ہے:

"لما روی فی حدیث عمرو بن حزم: والذهب مالم یبلغ قیمته مائتی درهم فلاصدقة فیه. فاذا بلغ قیمته مائتی درهم ففیه ربع العشر وکان الدینار علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم مقوما بعشر دراهم." اھ (ج:۲،ص:۱۰۵)

ارشاد الساری شرح صحیح البخاری "کتاب الزکوٰۃ" میں ہے:

"فلما کثر من الصحابة راوٴا ان النصف صاع من شعیر وهم الائمة فغیر جائز ان یعدل عن قولهم الا الی قول مثلهم." اھ (ج:۹،ص:۱۱۷)

نیز فتح الباری میں حدیث ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

"فلما جاء معاویة وجائت السمراء قال اری مدا من هذا یعدل مدین" کے تحت ہے۔

فقال له رجل مدین من قمح فقال لا، تلك قيمة معاوية لا اقبلها ولا اعمل بها۔ "اھ

(ج:۳،ص:۲۷۷)

اور اگر خلاف جنس سے دینا چاہتا ہے تو اس میں قیمت کا لحاظ ہوگا مثلاً سونا کے بدلے چاندی دینا چاہتا ہے۔ یوں ہی سونے، چاندی کے بدلے روپیہ دینا چاہتا ہے تو نرخ بازار سے جو قیمت ہوگی اس کا لحاظ ہوگا۔

تنویر الابصار "کتاب الزکوٰۃ" میں ہے:

"والمعتبر وزنهما اداء ووجوبا ولا قيمتهما۔"

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

"یعنی یعتبر فی الوجوب ان یبلغ وزنهما نصاباً، حتی لو کان له ابریق ذهب او فضة وزنه عشرة مثاقیل او مائة درهم وقیمته لصیاغته عشرون او مائتان لم یجب فیه شیء اجماعا قهستانی (قوله لا قیمتهما) وهذا ان لم یود من خلاف الجنس والا اعتبرت القیمة اجماعا۔ "اھ (ج:۲،ص:۲۹۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: زبیر احمد مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۷؍ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ

مدرسہ کا منیجر غیر مسلم ہو تو اس میں زکاۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ایک غیر مسلم مدرسہ کا منیجر ہے اس نے خود مدرسہ قائم کیا ابتدائے فارسی سے لے کر دورۂ حدیث تک تعلیم دلوا رہا ہے، بڑے بڑے علمائے کرام اس میں پڑھا رہے ہیں ایسے مدرسے میں یا منیجر غیر مسلم کو زکاۃ فطرہ کی رقم دینا اس پر پورا قبضہ دینا درست ہے یا نہیں ایسے مدرسہ میں پڑھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: شبیر احمد مدرسہ حنفیہ محلہ عالم خان نواب یوسف روڈ جون پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زکوٰۃ وصدقات کے اصل مستحقین فقراء ومساکین ہیں: قال اللہ تعالیٰ "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ" لیکن بضرورت فقہائے کرام نے بعد حیلہ شرعیہ زکاۃ وفطرہ کی رقم دینی ادارے میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا اگر وہ مدرسہ خالص دینی ادارہ ہے جو علم دین پڑھنے پڑھانے کے لیے قائم کیا گیا ہے کوئی تجارت مقصود نہیں تو اس میں زکوٰۃ فطرہ کی رقم دے سکتے ہیں بشرطیکہ اس

غیر مسلم نے کسی سنی صحیح العقیدہ عالم دین کو زکاۃ لینے کے لیے وکیل بنا رکھا ہو جو زکاۃ وصدقات کی رقمیں وصول کر کے بعد حیلہ شرعیہ مصارف مدرسہ میں صرف کرتے ہوں اور اگر تجارت مقصود ہو تو ہرگز اس مدرسہ میں زکاۃ وفطرہ کی رقم دینا جائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلم نے (۱) خالص علم دین کے فروغ کے لیے مدرسہ قائم کیا ہو جیسا کہ کچھ غیر مسلم اپنی کوئی مراد پوری ہونے پر مسلمانوں کے کسی دینی کام مثلاً تعمیر مسجد وغیرہ کی منت مانتے ہیں۔ (۲) اس نے مدرسہ کو تجارت کا ذریعہ نہ بنایا ہو کہ خرچ کے بعد جو کچھ بچے وہ اپنے استعمال میں لائے (۳) حساب صحیح رکھتا ہو۔ (۴) کسی عالم دین کے ذریعہ زکاۃ وصدقات کا حیلہ شرعیہ کرانے کے بعد ہی صرف کرتا ہو تحقیق کر لی جائے یہ چاروں شرطیں پائی جاتی ہوں ساتھ ہی ساتھ اساتذہ اور طلبہ سنی ہوں تو اس مدرسہ میں زکاۃ وصدقات دے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد احمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۹؍ربیع النور ۱۴۲۹ھ

ایام غیر حاضری کی تنخواہ لینا، چندہ کی رقم سے ازخود لے لینا بے حیلہ زکاۃ استعمال کرنا کیسا ہے؟ حیلہ کا طریقہ، کیا مدرسہ کے متعلم سے حیلہ کرانا ضروری ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ہمارے علاقے میں ایک دینی ادارہ ہے جس کے تمام تر اخراجات قوم مسلم کی تعاون سے پورے ہوتے ہیں اس میں اراکین ادارہ کی جانب سے زید کو بحیثیت مدرس تقرری نامہ ملا تو اس نے منظور کر لیا لیکن ایک شرط یہ رکھی کہ ہر مہینہ کم از کم ۸، ۱۰ روز کی حاضری ہوگی زیادہ سے زیادہ کوشش کروں گا۔ اراکین نے موصوف کی یہ شرط قبول کی اور اس کی تنخواہ کی تعیین بھی کر دی لیکن اراکین کی جانب سے بھی کچھ شرائط رکھے گئے۔ (۱) زید معلم ماہ رمضان میں ادارہ کے لیے چندہ کریں (۲) چندہ کی وصول کردہ رقم مدرسہ فنڈ میں جمع کریں۔ موصوف نے شرائط مذکورہ کو قبول کیا لیکن شرائط کی پابندی من کل الوجوہ نہ کی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ موصوف ادارہ کے لیے چندہ کرنے کے بعد وصول کردہ رقم مدرسہ فنڈ میں جمع نہ کر کے سال بھر اپنی جیب خاص میں رکھتے ہیں اور اسی سے ازخود اپنی تنخواہ الگ کر لینے کے بعد اگر رقم باقی بچتی ہے تو مدرسہ فنڈ میں جمع کر دیتے ہیں حیلۂ شرعی کرتے ہیں یا نہیں، نہیں معلوم۔ حد تو یہ ہے کہ ہر سال مسلسل ۳، ۴ ماہ تک مدرسہ سے غیر حاضر رہنے کے باوجود پورے سال کی تنخواہ ازخود وصول کردہ رقم سے لے

لیتے ہیں اور اگر مدرسہ میں حاضر ہوتے بھی ہیں تو تدریسی خدمات کو بالائے طاق رکھ کر دیگر مصروفیات مثلاً دعاء، تعویذ، جھاڑ، پھونک وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں۔

ان تمام صورتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دریافت طلب امور یہ ہیں کہ (۱) زید معلم کے لیے مدرسہ کے نام پر قوم مسلم سے وصول کردہ رقم اپنی جیب خاص میں رکھ لینا کیسا ہے؟ (۲) تدریسی خدمات انجام نہ دینا اور اسی رقم سے ازخود تنخواہ لے لینا از روئے شرع کیسا ہے؟ (۳) کیا ایسا شخص عندالشرع خائن ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی توبہ کے لیے رقم کی واپسی ضروری ہے یا نہیں؟ (۴) ایسے شخص کی اقتدا کیسی ہے؟ (۵) اس کی اقتدا میں پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ (۶) ادارہ ہذا کی وصول کردہ رقم کے حیلۂ شرعی کی کیا صورت ہے؟ کیا اسی مدرسہ کے طالب علم سے کرانی ہوگی یا کسی اور صورت سے بھی ہوسکتا ہے؟ (۷) ایسے شخص کی گندی حرکتوں سے قوم کو ہوش یار رہنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ مفصل و مدلل جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ **المستفتی:** ثناء اللہ رضوی کسلہ بستی رانی شاہی مدنا پور، مغربی بنگال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زید کا غیر حاضری کے باوجود پورے مہینے کی تنخواہ وصول کرنا حرام و گناہ ہے کہ جن دنوں میں اس نے کام ہی نہیں کیا ہے ان دنوں کی تنخواہ پانے کا حق دار بھی نہیں ہے اور چندہ کی رقم وصول کر کے اس میں تنخواہ کی مقدار ازخود لے لینا بھی حرام و گناہ ہے کہ یہ امانت میں خیانت ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (انفال ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ و رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت کرو۔"

اور اگر چندے کی رقم زکاۃ یا صدقۂ فطر کی ہو اور اس نے بغیر حیلۂ شرعی کے اپنے استعمال میں لے لیا ہے تو یہ تیسرا گناہ لازم آیا نہ زکاۃ ادا ہوگی نہ صدقۂ فطر اور اس کا وبال بھی اس کے سر رہا۔ لہٰذا زید پر لازم ہے کہ چندے کی رقم مدرسے میں جمع کر دے پھر بعد تملیک فقیر اسے جو حق المحنت ملے اپنے صرف میں لائے اور گزشتہ رقوم کا تاوان دے۔ مذکورہ فعل کے سبب وہ سخت گنہگار اور فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں ہے: "لو قدموا فاسقاً یأثمون بناء علی ان کراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بامور دينه وتساهله في الاتيان بلوازمه فلا يبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلاة." اھ (ج۱، ص ۵۱۴) درمختار میں ہے: "كل صلاة اديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها." اھ (ج۱، ص ۴۵۷)

اور حیلۂ شرعی کا طریقہ یہ ہے کہ چندے کی رقم کسی فقیر کو دے کر اسے مالک کر دیا جائے پھر وہ اپنی طرف سے مدرسے میں وہ رقم دے دے۔ درمختار میں ہے: "الحیلة ان یتصدق علی الفقیر و یامرہ بفعل هذہ الأشیاء۔" اھ (ج ۲، ص ۲۷۱)

اور حیلے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اسی مدرسے کے لڑکے سے کرایا جائے بلکہ کسی بھی فقیر مسلم سے حیلہ کرا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: غلام احمد رضا قادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۱۳ ربیع الغوث ۱۴۲۹ھ

زید و بکر شرکت میں کام کرتے ہوئے مقروض ہو گئے زید نے بکر کو تین ہزار زکاۃ کی نیت سے دیا بکر نے پانچ سو خود خرچ کیا اور ڈھائی ہزار سے زید کا قرض ادا کیا تو یہ زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

(۱) زید، بکر دوست یا بھائی ہیں آپس میں کاروبار کر رہے تھے بعدہ مقروض ہو گئے دونوں کمائی کر کے قسط وار قرض ادا کر رہے تھے زید نے بکر سے بطور مدد روپیہ مانگا تو بکر نے زید کو تین ہزار روپے زکاۃ کی نیت سے دیا زید نے پانچ سو روپے خود استعمال کر لیا پچیس سو روپے زید نے بکر کی جانب سے اس کے قسط وار قرض میں جمع کر دیا اس طرح زکاۃ ادا ہوئی کہ نہیں؟ **المستفتی:** قاری شبیر احمد مدرسہ حنفیہ محمد عالم خان، جون پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر زید مقروض ہونے کے ساتھ ساتھ فقیر بھی تھا تو اسے زکاۃ دینا جائز تھا، لہٰذا اس صورت میں بکر کی طرف سے زکاۃ ادا ہو گئی اگرچہ دینے والا زکاۃ کہہ کر نہ دے۔ فتاویٰ ہندیہ "کتاب الزکاۃ" میں ہے:

"و من أعطی مسکینا دراهم و سماها هبة أو قرضاً و نوی الزکاة فإنها تجزیه وهو الأصح هکذا فی البحر الرائق" اھ (ص ۱۷۱، ج ۱)

پھر زید نے اسی رقم سے بکر کی جانب سے اس کے قسط وار قرض میں پچیس سو روپے جمع کر دیے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں اس کی زکاۃ ادا ہو گئی اور زید کی جانب سے قرض کی ادائیگی کرنا ایک تبرع ہوا جو اس کے لئے باعث اجر و ثواب ہے وجہ یہ ہے کہ جب بکر نے زید کو جو مالک نصاب نہیں زکاۃ کی رقم دیا تو اب اصل مالک یعنی بکر کی ملکیت ختم ہو گئی اور روپے زید کی ملکیت میں چلے گئے اور شرعاً ملک کے بدلنے سے شئی کا عین

بھی حکماً بدل جایا کرتا ہے تو گو کہ زید نے بکر ہی کے دیئے ہوئے مال زکاۃ سے اس کے قرض کی ادائیگی کر دی پھر بھی اس کی زکاۃ ادا ہو گئی۔ ہدایہ کتاب المکاتب میں ہے:

"قال محمد فی الجامع الصغیر و ما ادی المکاتب من الصدقات إلی مولاہ ثم عجز فھو طیب للمولیٰ لتبدل الملک فان العبد یتملکہ صدقۃ و المولیٰ عوضاً عن العتق و إلیہ وقعت الاشارۃ النبویۃ فی حدیث بریرۃ "ھی لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ" اھ (ص ۳۳۹، ج ۳)

اور اگر بکر نے پہلے سے زید سے معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ پچیس سو روپے سے اس کا قرض ادا کر دے گا تو اس صورت پر زکاۃ کو اپنے ہی مصرف میں صرف کرنے کا حیلہ ہوا اس کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد رئیس برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۰ ربیع النور ۱۴۲۸ھ

زکاۃ دے کر رسید پر اپنے مرحومین کا نام لکھوانے سے زکاۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

بعض لوگ زکاۃ کی رقم دیتے ہیں تو مدرسہ کی رسید پر اپنے مرحومین کے نام لکھواتے ہیں، تو اس صورت میں زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی:** محمد اسماعیل، مدینہ فرنیچر، امر محل، چمبور، ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سوال سے ظاہر یہ ہے کہ زکاۃ کی رقم دینے والا اپنے مال سے اپنی طرف سے زکاۃ دیتا ہے اور رسید پر نام اپنے خاندان کے مرحومین کے لکھواتا ہے۔ اس میں اس کے مختلف دینی و دنیوی مصالح بھی ہوتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس طور پر بھی زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، بس شرط یہ ہے کہ زکاۃ دیتے وقت اپنی طرف سے زکاۃ کی ادائیگی کی نیت کرے، وجہ یہ ہے کہ زکاۃ کی ادا میں نیت شرط ہے، بغیر نیت کے زکاۃ ادا نہ ہو گی اور جب اعتبار نیت کا ہے تو چاہے زبان سے اور لکھا کر جو کچھ اظہار کرے زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ مثلاً کسی نے اپنی طرف سے زکاۃ ادا کرنے کی نیت کی اور زبان سے ہبہ، قرض، عیدی کہہ کر یا کسی اور کا نام لکھوا دیا تو صحیح مذہب پر زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ فتاویٰ رضویہ "کتاب الزکوٰۃ" میں ہے:

فی الاشباہ اما الزکوٰۃ فلا یصح اداءھا الا بالنیۃ۔ اھ (ج ۴، ص ۳۷۸)

ردالمحتار "کتاب الزکوٰۃ میں ہے:

لا اعتبار للتسمیۃ فلو سماھا ھبۃ او قرضا تجزیہ فی الاصح۔ اھ (ج ۳، ص ۱۸۷)

فتاویٰ رضویہ "کتاب الزکوٰۃ" میں "خلاصۃ الفتاویٰ وخزانۃ المفتیین" وغیرہ کے حوالہ سے ہے:

لو دفع الی صبیان اقاربھم دراھم فی ایام العید یعنی عیدی بنیۃ الزکوٰۃ جائز۔ اھ (ج۴،ص۴۷۸)

اور اگر زکاۃ مرحومین کی طرف سے ہی ادا کرتا ہے، اس لئے رسید پر ان کا نام لکھوایا ہے تو اس کے مرحومین کی طرف سے ادا ہوگی جبکہ ان مرحومین کی وصیت ہو اور ان کے تہائی مال سے ادا کی جائے اور اگر اپنی رقم سے ادا کرتا ہے تو قبول کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ دینے والے کے عذاب میں تخفیف کردے۔ بہارشریعت "کتاب الزکوٰۃ" میں ہے: "جس شخص پر زکاۃ واجب ہے، اگر وہ مرگیا تو ساقط ہوگئی، یعنی اس کے مال سے زکاۃ دینا ضروری نہیں۔ ہاں اگر وصیت کرگیا تو تہائی مال تک وصیت نافذ ہے اور اگر عاقل بالغ ورثا اجازت دے دیں تو کل مال سے زکاۃ ادا کی جائے۔" (ح۵،ص۲۶) ردالمحتار "کتاب الصلوٰۃ، باب قضاء الفوائت" میں ہے:

وأما إذا لم یوص فتطوع بھا الوارث فقد قال محمد فی الزیادات إنه یجزیه إن شاء اللہ تعالیٰ. (ج۲،ص۵۳۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد علی برکاتی

۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۳ھ

زید کے پاس کرایہ کا سامان ہے جس سے آمدنی ہوتی ہے مگر سال گزرنے سے پہلے اس آمدنی سے ویسا ہی دوسرا سامان لے لیتا ہے تو اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید کے پاس اتنی رقم ہے کہ زید نصاب تک پہنچ گیا ہے اور اسی سے سامان تجارت خریدا اور سامان تجارت کرائے پر لیتا دیتا بھی ہے اور سامان تجارت سے آمدنی بھی ہوتی ہے، مگر سامان تجارت کی آمدنی پر حولان حول سے قبل ہی اس آمدنی سے دوسرا سامان تجارت خرید لیتا ہے، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید عند الشرع مالک نصاب رہا کہ نہیں اور سامان تجارت پر زکاۃ واجب ہوئی کہ نہیں؟

المستفتی: محمد حسین مقام بیدی پور، ضلع بستی، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر حاجت اصلیہ کے علاوہ زید کے پاس اتنا روپیہ ہو جو ساڑھے باون تولے چاندی کے دام کو پہنچ جائے یا اتنا روپیہ نہ ہو مگر اس کے پاس سونا چاندی یا مال تجارت ہو جو تنہا یا دوسرے سے مل کر ساڑھے

باون تولے چاندی کے دام کے برابر یا اس سے زیادہ ہوجائے تو وہ مالک نصاب ہے۔ درمختار میں ہے:

نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم او فی عرض تجارة قیمته نصاب من ذهب او ورق اھ ملخصاً۔ (ج ۳، ص ۲۲۴ فی باب زکوۃ المال) ایسا ہی بہار شریعت ح ۵، ص ۳۰ پر بھی ہے۔

سامان تجارت سے سائل کی کیا مراد ہے، بیچنے خریدنے کے سامان جیسے غلہ، تھان کے کپڑے، چائے کی پتی وغیرہ یا کرایہ پر چلائے جانے والے سامان جیسے گاڑی، شامیانہ، کرسی، میز، جنریٹر وغیرہ۔ اگر اس کی مراد کرایہ پر چلائے جانے والے سامان ہیں اور نصاب پر سال پورا ہونے سے پہلے ہی اس نے یہ سامان خرید لئے اور اس کا نصاب باقی نہ رہا تو ایسے کسی سامان پر زکاۃ نہیں، بلکہ ان سے ہونے والی آمدنی پر زکاۃ ہے اور اگر سائل کی مراد سامان تجارت سے پہلا والا معنی ہے تو ملک نصاب کے وقت سے جس ماہ، تاریخ، وقت میں تجارت پر سال نصاب پورا ہوگا، اسی ماہ، تاریخ، وقت میں زکاۃ فرض ہوگی۔ زکاۃ صرف تین چیزوں میں واجب ہوتی ہے۔ (۱) ثمن پر خواہ وہ خلقی ہو یعنی سونا چاندی یا ثمن اصطلاحی ہو، یعنی روپے پیسے۔ (۲) مال تجارت۔ (۳) چرائی کے جانور۔ ان کے علاوہ باقی کسی چیز پر زکاۃ نہیں۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۴۲۸ اور بہار شریعت ح ۵، ص ۱۵ پر ہے۔ اور کرایہ پر چلائے جانے والے سامان مذکورہ چیزوں میں سے نہیں کہ یہ آلات کسب سے ہیں اور آلات کسب پر زکاۃ نہیں۔ درمختار میں ہے:

وكذلك آلات المحترفين الا مایبقی اثر عینه كالعصفر لدبغ الجلد فیه الزكوة بخلاف مالایبقی كصابون یساوی نصبا وان حال الحول اھ۔ (ج ۳ ص ۱۸۳، کتاب الزکوۃ)

ہاں جب اس کی آمدنی بقدر نصاب پہنچ جائے اور حولان حول بھی ہوجائے تو زکاۃ واجب ہوگی اور اگر اس آمدنی سے قبل حولان حول اسی قسم کا مال یعنی کرایہ پر دینے والے سامان خریدا تو زکاۃ واجب نہیں، مگر زکاۃ سے بھاگنے کا حیلہ جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد شاہد رضا ہشامی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۰ ربیع الآخر، ۱۴۳۱ھ

زید نے زکاۃ کی رقم اپنے اوپر خرچ کیا اس کا انتقال ہوگیا اب برأت کی کیا صورت ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

زید ایک مدرسہ میں بطور سفیر کام کرتا تھا۔ عوض میں مدرسہ کمیٹی اسے حق سفارت جیسا کہ رائج ہے نصف وغیرہ دیا کرتی تھی مگر زید اپنی رسید بکس کا پورا حساب مدرسہ کمیٹی کو نہ دے کر کچھ اور رقم بھی اپنے پاس بچا لیا کرتا تھا۔ مثلاً زید نے مدرسہ کے لئے جو چندہ کیا وہ کل رقم اگر دس ہزار روپیہ ہوا تو اس میں سے حق سفارت زید کا پانچ ہزار روپیہ بنتا ہے جو اسے مدرسہ کمیٹی دیتی تھی مگر زید یہ کرتا تھا کہ اپنے دس ہزار کے حساب کو مدرسہ کمیٹی کے سامنے پیش نہیں کرتا تھا بلکہ اگر دس ہزار کا حساب بنتا ہے تو یہ مدرسہ کمیٹی کے سامنے اپنی رسید بکس میں ایسا حساب بنا کر پیش کرتا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کل چندہ چھ ہزار روپے ہوا ہے حالانکہ حقیقتاً چندہ دس ہزار کا ہوتا تھا اس طرح زید کو یہ فائدہ ہوتا کہ چھ ہزار کے نصف تین ہزار روپیہ مدرسہ کمیٹی دیتی ہے اور چار ہزار اس کا پہلے کے بچ جاتا اس طرح اس کے پاس کل رقم سات ہزار روپے ہو جاتی مگر مدرسہ کی دو ہزار روپے کی حق تلفی ہو جاتی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ چندہ کی رقم جو غریب یتیم نادار طلبہ کے لئے قوم کے زکوۃ فطرہ صدقات وغیرہ ہوتی ہے۔ اس میں دخل اندازی بہرحال گناہ ہے اور صورت یہ ہے کہ زید کا انتقال ہو چکا ہے اور اب ورثہ، اس کی تلافی کرنا چاہتے ہیں اس ضمن میں درج ذیل صورتیں دریافت طلب ہیں۔

(۱) اس حق سے کس طرح بری الذمہ ہوا جا سکتا ہے؟

(۲) کیا یہ پیسے اسی مدرسہ کمیٹی کا حق ہیں یا کسی غریب یتیم وغیرہ کو دے کر بھی حق ادا ہو سکتا ہے؟

(۳) کیا کسی اور مدرسہ میں رقم دے کر حق ادا ہو سکتا ہے جو صحیح کام کر رہا ہو؟

(۴) اسی مدرسہ کا حق ہونے کی صورت میں اگر وہ مدرسہ کمیٹی یہ رقم صحیح مصارف میں نہ لگاتی ہو بلکہ کمیٹی والے اپنی ذاتیات میں خرچ کرتے ہوں تو کیا اب اس مدرسہ کے کسی غریب ملازم یا طالب علم کو غائبانہ یہ رقم دے کر بری الذمہ ہوا جا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد حنیف خاں، رائے گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱، ۲، ۳، ۴) زید نے اگر وصول کردہ زکاۃ، صدقات، عطیات سے اپنے طور پر کچھ رقم اپنے مصرف میں خرچ کر لیا تو وہ شرعاً خائن و غاصب ہوا کہ یہ اس کی طرف سے امانت میں خیانت بھی ہے اور تعدّی و غصب بھی جو حرام و گناہ ہے۔ اس پر واجب ہے کہ صدقات و عطیات دہندگان کو اور وہ نہ ہوں تو ان کے ورثہ کو اتنی رقم واپس کرے پھر وہ مدرسہ کو دیں تو لائے یا ان سے کہے کہ آپ کی رقم مجھ سے صرف ہو گئی۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے پاس سے اتنی رقم آپ کی طرف سے مدرسہ میں جمع کر دوں، اگر وہ اجازت دے دیں تو ٹھیک ورنہ ان کی رقم انہیں واپس کر دے۔

اور اگر اس نے دوبارہ ان سے اجازت نہ لی، نہ انہیں دے کر واپس لیا بلکہ اپنے پاس سے مدرسہ

میں جمع کر دیا یا اپنی اجرت یا کمیشن میں مجرا کرلیا تو یہ حق اللہ اور حق العبد دونوں میں گرفتار رہے گا۔ حق اللہ میں اس لئے کہ اللہ عزوجل کے حکم کی خلاف ورزی کر کے امانت میں خیانت کی اور حق العبد میں اس لئے کہ بندے کے مال میں تعدّی کی اور بغیر اس کی اجازت کے اپنے مصرف میں صرف کیا پھر اسے ادا نہ کیا۔ ہاں! اگر مدرسہ میں جمع کیا تو یہ اس کی طرف سے تبرع ہے جس کا ثواب پائے گا۔ مگر اس کی وجہ سے حق مسلم ادا نہ ہوگا۔

البتہ یہاں یہ گنجائش ہے کہ صاحب مال یا اس کے ورثہ کا پتہ نہ چلے تو قاضی اسلام یا اعلم علمائے بلد مرجع فتوی سے عرض حال کرے اور اس کی اجازت سے مدرسہ میں وہ رقم جمع کر دے اور تائب ہو جائے اگر ایسا کرلیا تو تعدّی کے وبال سے بچ جائے گا۔ مگر خرچ کیے ہوئے مال کا تاوان تو اسے بہر حال ادا کرنا پڑے گا۔ اگر دنیا میں نہ ادا کرے گا تو عقبیٰ میں لامحالہ احکم الحاکمین جل وعلا اس سے دلا دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ وہاں مال تو ہوگا نہیں اس لئے اس کی نیکیاں ہی صاحب حق کو دلائی جائیں گی اور اگر نیکیاں بھی ختم ہو جائیں تو پھر صاحب حق کے گناہ اس کے سر ڈالے جائیں گے (ماخوذ از تحصیل صدقات پر کمیشن کا حکم ص ۶۰، ۶۱)

. فتاویٰ ہندیہ "کتاب الوقف" میں ہے:

فی فتاویٰ ابی اللیث رحمه الله تعالیٰ: رجل جمع مالاً من الناس لینفقه فی بناء المسجد فأنفق من تلك الدراهم فی حاجته ثم رد بدلها فی نفقة المسجد لا یسعه أن یفعل ذلك فان فعل فان عرف صاحب ذلك المال رد علیه اوسأله تجدید الاذن فیه وان لم یعرف صاحب المال استاذن الحاکم فیما یستعمله وان تعذر علیه ذلك رجوت له فی الاستحسان أن ینفق مثل ذلك من ماله علی المسجد فیجوز لکن هذا واستعمار الحاکم یجب أن یکون فی رفع الوبال أما الضمان فواجب کذا فی الذخیرة۔

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ میں ہے: کسی آدمی نے مسجد تعمیر کرنے کے لئے لوگوں سے چندہ لیا، پھر اس میں سے کچھ روپیہ اپنی ضرورت میں خرچ کر لیے اور بعد میں اس کا بدلہ مسجد کے خرچ میں ملا دیا۔ ایسا کرنا ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کر دے اور یہ معلوم ہو کہ وہ روپے کس نے دیے تھے تو یہ روپیہ اسے واپس کر دے یا اس سے دوبارہ اجازت لے کر اتنے روپے مسجد میں دے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ روپے کس نے دیے تھے تو حاکم اسلام سے اجازت لے کر اسے مسجد میں صرف کرے۔ اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو وہ اتنے روپے اپنے پاس سے مسجد میں دیدے۔ امید ہے کہ یہ استحساناً اس کے لئے جائز ہو لیکن یہ اور حاکم اسلام سے اجازت حاصل کرنا اپنے ذمہ سے وبال کو دور کرنے کے لئے ہے رہا تاوان تو وہ بہر صورت لازم ہے۔ ایسا ہی "ذخیرہ" میں ہے۔ (ج ۲ ص ۴۸۰، ۴۸۱)

یہ احکام زید کے لئے ہیں جس نے خیانت اور تعدی کی ہے لیکن اب جب کہ زید کا انتقال ہو گیا اور

اس کے ورثہ زید کی طرف سے تلافی کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی درج بالا ترتیب کے مطابق زید کی طرف سے ادا کریں تو ان کے ذمہ کوئی وبال نہ ہوگا بلکہ وبال تو زید کے ذمہ بھی نہ رہے گا البتہ اخیر کی دو صورتوں میں اس کے ذمہ تاوان واجب رہے گا۔ واضح ہو کہ یہ رقوم اس مدرسہ میں دی جائیں جس میں مالکان نے دیا ہے کسی دوسرے مدرسہ یا یتیم غریب وغیرہ کو نہ دی جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی کتبہٗ: محمد محسن مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی ۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

زکاۃ سے محصل نے ۵۰ فیصد رکھ لیا تو ادا ہوئی یا نہیں؟ محصلین کو حق المحنت دینا کیسا ہے؟ نیز کتنا دیا جائے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں۔

(۱) زکاۃ کی رقم زکاۃ دینے والے نے محصل کو دیا اس نے اپنا حق المحنت ٪۵۰ پرسنٹ رکھ لیا اس کے بعد مدرسے کو دیا ایسی صورت میں زکاۃ دینے والے کی زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

(۲) حق المحنت محصلین کو دینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) محصلین زکاۃ کی رقم وصول کر کے مدرسے میں جمع نہ کریں اور خود خرچ کریں تو ایسی صورت میں کیا زکاۃ دینے والے کی زکاۃ ادا ہوگی؟

(۴) حق المحنت کتنا دینا درست ہے؟

المستفتی: عبد اللہ امامی، مقام، پوسٹ، جعفر نئی، ضلع ویشالی، بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱، ۳) صورت مسئولہ میں زکوۃ دینے والوں کی زکاۃ ادا نہ ہوئی محقق عصر مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ اپنے ایک رسالہ "تحصیل صدقات پر کمیشن کا حکم" میں تحریر فرماتے ہیں "محصل پر واجب ہے کہ وصول کردہ رقم سے کچھ بھی اپنے استعمال میں نہ لائے۔ حتی کہ اپنے کرایے میں بھی صرف نہ کرے۔ نہ اسے اپنے حق المحنت میں وضع کرے کہ یہ امانت میں خیانت اور مال مسلم میں تعدی ہوگی جس کے باعث وہ حق اللہ وحق العبد میں گرفتار و مستحق عذاب نار ہوگا ساتھ ہی اس پر فرض ہوگا کہ صاحب مال کو تاوان دے۔ نیز اسے بتائے کہ اس کی زکاۃ ادا نہیں ہوسکی ہے۔ وہ ادا کر دے یا اسے واپس کر دے تاکہ وہ مدرسہ تک پہنچا دے یا کم از کم اس سے یہ اجازت لے کہ یہ اپنے پاس سے اس کی طرف سے جمع کر دے۔

جس نے اس طرح کی رقم سے کچھ بھی خرچ کیا ہو اور مالک کو اس کا تاوان نہ دے، نہ بہ صورت مذکورہ اس سے اجازت لے تو قیامت کے دن اس کے باعث وہ عنداللہ ماخوذ ہوگا۔ اس لئے ایسے شخص پر واجب ہے کہ دنیا میں ہی ارباب اموال اور وہ نہ ہوں تو ان کے ورثہ سے اپنا معاملہ صاف کرا لے تاکہ وہ اپنی زکاۃ وصدقۂ فطر ادا کرلیں اور یہ مواخذہ اخروی سے محفوظ ہو جائے (ص ٦٤) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲-۴) حق المحنت محصلین کو دینا درست ہے مگر اتنا دیا جائے جو ان کے اوسط اخراجات کے لئے کفایت کرے محقق عصر مفتی نظام الدین صاحب قبلہ اپنے اسی رسالہ تحصیل صدقات پر کمیشن کا حکم'' میں تحریر فرماتے ہیں ''کمیشن مثلاً پچیس یا تیس فیصد پر زکاۃ، صدقات، عطیات کی وصولی کا معاہدہ شرعاً عقد اجارہ کی ایک خاص قسم ''اجارہ علی العمل'' ہے اور یہ اجارہ دو وجہوں سے ناجائز وفاسد ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ کام یعنی وصولی اور اجرت کی مقدار مجہول ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قفیز طحان کے معنی میں ہے اور دونوں ہی وجہیں مفسد اجارہ ہیں مگر اس زمانے میں کمیشن پر چندے کا کام عام طور پر تعامل ہو چکا ہے ساتھ ہی اس کی حاجت بھی متحقق ہے اس وجہ سے کمیشن کی شرط اب عقد اجارہ کے موافق اور اجارہ جائز ہے۔ جیسے اُجرت پر دلالی اور نصف کپڑے کے بدلے کپڑا بنوانے کی اجازت فقہا نے بوجہ تعامل وحاجت دی ہے۔ ہاں کمیشن پر وصولی کے لئے ضرورت شرعیہ متحقق نہیں ہے نہ کبھی پہلے متحقق تھی۔

بہتر یہ ہے کہ کمیشن پر وصولی کے معاہدہ کے وقت یہ صراحت کر دی جائے کہ شرح کمیشن تو مثلاً وصولی کا بیس فی صد ہوگا۔ لیکن اجرت وصول کردہ رقم سے نہیں دی جائے گی۔ یہ صورت بالاتفاق جائز ہے اور اس کے جواز کے لئے تعامل وحاجت کی بھی کوئی حاجت نہیں۔

اس سے بھی مناسب تر صورت یہ تھی کہ قاضی اسلام کے ذریعہ ''عامل شرعی'' کا تقرر ہو اور وہ یہ خدمت انجام دے۔ مگر اس کے نفاذ میں دشواریاں ہیں۔

ایک یہ کہ قضاۃ کی کمی یا عدم تعین یا لامرکزیت کی وجہ سے تمام جگہوں پر عامل شرعی کا تقرر ہر جگہ نہ ہو سکے گا۔ جس کے باعث وہ مبتلائے آثام بھی ہو سکتا ہے۔

دوسرے عامل کا حق المحنت بہ قدر کفایت ہی دینے کی اجازت ہے جو ایک مقررہ تنخواہ کے درجے میں ہے اور اس سے کمیشن کی طرح غیر محدود نفع نہیں ہے۔ اس سے مدارس کی وصولی سمٹ کر رہ جائے گی اور مدارس سخت خسارہ کے شکار ہوں گے اس لئے اس کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔

زکاۃ وصدقات دراصل فقرا ومساکین کا حق ہیں اور بوجہ ضرورت شرعیہ مدارس دینیہ میں انہیں صرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس لئے سفرا ومحصلین کا کمیشن ان کی وصولی کا جائزہ لے کر اس حساب سے

مقرر کرنا چاہیے کہ وہ کام کے دنوں میں ان کے اوسط اخراجات کے لئے کفایت کرے کہ ضرورت کا لحاظ ضرورت بھر ہوتا ہے۔ نیز یہ سفرا کام کے لحاظ سے عاملین کے درجے میں ہوتے ہیں اس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ انہیں کمیشن بقدر کفایت ملے یا کچھ زیادہ۔ اس سے بہت زیادہ کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ رمضان المبارک کے موسم میں اخراجات نسبتاً بہت بڑھ جاتے ہیں پھر بھی ایک متوسط درجے کے آدمی کا خرچ دس ہزار روپے سے ہرگز زیادہ نہیں ہوسکتا اور اوسط خرچ تو پانچ چھ ہزار سے تجاوز نہ کرے گا۔ اس لئے شرح کمیشن طے کرتے وقت اس کا لحاظ واجب ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد محسن مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

بَابُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ

صدقۂ فطر کا بیان

صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ صدقہ فطر کی مقدار باعتبار وزن کتنا ہونا چاہئے اور کتنا دے سکتے ہیں؟ از روئے شرع مفصل ومدلل قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ ارسال کریں۔ **بینوا توجروا**

فتویٰ طلب کرنے کی وجہ

نوٹ: ناچیز محمد فاروق عالم، فاضل جامعہ فاروقیہ، ریوڑی تالاب بنارس (یوپی) آج مسلسل پانچ سال سے مسجد خضریٰ اویس پورہ مان صاحب ٹینک حیدرآباد میں امامت وخطابت کا کام انجام دے رہا ہے کچھ وجوہات کی بنا پر ناچیز کو خطابت سے روک دیا گیا۔ امامت جاری ہے بعدہ کمیٹی مسجد خضریٰ اویسی پورہ مان صاحب ٹینک حیدرآباد نے جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن کے ایک عالم دین کو خطابت کے لئے مقرر کیا جس میں مولانا موصوف نے جمعہ کی خطابت میں صدقہ فطر کی مقدار سوا کلو گیہوں کا اعلان کیا۔ مولانا موصوف کے اعلان کے بعد امام مسجد خضریٰ نے مائک پکڑ لیا اور بریلی شریف مرکزی ریحان ملت کلینڈر کے اعتبار سے دو کلو پینتالیس گرام گیہوں کا اعلان کیا۔ میرے اعلان کرنے پر ایک نزع اور ہنگامہ کھڑا ہوا۔ مولانا موصوف کا کہنا ہے کہ ہمارے جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن کا فتویٰ ہے کہ صدقہ فطر کی مقدار سوا کلو گیہوں ہے۔ اب مصلیان مسجد ہذا میں افراتفری کا ماحول ہے۔ بعض حضرات امام صاحب کی تائید میں ہیں اور بعض حضرات خطیب صاحب کی تائید میں ہیں۔ ایسے حالات میں لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے فتویٰ پیش کرنا اشد ضروری ہے تاکہ سکون واطمینان کا ماحول پیدا ہو سکے۔

المستفتی: محمد فاروق عالم، امام مسجد خضریٰ اویسی پورہ، مان صاحب ٹینک، حیدرآباد (اے پی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اس باب میں اعلیٰ درجہ کی احتیاط اور تحقیق یہ ہے کہ نصف صاع انگریزی روپے سے

۱۷۵ روپے اٹھنی بھر ہے روپیہ ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نصف صاع اعشاریہ وزن سے ۲ کلو ۷ ۴ گرام ہوا اس کی تفصیل فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم اور ماہنامہ اشرفیہ ۲۰۰۴ء کا شمارہ اگست نیز شمارہ اپریل وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی
۱۸ر جمادی الآخر ۱۴۲۶ھ

كِتَابُ الصَّوْمِ

روزے کا بیان

گلوکوز یا طاقت اور بھوک پیاس کا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان اسلام مسئلہ ذیل میں!

ابھی تک ہم یہ جانتے تھے کہ گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر اس سال یعنی ۲۰۰۴ء کے امجدیہ کلینڈر میں میں نے پڑھا کہ رگ (نس) میں انجکشن لگوانے سے بھی روزہ نہیں جاتا سوال طلب امر یہ ہے کہ گلوکوز اور طاقت کا انجکشن لگوانے سے روزہ جائے گا یا نہیں؟ اور اس دور ترقی میں اگر کوئی ایسا انجکشن لگوائے کہ بھوک یا پیاس نہ لگے تو ایسے روزہ دار کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟ بیان فرمائیں مشکور ہوں گا۔

المستفتی: ڈاکٹر محمد ایوب، نکوئیا چوراہا، کھنیاؤں، سدھارتھ نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب گلوکوز کا ڈراپ یا طاقت کا انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ بھوک یا پیاس ختم ہوجائے کیونکہ اصل قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ کھانے، پینے اور جماع کے علاوہ روزہ کو توڑنے والی صرف وہ دوا یا غذا ہے جو مسامات اور رگوں کے علاوہ کسی اور منفذ سے پیٹ یا دماغ میں پہنچے لہٰذا مسام یا رگ کے ذریعہ کوئی چیز داخل بدن ہو تو اس سے روزہ نہ ٹوٹے گا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے

"وما يدخل من مسام البدن من الدهن لا يفطر هكذا في شرح المجمع" (ص ۲۰۳، ج۱) اور رد المحتار میں ہے "قال في النهر لان الموجود في حلقه اثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على ان من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه انه لا يفطر" اھ (ص ۳۹۵، ج۲)

لہٰذا جس طرح گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا کہ وہ پورے جسم میں مسامات ہی کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ اسی طرح رگ (نس) میں لگوانے سے بھی نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ اس کے جسم میں پہنچنے کی کیفیت بھی یہی ہے کہ دوا خون کے ساتھ جسم میں پھیلتی ہے نہ کہ منفذ کے ذریعہ دماغ یا پیٹ میں جاتی ہے۔

ہاں اگر بھوک، پیاس سے بچنے کے لیے ایسا کیا تو مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

قضا روزوں کی نیت کیسے کرے؟ اعتکاف کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

مسئلہ (۱) قضا روزوں کی نیت کس طرح کی جاتی ہے؟

(۲) اعتکاف میں بیٹھنے کا شرعاً کیا طریقہ ہے؟

المستفتی: محمد خلیل احمد، مقام عیدگاہ، پوسٹ بہادر پور، ضلع بستی، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) اگر کئی روزے قضا ہو گئے تو نیت میں یہ ہونا چاہیے کہ اس رمضان کے پہلے روزے کی قضا اس کے بعد دوسرے روزے کی قضاء اس کے بعد تیسرے روزے کی قضا علیٰ ہٰذا القیاس اور اگر کچھ اس سال کے قضا ہو گئے اور کچھ پچھلے سال کے باقی ہیں تو یہ نیت ہونی چاہیے کہ فلاں سن کے رمضان کے فلاں روزے کی قضا اور اگر دن اور سال کو معین نہ کیا جب بھی ہو جائیں گے ایسا ہی بہار شریعت، ح۵، ص۸۵ میں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"اذا وجب علیہ قضاء یومین من رمضان واحد ینبغی ان ینوی اول یوم وجب علیہ قضاؤہ من ھٰذا الرمضان وان لم یعین الاول یجوز و کذا لو کان علیہ قضاء یومین من رمضانین ھو المختار ولو نوی القضاء لا غیر یجوز وان لم یعین کذا فی الخلاصۃ۔" (ص۱۹۶، ج۱) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اعتکاف رمضان کی صورت یہ ہے کہ مسلمان عاقل بیسویں رمضان کو سورج ڈوبتے وقت بہ نیت اعتکاف مسجد میں ہو اور تیسویں کے غروب آفتاب کے بعد یا انتیسویں کو چاند ہونے کے بعد مسجد سے نکلے، اور معتکف کے لیے روزہ دار ہونا شرط ہے ورنہ سنت ادا نہ ہوگی اور بلا ضرورت مسجد سے نہ نکلے اور نہ ہی کسی سے کلام کرے بلکہ قرآن مجید کی تلاوت، حدیث شریف کی قرأت، درود شریف کی کثرت، علم دین کا درس و تدریس، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سیر و افکار اور اولیاء و صالحین کی حکایت اور امور دین کی کتاب کے مطالعہ میں لگا رہے۔ ایسا ہی بہار شریعت ح۵، ص۱۲۳ میں ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وأما شروطه فمنها النية والصوم والاسلام و العقل والطهارة عن الجنابة فإن لايتكلم الا بخير و أن يلازم بالاعتكاف عشرا من رمضان ، ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه و سير النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والأنبياء عليهم السلام واخبار الصالحين و كتابة أمور الدين كذا في فتح القدير .ولا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاونهارا الا بعذر "اھ ملخصاً(ج ا ص ۲۱۱) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شمس الدین احمد علیمی
۲ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

حالت جنابت میں صبح کرنے یا دن گزارنے سے روزہ جائے گا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل کے بارے میں

(۱) زید رمضان شریف کے مہینے میں ختم سحری سے قبل ہمبستر ہوتا ہے اور دن نکلنے کے بعد غسل کرتا ہے تو اس کا روزہ کس حد تک درست ہے اور کبھی کبھار بوجہ سردی اس جنابت کی حالت میں افطار بھی کر لیتا ہے تو کیا اس کا روزہ مانا جائے گا یا نہیں، نماز چھوٹنے کا گناہ تو ملے گا ہی روزے کے اندر کونسی خرابی آئے گی؟

المستفتی: نور الہدیٰ برکاتی، منگول، کھنیاؤں، سدھارتھ نگر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) جنابت کی حالت میں صبح کی یا سارا دن جنابت کی حالت میں رہا روزہ نہ گیا کہ طہارت شرط صوم نہیں مگر اتنی دیر تک قصداً غسل نہ کرنا کہ نماز قضا ہو حرام و گناہ ہے ۔ درمختار میں ہے "أوأصبح جنبا وان بقي كل اليوم "(ص ۳۷۲،ج ۳) اور بحرالرائق میں ہے "لو اصبح جنبا لا يضره كذا في المحيط"(باب مايفسد الصوم وما لايفسده ص ۲۷۳ج ۲) اور حاشية الطحطاوي باب في بيان مالايفسد الصوم میں ہے "أوأصبح جنبا ولو استمر على حالته يوما أوأياما لقوله تعالىٰ فالئن باشروهن لاستلزام جواز المباشرة الى قبيل الفجر وقوع الغسل بعده ضرورة وقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وانا اصبح جنبا وانا اريد الصيام واغتسل واصوم "(ص ۳۶۲)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں "وہ شخص نمازیں عمداً کھونے کے سبب سخت کبائر کا مرتکب اور عذاب جہنم کا مستوجب ہوا مگر اس سے روزے میں کوئی نقص و خلل نہ آیا طہارت

باجماع ائمہ اربعہ شرط صوم نہیں، ہاں بوجہ ارتکاب کبیرہ اس کی نورانیت بالصوم میں فرق آئے گا نہ اس لیے کہ جب تھا بلکہ اس لیے کہ نماز فوت کی اھ ملخصا" (فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۶۱۵) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

احتلام کو ناقض صوم سمجھ کر روزہ توڑ دیا تو صرف قضا ہے یا کفارہ بھی؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

زید سحری کھا کے سو یا دن میں احتلام ہوگیا، جہالت کے باعث روزہ چھوڑ دیا یہ سمجھ کر کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے تو اس پر کیا حکم ہے فقط اس ایک روزہ کی قضا ہے یا قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی؟

المستفتی: محمد معروف ابن محمد فاروق خان، نیو اگرہ، کمیری روڈ، کملا ہوٹل کے پیچھے رفیق نگر، بھیونڈی تھانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زید پر صرف اس ایک روزہ کی قضا واجب ہے کفارہ نہیں، درمختار میں ہے "احتلم فظن انه افطر فاكل عمدا قضى فقط" اھ ملخصا (ج ۲ ص ۴۰۱) فتاویٰ ہندیہ میں ہے "واذا احتلم فظن ان ذلك فطره فاكل بعد ذلك متعمدا لا كفارة عليه هكذا في المحيط" (الباب الثاني ما يوجب القضاء والكفارة ج ۱ ص ۲۰۶) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی
۴؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

روزہ کی حالت میں گل کا استعمال

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مسائل ذیل میں

زید رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ کی حالت میں گل منجن کرتا ہے، جب کوئی شخص اسے منع کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ گل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے مکروہ ہوجاتا ہے۔ زید کا کہنا ہے کہ مکروہ تو عام لوگوں کا بھی ہوجاتا ہے کیونکہ وہ گالی گلوج بکتے رہتے ہیں اور زید کی ایک عادت یہ بن چکی ہے کہ جب تک وہ گل نہیں کرتا ہے اس کا پاخانہ نہیں ہوتا ہے اس بنا پر وہ رمضان المبارک کے مہینے میں گل کرتا ہے تو کیا اس بنا پر روزے کی حالت میں گل کرنا جائز ہے یا نہیں اور زید کے لیے کیا حکم ہے؟ شرعی حوالہ کے ساتھ اس کا جواب تحریر کریں۔

المستفتی: محمد ایوب خان، مقام بیر پور، پوسٹ متھرا بازار، بلرام پور، یوپی

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) روزے کی حالت میں گل کے استعمال کی چند صورتیں ہیں ان کے لحاظ سے اس کے احکام کی تفصیل یہ ہے (۱) زید اگر اس طرح گل کرتا ہے کہ دانتوں تلے دبا کر رکھے رہے تو اس کے ذرات لعاب کے ساتھ حلق کے نیچے اتر جائیں گے جیسے تمباکو کھانے میں ہوتا ہے اس صورت میں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا و کفارہ دونوں لازم ہوگا۔

(۲) اگر اس کے استعمال کی صورت یہ ہے کہ گل دانتوں پر لگا کر دس، پانچ منٹ چھوڑ دیتا ہے بعد میں کلی کر لیتا ہے تو اس دس پانچ منٹ کے وقفہ میں ظن غالب یہی ہے کہ گل کے اجزا لعاب کے ساتھ حلق کے نیچے اتر جائیں گے اور روزہ ٹوٹ جائے گا اس صورت میں زید پر صرف اس روزہ کی قضا واجب ہوگی۔

(۳) اگر اس کا طریقہ استعمال یہ ہے کہ پہلے دانتوں پر گل مل لیتا ہے پھر فوراً کلی کر لیتا ہے تو روزے کی حالت میں اس طریقہ استعمال کی بھی سخت ممانعت ہے کیوں کہ اس صورت میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اجزا حلق تک پہنچ جاتے ہیں اور زیر حلق اترنے اور روزہ ٹوٹنے کا احتمال ہوتا ہے۔ (فیصلہ فقہی سیمینار بورڈ دہلی)

مگر جب زید کو گل استعمال کیے بغیر پاخانہ نہیں ہوتا تو اس عذر کی وجہ سے اس کے لیے حکم میں اس قدر تخفیف ہوگی کہ وہ گل پہلے ہتھیلی وغیرہ پر نکال کر پانی سے بھگو دے پھر اسے احتیاط کے ساتھ دانتوں پر ملے اور جلد ہی کلی کر کے اچھی طرح اپنا منہ صاف کر لے۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد وقار علی احسانی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۷؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

بانس کی لکڑی سے مسواک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ بانس کی ڈالی توڑ کر ہم مسواک بنا سکتے ہیں یا نہیں۔ بانس کے مسواک سے منہ دھونا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد زبیر اشرفی، دھونجھیرہ، بکسر، بہار

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب نیم وغیرہ کڑوی لکڑی ہی کی مسواک بہتر ہے۔ بانس کی مسواک نہیں کرنا چاہیے۔ رد المحتار میں ہے "**وفی النهر ويستاك بكل عود الا الرمان والقصب**" اھ (ج ۱ ص ۲۳۵) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۵؍رجاد الآخر ۱۴۲۶ھ

اذان کے وقت افطار کرنا کیسا ہے؟ افطار کا بہتر طریقہ کیا ہے؟

مسئلہ افطار کے وقت اذان ہوتی رہتی ہے اور لوگ افطار کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ اذان کا خاموشی سے سننا اور جواب دینا واجب ہے اس کے بارے میں حکم شرع کیا ہے؟ نیز افطار کا بہتر طریقہ کیا ہے؟

بینوا توجروا

المستفتی: صغیر احمد برکاتی، ہند فرنیچر، رضا ہال پولیس لائن چھتر پور، ایم پی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب افطار میں تعجیل مستحب ہے حدیث شریف میں ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اللہ عزوجل احب عبادی الی اعجلھم فطرا" یعنی مجھے میرے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو افطار میں جلدی کرتا ہے۔" اھ (ترمذی شریف، ج:۱، ص:۱۵۰)

لہٰذا جب سورج ڈوبنے کا یقین ہو جائے تو فوراً افطار کر لے، تاخیر نہ کرے اور جو لوگ اذان کی آواز سن کر افطار پر مطلع ہوتے ہیں انہیں بھی چاہئے کہ اذان شروع ہوتے ہی فوراً افطار کر لیں ختم اذان تک انتظار نہ کریں۔ مگر افطار کر کے اذان مکمل ہونے تک کھانا، پینا موقوف رکھیں اور کلمات اذان کا جواب دیں۔

زبان سے اذان کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔ ہاں اجابت بالقدم واجب ہے جیسا کہ درمختار کتاب الاذان میں ہے: "ویجیب وجوبا وقال الحلوانی ندبا و الواجب الاجابۃ بالقدم۔" اھ (الدر المختار فوق رد المحتار، ج:۱، ص:۳۹۶)

افطار کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ قبل اذان ہی افطار کر لے اور اگر اذان شروع ہونے پر افطار کرے تو تھوڑا کھا یا پی کر ٹھہر جائے کہ اذان کے وقت حکم ہے کہ جب اذان ہو تو اتنی دیر کے لئے سلام، کلام، تمام اشغال موقوف کر دے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید کی تلاوت میں اذان کی آواز آئے تو روک دے اور اذان کا خاموشی سے جواب دے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری کتاب الاذان میں ہے:

"ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامۃ ولا یشتغل بقراءۃ القرآن ولا بشیء من الاعمال سوی الاجابۃ و لو کان فی القراءۃ ینبغی ان یقطع ویشتغل بالاستماع والاجابۃ کذا فی البدائع۔" اھ (ج:۱، ص:۵۷) وھکذا فی الجزء الاول من فتاویٰ فیض الرسول۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری جونپوری
۱۱ر صفر المظفر ۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

سعودیہ میں چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہندوستان آیا تو یہاں کی ۲۹ کو ۳۰ روزہ پورا ہوگیا اب اگر ۲۹ کی رویت نہ ہو تو کیا اکتیسواں روزہ رکھنا پڑے گا؟

مسئلہ زید سعودی عرب رہتا ہے وہاں ایک دن پہلے چاند نکلا اور زید نے روزہ رکھنا شروع کردیا۔ ۲۸؍رمضان المبارک کو زید اپنے وطن ہندوستان آیا یہاں اس کو معلوم ہوا کہ یہاں لوگوں کا ابھی ستائیسواں روزہ ہے، ہندوستان کے لوگوں نے ۲۹؍رمضان المبارک کو عید کا چاند دیکھا نظر نہ آیا تو زید نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو اور اگر ابر ہو تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

زید نے کہا میں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا اور تیس کی گنتی پوری کرلی اب میرے لئے ۳۱واں روزہ نہیں ہے۔ کیا زید پر تمام مسلمانوں کی طرح روزہ رکھنا ضروری ہے۔ **بینوا توجروا**

المستفتی: محمد اخلاق احمد نظامی، دارالعلوم اہل سنت فیض الرحمن، دوبولیا بازار، بستی

الجواب زید پر تمام مسلمانوں کی طرح روزہ رکھنا واجب ہے کہ یہاں شہود شہر، یعنی ماہ رمضان کا پایا جانا متحقق ہے اور جو ماہ رمضان کو پائے اسے روزہ رکھنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**فمن شهد منكم الشهر فليصمه.**" اھ (پ ۲، سورہ بقرہ، آیت ۱۸۵)

اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی نے رمضان المبارک یا عید کا چاند دیکھا مگر اس کی گواہی کسی وجہ شرعی سے رد کردی گئی مثلاً فاسق ہے یا عید کا چاند اس نے تنہا دیکھا تو اسے لازم ہے کہ روزہ رکھے اگرچہ وہ عید کا چاند دیکھ چکا ہے۔ یا بادشاہ اسلام نے خود عید کا چاند دیکھا مگر تنہا اسی نے دیکھا تو اسے بھی جائز نہیں کہ دوسرے روز افطار کرے بلکہ تمام مسلمانوں کے ساتھ اس پر بھی روزہ رکھنا واجب ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ "باب الصوم" میں ہے: "**رجل رای هلال الفطر و شهد ولم تقبل شهادته كان عليه ان يصوم.**" اھ اور اسی کے چند سطر بعد ہے: "**ولو رای الامام وحده او القاضی وحده هلال شوال لا يخرج إلى المصلى ولا يامر الناس بالخروج ولا يفطر لاسرا ولا جهرا كذا فى السراج الوهاج.**" اھ (ج:۱، ص:۱۹۸)

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد ارشد رضا نظامی مصباحی
۲۷؍ذی القعدہ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال کیسا ہے؟

مسئلہ میرا سوال یہ ہے کہ میں نے نیت کی تھی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگا اور اللہ نے مجھے قوت عطا کی تو میں دو یا ایک روزہ رکھوں گی خدا کے فضل سے میرا کام ہوگیا چونکہ مجھے استھما کی شکایت بھی بڑھ گئی جس کی وجہ سے مجھے دن میں دو تین مرتبہ Asthalin کا اسپرے (Inhaller) کا استعمال کرنا پڑتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے آیا میں روزے کی حالت میں معمولی Inhaller کا استعمال کرسکتی ہوں جب کہ وہ معمولی گیس صرف پھیپھڑوں میں پہنچ سکتی ہے نہ کہ پیٹ میں قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیجئے۔

المستفتی: صغریٰ قادری، دربار کالونی احمد نگر، مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب روزے کی حالت میں انہیلر کا استعمال حرام وگناہ ہے اوراس کی وجہ سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔ جو چیزیں خارج سے روزہ دار کے معدہ میں داخل ہوتی ہیں تین طرح کی ہیں اول وہ ہیں جن سے کسی وقت روزہ دار کو احتراز ممکن نہیں جیسے ہوا۔ دوم وہ جن سے کبھی کبھی سابقہ ہر شخص کو پڑتا ہے اوراس سے کلی طور پر احتراز ممکن نہیں جیسے غبار ودخان کا داخل ہونا کہ کسی نہ کسی طرح انسان کو ان سے قرب کی حاجت ضرور ہے اور انسان کے لئے اس سے احتراز ممکن نہیں ہے۔ سوم وہ جن سے ہمیشہ تحرز کرسکتا ہے جیسے جماع وطعام و شراب اورانہیں میں دخان وغبار کا بالقصد داخل کرنا ہے اوراسی کے مثل روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال بھی ہے اول اور ثانی مفسد صوم نہیں ثالث ضرور مفسد صوم ہے اس لئے کہ یہ تو اپنا فعل ہے انسان اس میں مجبور محض نہیں۔

درمختار میں ہے: **و مفادہ انہ لو ادخل حلقہ الدخان افطر ای دخان کان و لو عودا او عنبرا لوذاکر الامکان التحرز عنہ فلیتنبہ لہ۔اھ**

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: "**ای بای صورۃ کان الادخال حتی لو تبخر ببخور فاواہ الی نفسہ واشتمہ ذاکراًالصومہ افطر لامکان التحرز عنہ وھذا مما یغفل عنہ کثیر من الناس.**" (ج:۲،ص:۳۹۵) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: غلام مرتضیٰ رضوی
۱۶؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

دوسرے شہر سے چاند کی تصدیق لانا واجب ہے یا سنت یا مستحب؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

اپنے شہر سے چاند نظر نہیں آیا تو دوسرے شہر سے چاند کی تصدیق لانا واجب ہے یا فرض یا سنت یا مستحب؟ المستفتی: قاری شبیر احمد جونپوری

الجواب دوسرے شہر سے چاند کا ثبوت شرعی حاصل کرنا نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت، لیکن جائز ومباح ضرور ہے کہ اس سے ممانعت نہیں فرمائی گئی۔

فتاویٰ رضویہ شریف میں ہے کہ ”جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو یہ خبر ملی کہ شاہ جہاں پور میں چاند کی رویت ہوگئی ہے تو آپ نے ایک معتمد ثقہ کو وہاں تصدیق کے لئے بھیجا تو اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگر قرب وجوار میں کہیں رویت ہوگئی ہو تو وہاں چاند کی تصدیق کے لئے بھیجا جا سکتا ہے۔ (ج ۴، ص ۵۵۷) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی **کتبہٗ:** سید نعمان احمد

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی ۲؍ ذی الحجہ، ۱۴۳۰ھ

کیا قاضی شرع کا اعلان پورے ضلع کے لئے کافی ہے؟ کیا ثبوت کے بعد قاضی اعلان کے لئے لاؤڈ اسپیکر اور فون کا استعمال کرسکتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

متھرا بازار کا علاقہ ضلع بلرام پور سے تقریباً ۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ضلع بلرام پور کے نائب قاضی صاحب نے علاقہ کے ایک سجادہ نشین صاحب سے ۲۹ ؍رمضان ۱۴۳۰ھ کی شام کو فون پر کہا کہ کل عید منائی جائے، کیونکہ پورا ضلع میرے دائرۂ قضا میں آتا ہے، اس لئے میری اطلاع متھرا بازار اور اس کے آس پاس کے گاؤں کے لئے بھی کافی ہے۔ سجادہ نشیں کی داڑھی حد شرع سے کم ہے اور شرعی مسائل سے بھی انھیں واقفیت نہیں، اس کے باوجود انھوں نے نائب قاضی صاحب کے کہنے پر اپنے زیر اثر آنے والے چند گاؤں میں عید ہونے کا اعلان کرادیا، لیکن کچھ مسلمانوں کو اس پر اعتراض ہوا کہ اب تک علماء ٹیلی فون کی اطلاع کو بالکل غیر معتبر مانتے رہے، پھر کیسے اس پر اعتبار کرنے لگے، اس لئے گزارش ہے کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ وضاحت فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علامہ عتابی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عبارت کے لفظ ”قطر“ کا ترجمہ جو ضلع فرمایا ہے، اس کی حدود اربعہ کیا ہیں؟ اور نائب قاضی صاحب کا یہ طرز عمل درست ہے؟ جبکہ متھرا بازار میں چند ذمہ دار علما بھی موجود ہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: خورشید احمد، متھرا خرد، ضلع بلرام پور، یوپی

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب جو شخص واقعی ضلعی سطح کا قاضی شریعت ہو، یعنی پورے ضلع میں وہی سب سے بڑا فقیہ مرجع فتویٰ ہو، اس کا اعلان پورے ضلع کے لئے کافی ہے، جبکہ معتبر ذرائع سے اعلان کرائے اور اگر اصل قاضی شریعت موجود نہ ہو تو ان کا نائب جو واقعی نیابت کا اہل ہو، یہ اعلان کرا سکتا ہے یا قاضی شریعت کی اجازت ہو تو بھی اس کا اعلان معتبر ہے۔ اعلان کا مطلب یہ ہے کہ رویت ہلال کا شرعی ثبوت حاصل ہو گیا اور قاضی شریعت نے اس کا فیصلہ بھی کر دیا، صرف عوام کو آگاہ کرنا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر وغیرہ سے ایسی آگاہی کا نام یہاں اعلان ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں فتاویٰ امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبوعہ مصر جلد اوّل، ص ۳۴۰ میں ہے:

اذا خلی الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم اھ

(فتاویٰ رضویہ، ج ۳، ص ۲۰۶، ج ۴، ص ۵۴۹، ج ۷، ص ۳۲۹)

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی اعلم علمائے بلد ہو یا اعلم علمائے ملک، مگر اس پر سب کا اتفاق نہ ہو سکے تو اسے اپنے فیصلوں کی تنفیذ اور امور قضا کی سماعت اپنے ہی ضلع کی حد تک محدود رکھنی چاہئے، الا یہ کہ اہم دینی ضرورت پیش آ جائے اور اعلم علمائے ضلع کا دائرہ قضا و عمل پورا ضلع ہے کہ ان کے ماتحت جتنے بھی علاقے ہیں سب اس میں شامل ہیں۔ ضلع کے حدود دار بعہ وہی ہیں جو عرفاً عالم جاہل سبھی سمجھتے ہیں۔

شرعی ضابطوں کے مطابق رویت ہلال کا ثبوت فراہم ہو جانے کے بعد چاند کا لوگوں میں اعلان اور اس کی تشہیر کے لئے شہادت یا معلن کے عادل ہونے کی شرط لازمی نہیں۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا اھ (ج ۵، ص ۳۰۹، کتاب الکراھیۃ الباب الاول فی العمل بخبر الواحد)

چاند کا شرعی ثبوت ہو جانے کے بعد ذمہ دار قاضی اعلان کے لئے لاؤڈ اسپیکر اور ٹیلی فون کا سہارا لے سکتا ہے، البتہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ان ذرائع کو ممکنہ حد تک ناخدا ترسوں کے دھوکہ فریب اور جھوٹ کے اندیشے سے محفوظ رکھا جائے، تاکہ سننے والے یہ اطمینان حاصل کر سکیں کہ یہ اعلان ہمارے قاضی یا قاضی القضاۃ ہی کا ہے، دوسرے کا نہیں۔ مثلاً لاؤڈ اسپیکر سے اعلان اپنے شہر تک محدود رکھے۔ ٹیلی فون سے اطلاع معتمد ثقہ لوگوں کو دیں۔ اگر وہاں علماء ہوں تو انھیں آگاہ کریں، پھر وہ لوگ اپنے طور پر وہاں اعلان کرائیں۔

ٹیلی فون کی اطلاع کو ہمارے علماء برابر غیر معتبر بتاتے رہے اور آج بھی غیر معتبر ہے اور قیامت تک غیر معتبر رہے گی، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس اطلاع سے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔ ثبوت کے لئے غیر معتبر ہے، مگر یہ کبھی کسی ذمہ دار عالم نے نہ کہا نہ کہہ سکتا ہے کہ چاند کا ثبوت ہو چکا ہو تو اعلان بھی غیر معتبر ہے۔ فافهم فانه دقيق وبالقبول حقيق. والله تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد شاہد رضا ہشامی
۱۰ رربیع الآخر، ۱۴۳۱ھ

پورے ماہ رجب کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے پورے ماہ روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔‘‘

جبکہ بعض لوگ پورے رجب کے روزے رکھتے ہیں تو ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور حدیث پاک کا مطلب کیا ہے؟

المستفتی: محمد اشرف بھروچ گجرات

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب رجب کے پورے ماہ کا روزہ رکھنا جائز و درست ہے کہ سال میں صرف پانچ دن کے روزے ممنوع ہیں۔ دسویں، گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ و یکم شوال یعنی بروز عید الفطر اور رجب ان کے سوا ہے۔ البتہ پورے ماہ کے روزے رکھنے سے ضعف پیدا ہوگا جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے مانع ہو سکتا ہے۔ اس لئے مسلسل پورے ماہ کے روزے رکھنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی کو یہ ضعف پیدا نہ ہو تو وہ رجب کے پورے ماہ کا روزہ رکھ سکتا ہے۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے: ’’وعلة النهي ان ذلك الصوم يجعله ضعيفا فيعجز عن الجهاد و قضاء الحقوق فمن لم يضعف فلا باس عليه قال ابن الهمام يكره صوم الدهر لانه يضعفه او يصير طبعا له ومبنى العبادة على مخالفة العادة‘‘ اھ

نیز اسی میں ہے: ’’ان العلة في نهي صوم الدهر انما هو الضعف فيكون المعنى انه ان اطاقه احد فلا باس او فهو افضل‘‘ اھ (ج ۴ ص: ۲۹۰) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد ابراہیم مصباحی
۱۸ رجب المرجب، ۱۴۳۰ھ

حائضہ کا روزہ رہنے کے لئے خون بند کرنے والا ٹبلیٹ کھانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ماہ رمضان المبارک میں حائضہ عورت روزہ رکھنے کے لئے اگر مہلت وغیرہ کا استعمال کرے تا کہ دم حیض منقطع ہوجائے اوراس کا روزہ قضا نہ ہوتو اس کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں نیز اس صورت میں روزہ رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟ المستفتی: مولانا محمد اختر حسین قادری حبیبی، مدرسہ اسلامیہ عربیہ بحر العلوم، سد پور، بارہ بنکی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اس کا روزہ رکھنا صحیح ہے کیونکہ دم حیض کا آنا ہی مانع صوم تھا۔ ہدایہ "باب الحیض و الاستحاضۃ" میں ہے: "و الحیض یُسقط عن الحائض الصلاۃ و یحرم علیہا الصوم" اھ (ص ۶۳، ج۱) بلکہ جب مہلت کھانے سے حیض کا خون بند ہوگیا تو اس پر روزہ رکھنا فرض ہوگیا۔ اب اگر روزہ نہ رکھے گی تو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوگی۔

البتہ اس کا یہ فعل ممنوع ہے کیونکہ حیض کے خون کو روک لینا صحت کے لئے بہت مضر ہے اور اس سے بہت سی بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہ: غلام نبی نظامی علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۲ رشوال المکرم ۱۴۲۶ھ

جہاں بدلی کی وجہ سے کبھی بھی ۲۹ کا چاند نہ نظر آتا ہے وہاں کیا سال کے ۱۲ مہینہ ۳۰ کی گنتی پوری کریں گے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

برطانیہ میں ہمیشہ بدلی رہتی ہے جس کے باعث کوشش کے باوجود کبھی ۲۹ ر کا چاند نظر نہیں آتا اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر ۲۹ ر کا چاند نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کریں تو کیا سال کے بارہ مہینے ۳۰ ر کی گنتی کے مطابق پورا کریں گے۔ اگر تیس کی گنتی پوری کرتے ہیں تو سال میں آٹھ، دس دن لوگوں سے پیچھے رہ جائیں گے تو پھر رمضان وغیرہ کے لیے کیا حکم ہے؟ المستفتی: حافظ حسام الدین، لندن، برطانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ایسی جگہ جہاں بدلی کے باعث یا اور کسی وجہ سے انتیس تاریخ کو کوشش کے باوجود کبھی

چاند نظر نہیں آتا اور کہیں سے رویت ہلال کی شہادت بھی نہ مل سکے تو وہاں کے لوگوں پر ضروری ہے کہ تیس کی گنتی پوری کریں۔

حدیث شریف میں ہے "صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فان أغمي عليكم فأقدروا له ثلاثين." چاند دیکھ کر روزہ رکھو چاند دیکھ کر افطار کرو اگر چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ (الصحيح لمسلم ج۱، ص ۳۴۷، باب وجوب رمضان لروية الهلال والفطر

البتہ کسی دوسری جگہ سے انتیس تاریخ کی رویت ہلال کا ثبوت بطریق شرعی حاصل ہو جائے تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے بلکہ دوسرے ملک میں جہاں رویت ہوئی ہو وہاں کسی دو عادل پابند شریعت کو بھیج کر رویت ہلال کا ثبوت شرعی حاصل کریں تو لوگوں سے پیچھے نہ رہیں گے اور سرمایہ دار ممالک جیسے برطانیہ میں رہنے والوں کے لیے ثبوت رویت حاصل کرنا کوئی زیادہ باعث حرج ومشقت بھی نہیں بلکہ تھوڑی سی توجہ سے وہ اس کام کو بہ آسانی انجام دے سکتے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''روزہ افطار کی بنا حضور نے رویت پر رکھی ہے خود رویت ہو یا دوسری جگہ کی رویت کا ثبوت شرعی اگر چہ دونوں جگہ میں فاصلہ مشرق ومغرب کا ہو۔'' (ج ۴، ص ۵۴۶)

درمختار میں ہے: "يلزم أهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب." (فوق ردالمحتار ج۲، ص ۳۹۴، كتاب الصوم) والله تعالىٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد وقار علی احسانی علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

اَبر آلود جگہ چار لوگوں نے چاند دیکھا پھر ایسی جگہ آکر شہادت دی جہاں مطلع صاف تھا تو یہ گواہی کافی ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ایک ایسا قصبہ جہاں آسمان ابر آلود تھا صرف تین چار آدمیوں نے عید الفطر کا چاند دیکھا جو صرف ایک لمحہ نظر آیا پھر غائب ہو گیا اور ایسے شہر یا قصبہ میں آکر جہاں آسمان بالکل صاف تھا چاند دیکھنے کی گواہی دی، کیا یہ شہادت اس شہر یا قصبہ کے لئے کافی ہوگی یا نہیں بحوالہ کتب فقہ جواب مرحمت فرمائیں، حوالہ ان کتابوں کا تحریر فرمائیں جو ہر مسلک کے نزدیک معتبر ہو۔

ہمارے یہاں مفتی صاحب نے ان کی شہادت یہ کہہ کر رد فرما دی کہ آسمان بالکل صاف تھا اور جہاں آسمان بالکل صاف ہو عید الفطر کا چاند ایک جم غفیر یا کم از کم اتنی تعداد کی شہادت سے ثابت ہوگا جن کا اجتماع

کذب پر عقلاً محال ہو، چونکہ مفتی صاحب گجرات چاند کمیٹی کے صدر بھی ہیں سب لوگوں نے فیصلہ قبول کرتے ہوئے روزہ رکھا، چند لوگوں نے ایک عالم کے کہنے پر روزہ رکھ کر توڑ دیا اور چند لوگوں نے ایک عالم کے کہنے پر نفل کی نیت سے روزہ رکھا۔ مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں کہ حق بجانب کون ہیں۔

المستفتی: شبیر احمد صدیقی، گجرات چاند کمیٹی، ہیڈ آفس، شاہی جامع مسجد، پنکورناکا، احمد آباد گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب ائمہ حنفیہ کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں یعنی ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لئے کفایت کرتی ہے جب کہ دوسری جگہ اس کا ثبوت شرعی حاصل ہو جائے اور حدیث شریف میں ہے:

"صوموا لرویته وافطروا لرویته"

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صوم و افطار کا مدار رویت پر رکھا، تو خود رویت ہو یا دوسری جگہ کی رویت کا ثبوت شرعی، دونوں سے چاند کا ثبوت ہو جائے گا اگرچہ دونوں جگہوں میں مشرق و مغرب کا فاصلہ ہو مگر دوسری جگہ کے لئے یہ حکم اس وقت ہے کہ وہاں اس دن تاریخ میں چاند ہونا بطریق شرعی ثابت ہو جائے۔

درمختار میں ہے:

"اختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاهر المذهب و علیه اکثر المشایخ و علیه الفتوی، فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رویة اولئك بطریق موجب" ملخصاً اھ اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: "کأن یتحمل اثنان الشهادة أو یشهدا علی حکم القاضی أو یستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبرا ان اهل بلدة کذا راوه لانه حکایة" اھ (مطلب فی اختلاف المطالع ص ۳۹۳، ج ۲)

صورت مذکورہ میں کہ آسمان ابر آلود تھا چند آدمیوں نے عید الفطر کا چاند دیکھا پھر دوسرے شہر یا قصبہ میں جا کر جہاں آسمان بالکل صاف تھا اپنی رویت کی شہادت دی تو وہ مقبول ہوگی کہ جس جگہ مطلع صاف ہو وہیں کی رویت کے لئے جم غفیر کی شرط ہے اور جہاں مطلع ابر آلود ہو وہاں کے چند لوگوں نے چاند دیکھا اور بیان دیا کہ وہ باہر فلاں جگہ سے چاند دیکھ کر آ رہے ہیں پھر شہادت دیں تو معتبر ہوگی۔ درمختار میں ہے:

"و شرط للفطر مع العلة و العدالة نصاب الشهادة و لفظ اشهد و لو کانوا ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة و افطروا باخبار عدلین مع العلة للضرورة و قبل بلا علة جمع عظیم یقع غلبة الظن بخبرهم و عن الامام یکتفی بشاهدین و اختاره فی البحر و صحح فی الاقضیة الاکتفاء بواحد إن جاء من خارج البلد أو کان علی مکان مرتفع و اختاره ظهیر

الدين، و هلال الاضحی و بقية الاشهر التسعة كالفطر علی المذهب" اھ ملخصاً (کتاب الصوم ص۳۸۶، ج۲) واللہ تعالیٰ أعلم۔

کتبہٗ: محمد صابر عالم قادری مصباحی
۱۸؍ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

تین سال رمضان کے تین روزے توڑ دیئے تو ایک کفارہ ہے یا تین؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید تین برس کے تینوں رمضان کے مہینوں میں جان بوجھ کر بحالت روزہ عورت سے جماع کرلیا۔ اب زید اپنے گناہوں پر نادم و پشیماں ہے، لہٰذا ایک کفارہ سب کی طرف سے کافی ہوگا یا نہیں؟ حکم صادر فرمائیں۔

المستفتی: نور الحسن جگدیش پور، جادوپور، کلیا چک مالدہ، مغربی بنگال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اگر زید نے تین برس کے تینوں رمضان کے دن میں جان بوجھ کر بحالت روزہ عورت سے جماع کرلیا تو اس پر تینوں جرائم کے بدلے تین کفارے لازم ہیں۔ بحر الرائق میں ہے:

"لو جامع فی رمضانين فعليه كفارتان وإن لم يكفر للأولى فی ظاهر الرواية وهو الصحيح" اھ (ج۲، ص۲۷۷)

ہر کفارہ کے لئے ساٹھ روزے پے در پے کفارہ کے رکھے اور ایک روزہ قضا کا رکھے اسی طرح کل ایک سو تراسی روزے رکھے اگر روزے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو ایک سو تراسی مساکین کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ان کو صدقۂ فطر کی مقدار اناج یعنی ۲رکلو ۷۴ گرام گیہوں یا اس کا دام دے۔

واضح رہے کہ دوران روزہ رمضان اور ایام ممنوعہ یعنی وہ دن جن میں روزہ ناجائز ہے نہ آئیں جوہرہ نیرہ میں ہے:

"اذا جامع فی رمضان فی سنة فلم يكفر حتی جامع فی رمضان أخر فعليه لكل جماع كفارة" اھ (ج۱، ص۱۶۳)

تقریرات الرافعی صفحہ ۱۴۹ پر ہے:

"فقد اختلف الترجيح ما نقله عن الجوهرة لا يفيد ترجيح خلاف ما ذكره الشارح اولاً مطلقاً بل فی خصوص الجماع فهو عين ما ذكره ثانياً" اھ درمختار میں ہے:

الکفارۃ تحریر رقبۃ فان لم یجد صیام شھرین متتابعین لیس فیھما رمضان و أیام ما نھی عن صومھا فان عجز عن الصوم أطعم ستین مسکینا کالفطرۃ أو قیمۃ ذلک و إن غداھم وعشاھم جاز" اھ ملخصاً (ج ۳، ص ۴۲۷) ایسا ہی فتاویٰ ہندیہ ج ۱، ص ۲۱۵ میں بھی ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد معراج احمد قادری مصباحی
۱۰ ربیع النور ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کِتَابُ الْحَجّ

حج کا بیان

حج بدل کون کرسکتا ہے؟ حج بدل کے ارکان، حج بدل والا قربانی کس کے نام سے کرے؟ بدل کرنے اور کرانے والوں کو کتنا کتنا ثواب ملے گا؟ فرضیت حج کی شرطیں کیا بدل کرنے والا عمرہ کرسکتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) حج بدل کون کرسکتا ہے؟ (۲) عورت کا حج بدل کون کرسکتا ہے؟ (۳) حج بدل کرنے کے لیے کون کون سے ارکان کرنے پڑتے ہیں؟ (۴) حج بدل کرنے والا مکہ میں قربانی کس کے نام سے کرے گا اپنے نام سے یا حج بدل کرانے والے کے نام سے؟ (۵) حج بدل کرنے والے کو اور حج بدل کرانے والے کو کتنا کتنا ثواب ملے گا؟ (۶) حج کس کے اوپر فرض ہے؟ (۷) حج بدل کرنے والا دوسرے کا عمرہ کرسکتا ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ کا صحیح حل احادیث وفقہ کی روشنی میں بالتفصیل مع حوالہ جات کتب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں اور عوام کی مشکل دور فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی: خورشید احمد تبریز احمد نظامی

جامعہ عربیہ اہل سنت نور العلوم موضع بلاس پور پوسٹ پپرا سوہٹ، ضلع مہراج گنج، یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱-۲) ہر وہ سنی صحیح العقیدہ مسلمان آزاد مرد جس پر حج فرض نہ ہو وہ حج بدل کرسکتا ہے خواہ عورت ہی کا حج بدل کیوں نہ ہو البتہ بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے ایسا شخص بھیجا جائے جو خود حج فرض ادا کر چکا ہو اور حج کا طریقہ اور اس کے افعال سے آگاہ ہو اور اگر ایسے شخص کو بھیجا جس نے خود نہیں کیا ہے جب بھی حج بدل ہو جائے گا لیکن اگر خود اس پر حج فرض ہو اور ادا نہ کیا ہو تو ایسے شخص کو بھیجنا جائز نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے۔ والافضل للانسان اذا ادان یحج رجلا عن نفسه ان یحج رجلا

قد حج عن نفسه و مع هٰذا لو احج رجلا لم یحج عن نفسه حجة الاسلام یجوز عندنا و سقط الحج عن الأمر ذکر فی المحیط و فی الکرمانی الافضل ان یکون عالما بطریق الحج وافعاله ویکون حرا عاقلا بالغا کذا فی غایة السروجی شرح الھدایة۔ اھ(ج ۱ص ۲۵۷)

درمختار میں ہے:

ویقع الحج المفروض عن الأمر علی الظاھر من المذھب وقیل عن المامور نفلا وللأمر ثواب النفقة کالنفل لکنه یشترط لصحة النیابة اھلیة المامور لصحة الافعال ثم نوع علیه بقول فجاز حج الصرورة بمهملة من لم یحج.

ردالمحتار میں ہے۔قوله من لم یحج کذا فی القاموس وفی الفتح والصرورة یراد به الذی لم یحج عن نفسه ای حجة الاسلام ۔اھ پھر فتح القدیر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں ثم قال والافضل احجاج الحر العالم بالمناسك الذی حج عن نفسه وذکر فی البدائع کراھة احجاج الصرورة لانه تارك فرض الحج ثم قال فی الفتح بعد ما اطال فی الاستدلال والذی یقتضیه النظران حج الصرورة عن غیرہ ان کان بعد تحقیق الوجوب علیه بملك الزاد والراحلة والصحة فھو مکروہ کراھة تحریم لانه تضیق علیه فی اول سنی الامکان فیاثم بترکه۔اھ(ج ۲ص ۲۰،۲۱)واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) حج بدل کی جب شرطیں پائی جائیں تو حج بدل کرانے والا حج افراد، قران، تمتع جس حج کا حکم دے اسے اسی کے تمام ارکان کرنے ہوں گے البتہ ان تینوں قسموں میں چونکہ تمتع آسان ہے اس لیے یہاں حجاج اکثر تمتع ہی کرتے ہیں تمتع کی تفصیل ''حج وزیارت'' یا اس کے مثل کسی دوسری کتاب سے معلوم کرلیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) اگر آمر نے حج تمتع میں قران کا حکم دیا ہے تو قربانی آمر کی طرف سے اس کے نام سے ہوگی اور اگر صرف حج کا حکم دیا مگر تمتع کیا تو قربانی اپنی طرف سے اپنے مال سے کرے گا بشرطیکہ آمر نے تمتع کی اجازت دے دی ہو ورنہ اگر اجازت نہ دی ہے خود سے تمتع کرلیا تو آمر کی طرف سے حج نہ ہوا تاوان دے کہ اس میں حکم آمر کی مخالفت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ویجب الدم علی المتمتع شکرا لما انعم اللہ تعالیٰ علیه بتیسیر الجمع بین العبادتین کذا فی فتاوی قاضی خان۔اھ(ج ۱ص ۲۳۹)واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) حج بدل کی جب سب شرطیں پائی گئیں اور حج بدل ادا کر چکا تو حج بدل کرنے والے نے جس کی

طرف سے حج کیا اس کا فرض ادا ہوگیا اور اس کے ثواب کا بھی مستحق ہوگیا ساتھ ہی حج کرنے والا بھی ثواب پائے گا بلکہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ حج کرنے والے کو دس حج کا ثواب ملے گا بہار شریعت میں حج بدل کے بیان میں حدیث نمبر ۲ میں مذکور ہے کہ "جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دار قطنی راوی کہ حضور نے فرمایا جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے تو اس کا حج پورا کر دیا جائے گا اور اس کے لیے دس حج کا ثواب ہے" (ج ۶ ص ۲۵۶) واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) حج فرض ہونے کے لیے آٹھ شرطیں ہیں جب تک یہ شرطیں نہ پائی جائیں اس پر حج فرض نہیں وہ شرطیں یہ ہیں (۱) اسلام (۲) دار الحرب میں ہو تو یہ بھی جانتا ہو کہ اسلام کے فرائض میں حج ہے (۳) عاقل ہونا (۴) بالغ ہونا (۵) آزاد ہونا (۶) تندرست ہونا (۷) سفر خرچ کا مالک اور سواری پر قادر ہونا (۸) وقت۔ یعنی حج کے مہینوں میں ان تمام شرائط کا پایا جانا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: واما شرائط وجوبه فمنها الاسلام والعقل والبلوغ والحرية والقدرة على الزاد والراحلة والعلم بكون الحج فرضاً وسلامة البدن" اھ (ج ۱ ص ۲۱۶ ملخصاً)

(۷) حج بدل کرنے والا خود اپنے لیے اور دوسرے کے لیے بھی عمرہ کرسکتا ہے مگر اپنے یا دوسرے عمرہ کے مصارف خود اس کے ذمہ ہوں گے۔

ردالمحتار میں ہے۔ ولو امره بالحج ثم اعتمر عن نفسه جاز الا ان نفقة اقامته للعمرة عن نفسه فی ماله" اھ (ج ۲ ص ۲۰۰) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۰ ربیع النور ۱۴۲۹ھ

طواف زیارت میں رمل کرے گا یا نہیں؟ کرے تو احرام کے ساتھ یا بلا احرام

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

حاجی طواف زیارت میں رمل کرے گا یا نہیں؟ اگر کرے گا تو احرام کے ساتھ یا بغیر احرام کے؟

بینوا توجروا — المستفتی: مولانا محمد خالد رضوی (لندن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "قارن و مفرد طواف قدوم میں اور متمتع بعد احرام حج کسی طواف نفل میں حج کے رمل و سعی دونوں خواہ صرف سعی کر چکے ہوں تو اس طواف میں

رمل وسعی کچھ نہ کریں اور اگر اس میں رمل وسعی کچھ نہ کیا ہو یا صرف رمل کیا ہو یا جس طواف میں کیے تھے وہ عمرہ کا تھا جیسے قارن و تمتع کا پہلا طواف یا وہ طواف بے طہارت کیا تھا تو ان چاروں صورتوں میں رمل وسعی دونوں اس طواف فرض میں کریں" (فتاویٰ رضویہ ص ۷۱۲، ج ۴) رہا یہ کہ احرام کے ساتھ کرے یا بغیر احرام کے تو سنت یہی ہے کہ بلا احرام ہو اس لیے کہ طواف زیارت کا رمی وحلق کے بعد ہونا سنت ہے اور حلق سے حاجی احرام سے باہر ہو جاتا ہے اور اگر طواف کو حلق وغیرہ پر مقدم کیا تو اس صورت میں احرام کے ساتھ ہوگا کہ ابھی احرام سے باہر نہیں ہوا ہے۔ درمختار واجبات حج میں ہے "اما الترتیب بین الطواف و بین الرمی والحلق فسنة فلو طاف قبل الرمی والحلق لا شی علیہ ویکرہ لباب"۔ (ص ۴۷۰ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہ: فیض محمد قادری مصباحی امجدی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۰ ربیع النور ۱۴۲۸ھ

کیا طواف کی طرح سعی میں بھی طہارت شرط ہے؟

مسئلہ کتب حدیث وفقہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ عورت حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کے ساتھ سعی بھی نہیں کرے گی یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے اگر ایسی حالت میں عورت طواف زیارت کر لیتی ہے تو ارتکاب گناہ کی وجہ سے حرم میں ایک بڑے جانور یعنی اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہے۔ اور حالت حیض ونفاس میں عورت کو سعی بھی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سعی اپنے ماقبل طواف پر موقوف ہے۔ اور جب ماقبل طواف میں طہارت شرط ہے تو مابعد میں بھی بالتبع شرط ہے جب وہاں جائز نہیں تو یہاں بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ حاشیہ التعلیق الممجد علی موطا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۲۱۶ میں اس کی تصریح ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر عورت سعی بھی کر لیتی ہے تو اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ سعی بھی واجبات حج میں سے ہے اور اس کے ترک پر شرعاً دم واجب ہے۔

المستفتی: قاضی محمد اطیع الحق عثمانی، جمال الدین پور، سعد اللہ نگر، بلرام پور، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب یہ صحیح ہے کہ عورت حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کے ساتھ سعی بھی نہیں کرے گی۔ طواف زیارت تو اس لیے کہ اس کے لیے طہارت واجب ہے، اور سعی اس لئے کہ سعی اپنے ماقبل طواف پر موقوف ہے یعنی سعی کا طواف کے بعد ہونا واجب ہے، طواف زیارت کے بعد ہی سعی ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر حالت حیض ونفاس میں طواف زیارت کر لیتی ہے تو ترک واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگی اور جرمانہ میں حرم میں

ایک بڑے جانور کی قربانی لازم ہوگی اور یہ طواف زیارت درست ہوجائے گا۔ اگر اسی حالت میں اس کے بعد سعی کر لیتی ہے تو یہ سعی بھی صحیح و درست ہوگی کہ سعی کے لیے ضروری تھا کہ طواف کے بعد ہو اور یہاں بعد طواف پائی گئی، اور اس سعی کی وجہ سے دوسرا دم لازم نہ ہوگا کہ سعی کے لیے طہارت واجب نہیں۔

درمختار میں ہے "وحیضها لا یمنع نسکاً الا الطواف ولا شی علیها بتاخیره اذا لم تطهر الا بعد ایام النحر" اھ ردالمحتار میں ہے "قوله :لا یمنع لنسکا" ای شیأ من اعمال الحج "قوله الا الطواف" فهو حرام من وجهین دخولها المسجد و ترك واجب الطهارة، قدمنا عن المحیط ان تقدیم الطواف شرط صحة السعی، فلوحاضت قبل الاحرام اغتسلت واحرمت وشهدت جمیع المناسك الا الطواف والسعی اھ: ای لان سعیها بدون طواف غیر صحیح"۔ (ص ۵۵۲ ج ۳ کتاب الحج) فتاوی هندیه میں ہے "ان سعی جنبا او حائضاً او نفساء فسعیه صحیح" اھ (ص ۲۴۷ ج ۱)

اب ایک نظر حاشیۂ موطا امام محمد کی عبارت پر بھی ڈالئے۔ عبارت یہ ہے "و کذا لا تسعی بین الصفا والمروة لأنه وان کان جائزا بغیر طهارة لکنه متوقف علی وجود طواف قبله واذ لیس فلیس" اھ (ص ۲۲۱) اس میں تو صاف صاف وضاحت ہے کہ سعی یقیناً بغیر طہارت کے جائز و درست ہے لیکن سعی کی صحت پیشگی طواف پر موقوف ہے اور جب وہ نہیں ہے تو یہ بھی نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سعی کے لیے بھی طہارت ضروری ہے وہ تو اس کے خلاف صراحت فرما رہے ہیں بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ پیشگی طواف، سعی کے لیے ضروری ہے اور جب نہیں پایا گیا تو سعی بھی نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہ:** محمد صدیق عالم منظری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۸ ر جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ

بسّی میں شرکت کیسی ہے؟ اور اس پیسہ سے حج کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

بکر جو کہ غیر مسلم ہے اس نے رقم مجموعی طور پر محصول ہو اس کی ایک صورت بنائی۔ جو کہ چند لوگوں پر مشتمل ہے دہلی شہر میں اس کو کمیٹی اور شہر ممبئی میں غالباً بسّی کے نام سے جانا جاتا ہے اور عموماً یہ بولی پر تشکیل ہوتی ہے۔ کبھی اس کمیٹی میں سارے غیر مسلم ہوتے ہیں اور کبھی کچھ مسلم اور غیر مسلم دونوں ہوتے ہیں۔

زید چوں کہ مسلم ہے اور ایسی کمیٹی میں برابر شریک رہتا ہے کمیٹی کھلنے کی تاریخ مقرر ہوتی ہے بعدہٗ رقم

وصول ہوتی ہے۔ جو جس کو ضرورت ہوتی ہے تو وہ اتنے گھاٹے پر اٹھا کر اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے۔ زید بہت بڑا تاجر ہے اس نے کئی بار کمیٹی کھولی اور اٹھا کر اپنی تجارت میں لگایا، تجارت میں اس کو کافی ترقی ملی یہاں تک کہ صاحب نصاب ہو گیا اور حتی الامکان دینی و دنیوی امور میں صرف کرنے کے ساتھ مال کی زکاۃ بھی نکالتا ہے۔ فی الحال استطاعت ہے کہ حج کرے۔

لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مذکورہ رقم محصول کے ذریعہ اپنے والدین کریمین کو حج کے لیے بھیجنا چاہتا ہے آیا! عبادت خدا یعنی حج بیت اللہ کر سکتا ہے یا کروا سکتا ہے کہ نہیں؟ نیز ایسی کمیٹی جو مذکورہ بالا ہے اس میں مسلم کی شرکت جائز ہے یا نہیں؟ اور جواز و غیر جواز دونوں کی کیا صورت ہے؟ تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ فقط والسلام۔

المستفتی: محمد اقلیم رضا قادری نظامی، مدرسہ اہلسنت شمس العلوم رضویہ، ایل بلاک ۳۹۶ منگول پوری، نئی دہلی، ۸۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب مذکورہ کمیٹی کا کاروبار سود پر مشتمل ہے جو بلاشبہ ناجائز و سخت حرام ہے، ارشاد باری تعالی ہے "اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" اھ یعنی اللہ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام" (پ ۳ سورہ البقرہ آیت ۲۷۵) اور حدیث پاک میں ہے "لعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم آكل الربوا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء" اھ (مشکوۃ شریف ص ۲۴۴)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی کمیٹی کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ مثلاً دس آدمی اس طرح کام کرتے ہیں کہ ہر ماہ دس ہزار روپے جمع کرتے ہیں ایک لاکھ روپے ہو جاتے ہیں تو وہ لوگ اس رقم پر آپس میں بولی بولتے ہیں مثلاً زید نے کہا نوے ہزار، بکر نے کہا اسی ہزار، خالد نے کہا پچہتر ہزار تو پچہتر ہزار پر بولی ختم ہو گئی، خالد نے ایک لاکھ میں سے پچہتر ہزار لے لیا باقی پچیس ہزار کو ڈھائی ڈھائی ہزار سب نے بانٹ لیا اس طرح دسوں آدمی ہر ماہ کرتے ہیں۔ عام طور پر کمیٹی یا بسی میں یہی طریقہ کار رائج ہے، جس کمیٹی کے تعلق سے یہ سوال دریافت کیا گیا ہے اگر اس کا بھی طریقۂ کار یہی ہے تو یہ معاملہ بلاشبہ ناجائز ہے کہ اس میں قرض دے کر سود لینے دینے کی شرط ہے، حدیث پاک میں ہے "كل قرض جر منفعة فهو ربا" اھ (بیہقی شریف ج ۵ ص ۵۷۳)

لہٰذا ایسی کمیٹی کا کاروبار ناجائز و حرام ہے اور اس میں مسلمان کی شرکت ناجائز و گناہ ہے۔ اور مال حرام سے حج کرنا جائز نہیں اگر کیا تو حج مقبول نہ ہوگا البتہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ "حرام مال کا اس (حج) میں صرف کرنا حرام ہے اور وہ حج قابل قبول نہ ہوگا اگرچہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا جو مال حرام لے کر حج کو جاتا ہے جب

وہ لبیک کہتا ہے فرشتہ جواب دیتا ہے "لالبيك وسعديك وحجك مردود عليك حتى ترد ما في يديك" اھ یعنی نہ تیری حاضری قبول نہ تیری خدمت قبول اور تیرا حج تیرے منھ پر مردود جب تک تو یہ مال حرام جو تیرے ہاتھوں میں ہے واپس نہ دے" اھ (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۶۸۵)

اور ردالمحتار "مطلب فیمن حج بمال حرام" میں ہے "قال في البحر ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث مع انه يسقط الفرض عنه معها ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول" اھ (ج ۳ ص ۴۵۳)

لہٰذا خالص اسی روپے سے جو کمیٹی سے لیا ہے حج کرنا جائز نہیں ہاں اگر اس روپے کے ذریعہ تجارت کیا، اور تجارت اس طریقہ پر کی کہ عقد ونقد دونوں مال حرام پر جمع ہوئے یعنی وہی حرام روپیہ دکھا کر سامان تجارت خریدا پھر وہی حرام روپیہ اس کو دے دیا، یا پہلے ہی وہ حرام روپیہ دوکاندار کو دے دیا اور اس کے بدلے سامان تجارت خریدا تو وہ مطلقاً حرام وخبیث ہے اس سے تجارت حرام وناجائز ہے۔ اور اگر عقد ونقد دونوں مال حرام پر جمع نہ ہوئے مثلاً مطلقاً سامان خریدا اور قیمت میں وہی حرام روپیہ دے دیا، یا حرام روپیہ دکھا کر خریدا مگر قیمت دیتے وقت دوسرا روپیہ دیا تو وہ خریدا ہوا سامان پاک ہے اور اس سے تجارت کرنا جائز ہے۔ البتہ ایسی تجارت سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس لیے اگر زید نے مذکورہ طریقہ جواز کے نہج پر تجارت کی تو اس کے ذریعہ حاصل شدہ آمدنی سے حج کرنا اور والدین کو حج کرانا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہ: محمد نیاز برکاتی مصباحی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

عمرہ کے لئے رمضان میں مکہ گیا اور رک گیا حتی کہ ایام حج آگئے اور حج کیا تو ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جو رمضان شریف میں عمرہ کے لیے حاضر ہو پھر وہیں ٹھہر جائے یہاں تک کہ حج کے ایام آجائیں تو اس کا حج ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: (مولانا) محمد محسن صاحب بولٹن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر اس شخص نے رمضان شریف میں ہی عمرہ کرلیا اور شوال کا مہینہ شروع ہونے کے بعد پھر کبھی عمرہ نہ کیا تو حج کرسکتا ہے اور اس کا حج بلا کراہت صحیح ہے بلکہ اگر وہ پہلے حج فرض نہیں ادا کیا تھا تو فرض ہے

مگر اس پر ہر حال میں یہ لازم ہے کہ شوال کا چاند ہونے کے بعد عمرہ نہ کرے کیونکہ جب وہ مکہ معظمہ میں مقیم ہوگیا تو وہ آفاقی نہ رہا بلکہ مکی کے حکم میں ہوگیا اور مکی کے لیے حج تمتع جائز نہیں جیسا کہ ردالمحتار کتاب الحج میں ہے "قال فی البحر ولو أحج رجلا لحج ثم اقام بمكة جاز لان الفرض صار مودی والافضل ان يحج ثم يعود الى اهله" اھ (ج ۲ ص ۶۱۲)

اور اسی کتاب کے ص ۵۳۷ پر ہے "وصرح فی اللباب بانه لا يعتمر (قبل الحج) ای بناء علی انه صار فی حكم المكی وان المكی ممنوع من العمرة فی اشهر الحج وان لم يحج" اھ پھر تین صفحہ کے بعد ہے

"ومن هذا قلنا لا تمتع لاهل مكة واهل المواقيت" والله تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد ارشد رضا مصباحی
۲۵ ذی القعدہ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا نماز و حج سے کبیرہ بھی معاف ہوجاتے ہیں؟

اگر حج پر جانے والا زکاۃ نہ دے تو حج مقبول ہے؟

مسئلہ کیا نماز و حج سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہوجاتے ہیں، حج پر جانے والا زکوۃ نہ ادا کرے تو حج مقبول ہے؟ المستفتی: محمد اقبال احمد کلکتہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب حج سے گناہوں کی معافی کے بارے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رسالہ مبارکہ ''اعجب الامداد'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس نے پاک مال، پاک کمائی، پاک نیت سے حج کیا اور اس میں لڑائی جھگڑا نیز ہر قسم کے گناہوں اور نافرمانی سے بچا پھر حج کے بعد فوراً مر گیا اتنی مہلت نہ ملی کہ جو حقوق اللہ اور حقوق العباد اس کے ذمہ تھے انہیں ادا کرتا یا ادا کرنے کی فکر کرتا تو حج مقبول ہونے کی صورت میں امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام حقوق کو معاف کردے۔ اور حقوق العباد کو اپنے ذمہ کرم پر لے کر حق والوں کو قیامت کے دن راضی کرے اور خصومت سے نجات بخشے۔

اور اگر حج کے بعد زندہ رہا اور حتی الامکان حقوق کا تدارک کرلیا یعنی سالہائے گزشتہ کی مالکی زکاۃ ادا کردی، چھوٹی ہوئی نماز اور روزہ کی قضا کرلی جس کسی کا حق مار لیا تھا یا د آنے کے بعد اس کے وارثین کو دے دیا جسے تکلیف پہنچائی تھی معاف کرالیا، جو صاحب حق نہ رہا اس کی طرف سے صدقہ کردیا۔ اگر حقوق اللہ اور حقوق

العباد میں سے ادا کرتے کرتے کچھ رہ گیا تو موت کے وقت اپنے مال میں سے ان کی ادائیگی کی وصیت کر گیا۔
خلاصہ یہ ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے چھٹکارے کی ہر ممکن کوشش کی تو اس کے لیے بخشش کی اور زیادہ امید ہے۔ ہاں اگر حج کے بعد قدرت ہونے کے باوجود ان امور سے غفلت برتی انہیں ادا نہ کیا تو یہ سب گناہ ازسر نو اس کے ذمہ ہوں گے اس لیے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد تو باقی ہی تھے ان کی ادائیگی میں تاخیر کرنا پھر تازہ گناہ ہوا جس کے ازالہ کے لیے وہ حج کافی نہ ہوگا اس لیے کہ حج گزرے ہوئے گناہوں یعنی وقت پر نماز و روزہ وغیرہ ادا نہ کرنے کی تقصیر کو دھوتا ہے۔
ردالمحتار باب الھدی میں ہے "فان الھجرة والحج لا یکفران المظالم ولا یقطع فیھما بمحو الکبائر وانما یکفران الصغائر" اھ — نیز اسی میں چند سطر بعد ہے "ھو مخصوص بالمعاصی المتعلقة بحق اللہ تعالٰی لا العباد ولا یسقط الحق نفسه بل من علیه صلاة یسقط عنه اثم تاخیرھا لا نفسھا، فلو أخرھا بعد تجدد إثم آخر والحاصل ان تاخیر الدین وغیرہ وتاخیر نحو الصلاة والزکاة من حقوقه تعالٰی، فیسقط اثم التاخیر فقط عما مضی دون الاصل ودون التاخیر المستقبل" اھ (ج ۲ ص ۶۲۳) ایسا ہی فتاوی فیض الرسول ج ۱ ص ۵۴۵ میں ہے۔
رہی نماز تو اس سے صغیرہ گناہ مٹ جاتے ہیں، کبیرہ نہیں کبیرہ سے پاک ہونے کے لیے توبہ ضروری ہے، حدیث شریف میں ہے "الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة کفارات لما بینھن ما لم یغش الکبائر" ترمذی شریف (ج ۱ ص ۵۲)
اس حدیث شریف کے تحت مرقاۃ میں ہے: "ان الکبیرة لا یکفرھا الصلاة والصوم وکذا الحج وانما یکفرھا التوبة الصحیحة لا غیرھا" اھ (مرقات ج ۲، ص ۱۱۰) یعنی کبیرہ کا کفارہ نماز اور روزہ نہیں ہے ایسے ہی حج، کبیرہ کا کفارہ توبہ صحیحہ ہے نہ کہ اس کا غیر۔—
لہٰذا جو شخص زکوۃ ادا نہ کرے اور حج کو جائے تو اس کا حج ہو جائے گا لیکن اسے زکاۃ ادا کرنا اب بھی فرض ہے اگر ادا نہیں کرے گا تو گنہگار رہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد نیاز برکاتی مصباحی
۹ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ

جن روپیوں کی زکاۃ نہیں دی ان سے حج کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ جن روپیوں کی زکاۃ ادا نہیں کی گئی ان سے حج کرنا کیسا ہے؟ یا جن روپیوں سے حج کیا

ان کی تو زکاۃ ادا کر دی لیکن اس کے ذمہ پچھلی زکاۃ یا عشر باقی ہے تو اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: زبیر احمد قادری دار العلوم علی حسن، اہل سنت، سا کی نا کہ ممبئی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب حج ادا کرنے کے لیے اور اس کے مقبول ہونے کے لیے مال طیب کا ہونا ضروری ہے اور جن روپیوں کی ابھی زکاۃ ادا نہیں کی گئی وہ روپے مال طیب نہیں لہٰذا ان روپیوں سے اگر حج کیا تو حج فرض تو ادا ہو جائے گا لیکن قبول حج کی امید نہیں۔ بہار شریعت میں ہے ''توشہ مال حلال سے لے ورنہ قبول حج کی امید نہیں اگر چہ فرض اتر جائے گا'' اھ (ص ۱۶ ح ۶)

اور جن روپیوں سے حج کیا ان روپیوں کی زکاۃ ادا کر دی تھی تو وہ روپے اس کے لیے حلال وطیب تھے اور حلال وطیب مال سے حج کرنے سے حج فرض ادا ہو جاتا ہے کیوں کہ جب مال حرام سے حج کرنے سے فرض اتر جاتا ہے گو کہ مقبول نہیں تو حلال وطیب مال سے بدرجہ اولی ادا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے ذمہ جو زکاۃ یا عشر باقی ہے اگر نہیں ادا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ ردالمحتار میں یہ "لا يقبل بالنفقة الحرام مع انه يسقط الفرض عنه معها" اھ (ص ۴۵۶ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہ: فیض محمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۵ ربیع النور ۱۴۲۶ھ

بیرون ممالک جانے والوں کی ایجنٹنگ سے حاصل شدہ رقم سے حج کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ

بیرون ممالک بھیجنے والے افراد کی (ایجنٹنگ) پیش قدمی ورہنمائی کرنے میں حاصل شدہ رقوم سے حج کرنا کیسا ہے؟ المستفتی: مولانا اکبر علی رضوی، خادم مدرسہ فیض العلوم، دھنوجی خرد فاضل نگر، کشی نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب بیرون ممالک جانے والے افراد کی ایجنٹنگ میں حاصل شدہ رقم سے حج کرنا جائز ودرست ہے کہ وہ اجیر مشترک ہوتے ہیں اور کام پر مزدوری لیتے ہیں جو جائز ہے ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۸ ص ۱۷۵ پر ہے۔ لہٰذا ان کا اس کمائی سے زیارت حرمین شریفین کو جانا جائز ودرست ہے۔ درمختار فوق ردالمحتار "باب ضمان الاجیر" میں ہے۔ "مشترك من يعمل لا لواحد كالخياط ونحوه أو يعمل له عملاً غير موقت ولا يستحق المشترك الا جر حتى يعمل كالقصار ونحوه." ملخصاً

(ج:۶،ص۸۸) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: غلام احمد رضا
۲۹/ ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

بینک کے منافع سے حج کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ
زید نے ایل، آئی، سی سہارا اور متعدد بینکوں میں رقم جمع کیا ہے ان رقوم پر گورنمنٹ جو نفع دیتی ہے اس منافع کی رقم سے وہ حج کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ اس رقم سے حج کر سکتا ہے؟ براہ کرام مع حوالہ اس کا جواب تحریر فرمائیں۔ المستفتی: عبدالرزاق، گنیش پور، کٹرہ، بستی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب جو بینک یہاں کے خالص غیر مسلموں کے ہیں، یا یہاں کی حکومت کے ہیں ان میں روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ بینک کی رضا سے ملتی ہے، اس میں کھاتہ دار کی طرف سے کوئی دباؤ، یا غدر و بدعہدی نہیں ہوتی ہے، اس لیے وہ رقم ہمارے لیے مباح ہے۔
ہدایہ "باب الربا" میں ہے "لان مالهم مباح في دارهم بأي طريق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم يكن فيه غدر" اھ (ج۲ ص۷۰)
لہٰذا زید کی رقم جن بینکوں میں جمع ہے اگر وہ بینک یہاں کی حکومت یا خالص غیر مسلموں کے ہیں تو ان سے جو زائد روپے ملیں ان کا لینا جائز ہے، بشرطیکہ سود نہ سمجھے، اور اسے اپنے دینی و دنیوی امور میں صرف کرنا بھی جائز ہے، البتہ اولیٰ یہ ہے کہ اسے مسلم فقراء پر صدقہ کر دے یا اہل سنت و جماعت کے کسی مدرسہ میں دے دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: فیض محمد قادری مصباحی
۱۸/ ربیع النور ۱۴۲۶ھ

نسبندی کرانے والا حج کر سکتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ
زید نے کسی وقت نسبندی کرا لیا تھا لیکن اب اس کو اپنے مسائل سے وابستگی ہوئی ہے اور وہ اس وقت

صاحب نصاب ہے اور حج بیت اللہ کا متمنی ہے کیا زید حج کرسکتا ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مولانا غلام حسن صاحب، ڈھلمؤ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ضبط تولید کے لیے مرد کو نسبندی کرانا شرعاً ناجائز وحرام ہے کہ اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے اور یہ قرآن وحدیث کی نص سے ناجائز وحرام ہے۔ قرآن پاک میں ہے "لاٰمرنھم فلیغیرن خلق الله (سورہ نساء پ ۵، آیت ۱۱۹) بخاری شریف میں ہے "لعن الله المغیرات خلق الله" ملخصاً یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ان لوگوں پر ہے جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلتے ہیں۔ تفسیر کبیر میں ہے "ان معنی تغییر خلق الله ھٰھنا ھو الاخصاء (ج ۴ ص ۲۲۳) اور نسبندی میں ایک ایسی نس ایسا عضو کاٹا جاتا ہے جو توالد وتناسل کے سلسلہ کو بند کر دیتا ہے اس وجہ سے نسبندی معنی خصا میں داخل ہے جو بہ نص قرآن وحدیث حرام وگناہ ہے بلکہ اللہ ورسول کی نافرمانی وبے حیائی کے کام مفلسی کے اسباب سے ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
لاتقتلوا اولادکم من خشیة املاق نحن نرزقکم وایاھم ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن (سورہ انعام پارہ ۸ آیت ۱۵۱) لہٰذا زید نسبندی کرانے کی وجہ سے فعل حرام کا مرتکب ہوا توبہ کرے پھر بعد توبہ حج کرسکتا ہے کہ نسبندی مانع حج نہیں ہے حدیث شریف میں ہے "التائب من الذنب کمن لاذنب له" واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد احمد مصباحی قادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲ رصفر المظفر المبارکہ ۱۴۲۸ھ

بال صفا سے قصر وحلق صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر بال نہ آئے ہوں تو حلق صحیح ہوگا؟

مسئلہ (۱) قصر یا حلق یعنی احرام سے نکلنے کے لئے سر منڈوانا یا بال کتروانا کیا صابون وکریم جو بال صاف کرنے کا آتا ہے اس کا استعمال کرسکتے ہیں جن سے بال نکل کر صاف ہوجاتا ہے؟

(۲) اور اگر تین بار عمرہ کرنے کے بعد سر میں بال نہیں ہوتے اس صورت میں بھی کیا صابون لگا سکتے ہیں حلق ہوجائے گا؟

المستفتی: مقبول حسین چوری والا جواہر مارگ، اندور، ایم پی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱) احرام سے نکلنے کے لئے حلق وقصر کے علاوہ دوسرے طریقے سے بال دور کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً چونا ہڑتال وغیرہ لگا کر بال دور کرنا یہ بھی حلق ہی کے حکم میں ہے۔ اس طرح فقہاء نے یہ بھی

صراحت فرمائی ہے کہ اگر کسی کا سر آگ وغیرہ میں پڑ جائے اور بال دور ہو جائے تو بھی حلق ہو جائے گا کیونکہ حلق سے مقصود سر سے بال دور کرنا ہے اب وہ چاہے جس طریقے سے ہو۔

درمختار میں ہے "ولو ازاله بنحو نورة جاز"۔ ردالمحتار میں ہے: کحلق ونتف وکذا لو قاتل غیرہ لنتفة اجزأ عن الحلق" اھ (ج ۳ ص ۵۳۶ مطلب رمی جمرۃ العقبی) بنایہ میں ہے "ولو تنور حتی زال شعرہ فهو کالحلق" اھ (ج ۱، ص ۲۳۱) لہٰذا وہ صابون یا کریم جس سے بال صاف ہو جاتا ہے اس سے بھی بال دور کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ نجس اور خوشبودار نہ ہو۔

اس لئے کہ صابون و کریم کا نجس ہونا اگر یقینی طور سے معلوم ہو جائے تو اس کا استعمال کسی کے لئے بھی جائز نہیں محرم کی کیا تخصیص۔ مگر جب تک اس میں کسی ناپاک چیز کی ملاوٹ کا یقین حاصل نہ ہو اسے پاک ہی جانا جائے گا اور اس کا استعمال جائز ہوگا کیونکہ اشیاء میں اصل طہارت ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے ''شریعت مطہرہ میں طہارت وحلت اصل ہے اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں اور حرمت ونجاست عارضی ہے کہ ان کے ثبوت کو دلیل خاص درکار اور محض شکوک وظنون سے ان کا اثبات ناممکن کہ طہارت حلت پر بوجہ اصالت جو یقین تھا اس کا زوال بھی اس کے مثل یقین ہی سے متصور نہ ظن لاحق یقین سابق کے حکم کو رفع نہیں کرتا۔

فی الطریقة المحمدیة وشرحها الحدیقة الندیة للعلامة عبد الغنی النابلسی قدس سرہ القدسی الاصل فی الاشیاء الطهارة لقوله سبحانه تعالیٰ" هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً والیقین لا یزول بالشك والظن بل یزول بیقین مثله" اھ (ج ۲ ص ۸۹/۹۰)

یوں ہی اگر وہ صابون و کریم خوشبودار ہوں تو محرم کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں اگر کرے تو کثیر ہونے کی صورت میں دم اور قلیل ہو تو صدقہ واجب ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: " ونوع لیس بطیب بنفسه ولکنه اصل للطیب یستعمل علی وجه التطیب ویستعمل علی وجه الدواء کالزیت والشیرج ویعتبر فیه الاستعمال فان استعمل استعمال الادهان فی البدن یعطی له حکم الطیب وان استعمل فی ما کول اوشقاق رجل لا یعطی له حکم الطیب کذا فی البدائع... فاذا استعمل الطیب فان کان کثیرا فاحشاً ففیه الدم وان کان قلیلا ففیه الصدقة" اھ (ج ۱ ص ۲۴۰ باب الجنایات) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر مذکورہ صابون و کریم خوشبودار اور نجس نہیں تو بال نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کو استعمال کر سکتے ہیں حلق ہو جائے گا، کیونکہ فقہاء نے بیان فرمایا ہے کہ جس کے سر پر بال نہ ہوں وہ استرا پھرا لے حلق

ہو جائے گا۔ اور حلق کے لئے استرا اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں جن سے بال دور ہو جاتا ہے سب کے استعمال کا ایک ہی حکم ہے کہ جس سے بھی بال دور کیا جائے حلق ہو جائے گا۔

"البحر الرائق میں ہے " ولا زالة لا تختص بالموسیٰ بل بای آلة کانت اوبالنورة" اھ (ج ۳ ص ۳۴۶) اور بال نہ ہونے کی صورت میں چھورا پھرانے سے محض حالقین کی تشبہ مقصود ہے لہٰذا جس طرح چھرا پھرانے سے تشبہ ہوتی ہے اس طرح مذکورہ صابون لگانے سے بھی تشبہ حاصل ہو جائے گی کیونکہ وہ بھی آلہ حلق ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

"فاما اذا لم یکن اجری الموسیٰ علی راسه لما روی عن ابن عمر انه قال: من جاء ه یوم النحر ولم یکن علی راسه شعر اجری الموسیٰ علی راسه والقدوری رواه مرفوعاً الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ولانه اذا عجزوا عن تحقیق الحلق فلم یعجز عن التشبه بالحالقین وقد قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم فان حلق راسه بالنورة اجزأ والموسیٰ افضل اما الجواز فلحصول المقصود هو ازالة الشعر۔ (ج۲ ص۲۲۹) والله تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: عبد الرحیم فیضی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۵ر ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

کیا محض ارادہ سے حج فرض ہو جاتا ہے؟ حج فرض تھا نہیں کیا یہاں تک کہ رقم ختم ہو گئی تو؟ کیا حج کا پیسہ مجبور لڑکے کو دینے سے حج ہو جائے گا؟

مسئلہ ہندہ نے اپنی ایک زمین جو اس کی ملکیت میں تھی فروخت کر کے حج پر جانے کا ارادہ کیا پھر اس نے اپنے لڑکے زید کو بیچ کر کاروبار کے لئے روپے دے دیا۔ زید کو کاروبار میں کامیابی نہیں ملی۔ کافی نقصان ہوا جس کے باعث ساری رقم ڈوب گئی۔ اب ہندہ پریشان ہے کہ کیا اس ارادہ کی وجہ سے مجھ پر حج لازم ہو گیا تھا جس کی ادائیگی میرے ذمہ باقی ہے؟

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اپنے مجبور لڑکے کو دے دیا تو آپ کا حج ہو گیا کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

المستفتی: مولانا عبد الکریم صاحب، قاری، صدر المدرسین، فیضان رضا بلجیت نگر، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب لوگوں کا یہ کہنا کہ "اپنے مجبور لڑکے کو دے دیا تو آپ کا حج ہو گیا" حج محض ارادہ سے فرض

نہیں ہوتا جب تک کہ حج فرض کرنے والی ساری شرطیں فرض نہ پائی جائیں حکم شرع یہ ہے کہ جس وقت شہر والے حج کو جارہے ہوں اگر اس وقت ہندہ اتنے روپے کی مالک تھی جس سے سفر خرچ اور سواری پر قادر تھی اور وجوب حج کے دوسرے شرائط بھی پائے گئے مثلاً تندرستی، راستہ میں امن اور ہمراہ شوہر یا محرم کا ہونا تو ہندہ پر حج فرض ہوگیا۔ تاخیر کرنے سے گنہگار ہوگی۔ بہار شریعت میں ہے: سفر حج اور سواری پر قادر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ چیزیں اس کی حاجت سے فاضل ہوں یعنی مکان ولباس وخادم اور سواری کا جانور اور پیشہ کے اوزار اور خانہ داری کے سامان اور دین سے اتنا زائد ہو کہ سواری پر مکہ معظمہ جائے اور وہاں سے سواری پر واپس آئے اور جانے سے واپسی تک عیال کا نفقہ اور مکان کی مرمت کے لئے کافی مال چھوڑ جائے اور جانے آنے میں اپنے نفقہ اور گھر اہل وعیال کے نفقہ میں قدر متوسط کا اعتبار ہے۔ نہ کمی ہو نہ اسراف۔ عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نفقہ اس پر واجب ہے یہ ضروری نہیں کہ آنے کے بعد بھی وہاں اور یہاں کے خرچ کے بعد کچھ باقی بچے۔" (ج:۶،ص:۱۰)

خاص اس صورت میں یہ کہ تمام شرائط پائے گئے ہندہ پر حج فرض تھا اور لڑکے کے پاس ان روپیوں کے تلف ہونے سے فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوا وہ توبہ واستغفار کرے اور قرض لے کر حج کو جائے اگرچہ جانتی ہو کہ یہ قرض ادا نہ ہوگا مگر نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ قدرت دے گا تو ادا کر دوں گی پھر اگر ادا نہ ہوسکا اور نیت ادا کی تھی تو امید ہے کہ مولا عزوجل اس پر مواخذہ نہ فرمائے۔ واضح رہے کہ ہندہ پر قرض لینا اس وقت ضروری ہے جبکہ اس نے اپنے لڑکے کو وہ روپیہ بطور ہبہ دیا ہو اور اگر بطور قرض دیا تھا تو اس کے لڑکے پر ضروری ہے کہ کما کر یا کسی کے پاس سے وہ خود قرض لے کر اپنی ماں کو حج کرائے۔

اور اگر واقعہ یہ ہو کہ جس وقت شہر والے حج کو جارہے ہیں اس وقت کے آنے سے پہلے ہی اپنی فروخت کردہ زمین کا روپیہ اپنے لڑکے کو دے دیا خواہ بطور ہبہ دیا ہو یا بطور قرض تو اس پر حج فرض نہ ہوا یا وہ روپے ضرورت سے فاضل نہ تھے یا اسے حج کو جانے کے لئے محرم یا شوہر فراہم نہ تھا تو بھی وہ حکم نہ ہوگا۔

بحر الرائق "کتاب الحج" میں ہے:

وشرائطه ثلاثه شرائط وجوب وشرائط وجوب اداء وشرائط صحة فالاولى ثمانية على الاصح الاسلام والعقل والبلوغ والحرية والوقت والقدرة على الزاد والقدرة على الراحلة والعلم بكون الحج فرضا وتثبت الاستطاعة بدار لايكسنها فعليه ان يبيعه ويحج وقد قدمنا ان من الشرائط الوقت اعنى ان يكون مالكا لما ذكر فى اشهر الحج حتى لوملك مابه الاستطاعة قبلها كان فى سعة من صرفها الى غيره وافاد هذا قيدا فى صيرورته دينا اذا افتقر هو ان يكون مالكا فى اشهر الحج ولم يحج والاولى ان يقال اذا كان قادرا وقت

خروج اهل بلده ان كانوا يخرجون قبل اشهر الحج لبعد المسافة او كان قادرا فی اشهر الحج ان كانوا يخرجون فيها ولم يحج حتى افتقر تقرر دينا وان ملك فی غيرها وصرفها الى غيره لا شيء عليه كذا فی فتح القدير ملخصًا. (ج۲،ص:۳۰۷) والثانية خمسة على الاصح صحة البدن وزوال الموانع الحسية عن الذهاب الى الحج وامن الطريق وعدم قيام العدة فی حق المرأة وخروج الزوج او المحرم معها. اه ملخصاً" (ج:۲،ص:۳۰۸)

درمختار "کتاب الحج" میں ہے:

"وقالوا لولم يحج حتى اتلف ماله وسعه ان يستقرض ويحج ولو غير قادر على وفائه ويرجى ان لا يواخذه الله بذلك اى لو ناويا وفاء اذا قدر كما قيده فی الظهيرية." اھ (ج:۳،ص:۴۵۵)

بدائع الصنائع "کتاب الحج" میں ہے:

"وذكر ابن شجاع انه اذا كانت له دار لا يسكنها ولا يواجرها وجب عليه ان يبيعه ويحج به وحرم عليه اخذ الزكاة اذا بلغ نصابا لانه اذا كان كذلك كان فاضلا عن حاجته كسائر الاموال وكان مستطيعا فيلزمه فرض الحج، ثم ما ذكرنا من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلك يعتبر وجوده وقت خروج اهل بلده حتى لو ملك الزاد والراحلة فی اول السنة قبل اشهر الحج وقبل ان يخرج اهل بلده الى مكة فهو فی سعة من صرف ذلك الى حيث احب لانه لا يلزمه التأهب للحج قبل خروج اهل بلده لانه لم يجب عليه الحج قبله ومن لا حج عليه لا يلزمه التاهب للحج فكان بسبيل من التصرف فی ماله كيف شاء واذا صرف ماله ثم خرج اهل بلده لا يجب عليه الحج فاما اذا جاء وقت الخروج والمال فی يده فليس له ان يصرفه الى غيره على قول من يقول بالوجوب على الفور لانه اذا جاء وقت خروج اهل بلده فقد وجب عليه الحج لوجود الاستطاعة فيلزمه التاهب للحج فلا يجوز له صرفه الى غيره كالمسافر اذا كان معه ماء للطهارة وقد قرب الوقت لا يجوز له استهلاكه فی غير الطهارة فان صرفه الى غير الحج اثم وعليه الحج. اھ ملخصاً" (ج:۲،ص:۱۲۳) والله تعالیٰ اعلم

الجواب صحيح: محمد نظام الدين رضوی برکاتی

الجواب صحيح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد حسن رضا رضوی گجراتی

۱۸ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

کیا ساڑھو کے ساتھ والدہ کو یا بھتیجے بھانجے کے ساتھ بیوی کو حج پر بھیج سکتے ہیں؟

مسئلہ اپنے ساڑھو کے ساتھ اپنی والدہ کو اور اپنی اہلیہ کو اپنے سگے بھائی کے لڑکے یعنی بھتیجے کے ساتھ یا اپنے بھانجے یعنی سگی بہن کے لڑکے کے ساتھ حج پر بھیج سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد نبیہ قصاب ابن نصر اللہ قریشی، شاہجہاں پور (یوپی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اپنے ساڑھو کے ساتھ اپنی والدہ کو اور اپنے بھتیجے یا بھانجے کے ساتھ اپنی بیوی کو حج بیت اللہ کے لئے نہیں بھیج سکتے ایسا کرنا ناجائز وگناہ ہے وجہ یہ ہے کہ حج پر جانے کے لئے عورت کے ساتھ شوہر یا محرم ہونا شرط ہے خواہ وہ عورت جوان ہو یا بڑھیا اور مذکورہ لوگ محارم سے نہیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"لایحل لامراة تومن بالله واليوم الاخر ان تسافر مسيرة يوم وليلة وليس معها حرمة"۔ یعنی حلال نہیں کسی عورت کو جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ ایک منزل بھی سفر کو جائے جب تک ساتھ میں شوہر یا وہ رشتہ دار نہ ہو جس سے ہمیشہ ہمیشہ کو نکاح حرام ہے۔ (صحيح البخاری، باب فی کم يقصر الصلاة، ج:۱، ص:۱۴۸)

جوہرہ نیرہ میں ہے: "ويعتبر فى المراة ان يكون لها محرم تحج بها اوزوج سواء كانت عجوزا اوشابة و هو كل من لا يجوز له مناكحتها على التابيد سواء كان بالرحم اوبالصهورية اوبالرضاع ولايجوزلها ان تحج بغيرهما اذا كان بينها وبين مكة مسيرة ثلثة ايام فصاعدا فان حجت بغير محرم اوزوج جاز حجها مع الكراهة۔" اھ (الجوهرة النيرة، كتاب الحج، ج:۱، ص:۱۸۴)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "ومنها المحرم للمراة شابة كانت او عجوزا اذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلثة ايام هكذا فى المحيط۔" (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب المناسک، ج:۱، ص:۲۱۸)

لہٰذا سائل کی والدہ اس کے ہم زلف کے ساتھ حج کو نہیں جاسکتی کہ یہ شخص محرم نہیں بلکہ غیر محرم ہے۔ یونہی اپنی اہلیہ کو اپنے سگے بھتیجے یا بھانجے کے ساتھ بھی حج کے لئے نہیں بھیج سکتا ہے کہ یہ بھی غیر محرم ہیں۔ اس کے انتقال یا طلاق کے بعد ان سے نکاح ہوسکتا ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ کتاب الحج، ج:۴، ص:۶۸۰ تا ۶۸۴ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد انوار الحق قادری
۱۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

حج وعمرہ دونوں میں یا کسی ایک میں طواف وسعی یا کوئی ایک چھوڑ دے تو جرمانہ کیا ہے؟

مسئلہ حج وعمرہ دونوں میں یا کسی ایک میں طواف وسعی دونوں نہ کرے یا صرف طواف یا صرف سعی چھوڑ دے اس کا جرمانہ کیا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد الجیلانی، جامعہ عربیہ اظہار العلوم، نیا بازار، جہانگیر گنج، فیض آباد (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جواب میں قدرے تفصیل ہے۔ اولاً تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کون سا طواف چھوڑا ہے۔ طواف زیارت یا طواف صدر، طواف زیارت فرض ہے اور طواف صدر واجب۔

اگر صرف طواف صدر چھوڑا ہے تو چھوڑنے والے پر ایک بکری واجب ہے اور اگر صرف طواف زیارت چھوڑا ہے اور طواف صدر کر لیا ہے تو یہی طواف صدر طواف زیارت ہو جائے گا اور طواف صدر کے چھوڑنے کی وجہ سے دم واجب ہے۔ اور اگر دونوں طواف چھوڑ دیا ہے تو ہمیشہ عورت اس پر حرام ہے اور ضروری ہے کہ مکہ معظمہ واپس جا کر طواف زیارت وطواف صدر کرے اور طواف زیارت میں جو تاخیر ہو گئی اس وجہ سے اس پر دم واجب ہے اور طواف صدر میں تاخیر کی وجہ سے کچھ لازم نہیں کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

اور سعی حج وعمرہ دونوں میں واجب ہے اس لئے اگر حج وعمرہ دونوں میں دونوں طواف وسعی چھوڑا ہے تو چار دم واجب ہے۔ دو حج میں اور دو عمرے میں اور جب تک طواف زیارت نہ کرے گا اس وقت تک عورت اس پر حرام رہے گی، یا صرف طواف زیارت یا طواف صدر چھوڑا ہے جب تو ایک دم ہے پھر بھی طواف زیارت کرنا فرض ہے۔ یا صرف سعی چھوڑی ہے تو ایک دم واجب ہے اور عمرہ میں طواف وسعی دونوں چھوڑ دیا تو دو دم اور اگر کسی ایک کو چھوڑا ہے تو ایک دم واجب ہے۔

فتاوىٰ عالمگیری ''باب الجنایات'' میں ہے:

"ولو ترك طواف الصدر او اكثره (اى اكثر اشواط) تجب عليه شاة" اه وان ترك كلا الطوافين فهو حرام على النساء ابدا وعليه ان يرجع ويطوف طواف الزيارة و طواف الصدر وعليه دم لتاخير طواف الزيارة فى قول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ولاشى عليه لتاخير طواف الصدر لانه غير موقت اه واذا ترك طواف الزيارة خاصة وطاف طواف الصدر فطواف الصدر يكون للزيارة وعليه لتركه طواف الصدر دم." اه ومن ترك السعى

بين الصفا والمروة فعليه دم وجه تام كذا في القدوري. اھ (ج:۱،ص ۲۴۷-۲۴۶) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی
۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

حج وعمرہ میں مانع حیض دواؤں کا استعمال کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

حج وعمرہ میں عورتیں حیض بند ہونے والی دوا استعمال کرتی ہیں ایسا کرنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: خوشتر نورانی، دار العلوم حسینیہ ہمت نگر، گجرات

الجواب عورتوں کا حج وعمرہ نیز دیگر عبادات بدنیہ کے لیے حیض بند کرنے والی ادویہ کا استعمال کرنا ممنوع ہے کیوں کہ حیض کے خون کو روک لینا صحت کے لیے مضر ہے جس سے بیماری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور جو چیز مضر صحت ہو وہ شرعاً ممنوع ہوتی ہے۔

لہٰذا عورتوں کو منع حیض کی دوا نہیں استعمال کرنی چاہیے لیکن اگر استعمال کر چکی ہیں تو اس سے حج وعمرہ اور دیگر عبادات بدنیہ مثلاً صوم وصلاۃ وغیرہ میں کوئی خرابی نہ آئے گی کیوں کہ دم حیض کا آنا ہی مانع صلاۃ وصوم وطواف تھا ہدایہ میں ہے:

"والحيض يسقط عن الحائض الصلاة ويحرم عليها الصوم ولا تطوف بالبيت اھ ملخصاً (باب الحيض والاستحاضة، ج۱،ص ۶۳)

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد احمد قادری مصباحی
۲۶؍ربیع النور ۱۴۲۹ھ

احرام باندھ کر مکہ گیا مگر ابھی حج میں پندرہ روز باقی ہیں تو جماع کر سکتا ہے یا نہیں؟ حج کے بعد پندرہ دن باقی ہوں تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

اپنا احرام پہن کر مکہ گئے اپنا عمرہ ادا کرنے کے بعد ابھی پندرہ روز حج کے لئے باقی ہیں اس عرصے میں میاں بیوی مل سکتے ہیں یا نہیں؟ یا حج ہونے کے بعد پندرہ روز ہیں اس عرصے میں بھی مل سکتے ہیں یا نہیں؟

مدلل جواب سے نوازیں۔ بینوا توجروا۔ المستفتی: الحاج تاج محمد، رحمت نگر، سیڑم ضلع گلبرگہ (کرناٹک)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب اگر فقط عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کر کے احرام کھول دے جیسا کہ عام طور سے حاجی ایسا ہی کرتے ہیں۔ تو حج کا احرام باندھنے سے پہلے میاں بیوی مل سکتے ہیں یعنی جماع وغیرہ کر سکتے ہیں یوں ہی حج کے بعد جب حلال ہو جائیں تو بیوی سے جماع وغیرہ حلال ہے، اور اگر حج و عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھے یعنی حج قران کرے گا تو عمرہ ادا کرنے کے بعد جماع و دیگر ممنوعات احرام حلال نہیں ہوتے، حرام ہی رہتے ہیں۔ کیونکہ حج قران میں عمرہ کے بعد احرام کھولنے کی اجازت نہیں، لہٰذا اگر وقوف عرفہ سے پہلے ہمبستری کرے گا تو حج فاسد ہو جائے گا اور جرمانہ میں دو دم دینا پڑے گا، اور سال آئندہ حج کی قضا بھی لازم ہوگی۔ اور اگر وقوف عرفہ کے بعد ہمبستری کرے گا تو حج فاسد نہ ہوگا۔ البتہ جرمانہ میں ایک بدنہ اور ایک دم دینا پڑے گا اور ساتھ ہی قران کی قربانی بھی لازم ہوگی۔

ہدایہ میں ہے:

"المتمتع صفته ان يبتدئ من الميقات فى اشهر الحج فيحرم بالعمرة و يدخل مكة فيطوف لها و يسعى لها و يحلق و يقصر و قد حل من عمرته و يقيم بمكة حلالا لانه حل من العمرة فاذا كان يوم التروية احرم بالحج من المسجد و فعل ما يفعله الحاج المفرد" اھ ملخصاً (ص ۲۴۰، ج ۱ كتاب الحج، باب التمتع)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"و ان كان قارنا و جامع بعد ما طاف لعمرته قبل الوقوف فسدت حجته و لم تفسد عمرته و عليه دمان و عليه قضاء الحج من قابل و سقط عنه دم القران، و كذلك إذا جامع بعد ما طاف لعمرته أربعة أشواط و ان جامع بعد ما وقف بعرفة لا تفسد عمرته و لا حجته و عليه جزور لحجته و شاة لعمرته و لزم دم القران كذا فى المحيط" اھ ملخصاً (ص ۲۴۵، ج ۱، الباب الثامن فى الجنايات الفصل الرابع فى الجماع)

ردالمحتار میں ہے:

"قوله حل له النساء اى بعد الركن منه وهو اربعة اشواط بحر و لو لم يطف أصلا لا يحل له النساء و ان طال و مضت سنون بأجماع كذا فى الهندية" اھ (ص ۵۱۸، ج ۲ كتاب الحج)

یوں ہی اگر صرف حج کا احرام باندھ کر جائے تو بھی حج (وقوف عرفہ و طواف زیارت) کے بعد حلال

ہونے پر ہی بیوی حلال ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد صدیق عالم قادری منظری
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ

حج میں سبسڈی جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

سبسیڈی (Subsidy) جائز ہے یا نہیں؟ ملت کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ حج کے لئے مسلمانوں کو شرائط کی روشنی میں خود کفیل ہونا چاہئے، تکلفات، احسانات اور بالخصوص حکومت کے زیر احسان حج کرے، یہ امر روح اسلام کے خلاف معلوم ہوتا ہے، پتہ نہیں یہ (Subsidy) صرف ہمارے سیکولر ملک میں ہے یا دیگر ممالک میں بھی اس کی نظیر پائی جاتی ہے؟ حضرات مفتیان کرام سے درخواست ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: ملک محمد ہاشم، ایل، اے، کالج بنگلور روڈ، ولو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حج سبسیڈی (Subsidy) شرعاً جائز ہے کہ یہ ایک قسم کا ڈسکاؤنٹ (Discount) اور چھوٹ ہے، یہ سبسیڈی بعض سامانوں کی قیمت یا کسی کام کی اجرت میں رعایت کے طور پر مہیا کی جاتی ہے۔
اس طرح کا ڈسکاؤنٹ تقریباً تمام ممالک میں رائج ہے اگر چہ اس کے مواقع اور مقدار میں یکسانیت نہیں بلکہ ہر ملک اپنی ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے اس کا تعین کرتا ہے، اور کسی چیز کی قیمت کا طے کرنا بائع ومشتری کے ذمہ ہوتا ہے، یوں ہی کرایہ طے کرنا اجیر ومستاجر کا حق ہوتا ہے خواہ وہ بازار بھاؤ پر سودا کریں یا کمی بیشی کے ساتھ انہیں شرعاً اس کا حق حاصل ہے، بلکہ شریعت اسلامی نے تو یہاں تک اجازت دی ہے کہ بیچنے والا کسی بھی دام پر سامان بیچنے کے بعد طے شدہ دام کو گھٹا سکتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"یجوز للمشتری ان یزید للبائع فی الثمن و یجوز للبائع ان یزید للمشتری فی المبیع و یجوز ان یحط عن الثمن. اھ (ص ۵۹، ج ۳، کتاب البیوع، باب المرابحۃ والتولیۃ)
یعنی خریدار کے لئے جائز ہے کہ بائع کی خاطر دام بڑھادے اور بائع کو جائز ہے کہ خریدار کے لئے سامان میں اضافہ کردے یا طے شدہ دام سے کم لے، اس مسئلہ میں جو حکم بیع وشرا کا ہے وہی حکم اجارہ کا بھی ہے۔
سبسیڈی کے معاملہ میں سب سے زیادہ اہم جو بات پیش کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ دینی امور میں غیر

مسلموں سے مدد لینا ممنوع ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انا لا نستعین بمشرك" ہم غیر مسلموں سے مدد نہیں مانگتے، اور ظاہر ہے کہ حج دین کا ایک اہم رکن ہے اس کے لئے سبسیڈی کی اجازت نہ ہونا چاہئے؟ لیکن اہل فہم پر روشن ہے کہ حدیث شریف کا یہ حکم دینی امور سے متعلق ہے کہ دین کے کاموں میں غیر مسلموں سے مدد نہ لی جائے، مثلاً جہاد میں شرکت، قربانی کے جانور ذبح کرانے، ان کی زمین پر یا ان کے روپیوں سے مسجد بنانے میں ان سے مدد نہ لی جائے، بیع وشرا اور اجارہ وغیرہ اس قبیل سے نہیں ہیں کہ یہ معاملات سے ہیں، بلکہ سامان کا دام یا سفر کے کرایہ کو کم کرانا ہر شخص کا اپنا ذاتی حق ہے، علاوہ ازیں سبسیڈی مانگنے کی ممانعت ہے، اور یہاں حکومت سے حاجی سبسیڈی مانگتے نہیں، بلکہ وہ خود دیتی ہے۔

یہ گفتگو اس تقدیر پر تھی کہ سبسیڈی چھوٹ ہے، اور اگر اس کو حکومت ہند کا عطیہ مانا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ حکومت کے اموال میں تمام رعایا کا حق ہوتا ہے تو مسلمانوں کا بھی حق ہوا اس طور پر اگر حکومت حاجی کے کرائے میں سبسیڈی دیتی ہے تو وہ ایک طرح حاجی کو اس کا حق دیتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی　　**کتبہٗ:** محمد صدیق عالم قادری منظری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی　　۱۰؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

ہندوستانی جو سعودی میں رہتا ہو وہیں حج فرض ادا کرے تو ہو گا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید کچھ سالوں سے عرب کماتا ہے اور وہیں رہ کر حج فرض ادا کرنا چاہتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کوئی غیر سعودی مثلاً ہندوستانی جو ایک متعینہ مدت کے لیے عرب کمانے گیا ہوا ہے وہیں سے اگر اپنا حج فرض ادا کرلے تو کیا اس سے اس کا حج فرض ساقط ہو جائے گا یا اپنے ملک کے حجاج کے ساتھ حج کو جانا ضروری ہوگا جب کہ وہیں سے حج کرلینے میں بہت کم خرچ میں کام چل جائے گا۔ بینوا وتوجروا

المستفتی: محمد اسلم علی صدیقی برواں پردل پوسٹ سرپتی خرد، کشی نگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ہاں اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا اپنے ملک کے حاجیوں کے ساتھ اسے حج کو جانا ضروری نہیں وہ سعودیہ میں جس مقام پر رہتا ہے وہاں کے لوگ جس میقات سے احرام باندھتے ہیں وہیں سے یہ بھی احرام باندھے۔ حج نام ہے احرام باندھ کر ایام حج میں عرفات میں ٹھہرنے اور کعبہ معظمہ کے طواف کا اس کے لیے کچھ واجبات وسنن بھی ہیں جو حج کے ایام ۹؍ذی الحجہ تا ۱۳؍ذی الحجہ میں ادا کیے جاتے ہیں جب یہ

فرائض وواجبات صحیح طور پر ادا کیے جائیں گے تو حج فرض ادا ہو جائے گا اپنے ملک کے حجاج کے ساتھ حج کو جانا نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ جو لوگ حج تمتع کرتے ہیں وہ تو حج کا احرام مکہ معظمہ سے ہی باندھتے ہیں اور آفاقیوں کا حج عموماً حج تمتع ہی ہوتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیر میں ہے:

"اما تفسیرہ فهو انه عبارة عن الافعال المخصوصة من الطواف والوقوف فى وقته محرما بنية الحج سابقاً هكذا فى فتح القدير۔" اھ (ج۱،ص۲۱۶)

نیز اسی میں ہے:

فاذا كان يوم التروية احرم بالحج من المسجد والشرط ان يحرم من الحرم اما المسجد فليس بلازم كذا فى الهداية والمسجد افضل ومكة افضل من غيرها من الحرم هكذا فى فتح القدير۔" اھ (ج۱،ص۲۳۹) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی
۲۹/ ذی قعدۃ الحرام ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا خسر کے ساتھ عورت حج کرسکتی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

اس سال حج کے موسم میں ہندہ اپنے خسر کے ساتھ حج کے لئے گئی ہے حالانکہ اس کے گھر پر اس کے شوہر اور جملہ محارم موجود ہیں پھر بھی وہ اپنے خسر کے ساتھ جا رہی ہے تو کیا شوہر کے موجود ہوتے ہوئے ہندہ اپنے خسر کے ساتھ جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: قاری مختار احمد ضیائی مقام و پوسٹ زید پور ضلع بارہ بنکی، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب آج کے پُر فتن دور میں جوان عورت کا اپنے خسر کے ساتھ حج کو جانا منع ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

"نقل السيد ابو السعود عن نفقات البزازية لا تسافر بأخيها رضاعا فى زماننا۔ اھ لغلبة الفساد قلت و يؤيده كراهة الخلوة بها كالصهرة الشابة فينبغى استثناء الصهرة الشابة هنا ايضاً لان السفر كالخلوة۔" (ج۲،ص۴۶۴ کتاب الحج)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ عورت اس زمانے میں دودھ شریک بھائی کے ساتھ حج نہ کرے تو یہی حکم خسر کے ساتھ بہو کے سفر کا بھی ہے کیوں کہ حج ایک ایسا اہم فریضہ ہے جس میں قدم قدم پر احتیاط کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے حاجی کو شک وشبہ والے کاموں سے پرہیز کرنا چاہئے، لہٰذا اگر ھندہ ابھی جوان ہو تو اسے اپنے خسر کے ساتھ نہیں جانا چاہئے تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد احمد قادری مصباحی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

بہار شریعت کی ایک عبارت سے متعلق سوال؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

بہار شریعت حصہ ششم صفحہ ۱۳۳ پر مذکور ہے کہ طواف فرض کل یا چار پھیرے جنابت یا حیض ونفاس میں کیا تو بدنہ ہے اور بے وضو کیا تو دم، پہلی صورت میں طہارت کے ساتھ اعادہ واجب واپس آ کر اعادہ کرے اگرچہ میقات سے بھی آگے بڑھ گیا ہو مگر بارہویں تاریخ تک اگر کامل طور پر اعادہ کر لیا تو جرمانہ ساقط اور بارہویں کے بعد کیا تو دم لازم بدنہ ساقط، لہٰذا اگر بارہویں کے بعد کیا تو بدنہ ساقط نہ ہوگا کہ بارہویں تو گذر گئی۔

سوال یہ ہے کہ ایک جگہ تحریر کیا گیا کہ بارہویں کے بعد کیا تو دم لازم بدنہ ساقط۔ پھر اس عبارت کے بعد یہ لکھنا کہ بارہویں کے بعد کیا ہے تو بدنہ ساقط نہ ہوگا، بظاہر دونوں میں تضاد ہے مہربانی فرما کر تضاد دور فرمائیں۔

المستفتی: محمد شبیر احمد صدیقی، دار العلوم شیخ احمد کھٹو، احمد آباد۔ (گجرات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بہار شریعت میں جنابت یا حیض ونفاس میں طواف کرنے والے کا جو یہ حکم مذکور ہے کہ بارہویں تک اگر کامل طور پر اعادہ کر لیا تو جرمانہ ساقط اور بارہویں کے بعد کیا تو دم لازم بدنہ ساقط، لہٰذا اگر طواف فرض بارہویں کے بعد کیا ہے تو بدنہ ساقط نہ ہوگا کہ بارہویں تو گذر گئی۔ خط کشیدہ دونوں عبارتوں میں تضاد ضرور ہے مگر یہ تضاد کتابت کی غلطی کی وجہ سے ہوا ہے کہ کاتب نے "بدنہ ساقط ہوگا" کی بجائے "بدنہ ساقط نہ ہوگا" لکھ دیا ہے یعنی "نہ" زائد ہو گیا ہے صحیح یہ ہے کہ بارہویں کے بعد طواف فرض کرنے والے پر دم لازم ہوگا اور بدنہ ساقط ہو جائے گا جس کی صراحت کتب متون وشروح اور فتاویٰ میں موجود ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"وان اعادہ بعد ایام النحر یجب الدم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ بالتاخیر کذا فی الکافی وتسقط عنہ البدنۃ"۔ اھ (الباب الثامن فی الجنایات، ج۱، ص۲۴۵) جوھرۃ نیرہ میں

ہے:"و اما اذا اعادہ و قد طافہ جنبا ان اعادہ فی ایام النحر لا شئ علیہ و ان اعادہ بعدھا لزمہ الدم بالتاخیر عند ابی حنیفۃ و تسقط عنہ البدنۃ۔" اھ (باب الجنایات فی الحج، ج ۱، ص ۲۱۱) بحر الرائق میں ہے:"و یلزمہ دم لتاخیر طواف الزیارۃ۔" اھ (باب الجنایات فی الحج، ج ۳، ص ۱۹) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد ابوبکر مصباحی
۲۰ رذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

حاجی کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

حجاج کرام کو الوداع کرتے وقت یا آتے وقت استقبال کے لئے حاجیوں کے گلے میں ان کے دوست واحباب پھولوں کا ہار ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: الحاج تاج محمد، رحمت نگر، سیڑم ضلع گلبرگہ (کرناٹک)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حجاج کرام کو حج کے لئے روانہ کرتے وقت یا واپسی میں استقبال کے لئے گلے میں پھولوں کا ہار ڈال سکتے ہیں کوئی قباحت نہیں بلکہ بہتر ہے کہ حاجی اللہ عزوجل کا مہمان ہوتا ہے تو اس کے اعزاز کے لئے اس کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا ضرور جائز ہوگا۔ اس پر علماء، صلحا، عوام وخواص سب کا عملدرآمد ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے:

"مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔" اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد صدیق عالم قادری المنظری
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ

عورت ۱۱ رذی الحجہ کو منیٰ سے طواف زیارت کے لئے مکہ آئی مگر حیض آگیا اور ختم ہونے سے پہلے واپسی ہے تو کیا کرے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

عورت ۱۱ رذی الحجہ کو منی سے مکہ شریف طواف زیارت کے لئے نکلی مکہ شریف پہنچتے ہی اسے حیض آگیا

اب وہ ایام حیض ختم ہونے تک حرم میں داخل نہیں ہو سکتی لیکن ایام ختم ہونے سے پہلے ہی اس کی مکہ سے روانگی ہے تو اب اس عورت کے طواف زیارت کا کیا ہوگا؟ بینوا تو جروا۔

المستفتیان: قادری ایس پی ایس ٹی سوسائٹی جونا گڑھ (گجرات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جو عورت ۱۱ر ذی الحجہ کو طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ پہنچی اسے حیض آ گیا اور قبل اس کے کی وہ پاک ہو اس کی روانگی کی تاریخ ہے تو وہ معلم سے درخواست کرے کہ اس کے عذر کے پیش نظر اس کی فلائٹ کی تاریخ آگے بڑھا دے۔ معلم تاریخ میں کمی، بیشی کر دیتے ہیں۔

لیکن اگر معلم اس کی درخواست مسترد کر دے تو اسے یہ مسئلہ بتا دیا جائے کہ طواف زیارت کرے گی تو فرض سے سبکدوش ہو جائے گی حج مکمل ہو جائے گا لیکن گنہگار ہوگی اس پر بدنہ لازم ہوگا۔ یعنی ایک گائے یا اونٹ کی قربانی۔ ردالمحتار ج ۲، ص: ۵۱۹ میں ہے: "لو هم الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف ام لا؟ قالوا يقال لها لا يحل لك دخول المسجد وان دخلت وطفت اثمت و صح طوافك وعليك ذبح بدنة" اھ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد حبیب اللہ مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی
۲۵ر ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ

۱۲ر ذی الحجہ کو طواف زیارت کے دو، تین چکر کئے تھے کہ سورج غروب ہو گیا اب اگر وہ سات چکر پورا کرے تو طواف ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

حاجی ۱۲ ذوالحجہ کو طواف زیارت کے لئے مکہ میں آیا اور اس نے طواف زیارت شروع کیا ابھی دو تین چکر کیے تھے کہ سورج غروب ہو گیا اب اگر وہ طواف زیارت کے سات چکر پورا کرے گا تو اس کا طواف زیارت ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

المستفتیان: قادری ایس پی۔ ایس ٹی سوسائٹی بلاک نمبر ۲۹۰ اوناضلع جونا گڑھ (گجرات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب طواف زیارت حج کا رکن ہے، جس کے سات پھیرے کیے جاتے ہیں، جن میں چار پھیرے فرض ہیں بغیر ان کے نہ طواف ہوگا نہ حج، اس کا وقت واجب دسویں ذوالحجہ کی طلوع فجر سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے اور صحت حج کے لئے تا عمر ہے لیکن بارہویں کے بعد بلا عذر تاخیر گناہ ہے جس کے

جرمانہ میں ایک دم یعنی ایک بکری کی قربانی کرنی ہوگی۔

لہٰذا جس شخص نے طواف زیارت کے دو تین چکر کیے اور سورج غروب ہوگیا وہ ساتوں پھیرے مکمل کرلے، طواف زیارت صحیح ہوجائے گا۔ البتہ تاخیر کی وجہ سے گنہگار ہوا جرمانہ میں ایک بکری کی قربانی کرے۔

درمختار کتاب الحج میں ہے:

"طواف الزيارة اول وقته بعد طلوع الفجر يوم النحر وهو فيه افضل ويمتد وقته الى اخر العمر فان اخره عنها اى ايام النحر ولياليها منها كره تحريما و وجب دم لترك الواجب" اھ ملخصاً۔ (الدر المختار فوق ردالمحتار ج۲، ص۵۱۸) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحيح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **كتبهٗ:** محمد ہارون رشید قادری

الجواب صحيح: محمد ابراراحمد امجدی، برکاتی — ۲۲/ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ

کیا مرد یا عورت بلا عذر رمی کے لئے نائب بنا سکتے ہیں؟ اگر ضعیفہ ہجوم کی وجہ سے نائب بنائے تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

مرد یا عورت بغیر کسی عذر کے خصوصاً عورتیں جمرات کی رمی میں کسی کو اپنا نائب بنا کر یہ رکن ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ضعیف وضعیفہ کثرت ہجوم کی وجہ سے دوسروں کو اپنا نائب بنا کر شیطان کی رمی کرتے ہیں تو کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا المستفتیان: ایس پی قادری ایس ٹی سوسائٹی، جوناگڑھ (گجرات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب رمی جمار مرد وعورت سب پر اپنی طرف سے خود کرنا واجب ہے اور عورت ہونا رمی میں نیابت کے لئے عذر نہیں بغیر عذر شرعی قدرت کے باوجود دوسرے کو نائب بنا کر رمی جمار کروانا جائز نہیں۔ ہاں اگر معذور یا اتنا بیمار ہو کہ خود نہ کرسکے اور نہ ہی رمی جمار کے لئے وہاں جاسکے تو اس کی اجازت سے چاہے وہ مرد ہو یا عورت کوئی دوسرا شخص نائب بن کر رمی جمار کرسکتا ہے یوں ہی حالت غشی میں ہو یا صبیٔ غیر ممیز ہو یا مجنون تو ان کی اجازت کے بغیر بھی کوئی دوسرا شخص ان کی طرف سے رمی جمار کرسکتا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۶۶۸ پر لباب وشرح لباب کے حوالے سے ہے:

"الخامس ان يرمي بنفسه فلا تجوز النيابة عند القدرة و تجوز عند العذر فلو رمى عن مريض لا يستطيع الرمي بامره او مغمى عليه ولو بغير امره او صبي غير مميز او مجنون

جائز"اھ

اور بحر الرائق ج ۲ ص ۳۴۹ میں ہے:

"من كان مريضاً لا يستطيع الرمي يوضع في يده ويرمي بها او يرمي عنه غيره"اھ

نیز بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۳۷ میں ہے:

"سواء رمى بنفسه او بغيره عند عجزه عن الرمي بنفسه كالمريض الذي لا يستطيع الرمي"اھ

اور محض کثرت ہجوم نیابت رمی کے لئے عذر نہیں اس لئے کہ عام طور پر جنہیں ضعیف اور ضعیفہ کہتے ہیں وہ بجائے خود اتنے قوی ہوتے ہیں کہ بازار جا کر سامان خریدتے ہیں اور وہ رمی جمار پر قادر ہوتے ہیں وہ کسی کو اپنا نائب نہیں بنا سکتے وہ ایسے وقت میں رمی جمار کے لئے جائیں جب بھیڑ کم ہو مثلاً شام چار بجے یا اس کے بعد۔ ان کی طرف سے نیابت ہرگز کافی نہ ہوگی بلکہ ان کو خود اپنی طرف سے رمی جمار کرنی ہوگی۔ ہاں اگر واقعی اتنے ضعیف یا ضعیفہ ہوں کہ وہ بہت سے کام خود نہ کر سکتے ہوں اور جمرات کے کثرت ہجوم میں واقعی نقصان پہنچنے کا یقین ہو تو ایسے ضعیف وضعیفہ کو جمرات کی رمی کے لئے نائب بنانے کی اجازت ہے کوئی حرج نہیں۔

فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۶۶۸ پر لباب وشرح لباب کے حوالے سے ہے:

"اذا كان لمرض او ضعف بينة من كبرا وصغرا ويكون امرأة تخاف الازدحام فلا شئ عليه"اھ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد عبد القادر رضوی ناگوری
یکم ذی القعدہ ۲۲ھ

عمرو کے پاس دس لاکھ کی زمین ہے
مگر روپے بقدر نصاب نہیں تو کیا اس پر حج فرض ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

عمرو دس بیگہہ زمین کا مالک ہے جس کی موجودہ قیمت دس لاکھ روپے ہیں مگر اس کے پاس نقد روپے اس قدر نہیں کہ جس سے زکاۃ کا نصاب پورا ہو۔ کیا عمرو کے اوپر حج فرض ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: حاجی عبد الغفور رانی پور، اندور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حج فرض ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سفر خرچ اور سواری پر قادر ہو اور یہ چیزیں اس کی حاجت سے فاضل ہوں۔ یعنی مکان، لباس، سواری، پیشہ کے اوزار، خانہ داری کے سامان اور قرض سے اتنا زائد ہو کہ سواری پر مکہ جائے اور وہاں سے سواری پر واپس آجائے اور جانے آنے میں اپنے نفقہ اور گھر اہل و عیال کے نفقہ میں متوسط کا اعتبار ہے نہ کمی نہ اسراف۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔
یعنی اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس کی طرف چل سکے"۔ (پ: ۴، سورہ آل عمران، آیت: ۱۵۵) اور فتاویٰ قاضی خان مع عالمگیری جلد اول ص ۲۸۲ میں ہے:

"یشترط لوجوب الحج ان یملك الزاد والراحلة ذهابا وایابا ونفقة اولاده وعیاله من وقت خروجه الی رجوعه ویبقی له آلات حرفته کان علیه الحج والافلا" اھ

لہٰذا اگرچہ عمرو کے پاس دس بیگھہ زمین ہے جس کی مالیت دس لاکھ روپے ہیں پھر بھی عمرو پر اسے بیچ کر حج کے لئے جانا ضروری نہیں لیکن اگر زمین کا کچھ حصہ بیچ کر حج کے لئے جائے تو افضل ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول، ص: ۲۱۸ میں ہے:

"اذا کان له منزل یسکنه ویمکنه ان یبیع ویشتری بثمنه منزلا أدون منه ویحج بالفضل لم یلزمه ذلك کذا فی المحیط وان اخذ به فهو افضل کذا فی الایضاح۔" اھ

البتہ اس زمین کی پیداوار سال بھر کے خرچ سے زائد ہے اور زائد غلہ کی فروختگی سے حج کا سامان مہیا ہو سکتا ہے تو اس فاضل پیداوار کو بیچ کر حج کے لئے جانا اس پر فرض ہے ورنہ نہیں۔ ردالمحتار کتاب الحج میں ہے:

"لو کان عنده طعام سنة ،ولو اکثر لزمه بیع الزائد ان کان فیه وفاء کما فی اللباب و شرحه"۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ج: ۲ ص: ۴۶۲)

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہ**: محمد ہارون رشید قادری گجراتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۳ھ

سعودی ادارہ ڈیولپمنٹ کے ذریعے قربانی کروانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ آج کل حجاز مقدس میں ایک ادارہ قائم ہے جس کے ذریعہ حجاج کرام کو ترغیب دلائی جاتی ہے کہ وہ "اسلامی ڈیولپمنٹ بینک" میں قربانی کی رقم جمع

کروا کرٹوکن حاصل کریں اور اس ادارہ کو اپنی قربانی کا اختیار دے دیں۔تو کیا اس ادارہ کے ذریعہ سے قربانی کروانا جائز ہے؟ حکم شرع سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا:

المستفتی: محمد یونس رضوی سکریٹری دار العلوم ناسک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ڈیولپمنٹ بینک" میں قربانی کی رقم جمع کرنا اور قربانی کا اختیار دینا ناجائز ہے۔ کیونکہ سعودی حکومت فی الواقع وہابی حکومت ہے۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ رمی جمار، قربانی اور حلق میں ترتیب واجب نہیں خلاف ترتیب حلق، پھر قربانی پھر رمی جائز ہے۔ اور وہابی اس پر سختی کے ساتھ عمل بھی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کے عمل کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ نہایت ناخدا ترس اور دینی امور میں بیباک ہوتے ہیں۔ اس لئے ظاہر یہی ہے کہ قربانی میں ترتیب کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ اس کا بھی احتمال ہے کہ قربانی ہی نہیں کرتے اور اس صورت میں بہر حال حاجی پر دم واجب ہوتا ہے مگر حاجی دم ادا نہیں کرتا۔ جس کے باعث وہ گنہگار بھی ہوتا ہے اور حج بھی پورا نہیں ہوتا اس لئے اس طرح کے بینکوں میں قربانی کی رقم ہرگز ہرگز جمع نہ کریں۔

درمختار میں ہے:

والترتيب الآتي بيانه : بين الرمي والحلق والذبح يوم النحر واما الترتيب بين الطواف وبين الرمي والحلق فسنة فلو طاف قبل الرمي والحلق لاشئ عليه. اھ

ردالمحتار میں ہے:

قال هناك يجب في يوم النحر اربعة اشياء الرّمي ثم الذبح لغير المفرد ثم الحلق ثم الطواف لكن لا شئ على من طاف قبل الرمي والحلق. والحاصل ان الطواف لا يجب ترتيبه على شئ من الثلاثة ولذا لم يذكره هنا وانما يجب ترتيب الثلاثة الرمي ثم الذبح ثم الحلق لكن المفرد لا ذبح عليه فبقي عليه الترتيب بين الرمي والحلق ملخصاً (كتاب الحج ص ١٦٢، ج ٢)

دوسرے یہ کہ اب قربانی کے جانور مشین سے ذبح ہوتے ہیں اور مشین کے ذریعہ جو جانور ذبح ہوتے ہیں وہ چاروں مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں حرام ہیں ان کا حکم شرعاً وہی ہے جو مردار کا ہے کیونکہ جانور کے حلال ہونے کے لئے بالاتفاق یہ شرط ہے کہ ذابح صاحب عقل وشعور ہو نیز مسلم یا کتابی ہو حالانکہ مشینی نظام ذبح میں ذابح کوئی صاحب عقل وشعور یا کتابی نہیں ہوتا بلکہ محض "بجلی" ہوتی ہے جو یقیناً ان تمام اوصاف سے خالی ہے جس کی پوری تفصیل "مشینی ذبیحہ" میں موجود ہے۔ لہٰذا حجاج

کرام جانور خرید کراز خود قربانی کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد صدیق عالم قادری منظری
۱۳ ربیع النور ۱۴۲۶ھ

قطرہ کا مریض حج کیسے کرے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ایک شخص ایسا ہے جس کو پیشاب کا قطرہ آنے کا مرض لاحق ہے تو ایسا شخص کیسے اور کس طرح حج کرے؟ بینوا توجروا۔ **المستفتی:** محمد سعید احمد برکاتی غوثیہ مسجد گووندا کالری کوتما بازار ضلع انوپ پور (ایم پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب جس شخص کو پیشاب کا قطرہ آتا رہتا ہے کہ اس پر ایک وقت پورا ایسا گزر گیا کہ وضو کرکے فرض نماز ادا نہ کرسکا تو وہ معذور ہے۔ اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ وقت کے اندر وضو کرے اور وقت کے اخیر حصہ تک جتنی نمازیں اس وضو سے پڑھنا چاہے پڑھے اور جس عبادت کے لئے وضو کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب وقت کے اندر ادا کرے قطرے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ پھر جب ایک نماز کا وقت گذر جائے تو دوبارہ وضو کرے کہ اس کا وضو وقت گذرتے ٹوٹ جاتا ہے۔ حج کے دو ارکان ہیں وقوف عرفہ اور طواف زیارت۔ وقوف عرفہ کے لئے وضو کی حاجت نہیں۔ طواف زیارت کے لئے حاجت ہے تو اسی طور پر وضو کرکے کسی بھی نماز کے وقت بھی طواف کرے۔ یہ حکم معذور کا ہے جس کی تعریف اوپر گزری اور اگر وہ اس حد تک معذور نہ ہو تو دوبارہ اس کی وضاحت کرکے حکم معلوم کرلیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

"وصاحب عذر من به سلس بول ان استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة حكمه الوضوء لكل فرض ثم يصلي به فرضاً ونفلاً فاذا خرج الوقت بطل. اھ ملخصاً
(ج۱، ۳۰۵)

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی نظامی
۷ ذی القعدہ، ۱۴۲۵ھ

طواف وداع کیا عمرہ والوں پر بھی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

جس طرح حاجی جب حج کے لئے جاتے ہیں اور حج مکمل کرکے واپس ہونے لگتے ہیں تو واپسی میں

طواف وداع کرکے واپس ہوتے ہیں۔ اب مسئلہ غور طلب یہ ہے کہ یہ طواف وداع جو حاجی حج کے موقع پر کرتے ہیں یہ طواف وداع عمرہ کرنے والوں کے لئے بھی ضروری ہے یا نہیں اور اگر ضروری ہے تو ایک شخص عمرہ کے لئے گیا اور وہاں دوران عمرہ بیمار ہو گیا اور بیماری کی وجہ سے طواف وداع نہیں کر پایا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی: الحاج تاج محمد صاحب ساکن رحمت نگر سیڈم ضلع گلبرگہ کرناٹک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب از روئے شرع طواف وداع عمرہ کرنے والوں کے لئے ضروری نہیں برخلاف حجاج کرام کے کہ ان کے لئے طواف وداع واجب ہے اور عمرہ کرنے والوں کے لئے عمرہ میں صرف احرام، طواف، مع رمل، سعی اور سر منڈانا یا کترانا ضروری ہیں اس کے علاوہ اور کوئی چیز درکار نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص دوران عمرہ بیمار ہو گیا اور بیماری کے سبب طواف وداع نہیں کر پایا تو اس پر گناہ نہیں کیونکہ طواف وداع عمرہ کرنے والوں کے لئے واجب نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:

"وھی احرام و طواف و سعی و حلق او تقصیر، فالاحرام شرط، و معظم الطواف رکن، وغیرھما واجب ھو المختار۔" (ج ۳ ص ۴۸۶)

ردالمحتار میں ہے:

"العمرۃ لا تخالفہ الا فی امور منھا انھا لیست بفرض و انھا لا وقت لھا معین و لا تفوت ولا خطبۃ ولا طواف قدوم ولا صدر۔" (ج ۳ ص ۴۸۶)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"وھی فی الشرع زیارۃ البیت والسعی بین الصفا والمروۃ علی صفۃ مخصوصۃ وھی ان تکون مع الاحرام ھکذا فی محیط السرخسی" (ج ۱ ص ۲۳۷)

اسی میں ہے:

"واما رکنھا فالطواف واما واجباتھا فالسعی بین الصفا والمروۃ والحلق او التقصیر کذا فی محیط السرخسی واما شرائطھا فشرائط الحج الا الوقت ھکذا فی البدائع۔"

(ج ۱ ص ۲۳۷) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد نوشاد برکاتی
۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

ہندہ اونچے تلوے کی چپل پہنے بغیر نہیں چل سکتی تو کیا وہ اسے عمرہ میں طواف وسعی کے وقت نیز مسجد نبوی میں پہن سکتی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

ماہ رجب میں ہم عمرہ ادا کرنے جارہے ہیں اور چونکہ میں بغیر اونچے تلوے کی چپل کے چل پھر نہیں سکتی۔ اب سوال یہ ہے کہ میں عمرہ کے ارکان طواف کعبۃ اللہ، سعی وغیرہ کے لئے چپل پہن کر حرم شریف میں جاسکتی ہوں؟ اسی طرح مسجد نبوی میں بھی چپل پہن کر جاسکتی ہوں؟ کہیں خلاف ادب فعل تو نہ ہوگا۔ مجھے مفید مشورہ دے کر مطمئن کریں تاکہ میں عمرہ کی تیاری کرسکوں۔

المستفتی: ازصغریٰ بشیر قادری، دربار کالونی، موکندنگر، احمد نگر (ایم ایس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب آپ اونچے تلوے کی چپل پہن کر مسجد حرام ومسجد نبوی میں جاسکتی ہیں۔ اس میں کوئی کراہت نہیں بشرطے کہ چپل بالکل نئی غیر استعمالی ہو اس لئے کہ اگر وہ نئے ہوں تو اسے پہن کر مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے ''پھر اگر اسی طرح کے جوتے ہوں کہ سنت سجدہ میں خلل نہ ڈالیں تو اگر وہ نئے بالکل غیر استعمالی ہیں تو انہیں پہن کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ افضل ہے اگرچہ مسجد میں ہو۔ (ج ۳ ص ۴۴۴)

آپ سفر میں دو جوڑا چپل رکھیں جب مسجد حرام اور مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچیں تو استعمالی جوتا اتار کر غیر استعمالی چپل پہن لیں۔ یہی عمل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رہا ہے۔ بحر الرائق میں ہے:

''عن علی رضی اللہ عنہ انہ کان لہ زوجان من نعل اذا توضأ انتعل باحدھما الی باب المسجد ثم یخلعہ وینتعل بالآخر ویدخل المسجد الی موضع صلاتہ''

یعنی مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ دو جوڑے رکھتے تھے استعمالی جوتا پہن کر دروازۂ مسجد تک تشریف لاتے پھر دوسرا جوڑا پہن کر مسجد میں جاتے۔ (ج: ۲، ص ۳۴) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد محسن مصباحی
۱۸ر جمادی الآخر ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

جس پر حج فرض ہو کیا وہ حج بدل کر سکتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

میری ایک بیوہ بہن اپنے شوہر کے نام حج بدل کرنا چاہتی ہے مگر کہا جاتا ہے کہ جب تک خود کا حج ادا نہیں کرے گی تب تک کسی کے نام حج بدل نہیں کر سکتی اور نہ عمرہ ادا کر سکتی ہے۔ اس لئے وہ خود کے حج کی تیاری کر رہی ہے۔ اب جبکہ ابھی خود کے حج کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ کر کے دوبارہ حج بدل کے لئے اتنی رقم جمع کرنا اور وہ بھی ساتھ میں اپنے بیٹے کو لے جانا اور اس کا خرچ بھی برداشت کرنا ناممکن ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اس کے شوہر کا حج بدل خود کرے۔ اس کے لئے کیا حکم ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر ممنون ومشکور کریں۔ **المستفتی** جعفری بشیر قادری، دربار کالونی، موکندنگر احمد نگر (ایم ایس)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں اگر حج کی ادائیگی کے یہ روپے خود عورت کی ملکیت ہیں جیسا کہ سوال سے یہی ظاہر ہے تو اس پر حج فرض ہے اور جس پر حج فرض ہو اس کا کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا یہ عورت پہلے اپنا حج بشرط محرم ادا کرے اگر بغیر محرم حج کرے گی سخت گنہگار ہوگی البتہ حج ادا ہو جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے:

"ان حج الصرورة عن غيره ان كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم" اھ

یعنی جس پر سفر خرچ، سواری اور صحت کا مالک ہونے کی وجہ سے حج فرض ہو گیا ہو اس کا دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (ج ۴ ص ۲۱)

فتاوی رضویہ میں ہے "عورت اگر چہ عفیفہ یا ضعیفہ ہو اسے بے شوہر یا محرم سفر کو جانا حرام ہے یہ عفیفہ ہے تو جن سے اس پر اندیشہ ہے وہ تو عفیف نہیں اور یہ ضعیفہ ہے تو سفر خصوصاً سفر حج میں اور زیادہ محتاج محرم ہے کہ جہاز یا اونٹ پر چڑھانے اتارنے کے لئے ضعیفہ کو دوسرے شخص کی زیادہ حاجت ہے ہاں اگر چلی جائے گی گنہگار ہوگی ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا مگر حج ہو جائے گا کہ معیت محرم شرط صحت حج نہیں۔ (ج ۴ ص ۶۸۴)

رہ گیا شوہر کی طرف سے حج بدل کا مسئلہ تو اس کا حل یہ ہے کہ عورت اس کی طرف سے عمرہ کرلے عمرہ بھی ایک طرح کا حج ہی ہے اور اس کی بھی بڑی فضیلت ہے اس طرح عورت اپنی طرف سے حج فرض اور شوہر

کی طرف سے حج اصغر عمرہ کرلےگی اور کوئی کراہت یا گناہ بھی اس کے سر نہ لازم آئے گا۔
اور اگر حج کی ادائیگی کے یہ روپے خود عورت کی ملک نہیں بلکہ وارثین کی ملک ہیں تو اس میں تفصیل ہے اگر واقعہ یہی ہو تو اسے واضح کر کے دوبارہ دار الافتا سے رجوع کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد محسن مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۸ر جمادی الآخر ۱۴۳۲ھ

زید نے سعی کے چار پھیرے کر کے عمرہ کا احرام کھول دیا تو کیا حج کی طرح بعد میں سعی کر لینے سے دم ساقط ہو جائے گا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

زید نے سعی کے چار پھیرے کر لیے پھر عمرہ کا احرام کھول دیا یعنی حلق وغیرہ کروالیا تو کیا اس پر دم دینا لازم نہیں کیا عمر میں کبھی بھی سعی کر لے تو دم ساقط ہو جائے گا؟ ''رفیق الحرمین'' ص ۲۴۲ میں ہے: ''تین صدقے دے ہاں اگر بعد حلق وغیرہ کے بھی ادا کر لے تو کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ سعی کے لئے زمانۂ حج یا احرام شرط نہیں اگر ادا نہ کی ہو تو عمر میں جب بھی سعی بجالائے واجب ادا ہو جائے گا۔'' جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ **المستفتی:** عطاء المصطفیٰ ابن مولانا محمد حلیم بھاؤ پور سدھارتھ نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ''رفیق الحرمین'' میں جو ہے کہ ''بعد حلق اگر اسے ادا کر لے تو کفارہ ساقط ہو جائے گا'' یہ حکم حج کی سعی کا ہے جب کہ وقوف عرفہ کر چکا ہو۔ رہا عمرہ تو اس میں اس پر صدقہ دینا ہی متعین ہے جو بعد میں سعی کر لینے سے ساقط نہیں ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ عمرہ کی سعی احرام کے ساتھ واجب ہے اور جب اس نے سعی کے چار پھیرے کر کے احرام کھول دیا تو اب احرام واجب کے ساتھ سعی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر عمرے کی سعی احرام کھول کر کرے گا تو وہ صدقہ کی معافی کے لئے کافی نہ ہوگی کہ یہ سعی اپنے واجب کے ساتھ نہ ہوئی۔

عمرہ کی سعی کے لئے احرام کا وجوب درج ذیل جزئیہ سے ثابت ہے۔ بہار شریعت ص ۷۳، ح ۶ میں ہے: ''عمرہ کی سعی میں احرام واجب ہے یعنی اگر طواف کے بعد سر مونڈا لیا پھر سعی کی تو سعی ہو گئی مگر چونکہ واجب ترک ہوا لہٰذا دم واجب ہے'' اھ

لباب ''فصل فی واجبات السعی'' میں ہے:

''وکونہ فی حالۃ الاحرام فی سعی العمرۃ ای بناء علی ماسبق من ان الاحرام فیہ

واجب لا شرط لكن فيه انه ان سعى بعد التحلل هل يجب دم واحد لجناية الحلق او دم آخر ايضا لايقاع السعي في غير حالة الاحرام" اھ (ص ۱۲۰) والله تعالیٰ اعلم.

کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی
۱۰ ربیع النور ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

■❖■

کِتَابُ النِّکَاح

نکاح کا بیان

نکاح میں اعلان ضروری ہے۔ زید و ہندہ میاں بیوی کی طرح رہتے ہوں تو کیا بلا ثبوت انہیں میاں بیوی مانیں گے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید کی دو بیویاں ہیں ایک سے نکاح کیا ہے جس کے نکاح کا پورا ثبوت ہے اور دوسری بیوی ہندہ کے نکاح کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور زید کا کاروبار ممبئی میں ہے اور پہلی بیوی کی بہن کا بیٹا بکر، زید کے کاروبار کا پارٹنر ہے اور زید و بکر اور اس کی دوسری بیوی ہندہ ایک ہی روم میں رہتے ہیں اور ایک ہی میں کھانا پانی کھاتے پیتے ہیں اور زید کی پہلی بیوی کے بیٹے بکر کی جب شادی ہونے لگی تو گاؤں کے امام صاحب نے کہا کہ جو اس کے گھر کھانا کھائے گا یا شادی میں شامل ہوگا تو اس پر توبہ لازمی ہوگی۔ تو گاؤں والے اس کی شادی میں شامل نہیں ہوئے اور امام صاحب خود اس لڑکے کے گھر گئے اور قربانی کیے اور پان کھائے تو لوگوں نے اعتراض کیا امام صاحب نے کہا کہ میں نے بھول کر پان کھایا ہے اور توبہ بھی کرلیا ہے اور ان کی توبہ کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو امام صاحب کی توبہ درست ہوئی یا نہیں؟ اور امام صاحب ایک حافظ ہیں جو قرآن مجید تجوید و ترتیل سے نہیں پڑھتے اور جمعہ کی نماز میں قریب دو سو لوگوں کی امامت بھی کرتے ہیں؟ بینوا توجروا۔ المستفتی: حبیب اللہ مقام ہنکٹوا پوسٹ اموڑھا ضلع بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب نکاح کی صحت کے لیے ضروری نہیں کہ سبھی لوگوں کو معلوم ہو۔ بس دو گواہوں کے سامنے ایجاب قبول کافی ہے۔ جب زید و ہندہ باہم میاں بیوی کی طرح رہتے ہیں تو وہ زوجین ہی قرار دیے جائیں گے جب تک اس کے خلاف شرعی ثبوت نہ ملے۔ فتاوی رضویہ میں ہے:

”اتنی بات پر کہ گھر میں رکھا ہے اور ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا نسبت زنا کر بھی نہیں سکتے۔ بنص قطعی قرآن مجید حرام شدید ہے۔ بلکہ اگر گھر میں بیویوں کی طرح رکھتا ہو اور بیویوں کا سا برتاؤ برتتا ہو تو ان کو زوج

وزوجہ ہی سمجھا جائے گا اور ان کی زوجیت پر گواہی دینی حلال ہوگی، اگر چہ ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا کما فی الهداية والدر المختار والهندية وغيرها" اھ (ج ۸ ص ۳۳۳)

ہاں اگر واقع میں دونوں بغیر نکاح کے میاں، بیوی کی طرح رہ رہے ہیں تو دونوں سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں مگر اس کا حال خدائے علیم وخبیر کو معلوم ہے اس لیے مسلمان ان پر بدگمانی سے بچیں۔

البتہ ہندہ بکر کے حق میں محض اجنبیہ ہے اس لیے دونوں پر ایک دوسرے سے پردہ لازم ہے لیکن جب وہ دونوں ایک ہی کمرے میں رہتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے" بلکہ بسا اوقات اجنبیہ کے ساتھ خلوت بھی ہوسکتی ہے۔ ایسی بے پردگی اور خلوت ناجائز ہے اگر یہاں ایسا ہی ہے تو دونوں بے پردگی کی وجہ سے گنہگار ہوئے ساتھ ہی زید بھی اس پر رضا کی وجہ سے گنہگار ہوا — اور امام صاحب اگر **ماتجوز به الصلاة** قرأت نہیں کر پاتے ط، ت، ث، س، ص، د، ز، ظ، ض، ا، ع، ح، ہ میں امتیاز نہیں رکھتے تو ان کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحيح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **كتبهٗ**: محمد شاہ عالم قادری جونفوری

الجواب صحيح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۲/ ربیع الغوث ۲۴ھ

لڑکا لڑکی کے بالغ ہونے کی عمر کیا ہے؟

امیر گھرانہ کی تلاش میں شادی میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ بہت سے لوگ باتوں میں برابر کا رشتہ نہ ملنے پر یا امیر گھرانہ کے لڑکے اور لڑکیوں کی تلاش میں لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کی عمر سے بہت وقت تک بے خبر رہتے ہیں، اسلام کی رو سے جوانی کی عمر بتائیں ایسے حالات کے گناہ سے تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔ **بينوا توجروا۔ المستفتی**: اقبال احمد کلکتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ماں، باپ کو چاہیے کہ جب لڑکا لڑکی بالغ ہوجائیں تو ان کی شادی کسی کفو سے کردیں محض امیر گھرانہ نہ ملنے کی وجہ سے اگر شادی سے رک جائیں تو گنہگار ہوں گے۔ مجدد اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: "جب (لڑکا) جوان ہو تو شادی کردے، شادی میں وہی رعایت قوم و دین و سیرت وصورت ملحوظ رکھے۔ پھر چند سطر بعد ہے جب کفو ملے نکاح میں دیر نہ کرے حتی الامکان بارہ برس کی عمر میں بیاہ دے۔ زنہار زنہار کسی فاسق، فاجر، خصوصاً بدمذہب کے نکاح میں نہ دے" اھ (فتاویٰ رضویہ جلد نہم نصف اول ص ۷۴)

لڑکا کے بالغ ہونے کی عمر کم از کم ۱۲ سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے اور لڑکی کی کم از کم ۹

رسال اور زیادہ سے زیادہ ۱۵ سال ہے۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری
۱۲ رربیع الغوث ۲۴ھ

نکاح میں باپ کا نام پہلے لیا لڑکے کا بعد میں تو بھی نکاح ہو گیا کیا محفل نکاح میں "رَبنا اٰتنا" اور "یا الٰہی ہر جگہ" جیسی دُعائیں مانگ سکتے ہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱) میں نے بطور قاضی اس طرح نکاح پڑھایا۔ جی۔ کے، نثار احمد صاحب کے فرزند ارجمند فاضل احمد صاحب کا نکاح طاہر حسین صاحب کی دختر نیک اختر تمنا بانو کے ساتھ وکیل وگواہ اور مہر کا ذکر کرنے کے بعد نوشہ سے ایجاب وقبول کروایا نوشہ نے قبول کیا۔ میں نے تین مرتبہ قبول کروانے کے بجائے نو مرتبہ قبول کروایا۔ اب ایسی صورت میں ایک بدعقیدہ نے کہا کہ آپ نے نکاح غلط پڑھایا ہے لہٰذا نکاح پھر پڑھایئے اور غلطی یہ بتاتا ہے کہ آپ نے پہلے باپ کا نام لے کر نکاح پڑھایا ہے اس لیے غلط ہے۔ پھر دوبارہ اسی طرح پڑھایا۔ یعنی فاضل احمد ابن جی کے نثار احمد ہمراہ تمنا بانو بنت محمد طاہر حسین صاحب اس طرح نام لے کر پڑھایا تو بولا کہ اب صحیح ہے لہٰذا پہلی صورت میں کیا نکاح نہ ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) نکاح کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اس کو پڑھنے کے بعد اگر اللھم ربنا اٰتنا الخ، اور یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو۔ پڑھایا۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ دعائے مذکور قبرستان میں پڑھی جاتی ہے، اور جب کہ قاضی نے بتایا میں نے جو دعائیں، اور نکاح پڑھایا ہے یہ صحیح ہے تو لوگ اس کے کہنے پر لڑنے جھگڑنے کو تیار ہو گئے۔

المستفتی: محمد طاہر حسین جامع مسجد ہڑکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) صورت مسئولہ میں فاضل احمد کا نکاح تمنا بانو کے ساتھ پہلی ہی صورت میں ہو گیا۔ نکاح نام ہے دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کا۔ لڑکی کی طرف سے عقد نکاح کا ایجاب ہوا اور لڑکے نے قبول کر لیا نکاح ہو گیا۔ ہدایہ کتاب النکاح میں ہے۔

"النکاح ینعقد بالایجاب والقبول بحضور الشاھدین" ملخصا (ج ۲ ص ۲۸۵)

باپ کا نام لڑکے کو متعین کرنے کے لیے ہوتا ہے تا کہ وہ اپنے ہم نام دوسرے لڑکے سے ممتاز ہو جائے، اس لیے باپ کا نام خواہ پہلے لیا جائے یا بعد میں نکاح ہو جائے گا، اس کو غلط کہنے والا جاہل ہے، اسے

فتویٰ دینا حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے "من افتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض"اھ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۹۳) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) محفل نکاح میں ہر جائز ومباح دعا مانگنا جائز ہے اسے ناجائز بتانا شریعت طاہرہ پر افتراء ہے، ان دعاؤں کا تعلق قبرستان سے ہرگز نہیں، بلکہ اللہ عزوجل سے خیریت دنیا وعقبیٰ کی عاجزانہ طلب ہے، جو ہر جگہ درست، بلکہ محبوب ہے۔ ہاں محفل نکاح کی مناسبت سے رشتے کی خوشگواری اور استحکام کی دعا بھی کرنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری
۵ رجب ۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بلا طلاق لڑکی کا دوسرے سے نکاح درست نہیں؟

اس میں شرکت کرنے والوں، قاضی اور گواہوں کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شمع بانو بنت محمد حسین ساکن امباؤ گڑھ کچی بستی کا نکاح بعمر ۱۸ سال سنت طریقہ سے بمہر ۵۰۰۰ ہزار محمد آصف بن محمد اقبال کے ساتھ (ساکن سلاوٹ واڑی) منعقد ہوا جب لڑکی کو محمد آصف نے گھر بسانے کے لیے بلایا تو لڑکی نے منع کیا اور آصف سے طلاق کا مطالبہ کیا اور خرچ ومہر کے لیے دباؤ ڈالا۔ اور آصف پر مقدمہ درج کرا دیا کورٹ نے تمام بحث وگواہ کے بعد فیصلہ کیا کہ لڑکی خرچ لینے کی حقدار نہیں اور یہ کہ اس کو آصف کا گھر بسانا چاہیے مگر فیصلہ نہ مان کر آگے کورٹ میں چلی گئی۔ لڑکی کے والد محمد حسین نے آصف سے طلاق حاصل کیے بغیر دوسری جگہ لڑکی کا نکاح کرا دیا۔ (۱) یہ دوسرا نکاح ہوا یا نہیں؟ (۲) اس میں شریک ہونے والوں کے لیے کیا حکم ہے؟ (۳) اس نکاح کے قاضی اور گواہان کے لیے کیا حکم ہے؟ (۴) اور بغیر طلاق جس شخص نے نکاح پڑھ لیا اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۵) لڑکی کے والد نے یہ کام شرع کو چھوڑ کر کیا اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۶) قاضی جو کہ مولوی ہے اور امامت کرتا ہے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: شیخ معین الدین رضوی سلاوٹ واڑی ادے پور، راجستھان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب (۱ تا ۶) صورت مسئولہ میں جب کہ آصف نے طلاق نہ دی تو شمع بانو بدستور اسی کی زوجہ ہے۔ اس کا نکاح کسی اور سے کرنا سخت ناجائز وحرام قطعی ہے "قال اللہ تعالیٰ "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ"

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں (پ ۵، ع ۱) لہٰذا شمع بانو اور اس کا دوسرا فرضی شوہر دونوں پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہو جائیں اور علانیہ توبہ و استغفار کریں، اور شمع بانو کے والد پر بھی توبہ و استغفار واجب ہے کہ جس نے بغیر طلاق حاصل کیے نکاح کر کے زنا کا دروازہ کھولا، نیز حاضرین مجلس، گواہان، نکاح خواں، اور ہر وہ شخص جو بغیر طلاق کے دوسرے کے ساتھ نکاح پر دانستہ راضی رہے سب علانیہ توبہ و استغفار کریں اور نکاح خواں علانیہ توبہ کرنے کے ساتھ نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور ساتھ ہی آئندہ بچے، اگر ایسا کر لیتا ہے تو ٹھیک، ورنہ اسے امامت سے ہٹا دیں۔

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "اگر واقع میں اس نے طلاق نہ دی ہو تو وہ بدستور اسی کی زوجہ ہے اور جان بوجھ کر جو اس کے دوسرے نکاح میں شریک ہوا سخت کبیرہ کا مرتکب ہوا اسے چاہیئے کہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کرے۔ (فتاوی امجدیہ ج ۲ ص ۱۰)

اور حاشیہ فتاوی امجدیہ میں ہے "جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس کا نکاح کسی اور سے کرنا حرام قطعی ہے ارشاد ہے "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ" اور اس کا حرام ہونا ضروریات دین سے ہے اس لیے اس کا حلال جاننا کفر ہے، کسی کا نکاح پڑھانا، اس میں شریک ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کو حلال جانتا ہے مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ شرما حضوری اور لالچ وغیرہ کی وجہ سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ نکاح حرام ہے نکاح پڑھا دیتے ہیں، نکاح کی مجلس میں شریک ہو جاتے ہیں، گواہ و وکیل بن جاتے ہیں اس تقدیر پر نکاح خواں و گواہ و شرکاء مجلس صرف گنہگار ہوں گے کافر نہ ہوں گے، اب یہاں شرکا کی نیت کا حال معلوم نہیں اور ہمیں حکم ہے کہ مسلمان کے فعل کو اچھے محمل پر محمول کریں اس لیے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے یہ حکم ارشاد فرمایا کہ یہ سخت کبیرہ کا مرتکب ہوا لیکن جس چیز کے کفر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہو اس پر احتیاطاً تجدید ایمان و تجدید نکاح کا حکم ہے عالمگیری میں ہے "ما کان فی کونہ کفرا اختلاف فان قائلہ یومر بتجدید النکاح و بالتوبۃ والرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط۔" یعنی جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس کے قائل کو احتیاطاً تجدید ایمان اور توبہ اور اس قول سے رجوع کا حکم دیا جائے گا۔ (ج ۲ ص ۲۸۳)

اس بنا پر حضرت نے تجدید ایمان و نکاح کا حکم دیا (ج ۲ ص ۱۰) اور جب عورت شوہر کے یہاں رہنے سے انکار کرے تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں اور جتنے دن تک شوہر کے یہاں نہیں رہی ان دنوں کے خرچ کا بھی شوہر سے مطالبہ نہیں کر سکتی درمختار میں ہے "لا نفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود"۔ (ج ۳ ص ۵۷۵، باب النفقۃ) اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے "وان نشزت فلا نفقۃ لھا حتی تعود الیٰ منزلہ اھ (ج ۱ ص ۵۴۵، باب فی النفقات)

اگر کورٹ سے طلاق حاصل بھی کر لے پھر بھی وہ قابل قبول نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی گرہ مرد

کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ "قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ "بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ" یعنی نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے (پ ۲ ع ۱۴) اورحدیث شریف میں ہے "انما الطلاق لمن اخذ بالساق"

لہٰذا دونوں طرف کے پنچ دونوں کو سمجھا بجھا کر اصلاح کی کوشش کریں، دونوں ایک ساتھ رہنے پر راضی ہوجائیں تو ٹھیک، اور اگر نباہ کی کوئی صورت نہ نکلے تو شوہر کو چاہیے کہ ایک طلاق سنت دے کر اسے آزاد کردے۔

پھر اگر آصف نے خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دے دی تو شمع جس سے چاہے فوراً نکاح کرسکتی ہے کہ ایسی عورت پر عدت نہیں۔ قال اللّٰہ تعالیٰ "اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا" (پ ۲۲ ع ۳)

لہٰذا شمع بانو اور اس کے فرضی شوہر پر فرض ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں اور علانیہ توبہ و استغفار کریں ورنہ تمام مسلمان ان کا سخت سماجی بائیکاٹ کریں قال اللّٰہ تعالیٰ "وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ" (پ ۷ ع ۱۴) واللّٰہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۱ ر جمادی الاولیٰ ۲۵ھ

کرسچن لڑکی مسلمان ہوجائے تو اس سے نکاح کیسا ہے؟ مرضی کی شادی نہ ہونے پر لڑکا خودکشی کرلے تو کیا والدین بھی گنہگار رہوں گے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مذکورہ میں کہ

(۱) میرا فرزند محمد عبدالوسیم ایک کرسچن لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ وہ لڑکی مسلمان ہوگئی ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ ہم والدین کی بغیر اجازت کے شادی نہیں کریں گے اور اگر کریں گے تو اسی سے ورنہ نکاح کریں گے ہی نہیں۔ جب کہ لڑکے کے والدین راضی نہیں ہیں اس لیے شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ کیا والدین کو راضی ہوکر شادی کرادینی چاہیے یا نہیں؟ آخر اس کی کیا صورت ہوگی؟

(۲) اگر لڑکے نے خودکشی کرلی تو کیا عذاب میں والدین بھی گرفتار ہوں گے یا نہیں؟ اور وہ یہ کہتا ہے کہ اگر میں نے اس لڑکی سے نکاح نہیں کیا تو وہ بھی بغیر نکاح کیے ساری عمر گزار لے گی اس کا گناہ میرے سر پر آئے گا تو کیا اسکا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

اور لڑکے کے والدین یہ چاہتے ہیں کہ کسی غریب لڑکی سے بغیر لین دین کے نکاح کردیں تو ثواب بھی پائیں گے، اب بتائیں کہ لڑکے کی بات درست ہے یا ماں باپ کی کس کی بات کو ترجیح حاصل ہے؟ اور لڑکا کہتا

ہے کہ میری شادی میں والدین کی رضامندی ضروری ہے ورنہ میں بغیر نکاح کے زندگی گذار لوں گا ایسے موقع پر والدین کو از روئے شرع کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد عبدالسلیم، مکان نمبر 43/151 ہنومان نگر مولا علی حیدر آباد۔ 500040

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) اگر حقیقت میں کرسچن لڑکی مسلمان ہوگئی ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ اگر کافرہ اصلیہ بھی اپنے دین سے پھر جائے اور اسلام قبول کرلے تو بعد اسلام فوراً اس سے نکاح کرنا درست ہے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان فتاویٰ عالمگیری کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر عورت پہلے مسلمان ہوئی تو مرد پر اسلام پیش کریں اگر تین حیض آنے سے پہلے مسلمان ہوگیا تو نکاح باقی ہے ورنہ بعد کو جس سے چاہے نکاح کرلے کوئی اسے منع نہیں کرسکتا'' اھ (بہار شریعت ح ۷ ص ۲۸)

البتہ محمد عبدالوسیم کو چاہیے کہ والدین کی رضا کے بعد ہی اس لڑکی سے نکاح کرے کہ والدین کی رضا میں خدا کی رضا ہے اور والدین کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی ہے، حدیث شریف میں ہے "رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد" اھ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۲)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا" اھ یعنی تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا'' (پ ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل ۳۴ آیت ۲۳) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) خودکشی حرام ہے اس کا وبال خودکشی کرنے والے پر ہے نہ کہ والدین پر، حدیث پاک میں ہے "الذی یخنقها نفسه یخنقها فی النار والذی یطعنها یطعنها فی النار" اھ یعنی جو اپنا گلا گھونٹ کر مرے گا وہ جہنم میں بھی اپنا گلا گھونٹتا رہے گا اور جو اپنے کو نیزہ بھونک کر مرے گا وہ جہنم میں بھی اپنے آپ کو نیزہ بھونکتا رہے گا'' اھ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸۲)

اس حدیث شریف کے تحت حضور شارح بخاری علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ ''اس کا حاصل یہ نکلا کہ خودکشی کرنے والا جس طرح اپنے آپ کو ہلاک کرے گا اسی طرح جہنم میں وہ خود اپنے آپ کو سزا دیتا رہے گا۔ خودکشی حرام اور سخت حرام ہے'' اھ (نزہۃ القاری ج ۴ ص ۱۲۶)

اس سلسلے میں حل کی راہ یہ ہے کہ لڑکا اس کرسچن لڑکی سے یہ کہے کہ وہ علانیہ اسلام قبول کرلے جب وہ

اس طور پر مسلمان ہو جائے تو پھر محمد عبد الوسیم کے والدین کو چاہیے کہ وہ کچھ نرم رویہ اختیار کریں اور اس نو مسلمہ لڑکی کے ساتھ اپنے لڑکے کا نکاح کر دیں، نو مسلمہ کے ساتھ نکاح جائز و درست ہے کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد نیاز برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۴؍ربیع الغوث ۱۴۲۵ھ

غیر محرم کا ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ ہمارے اطراف میں یہ بھی دستور ہے کہ نکاح سے پہلے لڑکے والے لڑکی کے لیے نکاحی کپڑا لاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسی کپڑے کو پہن کر لڑکی کا نکاح ہوگا لڑکی اپنے والد کے دیے ہوئے کپڑا جو پہنتی رہتی ہے اس کپڑا پہ نکاح نہیں ہوسکتا جب کہ زید کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں نکاح جب بھی ہونا چاہیے تو اس کپڑا پہ جو کپڑا والدین نے اپنی بیٹی کو دیا ہو جب تک نکاح نہ ہو جائے تب تک غیر محرم کی دی ہوئی کوئی بھی شئ لڑکی استعمال نہیں کر سکتی اور نکاح سے پہلے دولہا یا دولہا کا والد لڑکی کے لیے غیر محرم ہی ہوتا ہے۔

المستفتی: محمد زبیر احمد اشرفی، مقام دھونچھپرہ پوسٹ برہم پور، ضلع بکسر، بہار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب دولہا یا دولہا کا باپ لڑکی کے لیے جو نکاحی کپڑا لاتے ہیں وہ ان کی طرف سے لڑکی کے لیے ہدیہ ہے اور ہدیہ قبول کرنا اور اسے اپنے استعمال میں لانا جائز و حلال ہے اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ ہدیہ غیر محرم کا بھی قبول کرنا جائز ہے، ہاں اس کے سامنے بے پردہ ہونا روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۲۵؍جمادالآخر ۱۴۲۶ھ

نکاح خوانی کے لئے روپیہ معین کر کے لینا کیسا ہے؟
کیا خاندانی قاضی کا فارم ضروری ہے؟

مسئلہ نکاح خواں کو نکاح خوانی کے عوض مقررہ روپیہ لینا بلکہ نکاح خوانی کے لیے روپیہ متعین کرنا از روئے شرع کیسا ہے اور کیا نکاح کے لیے خاندانی قاضی کا فارم ہی ضروری ہے؟

المستفتی: محمد منظور عالم خاں، روشن نگر، (اے) کھجرانہ، اندور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب نکاح خواں کو نکاح خوانی کے عوض مقررہ روپیہ لینا اور اس کے لیے روپیہ متعین کرنا جائز

ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۱۷۱ کے ایک فتوی سے یہی مستفاد ہے۔
اور نکاح کے لیے خاندانی قاضی کا فارم ہونا کچھ ضروری نہیں۔ فتاویٰ رضویہ مترجم میں ہے ''قاضی کا رجسٹر کوئی شرط نکاح نہیں'' (ص ۱۹۳ ج ۲۳) یادداشت کے لیے فارم نکاح نامہ پُر کرنا کافی ہے خواہ کسی قاضی کا نکاح نامہ ہو یا کسی اور نکاح خواں کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: غلام نبی نظامی علیمی
۷؍ رجمادالاولیٰ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

شادی بالغ ہونے سے پہلے بہتر ہے یا بعد میں؟ مدت بلوغت کتنی ہے؟ حکومت کا لڑکے کی شادی ۲۲ سال اور لڑکی کی ۱۸ سال سے پہلے کرنے کو روکنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:
(۱) لڑکا اور لڑکی کی شادی بالغ ہونے سے پہلے کرنا بہتر ہے یا بالغ ہونے کے بعد، لڑکا اور لڑکی کتنی عمر میں بالغ ہوتے ہیں؟
(۲) لڑکے کی شادی ۲۲ سال اور لڑکی کی شادی ۱۸ سال سے پہلے کرنے کو موجودہ حکومت سختی سے روکتی ہے۔ والدین اور نکاح خواں وغیرہ کو سزا بھی دیتی ہے۔ لہٰذا حکومت کا یہ طریقہ کار از روئے شرع کیسا ہے؟
المستفتی: حاجی اسحاق پٹیل، صدر نوری اکیڈمی، اندور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب لڑکا اور لڑکی کی شادی بالغ ہونے سے پہلے کرنا مباح ہے۔ فتاوی امجدیہ میں ہے ''صغیرین کا نکاح نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ مباح ہے'' (ص ۳۷ ج ۲) اور جب بالغ ہو جائیں، اور یہ ڈر ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں جب کہ اس زمانہ میں یہ وبا عام ہوتی جارہی ہے تو ایسی صورت میں نکاح کر دینا نہ صرف بہتر بلکہ ضروری ہے، حدیث شریف میں حکم دیا گیا ہے کہ لڑکی کا کفو ملے تو نکاح کر دیا جائے۔

لڑکا کم سے کم بارہ برس اور زیادہ سے پندرہ برس کی عمر میں بالغ ہوتا ہے اور لڑکی کم سے کم نو برس اور زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی عمر میں بالغ ہوتی ہے۔ جیسا کہ مجمع الانہر ''کتاب الحجر'' میں ہے ''وعندھما اذا تم خمس عشر سنۃ فیھما وھو روایۃ عن الامام وبہ یفتی وادنی مدۃ لہ ثنتا عشر سنۃ ولھا تسع سنین'' اھ (ص ۴۴۴ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ یہ شریعت کے خلاف اور حکومت کی طرف سے ظلم و زیادتی ہے۔ حدیث پاک ہے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "یا علی ثلاثۃ لاتؤخرھا الصلاۃ اذا اتت،والجنازۃ اذا حضرت، والایم اذا وجدت لھا کفواً" یعنی اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ نماز جب آجائے، اور جنازہ جب تیار ہوجائے، اورلڑکی کا جب کفول جائے (مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ" ص ٦١) اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جب بالغہ لڑکی اور لڑکا کے لیے مناسب رشتہ مل جائے تو بلاوجہ تاخیر نہ کی جائے خواہ ان کی عمر ۲۲ اور ۱۸ سے کم ہی کیوں نہ ہو ورنہ ان کے گناہ میں ملوث ہونے کی صورت میں اولیاء بھی گنہگار رہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی　　**کتبہٗ:** محمد غلام نبی نظامی علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی　　۶ر جمادالاولیٰ ۱۴۲۶ھ

کیا زنا سے حاملہ کا نکاح درست ہے؟ نکاح میں ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کرنا کیسا ہے؟ جان پڑنے کے بعد حمل ساقط کرانا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

زید کی لڑکی ہندہ شادی سے پہلے تقریباً سات ماہ کی حاملہ تھی کہ اس کی شادی عمرو سے ہوگئی۔ ہندہ اپنے سسرال گئی اور ایک ہفتہ بعد رخصت ہوکر میکے آنے کے بعد اسپتال میں حمل ضائع کرا کر بچہ کو اپنے مکان میں اس کے والدین گاڑ دیتے ہیں پھر دوبارہ ایک ماہ بعد لڑکی سسرال جاتی ہے اور وہاں سسرال والوں کو طرح طرح سے پریشان کرنے لگتی ہے جس کی بنا پر شوہر (عمرو نے) ہندہ کی ماں کو بلا کر ساتھ میں میکے بھیج دیا۔ لیکن معاملہ کی جانکاری سسرال والوں کو ڈاکٹر کے ذریعہ ہوجانے سے کچھ عرصہ گزرنے پر ہندہ کے باپ نے مقدمہ چلادیا اور اسی دوران ہندہ کا دوسرا نکاح بکر سے ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا ہندہ کا پہلا یا دوسرا نکاح جائز قرار پایا کہ نہیں اور دوسری بات کہ زید اور اس کے اہل وعیال کے ساتھ سماجی یا رشتہ داری تعلق رکھنا اور اسکے گھر قیام وطعام کرنا کیسا ہوگا؟ شریعت اسلامیہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل و مدلل جواب لکھنے کی مہربانی عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔　　**المستفتی:** ماسٹر حیدر علی، موضع وپوسٹ بینڈھی، ضلع چندولی، یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زید کی لڑکی ہندہ کا یہ حمل اگر زنا سے تھا تو عمرو کے ساتھ اس کا نکاح صحیح و درست ہے، اب اگر وہ حمل عمرو کا ہو تو اس کے ساتھ جماع جائز تھا، اس کا نہ ہو تو اس کے ساتھ جماع ناجائز تھا یہاں تک کہ بچہ پیدا ہوجائے۔ فتاویٰ

عالمگیری میں ہے "قال ابو حنیفة و محمد رحمهما الله تعالیٰ یجوز ان یتزوج امراة حاملا من الزنا ولا یطؤها حتی تضع.... وفی مجموع النوزل اذتزوج امراة قدزنی هوبها وظهربها حبل فالنکاح جائز عند الکل وله ان یطأها عند الکل کذا فی الذخیرة" اھ (ص ۲۸۰ ج ۱)

اور درمختار میں ہے "صح نکاح حبلی من زنا لامن غیرہ وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع ولونکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقاً" اھ ملخصاً (ص ۱۴۱ ج ۴)

جب نکاح اول صحیح ہوگیا تو ہندہ کا عمرو سے بغیر طلاق حاصل کیے بکر سے دوسرا نکاح کرنا باطل وناجائز وحرام قطعی ہے۔ "قَالَ اللہ تعالیٰ "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ" یعنی شوہر دار عورتیں حرام ہیں" (س نساء ۴ آیۃ ۲۴) لہٰذا بکر پر فرض ہے کہ فوراً ہندہ سے الگ ہوئے، اگر بکر نے دانستہ یہ نکاح کیا تو اس پر اور جن لوگوں نے جان بوجھ کر ہندہ کا نکاح بکر سے کیا وہ زنا کے دلال ہوئے ان سب پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ اور ہندہ پر لازم ہے کہ عمرو کے ساتھ رہے، جب تک وہ طلاق نہ دے دے دوسرے سے نکاح ہرگز نہ کرے۔

چار مہینے میں جان پڑ جاتی ہے اور جان پڑ جانے کے بعد حمل ساقط کرنا، کرانا حرام ہے اور ایسا کرنے والے ایک محترم جان کے قاتل ہیں۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد دہم، ص ۲۵۱ و ۲۶۰ میں ہے، اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے "خلقه لایستبین الا فی مائة و عشرین یوماً کذا فی الظهیریة" اھ (ص ۲۸۰ ج ۱) لہٰذا ہندہ اور اس کے والدین سخت گنہ گار، مستحق عذاب نار، حق اللہ وحق العبد میں گرفتار ہیں ان پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کریں، اگر وہ ایسا نہ کریں تو بشرط ثبوت شرعی مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان لوگوں سے کھانا، پینا، سلام کلام، شادی بیاہ یک لخت چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" (س، ہود، آیت ۱۱۳)

اور اگر زید کے اہل وعیال گناہ مذکور میں شریک نہیں رہے اور نہ ہی ہندہ کے فعل کو اچھا جانا تو ان کا سماجی بائیکاٹ نہ کیا جائے۔ قال اللہ تعالیٰ "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى" یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی" (س، زمر ۳۹، آیت ۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۷ر جمادالآخر ۱۴۲۶ھ

دو ہاتھ دو پیر دو منھ چار چھاتی اور دو فرج والی عورت سے وطی کس طرح کی جائے گی؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

ایک لڑکی جس کے دو ہاتھ، دو پیر، دو منہ، چار چھاتی اور دو فرج ہیں شادی ہونے پر وطی اس سے کس طرح کی جائے۔

المستفتی: شبیر احمد مدرسہ حنفیہ جونپور یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب جس مسئلہ کا تعلق حقیقت سے ہو اسی کے بارے میں دریافت کرنا چاہیے۔ ایسے عجائب اگر نادراً پیدا ہوتے ہیں تو عادۃً زندہ نہیں رہتے، اگر اتنے برس سے ایسا عجوبہ کہیں موجود ہوتا تو جب ہی سے تمام اخبار اس کے ذکر سے بھر جاتے، بالفرض اگر صحیح ہو بھی تو یہ درحقیقت دو لڑکیاں ہیں جو باہم جڑی ہوئی ہیں، ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں کہ جمع بین الاختین حرام ہے اور دوسے کیا جائے تو بے حیائی لازم آئے گی، لہٰذا ایسی صورت میں وہ روزوں کی کثرت کریں کہ روزوں سے شہوت نفسانی ختم ہوجاتی ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. جو نکاح کی طرف کوئی راہ نہ پائیں وہ بچے رہیں جب تک اللہ اپنے فضل سے انہیں بے پرواہ کردے۔ (پ۱۸ آیت ۳۳)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانه اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء"۔ اے گروہ نوجوانان! تم میں جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرے کہ نکاح پریشان نظری و بدکاری سے روکنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے اور جسے ناممکن ہو اس پر روزے لازم ہیں کہ کسر شہوت نفسانی کردیں گے۔ (بخاری شریف کتاب النکاح ص ۷۵۸ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد صابر عالم مصباحی
۱۷ ربیع الغوث ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

لڑکی کے والد نے زید کو وکیل بنایا پھر بکر زید اور گواہوں کے سامنے کہا کہ زید اپنی مؤکلہ کو آپ کے نکاح میں دیتے ہیں کیا آپ نے قبول کیا دولہے نے قبول کیا تو نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین وملت ان مسائل میں
حضور مفتیان کرام فتوی مذکورہ نکاح کے مسئلہ میں پڑھا دل مطمئن ہوا فتوی کے سائل کا کہنا تھا نکاح پڑھانے والا وکیل و گواہ کے ساتھ لڑکی کے پاس جائے اور اذن لے میں نے کہا وکیل کے ساتھ نکاح پڑھانے

والے کو جانا ضروری نہیں وکیل ہی قاضی کی اجازت لاسکتا ہے جس نکاح مذکور کے وکیل حاجی عبدالغنی وگواہ یعقوب محمد جی وشہزادخاں پڑھے لکھے ہیں جن کولڑکی کے والد نے پہلے ہی سے وکیل وگواہ مقرر کیا تھا قاضی ان کے ساتھ نہ جاکر وکیل وگواہ کو دولہا کے سامنے بیٹھا کر قاضی نے دولہا سے کہا حاجی عبدالغنی اپنی مؤکلہ فلاں بنت فلاں کو آپ کے نکاح میں دیتے ہیں آپ نے قبول کیا دولہا نے قبول کیا یہ الفاظ قاضی نے کہے اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اشتیاق احمد قادری، رضا مسجد، رضا نگر، احمد آباد، ادے پور راج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب نکاح پڑھانے کا یہ طریقہ غلط ہے کہ اولاً: اگر لڑکی بالغہ ہے تو کسی کو اپنے نکاح کے وکیل بنانے کا اختیار اسے حاصل ہے، نہ کہ اس کے باپ کو، اگر صورت واقعہ یہی ہے تو اس کے باپ کا حاجی عبدالغنی کو اس کے نکاح کا وکیل بنانا درست نہ تھا۔ ثانیاً: قاضی کو لڑکی اور اس کے باپ کسی نے بھی نکاح کا وکیل نہ بنایا تو اسے نکاح پڑھانے کا کوئی حق نہ تھا کہ وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دوسرے کو وکیل بنا دے اگر ایسا نکاح ہوا تو نکاح فضولی ہوا جو دولہا، دلہن کی اجازت پر موقوف رہے گا اجازت سے قبل ہر ایک کو توڑ دینے کا اختیار حاصل ہے بلکہ یوں چاہیے کہ جو پڑھائے وہ عورت یا اس کے ولی کا وکیل بنے خواہ یہ خود اس کے پاس جاکر وکالت حاصل کرے یا دوسرا اس کی وکالت کے لیے اذن لائے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔ "لا یجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذلك فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل کذا فی السراج الوهاج" اھ (ص۲۸۷ ج۱) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد رئیس برکاتی

۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا نکاح میں باپ کا نام لینا ضروری ہے؟

مسئلہ آج سے تیس پینتیس سال پہلے زید کی شادی ہندہ سے ہوئی جس سے فی الحال ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، زید سات سال سے ہندہ سے الگ ہے اور نان ونفقہ بھی نہیں دیتا ہے ہندہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ اپنے میکے میں رہ رہی ہے اب جب کہ لڑکا جوان ہو چکا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے اور نکاح میں اپنے نام کے ساتھ اپنے باپ زید کا نام لینا نہیں چاہتا اور نہ قاضی کے رجسٹر میں لکھوانا چاہتا ہے جب کہ زید کا کہنا ہے کہ میرے نام کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ لڑکا اگر نکاح میں اپنے باپ زید کا نام نہ لے تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: احمد رضا، امام غوثیہ مسجد کوڈ مکی شیرور کرناٹک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زید نے اپنی بیوی، بچوں کے ساتھ زیادتی کی، اس کی وجہ سے وہ حق العباد میں گرفتار اور گنہگار ہے۔ آج نہیں تو کل قیامت کے دن اللہ عزوجل، ظالم سے مظلوم کا حق دلائے گا اور زید کی اولاد پر بہر حال زید کا احترام اور اس کی رضا جوئی ضروری ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں اس کے متعلق بڑی سخت ہدایات ہیں اس لیے زید کے لڑکے پر ضروری ہے کہ اس کے ذمہ اللہ عزوجل نے زید کے جو حقوق لازم فرمائے ہیں ادا کرے اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو بارگاہ الٰہی میں جواب دہ ہونا پڑے گا اور باپ سے بیٹے کا نسب منقطع نہیں ہوتا اس لیے لڑکا اپنے باپ زید کی طرف انتساب کرے۔ نکاح میں بھی اور اس کے سوا بھی۔ نکاح میں لڑکی اور گواہوں کے نزدیک لڑکے کا تعین اور امتیاز ضروری ہے۔ جو باپ کا نام ذکر کرنے سے ہوجاتا ہے اگر لڑکا لڑکی گواہ نکاح خواں سب حاضر ہوں اور نکاح خواں صرف نام لے کر دونوں کی طرف اشارہ کر کے نکاح پڑھا دے تو بھی نکاح ہوجائے گا کہ جب وہ سامنے موجود ہیں اور ہر ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہے، ان کی طرف اشارہ بھی ہو رہا ہے تو علم و یقین اور امتیاز سب حاصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد صابر حسین قادری مصباحی
۱۴ر ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

کیا وکیل دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے سکتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ:

ہمارے امام صاحب زید نے ایک نکاح ۱۵ر فروری کو پڑھایا جس میں لڑکی نے ان کو اجازت نہیں دی اور نہ ہی امام صاحب وکیل و گواہ کے ساتھ لڑکی کے پاس گئے۔ اور قبول کرا دیا، اس نکاح کے بعد ایک اور نکاح ۲۲ر مارچ کو تھا میں بھی اس نکاح میں شریک ہونے کے لیے گیا مگر نکاح میں دیری تھی میں پاس کے مکان میں بیٹھا تھا کہ ہمارے امام صاحب زید بھی آگئے تو میں نے کہا آپ نکاح پڑھاتے ہیں تو آپ بھی وکیل و گواہ کے ساتھ جا کر لڑکی سے اجازت لے لیں تو بولے کہ وکیل اجازت دے سکتا ہے میں نے کہا کہ بہار شریعت میں لکھا ہے کہ وکیل کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ دوسرے کو نکاح پڑھانے کے لیے کہے وہ نہیں مانے تو میں نے ان کو عصر کی نماز کے بعد بہار شریعت حصہ ۷ ص ۱۳ پر مسئلہ نمبر ۴ میں بتایا تو کہنے لگے کہ میں نے پڑھ لی، میں نے پھر ان سے کہا آپ ہمیشہ صحیح کہو تو بولے کیا آپ زیادہ جانتے ہیں یا میں۔ تو میں نے کہا آپ زیادہ جانتے ہیں تو مجھے دبانا چاہتے ہو آپ یہ بتائیں کہ یہ مسئلہ غلط ہے یا صحیح تو بولے میں آپ کو اس کا جواب منگوا کر دوں گا کہ وکیل اجازت دے سکتا ہے میں نے کہا ٹھیک ہے تو آپ لکھیے تو بولے میں اپنے حساب سے لکھوں گا

اور آپ کو بتاؤں گا کہ وکیل اجازت دے سکتا ہے، میں نے کہا آپ اس کو الجھا رہے ہیں اور دوسرا نکاح بھی لڑکی کی اجازت کے بغیر پڑھایا گیا نہ ہی لڑکی کے پاس اجازت لی گئی۔ ایسے امام کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں؟ بینوا توا جروا

المستفتی: نور محمد شیخ، (چھوٹو بھائی) رضا ہاؤس، رضا نگر، دھاروا ڑ، راجستھان۔ 313605

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب زید نے جو مسئلہ بتایا وہ غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ نکاح پڑھانے والے کو یہ چاہیے کہ لڑکی بالغہ ہو تو وہ خود اس کا وکیل بنے اور اس کے پاس جا کر اجازت طلب کرے یا دوسرا شخص نکاح پڑھانے والے کی وکالت کے لیے اذن لائے یعنی وہ لڑکی سے کہے کہ فلاں بن فلاں کو تو نے وکیل کیا کہ وہ تیرا نکاح فلاں بن فلاں سے کردے عورت کہے ہاں۔ اور یہ طریقہ کہ ایک شخص عورت سے جا کر اجازت لے کر آئے جسے وکیل کہتے ہیں وہ نکاح پڑھانے والے سے کہہ دے کہ میں فلاں کا وکیل ہوں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ نکاح پڑھا دیجیے محض غلط ہے، کیونکہ وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ اس کام کے لیے دوسرے کو وکیل بنادے۔ اگر ایسا کیا تو نکاح فضولی ہوا جو اجازت پر موقوف رہے گا، اجازت سے پہلے مرد وعورت ہر ایک کو ایسا عقد توڑنے کا اختیار ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "الوکیل بالتزویج لیس له ان یوکل غیرہ فان فعل فزوج الثانی بحضرۃ الاول جاز کذا فی فتاوی قاضی خان فی کتاب الوکالۃ" اھ (ص ۲۹۸ ج ۱) ایسا ہی بہار شریعت ص ۱۳ حصہ ہفتم میں بھی ہے۔

بغیر علم مسئلہ بتا کر لوگوں کو گمراہ کرنا ناجائز و گناہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "من افتی بغیر علم لعنته ملائکۃ السماء والارض" یعنی جو شخص بغیر علم کے لوگوں کو مسائل شرعیہ بتاتا ہے اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں (کنز العمال ص ۱۹۳ ج ۱۰)

لہٰذا زید پر لازم ہے کہ بے علم مسئلہ بتانے سے باز آئے اور صدق دل سے علانیہ توبہ و استغفار کرے۔ اور آئندہ شرعی مسائل میں بیجا ضد نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** غلام نبی نظامی علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۲۱ ربیع الغوث ۱۴۲۷ھ

لڑکی لڑکا گونگے بہرے ہوں تو نکاح کیسے ہوگا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

لڑکا اور لڑکی دونوں گونگے اور بہرے ہوں اور بغیر پڑھے لکھے ہوں تو ان دونوں کا نکاح کس طرح ہوگا۔ بینوا توا جروا۔

المستفتی: محمد عبد الرشید، قادری، نوری، بھوپال

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب لڑکا اور لڑکی دونوں گونگے بہرے اور بغیر پڑھے لکھے ہوں تو ان کا نکاح اشارہ سے ہوگا ایسا ہی بہار شریعت ج ۷ ص ۱۲ کتاب النکاح میں ہے اور ردالمحتار میں ہے: ینبغی ان لا یختلف فی انعقاد بالاصمین اذا کان کل من الزوج والزوجة اخرس لان نکاحه کما قالو اینعقد بالاشارة حیث کانت معلومة. (ج ۳ ص ۲۳ کتاب النکاح)

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد احمد قادری مصباحی
۹ رصفرالمظفر ۱۴۲۹ھ

ایک بیوی سے جولڑکی ہے اس کا نکاح دوسری بیوی کے بھائی سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مسئلہ ذیل میں کہ

زید کی دو بیویاں ہیں ہندہ اور خالدہ تو زید کی لڑکی زینت جو ہندہ کے بطن سے ہے اس کا نکاح خالدہ کے بھائی بکر سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تواجروا

المستفتی: محمد یونس، مئوناتھ بھنجن، یوپی۔ موبائل نمبر 09838987120

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب صورت مذکورہ میں زینب کا نکاح بکر سے جائز و درست ہے بشرطیکہ حرمت نکاح کی کوئی دوسری وجہ مثلاً رضاعت وغیرہ موجود نہ ہو۔ اس لیے کہ زینب بکر کے لیے اجنبیہ ہے اس کے محرمات میں سے نہیں ہے اور محرمات کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (سورۂ نساء وآیت نمبر ۲۴) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ سوتیلی ماں ماں نہیں قال اللہ تعالیٰ ان امھتھم الا الّٰئی ولدنھم اس کی سگی بہن سے نکاح جائز ہے" اھ
(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۰۴)

ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ شبہ گزرے کہ بکر وزینب ماموں بھانجی ہیں مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ دونوں نہ تو حقیقی ماموں بھانجی ہیں نہ اخیافی نہ علاتی اس لیے کہ بکر نہ تو زینب کی ماں کا حقیقی بھائی ہے نہ اخیافی نہ علاتی یونہی زینب نہ تو بکر کی حقیقی بہن کی لڑکی ہے نہ ہی اخیافی اور علاتی بہنوں کی اور ماموں بھانجی کی بس یہی تین قسمیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی امجدی
۲۰ ربیع النور ۱۴۳۰ھ

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم؟ نکاح پر نکاح کیسا ہے؟ وہابی کے فیصلے پر عمل کیسا ہے؟ دوسرا نکاح ہونے کے بعد جو اولاد ہوئی وہ کس کی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

ہندہ کا شوہر زید ۲۵/اپریل ۲۰۰۳ء سے لاپتہ ہے ابھی تک اس کا زندہ یا مردہ کوئی پتہ نہیں ہے ہندہ نے ۳/اکتوبر ۲۰۰۴ء کو کانپور کے ایک دیوبندی دارالقضا میں استغاثہ دائر کیا اور اس دارالقضا کے قاضی نے اپنی سی کارروائی کرکے ۲۹/مارچ ۲۰۰۵ء کو ہندہ کے شوہر زید کو مردہ قرار دے کر اس کا نکاح فسخ کر دیا اور بعد انقضائے عدت موت ہندہ کو نکاح ثانی کی اجازت دے دی، ہندہ نے ۳۰/دسمبر ۲۰۰۵ء کو بکر کے ساتھ نکاح ثانی کرلیا اس کے بعد کچھ لوگوں کے اعتراض پر کہ یہ فیصلہ درست نہیں ہے اور اس کی روشنی میں یہ نکاح ثانی صحیح نہیں ہوا بکر نے مذکورہ دارالقضا سے رابطہ قائم کرکے ان سے اس سلسلہ میں مزید وضاحت طلب کی تو اس کے قاضی نے اس تحریری فیصلے کے نیچے دو عبارتیں نقل کردیں اور اپنا موبائل نمبر بھی دیا (جو فیصلہ کے دوسرے صفحہ کی پیشانی پر درج ہے) اور کہا کہ اس موضوع پر جس کو گفتگو کرنی ہو وہ اس نمبر پر رابطہ قائم کرکے مزید معلومات حاصل کرسکتا ہے اس درالقضا کے فیصلے کی فوٹو کاپی استفتاء کے ساتھ منسلک ہے۔ دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

(۱) زوج مفقود الخبر کو اتنی کم مدت میں مردہ قرار دے کر نکاح فسخ کرکے نکاح ثانی کی اجازت دینا درست ہے یا نہیں؟

(۲) ہندہ کا بکر کے ساتھ نکاح ثانی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کسی طرح یہ فیصلہ درست بھی ہو تو کیا ایک دیوبندی قاضی کے شرعی فیصلے پر ایک سنی مسلمان کو عمل کرنا چاہیئے یا نہیں؟

(۴) اگر نکاح ناجائز وناردست ہے تو اب ہندہ اور بکر کو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

(۵) ہندہ اور بکر کے نکاح میں جو لوگ شریک ہوئے یا جس نے نکاح پڑھایا ان سب کے لیے حکم کیا ہے؟

(۶) اس درمیان اگر بکر سے ہندہ کی کوئی اولاد ہو تو وہ ثابت النسب ہوگی یا نہیں، اور اگر مذکورہ بالا معاملہ دوبارہ کسی سنی دارالقضا سے فیصل کراکر دوبارہ بکر اور ہندہ کا نکاح کرا دیا جائے تو کیا وہ بچہ جو پیدا ہو چکا ہے اب وہ ثابت النسب ہوجائے گا یا نہیں؟ المستفتی: معشوق علی خان جاجمو، کانپور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) مفقود الخبر کی بیوی کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ جب تک شوہر کی عمر ستر برس نہ ہو جائے اس وقت تک موت کا حکم نہ دیں گے نہ اس کی عورت کو نکاح کرنا جائز جیسا کہ درمختار میں ہے "ولا یفرق بینہ و بینہا ولو بعد مضی اربع سنین" اھ (ص ۲۹۵ ج ۴) مگر ضرورت ملجئہ کی صورت میں ہمارے فقہا نے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر عمل کرنے کی رخصت دی ہے، چنانچہ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے گیارہویں فقہی سیمنار میں باتفاق رائے یہ طے ہوا ہے کہ "مفقود الخبر کسی قسم کا ہو اس کی زوجہ اگر صبر نہیں کر سکتی تو قاضی کے یہاں استغاثہ کرے گی قاضی صدق دعویٰ ثابت ہونے کے بعد عورت کو چار سال کی مہلت دے گا اور اس مدت میں تحقیق و تفتیش کرے گا موت و زیست کچھ معلوم نہ ہونے پر عورت پھر قاضی سے رجوع کرے گی اور وہ موت زوج کا حکم دے گا پھر عدت وفات گزار کر کسی اور شخص سے نکاح کر سکے گی" اھ (ماہنامہ اشرفیہ شمارہ جون ۲۰۰۵ء ص ۱۶)

لہٰذا فقہا نے جب ضرورۃً امام مالک کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے مفقود الخبر کی بیوی کو چار سال تک انتظار کا حکم دیا تو اس سے کم مدت میں مفقود الخبر کو مردہ قرار دے کر اس کی بیوی کو نکاح ثانی کی اجازت دینا ہرگز درست نہیں۔

(۲) جب ہندہ کا نکاح اول جو زید سے ہوا تھا وہ شرعاً فسخ ہی نہ ہوا تو وہ اب بھی بدستور زید کے عقد میں ہے اور جب ہندہ اب بھی زید کی بیوی ہے تو اس کا بکر کے ساتھ جو نکاح ثانی ہوا وہ عند الشرع فاسد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) کسی وہابی، دیوبندی کے فیصلہ پر عمل کرنا سخت حرام و گناہ ہے وجہ یہ ہے کہ دیوبندی وہابی اپنے عقائد کفریہ کی بنیاد پر کافر و مرتد ہیں اور ان سے مسئلہ پوچھنا اور ان کے فیصلے پر عمل کرنا حرام ہے جیسا کہ فتاویٰ امجدیہ میں غیر مقلدین اور وہابی سے مسائل پوچھنے کے تعلق سے ہے کہ "ان کے طریقہ پر چلنا گمراہی اور ان سے مسائل پوچھنا اشد حرام کہ یہ جب گمراہ ہیں تو تمہیں گمراہ کرنے میں کیا کمی کریں گے کہ جب جاہلوں سے فتویٰ پوچھنا ناجائز ہے افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا اور یہ تو بدترین کہ ع "او خویشتن گم است کرا رہبری کند" اھ (ص ۲۵۱ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

(۴-۵) ہندہ اور بکر پر لازم ہے کہ وہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور جو لوگ اس صورت حال سے آگاہ ہو کر شریک ہوئے یا جس نے نکاح پڑھایا وہ سخت گنہگار اور مستحق عذاب نار ہیں ان سب پر علانیہ توبہ و استغفار لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) اس درمیان بکر سے ہندہ کی جو اولاد ہوئی وہ بکر ہی کی اولاد قرار پائے گی اگرچہ یہ نکاح صحیح نہیں۔

درمختار میں ہے "غاب عن امرأة فتزوجت باخر وولدت اولادًا ثم جاء الزوج الاوّل فالاولاد للثانی علی المذهب الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتوٰی کما فی الخانیة والجوهرة والکافی وغیرها" اھ (ص ۵۵۲ ج ۳ مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء والاستخدامات) ایسا ہی فتاویٰ امجدیہ ص ۶۵ ج ۲ ر میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین الرضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبهٗ: محمد سفیر الحق الرضوی النظامی

۲۹ ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

ماں کا کیا نکاح لڑکی نے بالغ ہوتے ہی رد کر دیا تو؟

دیوبندی سے نکاح کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں جواد علی کی اہلیہ اپنی مرضی سے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنی بیٹی نشرین بانو کا اظہار احمد کے ساتھ تقریباً پانچ یا چھ سال کی عمر میں نکاح کر دیا تھا جب نشرین بانو آٹھ یا نو سال کی ہوئی تبھی سے اظہار احمد کو اپنی زوجیت میں قبول کرنے سے انکار کر رہی ہے اسی بیچ اس کو مسئلہ معلوم ہوا کہ لڑکی کو پہلا حیض آئے تو حیض آنے کے بعد ہی انکار کر دے تو وہ اپنے بچپن میں ہوئے نکاح سے بری ہو جاتی ہے تو اس نے پہلا حیض آتے ہی اظہار احمد کو زوجیت میں قبول کرنے سے انکار کر دیا نیز اظہار احمد مرتد و دیوبندی ہو گیا ہے اور حال یہ ہے کہ نشرین بانو کی ماں اظہار احمد کے ساتھ گونہ یعنی رخصتی کرنے پر بضد ہے اور نشرین بانو نہ جانے پر اڑی ہوئی ہے اس صورت میں کیا ہونا چاہیے شریعت کی روشنی میں حقیقت حال تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: حافظ مظہر علی، ساکن تیر تکیہ پوسٹ تیروا یا کوڑی رام ضلع گورکھپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں جواد علی کی اہلیہ کا اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح بغیر اس کے باپ کی اجازت کے نافذ نہ تھا اور وقت بلوغ اس کے رد کرنے سے رد ہو گیا کیونکہ نابالغ لڑکا لڑکی کا ولی اولاً ان کا باپ ہے پھر دادا وغیرہ مذکر عصبات ہیں اور حکم یہ ہے کہ نابالغ لڑکا یا لڑکی کا نکاح ان کے باپ دادا کے موجودگی میں ان کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے کیا تو بالغ ہونے کے بعد ان کو اختیار ہے چاہیں تو نکاح کو باقی رکھیں یا فسخ کر دیں۔ جیسا کہ فتاوی ہندیہ کتاب النکاح میں ہے "اقرب الاولیاء الی المرأة الابن ثم ابن الابن وان سفل ثم الاب ثم الجد ابو الاب وان علا کذا فی المحیط" اھ (ج ۱ ص ۲۸۳) نیز اسی میں ہے فان

زوجهما الاب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ اھ (ص ۲۸۵)

لہذا جب نشرین بانو نے بالغ ہوتے ہی اپنے بچپن میں ہوئے نکاح کو فسخ کردیا تو وہ اظہار احمد کی زوجیت سے نکل گئی نیز دوبارہ بھی نشرین بانو کا نکاح اظہار احمد کے ساتھ نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ آج کل کے وہابی و دیوبندی ضروریات دین کے منکر اور دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہیں جن سے کسی کا نکاح ہرگز منعقد نہیں ہوسکتا جیسا کہ فتاوی ہندیہ کتاب النکاح میں ہے **ولا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ و کذلک لا یجوز نکاح المرتدۃ مع أحد کذا فی المبسوط**۔" (ج ا ص ۲۸۲)

لہذا نشرین بانو کی ماں پر لازم ہے کہ اپنی ضد چھوڑ دے اور نشرین بانو کی بات مان لے کیونکہ نکاح باطل کے ذریعہ جو وطی ہوگی وہ زنائے خالص ہے اور جو اپنی بیٹی وہابی دیوبندی کو دے وہ دیوث ہے اور جو اسے پسند کرتا ہو اللہ رب العزت اس پر روز قیامت نظر رحمت نہ فرمائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ثلثة لا ینظر الله الیهم یوم القیامة العاق لوالدیه و المرأة المترجلة المتشبهة بالرجال والدیوث** اھ ایسا ہی فتاوی رضویہ جلد پنجم صفحہ ۲۷۹ اور فتاویٰ فیض الرسول جلد ۱ صفحہ ۶۸۱ صفحہ ۶۸۲، ۶۸۳ پر بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی نظامی
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا شادی کے فوراً بعد یا دوسرے دن صبح ولیمہ کرسکتے ہیں جبکہ لڑکا لڑکی ملے نہ ہوں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ نکاح کے مقام پر ہی فوراً بعد نکاح یا دوسرے دن کی صبح اس مقام پر لڑکے و لڑکی والے مل کر ولیمہ کی دعوت کرسکتے ہیں جب کہ لڑکی اور لڑکا ایک دوسرے سے نہ ملے ہوں؟ **المستفتی:** محمد اقبال کلکتہ (بنگال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب دعوت ولیمہ سنت ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان احکام شریعت میں تحریر فرماتے ہیں کہ ولیمہ زفاف کی سنت ہے اور ولیمہ شب زفاف کی صبح کو کرے۔ لہذا زفاف سے پہلے لوگوں کو کھلایا تو سنت ادا نہ ہوگی اور یہ ولیمہ نہ ہوگا (ج ۲ ص ۲۲۶) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی
۹ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا عورت نکاح کا ایجاب وقبول کرا سکتی ہے؟

مسئلہ کیا عورت نکاح یا تجدید نکاح کے لیے ایجاب وقبول کرا سکتی ہے اسکی شرطیں کیا ہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد اقبال احمد، کلکتہ، بنگال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب نکاح کے رکن ایجاب وقبول ہیں اس کے لیے مرد عورت کا ہونا ضروری نہیں۔ ہاں دو گواہوں کا ایجاب وقبول کے الفاظ کو ایک ساتھ سننا نکاح میں شرط ہے۔ درمختار میں ہے: "**وینعقد بایجاب وقبول**" اھ (ج ۴، ص ۶۸)۔ اور اسی میں ہے: "**شرط حضور شاهدين حرين او حروحرتين مكلفين سامعين قولهما معا على الاصح**" اھ (ج ۴، ص ۸۶)۔ اس سے ظاہر ہے کہ نکاح کے لئے ایجاب وقبول کرانا مردوں کے ساتھ خاص نہیں عورت بھی ایجاب وقبول کرا سکتی ہے۔

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی
۲۵ ؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا ولد الزنا ثابت النسب لڑکی کا کفو ہے؟

مسئلہ زید ایک کافرہ سے ناجائز تعلق رکھتا تھا، وہ کافرہ لڑکی کی حمل سے ہوگئی۔ زید کو خبر ہوئی، اس نے لڑکی سے نکاح کر لیا۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئی۔ یہ دونوں جوان ہوئے۔ اب سماج کا کہنا ہے کہ اچھے خاندان میں رشتہ نہیں کر سکتے۔ شریعت میں منع ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ شریعت میں منع نہیں ہے، دونوں جماعتوں میں کون حق پر ہے؟

المستفتی: عبد الغفار خاں قادری، موضع دسولی، پوسٹ للولی، ضلع فتح پور (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر زید نے اس عورت کے ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ نکاح کیا، تو اس کے بعد وطی سے جو بچے پیدا ہوئے وہ ثابت النسب ہیں اور جو حمل قبل اسلام وقبل نکاح کا ہے، وہ ثابت النسب نہیں کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا، الا یہ کہ خفیہ اسلام ونکاح کے مدعی ہوں اور بچہ وقت نکاح سے چھ ماہ یا اس کے بعد پیدا ہو۔ فتاویٰ ہندیہ میں

ولو زنا بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ان جائت به لستة اشهر فصاعدا ثبت

نسبه وان جائت به لا قل من ستة اشهر لم يثبت نسبه الا ان يدعيه ولم يقل انه من الزنا. اما ان قال انه مني من الزنا فلا يثبت نسبه ولا يرث منه كذا في الينابيع. اھ(ص ۵۴۰،ج۱،الباب الخامس عشر في ثبوت النسب)

ولد الزنا ثابت النسب لڑکی کا کفو نہیں۔ ہاں اگر کوئی اپنی لڑکی اس کو دے دے تو نکاح ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ امجدیہ میں ہے"ولد الزنا کفو نہیں، اگر اسے کوئی اپنی لڑکی دے تو نکاح ہوسکتا ہے۔اھ(ص ۱۳۷،ج۲)واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: سید نعمان احمد

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۳/ذی القعدہ ۱۴۳۰ھ

ناکح لڑکا لڑکی دونوں کے پاس جا کر یہ کہے کہ میں نے فلاں کا نکاح آپ سے کیا اور وہ قبول کرے تو یہ نکاح کیسا ہے؟

مسئلہ زید کا مندرجہ ذیل طریقے سے نکاح پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

زید دو گواہوں کو لے کر لڑکی کے پاس جا کر پہلے دو تین کلمے پڑھاتا ہے پھر اس طرح کہتا ہے کہ تمہارا نکاح ان گواہوں کے سامنے فلاں کے لڑکے فلاں کے ساتھ بعوض مہر مقررہ مقدار مع نان ونفقہ وضروری اخراجات کے کیا جارہا ہے کیا تم نے قبول کیا؟ لڑکی کہتی ہے"میں نے قبول کیا زید اسی طرح تین بار کہتا ہے اس کے بعد دولہا کے پاس آ کر خطبہ نکاح پڑھنے کے بعد تین یا پانچ کلمے پڑھانے کے بعد اس طرح کہتا ہے کہ تمہارا نکاح ان گواہوں کے سامنے فلاں کی لڑکی فلانہ کے ساتھ بعوض مقررہ مقدار مع نان ونفقہ وضروری اخراجات کے کیا جارہا ہے کیا تم نے قبول کیا؟ دولہا کہتا ہے"میں نے قبول کیا" اس طرح تین بار قبولیت کے بعد دولہا دولہن کے حق میں دعا کرتا ہے اگر مندرجہ بالا طریقہ درست نہیں تو درست طریقہ ارقام فرمائیں۔

المستفتی: نور محمد نوری سیتاپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سوال میں نکاح کا جو طریقہ مذکور ہے اس کے مطابق نکاح منعقد ہوجائے گا مگر فضولی ہوگا اور لڑکا، لڑکی دونوں کی اجازت پر موقوف ہوگا کیونکہ اس طریقۂ نکاح میں ناکح نے نہ تو عورت سے اس کے نکاح کی اجازت لی ہے نہ ہی مرد سے بلکہ دونوں گواہوں کے سامنے صرف قبول کروایا ہے اور بغیر ان کی اجازت فضولی ہے کہ فضولی اسے کہتے ہیں جو نہ ولی ہو نہ وکیل اس کے لیے اس کا پڑھایا ہوا نکاح فضولی ہے اور لڑکے و

لڑکی کی اجازت پر موقوف ہے۔ ہاں نکاح کے بعد اگر زوجین کوئی ایسا کام کریں جس سے رضامندی سمجھی جائے مثلاً لڑکا مہر دے اور عورت اسے قبول کرے یا یہ نفقہ دے اور عورت لے لے یا دونوں کو مبارک باد دی جائے اور وہ مبارک باد قبول کریں، اس پر مسرت کا اظہار کریں وغیرہ وغیرہ ان تمام صورت میں وہ نکاح موقوف نافذ ہوجائے گا کیونکہ اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے یونہی فعل سے بھی ہوتی ہے۔

فتاوی عالمگیری ہے:

وتثبت الاجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل كذا في البحر الرائق. رجل زوج رجلا امرأة بغير اذنه فبلغه الخبر فقال نعم ما صنعت او بارك الله لنا فيها او قال احسنت او اصبت كان اجازة كذا في فتاوى قاضي خان وهو المختار اختاره الشيخ ابو الليث كذا في المحيط۔" (ج:۱،ص۲۹۹)

زید کو چاہئے کہ عورت کے پاس جا کر اس سے اجازت طلب کرے کہ تمہارا نکاح فلاں بن فلاں کے ساتھ اتنے مہر کے عوض کردوں اگر عورت اجازت دے دے تو وہ گواہوں کی موجودگی میں مرد کے پاس جاکر یہ کہے کہ میں نے فلانہ بنت فلاں سے اتنے مہر کے عوض آپ کا نکاح کیا۔ کیا آپ نے قبول کیا مرد کہے گا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح منعقد و نافذ ہوجائے گا اور فضولی نہ ہوگا یہ نکاح کا صحیح طریقہ ہے اسے ہی اختیار کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: غلام مرتضیٰ رضوی
۲۰۰۸/۱۲/۱۶

نکاح کوئی بھی پڑھا سکتا ہے کسی معین کا پڑھانا ضروری نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ہذا میں کہ

سرزمین شیرور پر اہل سنت و جماعت کی ایک قدیم مسجد ہے اور یہاں کے سبھی سنی حضرات اس مسجد کے چندہ دار ممبر ہیں، تقریباً پندرہ بیس سال قبل یہاں ایک دوسرے محلے میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی یہاں کے قدیمی مسجد کے امام صاحب ہی ہر جگہ نکاح وغیرہ کا کام انجام دیتے تھے، چند سال قبل نئی مسجد کی جماعت (کمیٹی) والوں نے اعتراض کیا کہ ہمارے امام صاحب کو بھی نکاح خوانی وغیرہ میں موقع ملنا چاہیے کافی بحث ومباحثہ کے بعد متفقہ رائے سے ”تنظیم علمائے اہل سنت جنوبی کرناٹکا، شاخ آل کرناٹکا سنی علماء بورڈ“ نے ایک فیصلہ نامہ تحریر فرمایا جو کہ اس استفتاء کے ساتھ منسلک ہے ابھی دو سال ہوئے کہ نئی مسجد کی جماعت (کمیٹی) والوں نے مذکورہ

علمائے کرام کے فیصلہ نامہ کو بالائے طاق رکھ کر اپنا ایک قانون بنایا کہ جو حضرات ہمارے محلے میں رہتے ہیں ان کو ہمارے امام صاحب سے ہی کام کروانا ہوگا، اس قانون پر اختلاف و انتشار کا دور شروع ہوا۔ اور اس محلے کے چند حضرات اپنے ہر کام کاج میں قدیمی مسجد کے امام صاحب کو مدعو کرنے لگے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے علماء کرام کے اس فیصلہ میں کس چیز کی کمی ہے اس کمی کو ظاہر کیا جائے جب کہ سب کی رائے سے علما نے فیصلہ تحریر کیا تھا، ہم لوگ نئی مسجد کا مالی مسلکی ہر طرح کا تعاون کریں گے لیکن دیگر کام وکاج جو نکاح وغیرہ کا مسئلہ ہے ہمارے آباواجداد قدیمی مسجد سے لیتے چلے آرہے ہیں اور ہم بھی لیں گے اور نئی مسجد کے امام صاحب کو بھی بلائیں گے، نئی مسجد کی جماعت (کمیٹی) والوں کو یہ باتیں ناپسند ہیں، اور جب بھی ان کے گھر میں کوئی کام پڑتا ہے تو نئی کمیٹی والے فتنہ وفساد مچاتے ہیں اور انہیں ہر طرح کی تکلیف پہنچاتے ہیں، آپ حضرات کی خدمت عالیہ میں عرض ہے کہ کمیٹی والوں کا یہ رویہ کہاں تک درست ہے؟ کیا ان کا بنایا ہوا قانون شریعت کے دائرے میں صحیح ہے؟ اور جو لوگ قدیمی مسجد سے اپنا کام لیتے ہیں کیا وہ شریعت کے خلاف کرتے ہیں؟ اطمینان بخش جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: سکریٹری جماعت المسلمین، مسلم محلہ، شیرور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب نکاح کوئی بھی امام پڑھائے درست ہے۔ البتہ نکاح خواں کا مسائل نکاح کا عالم اور باعمل ہونا مستحب ہے۔ درمختار میں ہے: "یندب اعلانه و تقدیم خطبته و کونه فی مسجد یوم الجمعة بعاقد رشید" اھ (ص ۸ ج ۳)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ''عقد کرنے والا دین دار مسائل نکاح سے واقف ہو کہ جاہل سے نادانستہ وقوع خلل کا اندیشہ تھا، فاسق بد دیانت پر اعتماد نہیں کہ جب وہ خود حلال وحرام کی پرواہ نہیں رکھتا تو اوروں کے لئے احتیاط کی کیا امید'' (فتاویٰ رضویہ ص ۱۲۵ ج ۵)

لیکن لوگوں کے درمیان اختلاف وانتشار پیدا ہونے کی وجہ سے ''تنظیم علمائے اہل سنت کرناٹکا'' نے سب کی رائے سے جو فیصلہ کر دیا اب کمیٹی والوں کا اس کے خلاف قانون بنا کر پھر قوم میں انتشار برپا کرنا اور فتنہ پھیلانا بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو تکلیف دینا ناجائز وگناہ ہے۔ البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" الآیۃ۔ یعنی اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔ (سورہ آل عمران ۳، آیت ۱۰۳)

حدیث شریف میں ہے: "من اذی مسلما فقد اذانی و من اذانی فقد اذی الله" یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی (کنز العمال ص ۱۰ ج ۱۶)

لہٰذا ایسے لوگ صدق دل سے توبہ واستغفار کریں اور قوم میں اختلاف وانتشار وفتنہ وفساد پیدا کرنے سے باز آئیں اور آپس میں بھائی چارگی اور میل ومحبت پیدا کریں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ" الآیۃ یعنی مسلمان بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرو (پ ۲۶ سورۂ حجرات، آیت ۱۰) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: غلام نبی نظامی العلیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۲۱ رذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

وہابی دیوبندی مرتد ہیں ان سے کسی کا نکاح جائز نہیں، اہل حضرات اصلاح کے لئے ان کے پاس جاسکتے ہیں

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

زید جو کہ مدرسہ کا خزانچی تھا اور چودہ سال تک وہ مدرسہ چلاتا رہا اس چودہ سال کے درمیان مدرسہ کا کوئی حساب نہ دیا اور اس نے اپنی مرضی سے استعفیٰ دے دیا اور کوئی حساب بھی نہ دیا۔ جب لوگوں نے کہا حساب کے لئے تو زید کہتا ہے کہ ہمیں کسی نے کچھ دیا تھا نہ میں حساب دوں گا زید نے اب مدرسہ چھوڑ دیا اپنے موجودہ وقت میں یہ خزانچی تھا تو بکر موجودہ خزانچی ہے اس کی ایک بیٹی کا نکاح دیوبندی کے یہاں ہوا تھا اس نکاح میں زید گواہ بھی تھا اس کے یہاں زید کا بھی کھانا پینا برابر چلتا رہا اور مدرسہ کا چندہ بھی اس دیوبندی کے یہاں سے لاتا رہا اور اپنے وقت میں جب وہ خزانچی تھا تو امام مسجد کی باری کھانے کے لئے بکر کے یہاں لگادیا تھا لیکن اب یہ کہتا ہے کہ امام مسجد بکر کے یہاں کھانا پینا بند کردیں کیونکہ اس کا ایک داماد دیوبندی ہے مگر بکر سنی ہے زید نے اپنی دولڑکیوں کی شادی سنی کے یہاں کردی ہے لیکن اس کے داماد کے بھائی کی شادی دیوبندی کے یہاں ہوئی ہے اور زید آج بھی برابر یہاں آتا جاتا ہے اور کھاتا پیتا ہے اور اپنے داماد کے بھائی جس کی شادی دیوبندی کے یہاں ہوئی ہے اس کی بارات وغیرہ میں شامل تھا اور یہاں پر اکثر لوگوں کی رشتہ داریاں دیوبندی کے یہاں ہیں ایسی حالت میں امام مسجد کیا کرے جب کہ گاؤں والے سنی ہیں زید کا امام پر یہ اعتراض ہے کہ وہ چونکہ خازن مدرسہ موجودہ کے لڑکی کی بارات میں شامل ہوا تھا لڑکی والا اگرچہ سنی ہے اس کے باوجود بھی کھایا پیا نہیں لیکن چونکہ بارات کے ہمراہ چلے آئے تھے اس لئے انہوں نے مصلیان مسجد کے سامنے توبہ بھی کرلیا لیکن وہ اس کو بھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ جب کہ ایسی بہت سی تقریبات دیوبندیوں کے ہمراہ خود بھی

کھاتا پیتا ہے۔ ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد شہاب الدین خاں سکریٹری مدرسہ، مقام جگنی پوسٹ، سعد اللہ نگر، بلرام پور، یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب وہابی دیوبندی شان رسالت میں گستاخیاں کرنے کی وجہ سے کافر و مرتد اسلام سے خارج ہیں، دیوبندی مذہب کے پیشواؤں کے بارے میں تو علمائے عرب وعجم وحرم و ہند و سندھ نے بالاتفاق فرمایا کہ یہ کافر مرتد ہیں اور جو ان کے کفری عقائد جانتے ہوئے انہیں مسلمان مانے یا ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر و مرتد ہے لہٰذا ان سے میل جول سلام کلام ان کے یہاں کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب حرام و گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے: " اياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم ان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتو فلا تشهدوهم وان لقيتموهم فلا تسلموا عليهم ولا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تواكلوهم ولا تناكحوهم " اھ یعنی ان سے الگ رہو انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ مر جائیں تو جنازے پر حاضر نہ ہو جب انہیں ملو تو سلام نہ کرو ان کے پاس نہ بیٹھو ساتھ پانی نہ پیو ساتھ کھانا نہ کھاؤ شادی بیاہ نہ کرو، یہ حدیث مسلم ابوداؤد ابن ماجہ اور عقیلی کی روایات کا مجموعہ ہے۔

ان سے کسی کا نکاح جائز نہیں فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ولا يجوز للمرتد ان يتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا كافرة اصلية وكذلك لا يجوز نكاح المرتدة مع احد كذا في المبسوط" اھ (ص ۲۸۲، ج ۱)

بکر ہو یا کوئی اور جس نے بھی اپنی لڑکی کی شادی دیوبندی لڑکے سے کی یعنی ایسے لڑکے سے جس کا عقیدہ وہی ہے جو دیوبندیوں کا کفری و گستاخانہ عقیدہ ہے وہ سخت گنہگار ہے کہ یہ نکاح نہ ہوا امام پر لازم ہے کہ ان لوگوں سے قطع تعلق کرے ہاں جن کی اصلاح کی امید ہو ان کے پاس ان کی اصلاح کے لئے جا سکتا ہے۔

اور جب امام نے برات میں جانے کی وجہ سے توبہ کر لیا تو اب زید کا اعتراض کرنا درست نہیں کہ توبہ سے اس کا گناہ معاف ہو گیا۔ حدیث شریف میں ہے " التائب من الذنب كمن لا ذنب له "

(ابن ماجہ ص ۳۱۲) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی
۴ر شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

فاسق معلن قاضی نہیں بن سکتا غیر مطلقہ یا معتدہ کا نکاح پڑھانا حرام ہے وہابی کا نکاح پڑھانا سخت گناہ ہے نکاح کوئی پڑھائے ہو جائے گا۔ رشوت لینا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک زمانہ سے قاضی کے عہدے پر فائز ہے اور اس کے کارنامے یہ ہیں۔

زید حافظ، عالم، فاضل، مفتی نہیں اور نہ اس کے گھر میں کوئی حافظ، عالم، فاضل ومفتی ہے زید ہر عید کے موقع پر منبر پر بیٹھ کر نذرانہ وصول کرتا ہے اور اعلان کراتا ہے کہ قاضی صاحب کو نذرانہ پیش کریں تا کہ نماز عید وقت پر ہو جائے۔

زید نے کئی نکاح غیر مطلقہ عورت کا پڑھا دیا ہے، زید عدت پوری ہوئے بغیر نکاح پڑھا دیتا ہے۔ زید نے رشوت کی لالچ میں آدھا کلو چاندی مہر کو ایک کلو کر دیا۔

زید نے اپنے بچے کی شادی کے موقع پر چندہ کرنے کے لئے مسجد میں اعلان کیا کہ میری بچی کی شادی ہے اس میں مدد کیجئے بچہ کی جگہ بچی بتا کر چندہ کیا جو ایک طرح سے دھوکہ دھڑی ہے۔

زید نکاح پڑھانے کے لئے ہر وہابی، سنی کے وہاں جاتا ہے نیز وہابی امام کو اپنا نائب بنا کر نکاح پڑھانے کے لئے بھیج دیتا ہے۔

زید نے نذرانہ زیادہ حاصل کرنے کے لئے کئی جگہ نماز عید قائم کرادی زید داڑھی بھی حد شرعی نہیں رکھتا۔

زید کا دعویٰ ہے کہ میری اجازت کے بغیر جو نکاح پڑھا گیا وہ فرضی ہے اور پڑھانے والا شرعی مجرم ہے۔

مذکورہ بالا شخص کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے، اس قاضی کے علاوہ دوسرا شخص نکاح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟۔ قاضی بننے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ **بینوا توجروا**

المستفتی: عبدالغنی نظامی خطیب وپیش امام خانیواہ مسجد مندسور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں زید متعدد وجوہ سے فاسق ومعلن ہے اس لئے عند الشرع وہ منصب قضاء وامامت کے لائق نہیں اس پر علانیہ توبہ واستغفار لازم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ غیر مطلقہ عورت جو کسی کے نکاح میں ہو یا وہ عورت جو ابھی عدت میں ہو اس کا نکاح دانستہ کسی اور سے کرنا حرام قطعی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "**والمحصنات من النساء**" —— "**والمطلقٰت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء**" اور اس کا حرام ہونا ضروریات دین سے ہے اس لئے اس کا حلال جاننا کفر ہے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جی حضوری یا

پیسے وغیرہ کی لالچ میں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ نکاح حرام ہے بعض ناخدا ترس پڑھا دیتے ہیں یا گواہ بن جاتے ہیں اس تقدیر پر وہ سخت گنہگار ہوں گے کافر نہ ہوں گے۔

اور زید کا وہابی کے یہاں نکاح پڑھانے کے لئے جانا یا کسی وہابی امام کو اپنا نائب بنا کر بھیجنا سخت گناہ ہے۔ کہ وہابی، دیوبندی شان رسالت میں گستاخیاں کرنے کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں، علمائے عرب و عجم، حل و حرم، ہند و سندھ نے بالاتفاق ان گستاخوں کے بارے میں یہ فرمایا: "من شك فى كفره و عذابه فقد كفر" اھ جس کی تفصیل حسام الحرمین والصوارم الہندیہ میں مذکور ہے۔

لہٰذا اگر زید ان کو مسلمان سمجھ کر ان کے یہاں نکاح پڑھانے جاتا ہے یا وہابی امام کو بھیجتا ہے تو یہ کفر ہے۔ اور اگر مسلمان نہیں سمجھتا بلکہ پیسے وغیرہ کی لالچ میں ایسا کرتا ہے تو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے اس پر علانیہ توبہ واستغفار لازم ہے۔

اور زید کا یہ کہنا ہے کہ ''میری اجازت کے بغیر جو نکاح ہوا وہ فرضی ہے اور پڑھانے والا شرعی مجرم ہے'' سراسر غلط اور شریعت طاہرہ کے ساتھ کھلواڑ ہے کیونکہ نکاح خواں شرع میں کوئی چیز نہیں کوئی بھی زوجین کو ایجاب وقبول گواہوں کے روبرو کرادے اور شرائط صحت متحقق ہوں تو نکاح ہو جائے گا لیکن سنی صحیح العقیدہ عالم دین سے نکاح پڑھوانا بہتر ہے نہ کہ وہابی و دیوبندی سے کہ اس میں سخت خرابی کا اندیشہ ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۱۴۶ پر ہے۔

اور مرد کو داڑھی منڈانا یا کٹا کر ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے جیسا کہ درمختار ردالمحتار میں ہے "يحرم على الرجل قطع لحيته" اھ (ج ۵ ص ۲۸۸) اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ''داڑھی بڑھانا سنن انبیاء سابقین سے ہے اور منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے'' اھ
(بہار شریعت ج ۱۶ ص ۱۹۷)

لہٰذا داڑھی منڈانے والا یا کٹا کر ایک مشت سے کم رکھنے والا ہرگز امام نہیں ہو سکتا کہ وہ فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ جیسا کہ غنیتہ شرح منیہ میں ہے:

"لو قدموا فاسقاً يأثمون بناء على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بامور دينه و تساهله فى الاتيان بلوازمه فلا يبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلاة و فعل ما ينافيها بل هو الغالب بالنظر الى فسقه لذالم تجز الصلاة خلفه اصلا عند مالك ورواية عن احمد، الا انا جوزنا مع الكراهة لقوله عليه السلام "صلوا خلف كل بر وفاجر" اھ (ص ۵۱۳)

اور جو نماز مکروہ تحریمی ہو اس کا لوٹانا واجب ہے، درمختار میں ہے "کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتہا" اھ (ج ۲ ص ۱۴۷)

نیز وہ قاضی شرع کے بھی لائق نہیں کہ قاضی شرع کے لئے مسلمان، عاقل، بالغ، معاملہ فہم، نیک سیرت، سنی صحیح العقیدہ اور علم میں معتمد علیہ ہونا شرط ہے نیز فاسق بھی نہ ہو کہ اس کو قاضی بنانا گناہ ہے۔ ایسا ہی بہار شریعت ح ۱۲ ص ۵۵ پر ہے۔

لہٰذا زید جب قابل امامت وقضاء نہیں تو تو اس کا منبر پر بیٹھ کر نذرانہ وصول کرنا اور دھوکہ دھڑی کر کے مسجد میں چندہ کرنا حرام وگناہ ہے۔ مسجد میں چندہ کرنے سے متعلق اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''مسجد میں دینی کام کے لئے چندہ کرنا، یا کسی مسلمان حاجت مند کے لئے جس سے نہ شور وغل، نہ گردن پھلانگنا اور نہ ہی کسی کی نماز میں خلل واقع ہو سنت سے ثابت ہے اور اپنے لئے مانگنے کی مسجد میں اجازت نہیں'' اھ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ نصف آخر ص ۱۲۵)

نیز رشوت لینا شرعاً وقانوناً ہر طرح سے حرام وجرم ہے اور جو بھی چیز رشوت کے ذریعہ حاصل ہو اس کا مالک پر لوٹانا واجب ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''جو مال رشوت یا چوری سے حاصل کیا اس پر فرض ہے کہ جس، جس سے لیا ان پر واپس کر دے اور وہ نہ رہے ہوں تو ان کے ورثہ کو دے، پتہ نہ چلے تو فقیروں پر تصدق کر دے۔ خرید وفروخت کسی کام میں اس مال کا لگانا حرام قطعی ہے۔ وذلك لان الحرمة فی الرشوة وامثالها لعدم الملك اصلا فهو عنده كالمغصوب فيجب الرد على المالك او ورثته مهما امكن" اھ ملخصاً (فتاویٰ رضویہ ج ۹ نصف اول ص ۲۳۶)

لہٰذا تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ استطاعت ہو تو زید کو منصب قضاء وامامت سے ہٹا دیں اور اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ سب لوگ گنہگار رہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ: واما ينسينك الشيطن فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظلمين اھ (پ ۷ سورہ انعام آیت ۶۸) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی
۲۴ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

بلا طلاق لڑکی کا دوسرا نکاح کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شادی شدہ لڑکی ایک لڑکے کے ساتھ فرار ہوگئی اور اپنے شوہر سے طلاق لئے بغیر اس کے ساتھ نکاح کر لیا تو کیا یہ نکاح منعقد ہوگا

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد صدیق انصاری، چورہوا ٹولہ پوسٹ چکھنی بھومیاری پٹی ضلع، کشی نگر (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب شادی شدہ لڑکی کا نکاح دوسرے شخص سے حرام وگناہ ہے یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں اور جب دونوں کے درمیان شادی نہ ہوئی تو جو کچھ ہوگا وہ زنائے خالص ہوگا اور نکاح خواں اور گواہ جتنے لوگ نکاح میں شریک ہوئے ان میں سے جسے معلوم تھا کہ شوہر والی عورت ہے تو ان سب کے اوپر توبہ تجدید ایمان اور بیوی والے ہوں اور رکھنا چاہیں تو تجدید نکاح اور مرید ہوں تو تجدید بیعت کریں اگر وہ لوگ ایسا نہیں کرتے تو تمام مسلمان ان سے دور ونفور رہیں اور سلام وکلام ترک کردیں۔

فتاویٰ امجدیہ میں ہے: ''شوہر والی عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا اس سے نکاح حرام قطعی ہے قال اللہ تعالیٰ والمحصنٰت من النساء یہ مسئلہ ایسا نہیں جسے علماء سے پوچھنے کی ضرورت ہو مسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ نکاح نہیں ہوسکتا دوسرے کے پاس جب تک رہے گی زناء خالص ہوگا اس عورت کا باپ اور نکاح کے وکیل وگواہ اور جتنے مجلس نکاح میں شریک ہوئے ان میں سے جسے معلوم تھا کہ وہ شوہر والی عورت ہے ان سب کو تجدید اسلام چاہیے اور تجدید نکاح لازم یعنی یہ سب لوگ خود اپنی اپنی عورتوں سے توبہ وتجدید اسلام کے بعد پھر نکاح پڑھوائیں اور جب تک توبہ نہ کریں مسلمان ان سے مقاطعہ کریں میل جول سلام کلام سب ترک کردیں'' اھ (ج۲ ص۸۱ کتاب النکاح)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے "لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ و کذلك المعتدة کذا فی السراج الوھاج" اھ (ج۱ ص۲۸۰)

ردالمحتار میں ہے: "اما نکاح منکوحة الغیر اومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلاً" اھ (مطلب فی النکاح الفاسد ج۴ ص۲۷۴)

تفسیر جلالین میں ہے: "وحرمت علیکم المحصنٰت ای ذوات الازواج من النساء ان تنکحوھن قبل مفارقة ازواجھن" اھ۔

فتاویٰ خانیہ میں ہے: ولا یجوز نکاح منکوحة الغیر ومعتدة الغیر عند الکل اھ (ج۱ ص۳۶۶)

فتاویٰ ملک العلماء میں ہے: ''نکاح علی النکاح یعنی کسی عورت منکوحہ غیر مطلقہ کا نکاح اس کے شوہر کے حیات میں کسی سے کردینا سخت ناجائز وحرام ہے قال اللہ تعالیٰ والمحصنٰت من النساء اور حرام

ہیں شوہردار عورتیں اھ(ص ۲۰۵)

حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قرآن حکیم میں ارشاد ہے والمحصنٰت من النساء شادی شدہ عورتوں سے نکاح حرام ہے'' (سہ ماہی امجدیہ جولائی ۲۰۰۴)

اس لئے دونوں ارتکاب حرام کے سبب سخت گنہگار مستحق عذاب نار ولائق غضب ذوالجلال واجب التفریق فی الحال ہیں لڑکے پر فرض قطعی ہے کہ وہ عورت کو اپنے پاس سے جدا کردے اور عورت پر فرض قطعی ہے کہ اس سے جدا ہوجائے اور علانیہ توبہ واستغفار کریں اور آئندہ ایسی قبیح حرکتوں سے دور رہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے: ''یہ نکاح نہ ہوئے محض زنا ہوئے قال اللہ تعالیٰ والمحصنٰت من النساء عورت اب جس کے پاس ہے اس پر فرض قطعی ہے کہ عورت کو اپنے پاس سے جدا کردے اور نکال دے اور عورت پر فرض قطعی ہے کہ اس سے جدا ہوجائے اپنے خاوند عمرو کے پاس آئے'' اھ (ج ۵ ص ۲۲۰)

ساتھ ہی دونوں قرآن خوانی میلاد شریف کریں غربا و مساکین کو کھانا کھلائیں مسجد اور مدرسہ کی امداد واعانت کریں اور نماز کی پابندی کریں کیوں کہ نیکیاں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں ارشاد باری ہے ومن تاب وعمل صالحا فانہ یتوب الی اللہ متاباً'' اھ (سورہ فرقان پ ۱۹ آیت ۷۱)

اگر وہ توبہ کرلیں تو مسلمان ان سے تعلقات قائم رکھیں اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تمام مسلمان ان کا سماجی بائیکاٹ کردیں اگر بائیکاٹ نہیں کریں گے تو سب گنہگار ہوں گے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے واما ینسینك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین یعنی اگر شیطان تمہیں بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو'' اھ (سورۃ انعام آیت ٦) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد ابراہیم مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۲۴ر شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

■❖■

بَابُ الْمُحَرَّمَاتِ

محرمات کا بیان

بھائی کے سالے کی لڑکی سے نکاح کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ
زید وبکر دونوں سگے بھائی ہیں تو کیا زید بکر کے سالے کی لڑکی کے ساتھ شادی کرسکتا ہے؟
المستفتی: محمد معین الدین اشرفی (بنگال)، مدرس مدرسہ برکت العلوم نواری بازار، جہانگیر گنج، فیض آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں زید کا بکر کے سالے کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں کیونکہ وہ زید کے لیے محارم سے نہیں بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع شرعی نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ" اھ یعنی ان کے سوا جو ہیں وہ تم پر حلال کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو" اھ (پ ۵ سورہ نساء آیت ۲۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی امجدی
۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

سگی پھوپھی کے لڑکے سے اپنی لڑکی کی شادی کا حکم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:
زید اپنی لڑکی کی شادی اپنی سگی پھوپھی کے لڑکے بکر سے کرنا چاہتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ شادی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا
المستفتی: (مولانا) مشتاق احمد رضوی، رستم پور، سینچرا بازار، کبیر نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں ہندہ کی شادی بکر سے بلاشبہ جائز ودرست ہے، بشرطیکہ اس رشتہ کے سوا اور کوئی وجہ حرمت نکاح نہ ہو، مثلاً رضاعت وغیرہ کا رشتہ کیونکہ ہندہ بکر کی محرمات سے نہیں اور محرمات کے

علاوہ دیگر تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے "واحل لکم ما وراء ذٰلکم" اھ (سورہ نساء آیت ۲۴) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

اپنے لڑکے کا نکاح بیوی کی لڑکی سے کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ علمائے کرام کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی شادی پہلے زید کے ساتھ ہوئی تھی بعد میں زید نے ہندہ کو طلاق دے دیا اور زید نے اپنی دوسری شادی کرلی اور ہندہ نے بکر کے ساتھ نکاح کرلیا اب بکر سے لڑکی پیدا ہوئی۔ زید نے طلاق دینے کے بعد جب دوسری شادی کی تو اس سے لڑکا پیدا ہوا۔ اب ایسی حالت میں کیا ہندہ اپنی لڑکی کی شادی زید کے لڑکا کے ساتھ کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور لڑکی لڑکا دونوں راضی ہیں اور دونوں کے ایمان واعمال برباد ہونے کا خطرہ ہے۔ ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد مقبول احمد قادری مدرسہ فیض رضا، اکوارہ منکر پور، بکرم جوت، ضلع بستی (یوپی)

الجواب ہندہ کی لڑکی کی شادی زید کے لڑکے کے ساتھ کرنا جائز ہے جب کہ رضاعت وغیرہ کوئی دوسری چیز مانع نکاح نہ ہو کیونکہ زید کی مطلقہ ہندہ کی وہ اولاد جو زید سے نہیں بلکہ کسی دوسرے شوہر سے ہے اس کا نکاح زید کی دوسری بیوی کی اولاد سے کرنے میں شرعاً کوئی خرابی نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے "الاخ لاب اذا کانت له اخت من امه یحل لاخیه من ابیه ان یتزوجها کذا فی الکافی" (ج ۱ ص ۳۴۳ کتاب الرضاع) اسی طرح فتاویٰ فیض الرسول ج ۱ ص ۱۷۵ پر بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی علیمی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی
۲۳؍ذی القعدہ ۱۴۲۷ھ

اپنے لڑکے کا نکاح بیوی کے اس لڑکی سے جو دوسرے شوہر سے ہے کرسکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ زید کا انتقال ہوگیا اس کے نطفے سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں زید کی بیوی ہندہ نے بکر سے شادی کی اور بکر کی بیوی شبینہ سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں بکر نے شبینہ کے ہوتے ہوئے ہندہ سے شادی کرلی اور اپنے بڑے لڑکے کا نکاح جو شبینہ کے بطن سے ہے زید مرحوم کی بڑی لڑکی جو ہندہ کے بطن سے ہے کردیا ہے تو کیا یہ جائز ہے کہ بکر بھی اس لڑکی کی ماں سے

شادی کر کے اسی گھر میں رہے اور بکر اپنی پہلی والی بیوی کے لڑکے ہندہ سے جو بکر کی دوسری بیوی ہے اس کی لڑکی سے شادی کر کے اسی گھر میں رکھے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد نعیم الدین، پرسا کھنیاؤں، سدھارتھ نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب صورت مستفسرہ میں ہندہ کی لڑکی کا نکاح ہندہ کے شوہر ثانی بکر کے اس لڑکے کے ساتھ کرنا جو شبینہ کے بطن سے ہے جائز ہے فتاویٰ عالمگیری باب المحرمات میں ہے "لا باس بأن یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج ابنہ ابنتہا او امہا کذا فی محیط السرخسی (ج ۱ ص ۲۷۷) وجہ یہ ہے کہ وہ محرمات میں سے نہیں ہے قال اللہ تعالیٰ "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ" (پ ۵ ع ۱ الآیۃ ۲۴) اور جب ان کا نکاح شرعاً درست ہے تو اپنے والدین کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۶ رشوال المکرم ۱۴۲۴ھ

ایک بیوی کی لڑکی کا نکاح دوسری بیوی کے لڑکے سے درست ہے یا نہیں؟

مسئلہ زید کی بیوی کا انتقال ہونے کے بعد اس نے دوسری شادی یعنی نکاح بیوہ ہندہ سے کر لیا۔ پہلی بیوی سے ایک لڑکا تھا۔ اتفاقاً ہندہ کو بھی پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی جو نانا نانی کے یہاں پل کر جوان ہوئی اور انہیں کی کفالت میں ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ زید کی پہلی بیوی کے لڑکے سے ہندہ کے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: حافظ حبیب اللہ صدیقی اشرفی بلہاری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زید کی پہلی بیوی کے لڑکے کے ساتھ ہندہ کے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح جائز ہے کہ یہ دونوں شرعاً اجنبی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ماں باپ الگ الگ ہیں تو ان کے درمیان کوئی رشتہ نسبی یا رضائی نہیں ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

لاباس ان یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج ابنہ ابنتہا او امہا کذا فی محیط السرخسی۔

(ج ۱ ص ۲۷۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد شمیم مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۴ رذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

چچا کی لڑکی سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا اپنے سگے چچا کی بیٹی یعنی باپ کے سگے بھائی کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے؟ کیونکہ جہاں کا میں رہنے والا ہوں (کرناٹک) یہاں پر لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ چچا کی بیٹی خون کے رشتہ میں بہن ہوتی ہے اور اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، اور یہ بھی بتائیں کہ اگر جائز ہے تو جو لوگ اسے ناجائز و برا جانتے ہیں اور اس جائز امر سے روکتے ہیں ان کے لئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ المستفتی: محمد رفیع شریفی رضوی، چتر ادرگہ (کرناٹک)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب چچازاد بہن سے نکاح جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن عورتوں سے نکاح حرام فرمایا ہے ان میں چچا زاد بہن داخل نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: "حلال بنت عمه و عمته و خاله و خالته لقوله تعالیٰ (احل لکم ما وراء ذٰلکم)" اھ (ص ۳۰، ج ۳) اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں: "رشتے کی بہن جو ماں میں ایک نہ باپ میں شریک نہ باہم علاقہ رضاعت جیسے چچا، ماموں، خالہ، پھپھی کی بیٹیاں یہ سب عورتیں شرعاً حلال ہیں جب کہ کوئی مانع نکاح مثل رضاعت ومصاہرت قائم نہ ہو، قال تعالیٰ: "احل لکم ما وراء ذٰلکم" اھ (فتاویٰ رضویہ ص ۲۷۷، ج ۵)

جب قرآن حکیم کی نص قطعی سے یہ ثابت ہے کہ محرمات مذکورہ کے سوا بقیہ عورتوں سے نکاح حلال ہے تو یقیناً چچازاد بہن حلال ہوئی اب اس کو حرام قرار دینا اپنے جی سے شریعت بنانا ہے اور قرآن حکیم کی نص قطعی کی کھلی مخالفت کرنا ہے، ایک مسلمان ایسی جرأت کیسے کرلیتا ہے کہ قرآن کے فرمان کے خلاف اپنا فرمان چلائے اور اس کو معاذ اللہ اسلام کا فرمان سمجھے یہ تو ضرور حرام وگناہ ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے جی سے حرام نہ ٹھہرائیں اور اب تک جو غلط و باطل اعتقاد دل میں جمائے رہے اس سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کریں اگر اس اعتقاد کا اظہار علانیہ کیا ہو تو علانیہ توبہ کریں اور آئندہ بلاعلم نہ مسئلہ بتائیں نہ کسی مسئلے پر اعتراض کریں، اور اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: غلام نبی نظامی علیمی امجدی
۹ رشعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

■❖■

بَابُ الْاَوْلِیَاءِ وَالْاَکْفَاءِ

ولی اور کفو کا بیان

اسلام میں ذات کی کیا حیثیت ہے

اگر خان کا نکاح انصاری یا اور ذات کی لڑکی سے ہو تو کیسا ہے؟

مسئلہ مذہب اسلام میں متفرق ذات کے لوگ ہیں مثلاً خان، انصاری، درزی، نائی، منہار، گدی، شاہ، تیلی وغیرہ۔ مذہب اسلام میں ان ذاتوں کی کیا حیثیت ہے؟ اگر ان میں سے کسی ذات مثلاً خان لڑکے کا نکاح انصاری یا کسی اور ذات کی لڑکی کے ساتھ ہو تو از روئے شرع یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: نور محمد نوری، کمہارہ ماکھ پور، جریلی، سیتاپور (یوپی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب مذہب اسلام نے نکاح کے معاملہ میں ذات پات، برادری کا لحاظ رکھا ہے۔ کیونکہ عرف عام میں بعض قومیں اعلیٰ و شریف خاندان سے شمار کی جاتی ہیں اور بعض قومیں ذلیل و خسیس سمجھی جاتی ہیں۔ اس لیے اگر کسی شریف خاندان کی لڑکی کا نکاح کسی خسیس خاندان کے لڑکے سے کر دیا جائے تو عوام ولڑکی اور اس کے اولیا اس سے عار و ذلت محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کے برعکس یعنی کسی شریف خاندان کے لڑکے کا نکاح کسی خسیس خاندان یا اس کے ہم پلہ لڑکی سے کر دیا جائے تو اسے کوئی ذلت و عار محسوس نہیں کرتا۔

لڑکا ذات برادری، مال، دیانت وغیرہ میں لڑکی کے ہم پلہ ہو تو وہ لڑکی کا کفو ہوگا اور نکاح میں یہ ضروری ہے کہ لڑکا لڑکی کا کفو ہو اس لیے کہ شریفہ عورت گھٹیا آدمی کا بستر بننے سے انکار کرے گی برخلاف مرد کے کہ وہ کم رتبہ عورت کو بستر بنانے سے عار و ذلت محسوس نہیں کرتا۔ درمختار باب الکفاءۃ میں ہے "والمراد ھنا مساواۃ مخصوصۃ او کون المرأۃ ادنی۔ الکفاءۃ معتبرۃ فی ابتداء النکاح للزومہ اولصحتہ من جانبہ ای الرجل لان الشریفۃ تأبی ان تکون فراشا للدنی ولذا لا تعتبر من جانبھا لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دناءۃ الفراش" اھ (الدر المختار فوق رد المحتار ج ۳ ص ۸۴)

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر خان لڑکے کا نکاح اس سے نیچی ذات انصاری یا کسی اور ذات سے ہو تو یہ جائز وصحیح ہے لیکن اس کے برخلاف ہو تو وہ نکاح لڑکی اور اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ درمختار ج ۳ ص ۸۵ پر ہے "لوزوجوھا برضاھا ولم یعلموا بعدم الکفائۃ ثم علموا لا خیار لاحد الا اذا شرطوا الکفائۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علی ذلک" اھ اور شامی میں ہے "اذا زوجت نفسھا بلا اذن الولی وحینئذ لم یبق لھا حق فی الکفائۃ لرضاھا باسقاطھا فبقی الحق للولی فقط فلہ الفسخ" اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: عبدالمقتدر مصباحی
۱۷؍رجب المرجب ۲۳ھ۱۴

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

بالغہ بلا رضائے والدین اپنی مرضی سے نکاح کرے تو ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ
ہندہ کی ماں نے اپنے بچوں سے سمجھے بغیر ہندہ کو ایک لڑکے کے ساتھ بھیج دیا وہ ہندہ کو لے جا کر اپنے گاؤں میں دوسرے دن ایک عالم سے نکاح پڑھوالیا جس کا ثبوت نکاح نامہ ہے پھر ہندہ دو سال کے بعد اپنی ماں کے گھر آئی تو گاؤں والوں نے اعتراض کیا تو ہندہ نے نکاح نامہ دکھایا تو گاؤں والوں نے کہا ہم لوگ فتویٰ منگوائیں گے۔ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں۔ **بینوا توجروا**

المستفتی: حافظ فتح محمد مقام ملولی پوسٹ گوشائیں، شنکر پور بستی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب ہندہ اگر اس وقت بالغ تھی اور اس نے اپنی مرضی سے اس لڑکے سے نکاح کرلیا اور وہ لڑکا اس کا کفو ہے تو اس کا نکاح منعقد ہوگیا اگرچہ ہندہ نے والدین سے اجازت طلب نہ کی ہو کہ بالغ لڑکی یا لڑکا اپنے والدین کی اجازت کے بغیر کسی سے نکاح کرلیں تو نکاح ہوجائے گا لیکن اگر والدین راضی نہیں ہیں تو وہ گنہگار ہوں گے البتہ اگر بالغ لڑکی اپنا نکاح باپ کی اجازت کے بغیر غیر کفو سے کرے گی تو نکاح نہ ہوگا۔ والدین کی رضا سے دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے۔ ان المرأۃ اذا تزوجت نفسھا من کفو لزم علی الاولیاء وان زوجت من غیر کفو لایلزم او لا یصح بخلاف جانب الرجل فانہ اذا تزوج بنفسہ مکافئۃ لہ او لا فانہ صحیح لازم (ج ۳ ص ۸۴)

فتاویٰ رضویہ میں ہے "اگر وہ شخص جس سے ہندہ بہ ناراضی پدر اپنا نکاح بطور خود کرنا چاہتی ہے تو ہندہ کا کفو ہے تو بلاشبہ نکاح صحیح و درست ہو جائے گا اور والدین کی ناراضی اگر چہ ہندہ کو نقصان کرے مگر جواز نکاح میں خلل نہ آئے گا۔ اھ (ج ۵ ص ۴۲ سہاب الولی)

ہندہ اجنبی کے ساتھ فرار ہونے اور ہندہ کی ماں صحیح نگہداشت نہ کرنے کی وجہ سے دونوں سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے دونوں پر لازم ہے کہ علانیہ توبہ و استغفار کریں ساتھ ہی انہیں قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے غربا و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد مدرسہ کی امداد کی تلقین کی جائے کہ نیکیاں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

من تاب و عمل صالحا فانہ یتوب الی اللہ متابا (بقرہ نمبر ۷) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۲ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

نابالغ کا نکاح درست ہے اور شہادت نہیں، ایسا کیوں؟

نابالغ نکاح قبول نہ کرے تو جوانی میں وہ لازم ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ نابالغ بچوں کا نکاح درست ہے؟ اسلام میں نابالغ کی گواہی مقبول نہیں تو نابالغ کا نکاح کیسے مقبول؟ اور اگر نابالغ بچوں نے نکاح قبول نہ کیا ہو ان کے باپ نے اقرار کیا ہو تو بھی جوانی میں نکاح لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ المستفتی: محمد اقبال کلکتہ

الجواب شہادت باب ولایت سے ہے، نابالغ کو جب اپنے اوپر ولایت نہیں تو دوسرے پر ولایت کیوں کر ہوگی، نکاح ولی کی عبارت سے اس لیے ہو جاتا ہے کہ اسے نابالغ پر ولایت حاصل ہے اور شہادت اس لیے نامقبول ہے کہ نابالغ و نابالغہ کو دوسروں پر ولایت نہیں۔

ہدایہ باب الولی میں ہے:" ولا ولایۃ لعبد ولا صغیر ولا مجنون لأنہ لا ولایۃ لھم علی انفسھم فاولی أن لا یثبت علی غیرھم "اھ (ج ۲ ص ۲۹۸)

اس کے تحت بنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔"فمن لا ولایۃ لہ علی نفسہ فاولی ان لا یکون لہ ولایۃ علی غیرہ" (ج ۲ ص ۲۹۸)

تبیین الحقائق باب الاولیاء میں ہے:"لانھم لا ولایۃ لھم علی انفسھم فأولی أن لا یکون لھم ولایۃ علی غیرھم لان الولایۃ علی الغیر فرع الولایۃ علی النفس ولھذا لم

تقبل شهادتهم ولان هذه الولاية نظرية ولا نظر فى التفويض الى رأيهم اھ (ج ۲ ص ۱۲۵)

واضح ہو کہ نابالغ کے ولی نے اس کا جو نکاح کیا تھا اگر وہ صحیح و نافذ تھا تو بعد بلوغ اس کے قبول کی کوئی حاجت نہیں۔ بعض صورت میں اسے خیار بلوغ ملتا ہے لیکن وہ دوسری چیز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد نیاز برکاتی مصباحی امجدی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۹؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

والد کے جنون کی وجہ سے ماموں نے بالغہ و نابالغہ بچیوں کا نکاح کر دیا تو لازم ہے یا نہیں؟

مسئلہ زید جو اپنے سسرال میں رہتا تھا اس کے چار لڑکیاں ہیں کچھ عرصہ کے بعد زید کا دماغ خراب ہو گیا اور اسی دوران ان لڑکیوں کے نانا کا بھی انتقال ہو گیا تو ان کے ماموں نے ان چاروں بہنوں کی شادی کر دی اور دوران نکاح بڑی لڑکی بارہ سال کی تھی اور باقی تینوں لڑکیاں نابالغ تھیں۔ مگر ایک سال کے بعد ان لڑکیوں کے والد (زید) کا دماغ صحیح ہو گیا تو اس نے کہا کہ میری بغیر اجازت تم نے میری لڑکیوں کا نکاح کیوں کیا میں ان کو سسرال نہیں بھیجوں گا۔ اور جو اس کی بڑی لڑکی ہے اس کے ایک لڑکا ہے اور وہ سسرال جانے سے راضی ہے اور باقی تینوں لڑکیاں جو بوقت نکاح نابالغہ تھیں وہ سب سسرال جانے سے منع کرتی ہیں اب جو بھی حکم شریعت ہو مطلع فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: -عبدالحکیم بن عبدالغفور موئیلہ مقام اوسیاں ضلع جودھپور راجستھان

الجواب بڑی لڑکی اگر وقت نکاح بالغہ تھی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے اور نکاح کفو میں کیا ہے تو اس کا نکاح صحیح، نافذ و لازم ہو گیا اگر چہ اب زید راضی نہیں۔ درمختار باب الولی میں ہے: "فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولى" اھ (الدر المختار على هامش ردالمحتار ج ۲ ص ۳۲۲) نیز فتاوٰی عالمگیری کتاب النکاح میں ہے: "نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولى عند ابى حنيفة وابى يوسف رحمهما الله" اھ (فتاوٰی عالمگیریہ مع خانیہ ج ۱ ص ۲۸۷)

رہ گیا باقی تینوں لڑکیوں کا نکاح جو بوقت نکاح نابالغہ تھیں تو اس میں تفصیل ہے باپ یعنی زید کی ولایت تو بوجہٖ جنون باطل ہے اس لئے کہ جب زید کا دماغ خراب ہو گیا وہ پاگل ہو گیا تو اب ولی نہ رہا نہ اقرب نہ ابعد یہاں تک کہ اسے اپنے اوپر بھی ولایت نہ رہی اور جب اپنے اوپر بھی ولایت نہ رہی تو دوسرے کا ولی بدرجۂ اولیٰ نہیں بن سکتا۔ جیسا کہ ہدایہ ج ۱ ص ۳۱۸ میں ہے "ولا ولاية لعبد ولا صغير ولا مجنون

لانہ لا ولایۃ لھم علی انفسھم فاولی ان لا یثبت علی غیرھم" اھ نیز بنایہ شرح ہدایہ ج ۵ ص ۱۰۰ میں ہے: "فمن لا ولایۃ لہ علی نفسہ فاولی ان لا یکون لہ ولایۃ علی غیرہ" اھ۔ اس لئے تحقیق طلب یہاں یہ امر ہے کہ زید کے بعد ولایت نکاح کس کو حاصل ہے اگر باپ کے بعد کے اولیاء میں سے ماموں تک کوئی نہ ہو تو ولایت ماموں کو حاصل ہوگی اور یہ تینوں نکاح منعقد قرار پائیں گے اور اگر ماموں سے پہلے کا کوئی ولی اقرب موجود ہے اور اس کی اجازت لئے بغیر ماموں نے نکاح کر دیا تو یہ نکاح اس ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا جائز کر دے تو جائز ہو جائے گا رد کر دے تو باطل ہو جائے گا۔ جیسا کہ فتاویٰ امجدیہ ج: ۲، ص: ۱۲۱ میں ہے ماموں سے مقدم کوئی ولی تھا اور نکاح کی اجازت اس سے نہ لی گئی تو اس کی اجازت پر موقوف تھا جائز کر دیا تو جائز ہو گیا رد کر دیا تو باطل ہو گیا" اھ اور فتاویٰ عالمگیری کتاب النکاح میں ہے: "ان زوج الصغیر أو الصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ" اھ (فتاویٰ عالمگیریہ مع خانیہ ج ۱ ص ۲۸۵) ہاں اگر اس نے نہ ابھی جائز کیا تھا نہ رد یہاں تک کہ زید پورے طور سے ٹھیک ہو گیا تو وہ اختیار اسے حاصل ہوگا۔

اس لئے اب سائل درج ذیل امور کو واضح کرے۔ (۱) ماموں سے اقرب کوئی ولی تھا یا نہیں (۲) زید کا دماغ پورے طور پر ٹھیک ہو گیا یا اب بھی خراب رہتا ہے (۳) نابالغہ لڑکیوں نے بالغ ہونے کے بعد فوراً نفس کو اختیار کیا یا دیر سے؟ اور کیا لفظ کہا اس پر کسی کو گواہ بنایا یا نہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہ: محمد عبدالقادر رضوی ناگوری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۱ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

■❖■

بَابُ الْمَهْرِ

مہر کا بیان

ورثہ کو یہ پتہ نہ ہو کہ میت نے مہر دیا تھا یا نہیں یا مہر کتنا تھا اور وہ ادا کرنا چاہیں تو کتنا دیں اور کسے دیں کیوں کہ زوجہ فوت ہو چکی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین اس مسئلہ میں کہ

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی پانچ سال کے بعد زید کا انتقال ہو گیا جس سے کچھ بچے بھی ہیں پھر کچھ دنوں بعد ہندہ بھی فوت ہو گئی زید نے مہر ادا کیا کہ نہیں اس کا علم موجودہ وارثین کو نہیں اور مہر کی مقدار بھی کسی کو معلوم نہیں زید کی والدہ جو باحیات وہ چاہتی ہے کہ مہر ادا کر کے اپنے لڑکے زید کو بری کر دوں۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کتنی مقدار مہر ادا کرے اور کس کو دے کیا مسجد و مدرسہ میں مہر کی مذکورہ رقم دی جا سکتی ہے۔ بینوا وتوجروا۔ المستفتی: محمد ابوالوفاء نصری بھیروی استاذ مدرسہ حق الاسلام لال گنج (بستی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اگر واقعی موجودہ وارثین کو یہ علم نہیں کہ زید نے مہر ادا کیا یا نہیں اور نہ ہی مقدار معلوم ہے اور زید کی والدہ مہر ادا کر کے اسے مہر سے بری کرنا چاہتی ہے تو وہ ہندہ کے مہر مثل کی مقدار یا کچھ زیادہ اس کے وارثین کو ادا کر دے ہندہ کے بچے اور ماں باپ اس کے وارثین ہیں۔ اور مہر مثل سے مراد وہ مہر ہے جو ہندہ کے خاندان میں اس کے جیسی لڑکیوں کا رہا ہو۔ درمختار میں ہے وبعد موتهما ففي القدر القول لورثته وفي الاختلاف في اصله القول لمنكر التسمية لم يقض بشئ مالم يبرهن على التسمية وقالا يقضي بمهر المثل" اھ (ج ۲ ص ۱۵۰)

بہار شریعت میں ہے" اگر دونوں کا انتقال ہو چکا اور دونوں کے ورثہ میں اختلاف ہوا تو مقدار میں زوج کے ورثہ کا قول مانا جائے گا اور نفس مہر میں اختلاف ہو کہ مقرر ہوا تھا یا نہیں تو مہر مثل پر فیصلہ کریں گے۔ (ح ۷ ص ۶۹) اور یہ مہر عورت کا ترکہ ہے جو اس کے وارثین ماں، باپ، بیٹا، بیٹی جتنے ہوں سب کو ان کے

حصہ کے مطابق ملے گا مسجد، مدرسہ میں مہر کی مذکورہ رقم نہیں دی جاسکتی۔

بدائع الصنائع میں ہے۔ "لا یسقط عن الزوج شی من المھر بل یتأ کد المھر والمھر فی تلک الحالۃ ملک الورثۃ" اھ ملخصا (ج ۲ ص ۵۸۹. کتاب النکاح بیان مایتأ کد بہ المھر) ہاں یہ ورثہ چاہیں تو مسجد و مدرسہ میں اپنے اپنے حصہ کی مقدار دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۵ / رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

کیا طلاق کے لئے زوجین کا آمنے سامنے ہونا ضروری ہے؟ بیوی مہر معاف کردے تو معاف ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید باہر رہتا ہے اور ہندہ اس کی بیوی دونوں میں نا اتفاقی ہونے کی وجہ سے معاملہ یہ ہوا کہ طلاق کی نوبت آگئی ہندہ نے اپنی جانب سے شوہر کے مہر کو بلا عذر معاف کردیا اور شوہر سے طلب کیا کہ آپ مجھے طلاق دے دو زید بھی اس بات پر راضی ہے اس مسئلے میں کیا زید اور ہندہ کو آمنے سامنے ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کیا شوہر کو اپنا مہر ادا کرنا ہوگا یا نہیں؟ جب کہ ہندہ نے خط کے ذریعہ مہر معاف کرکے زید کے پاس بھیج دیا۔

المستفتی: برکت علی موضع مدن پورہ ضلع گونڈہ۔ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ہندہ نے اگر ہوش وحواس کی درستگی میں اپنی خوشی سے مہر معاف کردیا تو مہر معاف ہوگیا اب زید پر مہر کی ادائیگی واجب نہیں ایسا ہی فتاوی امجدیہ ج دوم ص ۱۴۳ پر ہے — فتاوی عالمگیری میں ہے "لا بد فی صحتہ حطھا من الرضا حتی لو کانت مکرھۃ لم یصح" اھ (ج ۱ ص ۳۱۳)

طلاق کے لیے زوجین کا سامنے ہونا ضروری نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ طلاق کی اضافت عورت کی طرف کرے مثلاً یہ کہے کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ فلاں بنت فلاں کو طلاق دی، ایسا ہی فتاوی امجدیہ جلد دوم ص ۱۶۵ پر ہے۔ اسی طرح مہر کو معاف کرنے کے لیے بھی سامنے ہونا ضروری نہیں عورت اگر تنہائی میں مہر معاف کردے تو بھی عند اللہ معاف ہوجائے گا۔ ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۹۰۵ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد اجمل حسین

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۷ / ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ

مہر کی اقل مقدار کیا ہے؟ اگر اس سے کم ہو تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت ان مسائل میں کہ

(۱) مہر کی کم سے کم مقدار کیا ہے؟ اس سے کم مقدار مہر مقرر کرنے کی صورت میں نکاح ہوگا یا نہیں؟

(۲) زید کا نکاح ہندہ سے ہوا اور خلوت صحیحہ سے قبل ہی اس نے طلاق دے دی تو زید پر کتنی مہر لازم ہوئی۔ زید مہر دینے کو تیار ہے مگر ہندہ قبول نہیں کرتی اس سے چھٹکارے کی صورت کیا ہے؟ کیا مہر ادا کیے بغیر زید بری الذمہ ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: حافظ امیر حسن، خادم مدرسہ انوار العلوم بیلواری پٹی، سیور ہی، کشی نگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے جس کی موجودہ حیثیت دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی کے برابر ہے۔ درمختار "باب المہر" میں ہے۔ أقله عشرة دراهم لحديث البيهقي وغيره لا مهر أقل من عشرة دراهم" ورواية الاقل تحمل على المعجل فضة وزن سبعة مثاقيل كما في الزكاة مضروبة كانت أولا، ولو دينا أو عرضا قيمته عشرة وقت العقد۔" اھ (ج ۳ ص ۱۰۱)

فتاوی رضویہ میں ہے "کم سے کم مہر دس درہم ہے یعنی دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی یا چاندی کے سوا اور کوئی شی اتنی ہی چاندی کی قیمت کی۔" اھ ملخصا (ج ۵ ص ۵۰۰)

رہا اس مقدار سے کم مہر مقرر کرنا تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جائے گا بلکہ مہر نہ مقرر کرنے سے بھی نکاح صحیح ہوگا اور مہر مثل لازم ہوگا۔ کیونکہ ذکر مہر، نکاح کے لیے شرط نہیں۔ ہدایہ "باب المہر" میں ہے۔ یصح النکاح وان لم یسم فیه مهرا لان النکاح عقد انضمام وازدواج لغة فیتم بالزوجین ثم المهر واجب شرعاً ابانة لشرف المحل فلا یحتاج الی ذکره لصحة النکاح وكذا اذا تزوجها بشرط أن لا مهر لها۔" اھ (ج ۲ ص ۳۰۴، ۳۲۳ باب المہر) درمختار میں ہے۔ "تجب العشرة إن سماها او دونها"۔ اھ (ج ۳ ص ۱۰۲ باب المہر) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جب زید نے خلوت صحیحہ سے قبل ہی ہندہ کو طلاق دے دیا تو زید پر نصف مہر مقرر دینا لازم ہو گیا کہ خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دینے سے نصف مہر مقرر لازم ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔

"واذا طلقها قبل الخلوة فعليه نصف المهر بحكم الطلاق۔" اھ (ج ۳ ص ۱۰۳) لہٰذا زید پر نصف مہر کی ادائیگی ضروری ہے۔ رہا مہر جو زید پر دین ہے جب اسے ہندہ قبول نہیں کرتی تو اس سے گلو

خلاصی کے لیے ہندہ کو اس کے لینے پر مجبور کیا جائے گا کہ یہ اس کا حق ہے قبول کر لے یا معاف کر دے۔ اس کے باوجود بھی اگر لینے سے انکار کرے اور معاف بھی نہ کرے تو یہ اسی کے پاس رکھ کر چلا آئے دین مہر ادا ہو جائے گا اور پاس رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ مہر اس کے اتنا قریب رکھے کہ عورت ہاتھ بڑھا کر لینا چاہے تو آسانی سے لے سکے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے۔ "لو کان الدین موجلا فقضاہ قبل حلول الأجل یجبر علی القبول." اھ (ج ۳ ص ۲۰۴) بہار شریعت قرض کے بیان میں ہے۔ "اگر دین میعادی، میعاد پوری ہونے سے قبل ادا کرتا ہے تو دائن لینے پر مجبور کیا جائے گا وہ انکار کرے یہ اس کے پاس رکھ کر چلا آئے دین ادا ہو جائے گا۔" (ج ۱۱ ص ۱۳۸) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہ: غلام احمد رضا

یکم شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

یہ کہنا کہ "اگر اللہ مہر میں ہیرے جواہرات رکھتا تو کوئی طلاق نہیں دیتا"

مسئلہ ایک پیر صاحب نے مہر کے تعلق سے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ مہر میں ہیرے جواہرات رکھ دیتا تو کوئی طلاق نہیں دیتا۔" اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: حاجی عبدالقادر کھرالہ کھنڈوہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب مہر کے تعلق سے پیر صاحب کا یہ جملہ درست نہیں کہ "اگر اللہ تعالیٰ مہر میں ہیرے جواہرات رکھ دیتا تو کوئی طلاق نہیں دیتا" کیونکہ اگر یہ اللہ عزوجل پر اعتراض کے طور پر ہو تو کفر ہوگا اور اعتراض کے طور پر نہ ہو تو بھی اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جنس مہر کو مطلق رکھ کر طلاق پر پابندی کی رعایت نہیں کی گئی ہے جس سے حکم الٰہی میں یک گونہ نقص کا ایہام یا کم از کم وہم ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ شریعت نے طلاق پر نہ مکمل پابندی لگائی ہے نہ مکمل آزادی دی ہے کہ یہ اس کی منشا کے خلاف ہے ورنہ بہت سی شریر عورتیں شوہر کے لئے تا حیات عذاب بن جاتیں اور اس کی پوری زندگی غم والم کا سراپا بن جاتی اور مکمل آزادی دی جاتی تو پھر صالحات کی بھی خیر نہ رہتی اس لئے شریعت طاہرہ نے مہر کے لئے مطلقاً مال کا ذکر کیا ہے خواہ وہ مال سونا چاندی ہو، ہیرے جواہرات ہوں یا روپے پیسے وغیرہ ہوں تو اس طرح جو کچھ چاہے مہر مقرر کر سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے "وآتیتم احدھن قنطارا" اھ (پ ۴ سورۂ نساء آیت ۲۰) شرع کی جانب سے مہر میں ہیرے جواہرات رکھنے کی ممانعت بھی نہیں آدمی جتنا چاہے اتنا رکھ سکتا ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

''مہر را در شرع مطہر جانب کمی حدے معین ست یعنی دہ درہم اما جانب زیادت ہیچ تحدید نیست ہر چہ کہ بستہ شود ہمانقدر بحکم شرع محمدی لازم آید۔'' اھ (ص ۴۸۰ ج ۵) لہٰذا پیر مذکور پر لازم ہے کہ اس جملہ کو واپس لے اور علانیہ اس سے توبہ کرے اور آئندہ ایسے جملے استعمال کرنے سے احتراز کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد سفیر الحق رضوی نظامی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۷ / جمادی الآخر ۱۴۳۲ھ

۵۰۰ کی زمین میں نصف زمین بیوی کو مہر کے عوض اور باقی بطور ہبہ دیا تو کیا وہ زمین بیوی کی ملک ہو گئی؟

مسئلہ زید کا انتقال ہو گیا اور انتقال سے پہلے ہوش و حواس، صحیح اور تندرستی کی حالت میں نفع و نقصان سمجھ بوجھ کر اپنی مرضی و خوشی سے اپنی بیوی کو مہر کے رقوم کے عوض اکیس کٹھے پانچ دھور زمین جس کی قیمت اس وقت 500 روپے تھی یہ کہہ کر لکھ دیا کہ 251 روپے مہر کے عوض ادا کیا اور 249 روپے کے عوض کی زمین خدمت گزاری اور فرمانبرداری کی وجہ سے معاف کر دیا۔

شوہر کے اس طرح کہنے اور لکھ دینے سے اس زمین پر زید کی بیوی کی ملکیت ثابت ہو گی یا نہیں؟ اس عورت کو وہ زمین بیچنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس زمین پر اس عورت کی لڑکیوں کا حصہ ہے یا نہیں؟

برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہو گی۔

المستفتی: از محمد عباس انصاری مقام نیچوا پانڈے ٹولہ ضلع گوپال گنج بہار

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زید نے اپنی بیوی کو جو زمین مہر کے عوض دی جس کی قیمت سائل نے ۲۵۱ روپے لکھی ہے وہ اس کی بیوی کی ملکیت ہو گئی لہٰذا اس کی بیوی کو وہ زمین بیچنے کا حق حاصل ہے اور اس زمین پر اس عورت کی لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

بدائع الصنائع کتاب النکاح باب ما یجب به المهر میں ہے ''ان المهر ملك المراة وحقها لانه بدل بضعها و بضعها حقها وملكها و الدليل عليه قوله عزوجل وآتُوا النِّسَاءَ صدقاتهن نحلة اضاف المهر اليها فدل ان المهر حقها وملكها۔ (ج ۲ ص ۵۸۳)

باقی زمین جس کی قیمت اس وقت ۲۴۹ روپے تھی یعنی تقریباً نصف زمین وہ اس نے اپنی بیوی ہی کو

"خدمت گزاری اور فرمانبرداری کی وجہ سے معاف کردی اس کا مطلب یہ ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو اس کی خدمت واطاعت کے صلے میں اسے عطا کردی یعنی ہبہ کردیا معافی کا اطلاق عرف میں انعامی جاگیر اور بخشش پر ہوتا ہے اور معافی دار "عطا کی ہوئی زمین کا مالک" کو کہتے ہیں اس لئے زید کا وہ کلمہ عرفاً الفاظ ہبہ سے ہے اب اگر اس نے اپنی بیوی کو اس عطا کردہ زمین پر اپنی حیات میں قبضہ دے دیا تھا تو وہ اس کی مالک تام ہے اس میں دوسرے کا کوئی حق نہیں، نہ ہی اس میں زید کی میراث جاری ہوگی۔ لہٰذا وہ عورت برتقدیر مذکور اسے بیچنا چاہے تو بیچ سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد محسن مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۸ر جمادی الاخر ۱۴۳۲ھ

مہر ۵۰۰ روپے اور پانچ اشرفی مقرر ہوئی تو اشرفی کے عوض کتنی رقم دے گا؟ اشرفی کسے کہتے ہیں؟ اس کا وزن کیا ہے؟ کیا دینار اور دینار سرخ میں فرق ہے؟ درہم کسے کہتے ہیں؟ اس کا موجودہ وزن کتنا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں:

(۱) عمرو وہندہ کا نکاح ہوا جس میں ہندہ کا دین مہر پانچ سو روپیے اور پانچ اشرفی طے پایا جس کو عمرو اقرار کرلیا اب عمرو ہندہ کو دین مہر دے گا تو پانچ سو روپے تو دیدے گا لیکن اشرفی کا کیا ہوگا کیا اشرفی کی قیمت اس وقت کے حساب سے دینی ہوگی یا پھر اشرفی، اگر اشرفی کی قیمت دینا چاہیے تو موجودہ دور کے حساب سے ایک اشرفی کی قیمت کیا ہوگی؟

(۲) اشرفی کسے کہتے ہیں اور ایک اشرفی کا وزن ہندوستانی وزن کے مطابق کیا ہے؟ وزن عدد اور اردو عبارت دونوں میں لکھ دیا جائے۔

(۳) دینار اور سرخ دینار میں کیا فرق ہے دونوں ایک ہی چیز ہے یا پھر الگ الگ اور دینار کسے کہتے ہیں چاندی کو یا پھر سونے کو اگر دونوں ایک ہی چیز ہے تو پھر ایک دینار کا وزن ہندوستانی وزن کے مطابق عدد اور عبارت دونوں میں لکھ دیا جائے اور اگر سرخ دینار الگ ہے تو پھر اس کا بھی ایک سرخ دینار کا وزن لکھ دیا جائے۔

(۴) درہم کسے کہتے ہیں اور ایک درہم کا وزن ہندوستانی وزن کے مطابق کتنا ہوتا ہے۔ اور دس درہم کی قیمت موجودہ دور کے حساب سے کتنا روپے ہونا چاہیے۔

المستفتی: محمد زبیر احمد اشرفی مقام دھوبچھیر، برہم پور، بکسر، بہار

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱۔۳) ہندوستان کے عرف میں دینار یا اشرفی کے لفظ سے دینار سرخ سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہاں پہلے اشرفی چلا کرتی تھی جسے اردو زبان میں دینار سرخ بھی کہتے تھے۔ اغلب یہ ہے کہ عوام اسی کو سرخ کی قید ہٹا کر دینار کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

فیروز اللغات اردو میں ۳۵۴ میں دینار سرخ کا معنی اشرفی، سونے کا سکہ، لکھا ہے۔ یونہی اشرفی اور دینار کا معنی سونے کا سکہ لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینار اور دینار سرخ اور اشرفی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اشرفی کا وزن سوا گیارہ ماشے اور سوا گیارہ ماشے کا وزن ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام کے برابر ہے، دینار اور دینار سرخ کا بھی یہی وزن ہے۔ لہٰذا عمرو کو اسی حساب سے پانچ اشرفی کا دام بازار بھاؤ سے معلوم کر کے ادا کرنا چاہیے، مزید تفصیل کے لئے ''ماہنامہ اشرفیہ شمارہ مارچ ۲۰۰۵ء میں محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی دامت برکاتہم القدسیہ کی تحقیق لطیف ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) درہم چاندی کا ایک سکہ ہے جو تین ماشے چار رتی وزن کا ہوتا ہے، (فیروز اللغات اردو ص ۳۳۳) اور دس درہم موجودہ دور میں دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی کے برابر ہے، ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۵۰۰، میں ہے، اور دو تولہ ساڑھے سات ماشہ موجود وزن کے حساب سے ۳۰ر گرام ۶۱۸ ملی گرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی

۳۰ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۶ھ

■❖■

جوزیورات ساس، سسر یا شوہر نے عورت کو دیا تو اگر اس بات کی صراحت کر دی کہ یہ تمہارا ہے اور عورت نے قبضہ بھی کر لیا تو اب یہ عورت کی ملک ہو گیا اور اگر یہ کہا کہ پہننے کے لیے دیا ہے بعد میں واپس کرنا ہوگا تو اس صورت میں زیور دینے والے کی ملک میں باقی رہے گا اور اگر کچھ نہ کہا بلکہ یونہی دے دیا تو اب عرف اور رواج دیکھا جائے گا اگر رواج یہ ہے کہ وہ زیور عورت کا سمجھا جاتا ہے تو عورت کی ملک مانا جائے گا اور اگر رواج یہ ہے کہ وہ دینے والے کا سمجھا جاتا ہے تو وہ دینے والے کی ملک ہوگا فتاوی رضویہ میں ہے ''جو کچھ زیور، کپڑا، برتن وغیرہ عورت کو جہیز میں ملا تھا اس کی مالک خاص عورت ہے اور جو کچھ چڑھاوا خاص شوہر کے یہاں سے گیا تھا اس میں رواج کو دیکھا جائے گا اگر رواج یہ ہو کہ عورت ہی اس کی مالک سمجھی جاتی ہے تو وہ بھی عورت کی ملک ہو گیا اور اگر مالک نہیں سمجھی جاتی ہے تو وہ جس نے چڑھایا تھا اسی کی ملک ہے خواہ والد شوہر ہو یا والدہ یا خود شوہر اور جو زیور زید نے بعد نکاح بنوایا اگر عورت کو تملیک کر دی تھی کہ یہ زیور تجھے دے ڈالا تجھے اس کا مالک کر دیا اور قبضہ عورت کا ہو گیا تو یہ زیور بھی ملک زن ہو گیا اور اگر کہا کہ تجھے پہننے کو دیا تو شوہر کی ملک رہا اور اگر کچھ نہ کہا تو رواج دیکھا جائے گا'' (ج ۵ ص ۵۵۹)

اور رشتہ دار، اعزہ و اقارب مثلاً دوست و احباب پھوپھا پھوپھی وغیرہ دلہن کو اپنی خوشی سے جو سامان یا زیورات دیتے ہیں یہ تحفہ ہے اس کی مالک لڑکی ہے وہ ساس سسر کی ملکیت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جو شخص معاملہ نکاح و طلاق میں حکم شرع نہ مانے وہ اللہ عزوجل کا نافرمان و فاسق ہے سب مسلمان اس کا سماجی بائیکاٹ کریں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ''وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ'' (پ ۷، ع ۱۴) اور اگر شیطان تم کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھو۔ فریق ثانی کو چاہیے کہ باہمی مصالحت سے کام چلانے کی کوشش کرے جب صلح کی کوئی بھی راہ نہ نکل سکے اور وہ یقیناً حق پر ہو تو اپنے حق کے حصول کے لیے سچی سچی بات بیان کر کے کورٹ میں چارہ جوئی کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد فیصل علی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۱۳؍ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

کیا تلک و جہیز کا شرع میں کہیں ثبوت ہے؟ اسے سنت بتانا اور اس کا مطالبہ کرنا کیسا ہے؟ اس سے حاصل مال کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

آج پورا ہندوستان تلک وجہیز کی آگ میں جل رہا ہے، اس کی وجہ سے بے شمار عورتیں جل کر خاکستر ہو چکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری وساری ہے، معاشرہ کا سکون واطمینان درہم برہم ہو چکا ہے، اس تلک وجہیز کی وجہ سے لڑکی کے والدین رشوت لینے، غذائی اشیاء میں مضر صحت ملاوٹ کرنے، ذخیرہ اندوزی کرنے اور نہیں معلوم کن کن حربوں سے دولت جمع کرتے ہیں۔ کبھی سودی قرض لیتے ہیں تو کبھی اپنے واحد مکان کو بیچ کر کرایہ کے مکان میں رہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

دوسری جانب لڑکیاں والدین کی پریشانی اور کشمکش کی زندگی کو دیکھ کر موت کو زندگی پر ترجیح دے رہی ہیں، اس لعنت کی وجہ سے طلاق، خودکشی، خودسوزی، کسی کے ساتھ راہ فرار اختیار کرنے اور غلط طریقے سے اپنی جوانی کی پیاس بجھانے کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

ان حالات میں مسلمانوں کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس لعنت سے خود بچتے اور ہندوستانی سماج کو بھی اس سے بچانے کی انتھک سعی وکوشش کرتے۔ لیکن افسوس صد افسوس کی ہمارا معاشرہ بھی اس لعنت سے محفوظ نہیں ہے ان تمہیدی کلمات کے بعد دریافت طلب امور یہ ہیں کہ

(۱) کیا شریعت اسلامیہ میں تلک اور جہیز کا کوئی ثبوت موجود ہے؟

(۲) کچھ لوگ جہیز کو سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرار دیتے ہوئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ کو جہیز دیا تھا ان کا یہ موقف کس حد تک درست ہے؟ جب کہ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سامان جہیز مہر سے خریدا گیا تھا جس مہر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح سے قبل ادا کر دیا تھا۔

(۳) کیا تلک اور جہیز یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا مطالبہ کرنا جائز ہے؟

(۴) شریعت اسلامیہ تلک وجہیز سے حاصل شدہ مال ودولت اور ساز وسامان کے استعمال کے سلسلہ میں کیا حکم دیتی ہے؟ جب کہ مطالبہ کے بعد حاصل ہو؟ مفصل ومدلل جواب عنایت فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا المستفتی: محمد شمشاد ندوی، استاذ جامعہ الہدایہ، جے پور

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱۔تا ۴) شرع مطہر میں تلک اور جبری جہیز کے مطالبہ کا کوئی ثبوت نہیں۔ اسے سنت نبوی قرار دینا جہالت ہے، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو کچھ دیا تھا وہ مہر کی رقم سے خریدا گیا جسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح سے پہلے ہی ادا کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ تو ان چیزوں کا سوال کیا اور نہ ہی کوئی مطالبہ، برخلاف

بَابُ الْجِهَازِ

جہیز کا بیان

عورت کو جو سامان رشتہ داروں یا سسرال سے ملے وہ کس کی ملک ہیں؟ حصول حق کے لئے قانونی چارہ جوئی کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جب لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو رشتہ دار اعزہ واقارب مثلاً دولہا دلہن کے دوست واحباب پھوپھا پھوپھیاں بھابھیاں ماموں ممانیاں وغیرہ اور ساس سسر وغیرہ دلہن کو اپنی خوشی سے بغیر کچھ کہے ہوئے سامان زیورات وغیرہ دیتے ہیں حسب استطاعت دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق ہوجانے کی صورت میں دلہن کو جو سامان ملے ان پر کس کی ملکیت ہوگی لڑکے والوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ساس سسر کی ملکیت ہوگی یہ رواج ہے جب کہ لڑکی والوں کا دعویٰ ہے کہ ایسا نہیں بلکہ اپنی خوشی سے دیا ہوا سامان لڑکی کی ملکیت ہوگا کیونکہ کوئی بھی دلہن کو سامان واپس لینے کے لیے یا استعمال کرنے کے لیے نہیں دیتا ہے بلکہ بطور تحفہ دیتا ہے اور تحفہ تو ملکیت ہوجاتی ہے اگر واپس لینے کے لیے دیتا ہے یا استعمال کرنے کے لیے دیتا ہے تو اس کی وضاحت کردیتا ہے اس بارے میں شرع مطہر کا کیا حکم ہے؟

(۲) جو فریق معاملہ طلاق ونکاح حکم شرع نہ مانے تو سوسائٹی کے لوگ اس کے ساتھ کیا کریں کیا ان کا سوشل بائیکاٹ کرسکتے ہیں؟ بصورت دیگر فریق ثانی اپنے حقوق کے لیے قانونی چارہ جوئی کرسکتا ہے؟

المستفتی: محمد رئیس منگلور، سنجری ٹریڈرس عزیز الدین روڈ اسٹیل سینٹر بلڈنگ، بنڈر منگلور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) عورت کو جو سامان یا زیور میکے سے ملے وہ عورت کی ملک ہے اس میں کسی کا حق نہیں عورت کو اختیار ہے اس میں جو چاہے تصرف کرے ردالمحتار کتاب الطلاق مطلب فیما لو زفت الیہ بلا جہاز میں ہے "فان کل احد یعلم أن الجہاز ملک المرأۃ وانہ إذا طلّقھا تأخذہ کلہ واذا ماتت یورث عنھا ولا یختص بشی منہ"۔ (ج ۳ ص ۵۸۵)

دور حاضر کے کہ آج کل لڑکا یا اس کے گھر والے شادی کرنے کے لیے نقد روپیہ اور سامان جہیز مانگتے ہیں۔ یا گاڑی وغیرہ کا مطالبہ کرتے ہیں یہ ناجائز وحرام ہے اس لیے کہ یہ رشوت ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "لواخذ اهل المرأة شيأ عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة كذا في البحر الرائق" اھ یعنی عورت کے گھر والوں نے رخصی کے وقت کچھ لیا تھا تو شوہر کو اس کے واپس لینے کا شرعاً حق ہے۔ اس لیے کہ وہ رشوت ہے''۔ اھ (ج ۱ ص ۳۲۷، فصل في جهاز البنت) جب لڑکے سے لینا رشوت ہے تو لڑکی سے لینا بدرجہ اولی رشوت ہے۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ "أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ" اھ کے مطابق نکاح کے عوض مہر کی صورت میں شوہر پر مال دینا واجب ہوتا ہے مگر لڑکی یا اس کے گھر والوں پر نکاح کے عوض کوئی مال واجب نہیں ہوتا۔

لہٰذا نکاح پر لڑکی یا اس کے گھر والوں سے ساز و سامان کا سوال کرنا یا گاڑی یا رقوم وغیرہ کا مطالبہ کر کے وصول کرنا رشوت ہے، اور حدیث شریف میں ہے "لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الراشي والمرتشي" اھ یعنی رشوت دینے اور لینے والوں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

لہٰذا تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لعنت سے بچیں اور اپنی عاقبت خراب نہ کریں یعنی لڑکی والوں سے نکاح کے عوض نہ تو کسی چیز کا مطالبہ کیا جائے اور نہ ہی کوئی چیز مانگیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ صراحۃً یا اشارۃً'' مطالبہ کیا جائے اور اگر اپنی خوشی سے دیا جائے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ المعهود كالمشروط نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہ: شمس الدین احمد علیمی
۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

■❖■

بَابُ نِكَاحِ الْكَافِرِ وَالْمُرْتَدِّ

نکاح کافر و مرتد کا بیان

کافر و کافرہ سے نکاح کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک ہندو عورت سے نکاح کرنے کا اقرار کیا اور دونوں میاں بیوی کے جیسا رہے اور اولاد بھی ہوئی لیکن وہ ہندو کی عورت (زید کی بیوی) اپنے مذہب کے مطابق پوجا پاٹ کرتی ہی رہی اور اولاد جوان ہوگئی تو زید نے اپنی لڑکی کا نکاح کسی ہندو لڑکے کے ساتھ ہندو مذہب کے رسم ورواج کے مطابق کیا جب کہ زید نے اپنی لڑکی کی پرورش مسلم تہذیب وتمدن کے ساتھ کیا اور نام بھی مسلمانوں کا رکھا اور دینی تعلیم بھی سکھایا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) اپنی بیوی کو پوجا پاٹ سے منع نہ کرنے یا نہ روکنے کی بنا پر زید پر کیا وعیدیں عائد ہوں گی؟
(۲) زید کا اپنی لڑکی ہندہ کی شادی ہندو لڑکے کے ساتھ ان کے مذہب کے مطابق بذات خود کرنا کیسا ہے؟ (۳) زید اس ہندو عورت کو اپنی بیوی ہی کہتا ہے اور پوجا پاٹ سے نہیں روکتا تو کیا اب بھی دونوں میاں بیوی ہی کہلائیں گے؟ (۴) زید پر شریعت کا کیا حکم نافذ ہوگا؟ بینوا توجروا۔
المستفتی: نور احمد رضوی۔ بنکاپور ضلع ہاویری (کرناٹک)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب کسی بھی کافرہ مشرکہ عورت سے مومن کا نکاح ہرگز جائز ودرست نہیں۔ یہ نکاح محض باطل وکالعدم ہے اور اس سے وطی زنا اور اولاد اولادِ زنا ہے۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ یعنی مشرکہ عورت سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے۔" (پ ۲ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۱) اسی آیت کے تحت تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۱۰ میں ہے "ولا تنکحوا المشرکت یدل علی انہ لا یجوز نکاح الکافرۃ اصلاً۔" اھ اور تفسیرات احمدیہ ص ۹۷ میں ہے "ھذہ الآیۃ تدل علی عدم جواز نکاح المؤمنین مع المشرکات" اھ — لہٰذا زید نے اپنی لڑکی کا نکاح غیر مسلم کے ساتھ کر کے

رخصتی کردیا یہ سخت حرام و گناہ کبیرہ ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ مسلم لڑکی کا نکاح باطل و کالعدم ہے تو یہاں بھی وطی زنا اور اولاد اولادِ زنا ہوگی اور زید دیوث۔

زید پر فرض ہے کہ فوراً اس مشرکہ عورت کو جدا کردے اور اپنی لڑکی کو غیر مسلم سے جدا کرلے ساتھ ہی علانیہ توبہ بھی کرے اگر ایسا کرے تو ٹھیک۔ ورنہ سارے مسلمان اس کا سخت سماجی بائیکاٹ کریں۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ (پ ۷ سورہ انعام آیت نمبر ۶۸) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد ہارون رشید قادری، کمبولوی، گجراتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی — ۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

اگر وہابی دیوبندی عہد کریں کہ سنی ہوجائیں گے تو کیا ان سے سنیہ کا نکاح درست ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بابت کہ ناکح زید نے "سنی صحیح العقیدہ ہندہ" اور بدعقیدہ دیوبندی" خالد کا نکاح پڑھایا، واضح ہو کہ خالد کے اہل خاندان اور دیگر اقرباو احباب (جو حضرات تقریب نکاح میں بغرض شرکت آئے تھے) نے ہندہ کے گھر منعقدہ بزم میلاد شریف کے آداب و دستور کا قطعاً خیال نہیں کیا، بوقت میلاد شریف سروں پر ٹوپی وغیرہ نہ رکھی، صلاۃ و سلام بوقت قیام، قیام سے عمداً گریز کیا، وقت دعا قہقہے و ٹھٹھے لگا کر مجلس میلاد شریف کی اہانت کا اشارہ دیا، تقسیم شیرنی کے وقت مجلس سے برخاستگی اختیار کی۔

ناکح زید کی ضوء شرع میں گرفت کی گئی کہ آپ نے نکاح کیوں پڑھایا؟ تو انہوں نے گلوخلاصی کے لیے ایک عہد نامہ پڑھ کہ سنایا جو اس طرح تھا "ہم نے نکاح پڑھانے سے انکار کیا لیکن جب لڑکا والوں (دیوبندیوں) نے دو گواہوں کے سامنے عہد و پیان کیا کہ ہم آپ کا مذہب اختیار کریں گے ابھی وقت نہیں ہے، ابھی یہ کام (عقد خوانی) ہوجائے اس کے بعد آپ جہاں سے بیعت ہونے کو کہیں گے ہفتہ دنوں کے اندر وہیں سے ہوجائیں گے اور ہم (ناکح زید) نے کہا کہ اگر آپ لوگ سنی صحیح العقیدہ نہیں ہوں گے تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں، اسی معاہدے پر ہم نے بغیر کسی سے صلاح و مشورہ لیے اپنی رائے سے نکاح پڑھایا"۔ معلوم ہو کہ ناکح زید جامع مسجد کا امام بھی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی اقتدا میں نماز پڑھنا، اسے مجلس میلادِ شریف میں بلانا، اور دیگر امور دینی میں شریک کار رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی

میں جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: نسیم احمد نعیمی، خادم التدریس، مدرسہ خانقاہ لطیفیہ، رحمن پور، بارسوئی، کٹیہار (بہار)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب وہابیوں کا مذہب الگ ہے، اور ہم اہل حق اہلسنّت و جماعت کا مذہب الگ، دیو بندی، وہابی شان رسالت میں گستاخیاں کرنے، نیز دوسرے باطل عقائد رکھنے کی وجہ سے کافر و مرتد ہیں، ان سے اس کی کیا شکایت کہ آداب محفل میلاد شریف بجا نہیں لاتے، سروں پر ٹوپی نہیں رکھتے، سلام و قیام نہیں کرتے اور وقت دعا قہقہے لگاتے ہیں۔ جب وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں تو میلاد اور سلام وقیام کے قائل کیوں کر ہوسکتے ہیں۔ خالد اگر عقیدہ کے لحاظ سے دیو بندی ہے تو ہندہ کا نکاح اس کے ساتھ ہوا ہی نہیں اس لیے کہ دیو بندی کافر و مرتد ہیں اور مرتد کے ساتھ نکاح بالاتفاق باطل ہے۔

فتاویٰ عالمگیر میں ہے "لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ و کذلك لا یجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط۔" (ص ۲۸۲، ج ۱) نیز اسی میں ہے "ومنہا ماہو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ" اھ (باب احکام المرتدین، ج ۲، ص ۲۵۵) لہٰذا زید جس نے سنیہ کا نکاح دیو بندی کے ساتھ پڑھا سخت گنہگار اور فاسق معلن ہے، اس کو نماز کا امام بنانا ہرگز جائز نہیں اور پڑھی ہوئی نمازوں کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

غنیۃ شرح منیہ، ص ۵۱۳ میں ہے "لو قدموا فاسقاً یا ثمون بناء علی ان کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحریمۃ" اھ اور درمختار میں ہے "کل صلاۃ ادیت مع کراہۃ التحریم تجب اعادتہا" اھ (ص ۳۰۷، ج ۱) لہٰذا زید پر لازم ہے کہ توبہ و استغفار کرے اور مجمع عام میں نکاح مذکور کے باطل ہونے کا اعلان کرے اور نکاحانہ بھی واپس کرے، اگر وہ ایسا کر لیتا ہے تو اسے امام بنانے میں حرج نہیں، یونہی دیگر امور دینیہ میں شریک کرنا بھی جائز ہے۔

اور زید کا یہ کہنا کہ ان لوگوں (دیو بندیوں) نے مذہب اہل سنت و جماعت اختیار کرنے کا وعدہ کیا ہے" بالکل غیر معتبر ہے کہ یہ محض وعدہ ہے اور فقط وعدہ کرنے سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مذہب باطل سے برأت کا اظہار کر کے کلمہ نہ پڑھ لے۔ اگر واقعی وہ دیو بندیت سے توبہ کرنا چاہتا تھا تو قبل از نکاح توبہ کرایا جاتا پھر جب خوب اطمینان ہو جاتا کہ واقعی وہ سنی مسلمان ہو گیا تب اس کے ساتھ سنیہ لڑکی کا نکاح جائز ہوتا کہ اب وہ خود سنی ہو گیا تو سنی کا نکاح سنی کے ساتھ ہوا۔

اسی طرح خالد اور اس کے اہل خاندان کا مرید ہونے کی بات کرنا بھی غیر معتبر ہے اس لیے کہ

دیوبندی وہ مکار قوم ہے جو سنی کے یہاں رشتہ کرنے کے لیے طرح طرح کے فریب سے کام لیتی ہے جیسا کہ سوال میں ہے'' کہ ان لوگوں نے محفل میلاد شریف کی بے حرمتی کی پھر فوراً اسی مذہب کو اختیار کرنا کیسا؟

اور جن لوگوں نے ہندہ کی شادی یہ جانتے ہوئے کہ خالد دیوبندی ہے اس سے کرائی ان پر لازم ہے کہ فوراً ہندہ کو اس سے الگ کریں اور علانیہ توبہ واستغفار کریں۔ یونہی جن لوگوں نے اس شادی میں شرکت کی یہ جانتے ہوئے کہ خالد دیوبندی ہے ان پر بھی توبہ واستغفار ضروری ہے اگر وہ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ "واما ینسینك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظّٰلمین" (س انعام ۶، آیۃ ۶۸) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: شمس الدین احمد علیمی

یکم رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

اگر وہابی دیوبندی توبہ واستغفار کرلیں تو کیا ان سے نکاح درست ہے؟ اگر نہیں تو کیا جواز کی کوئی صورت ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کا نکاح ہندہ سے ہوا لیکن بعدہ فوراً معلوم پڑ گیا کہ ہندہ بد مذہب خاندان سے ہے جس کی وجہ سے زید نے کہا کہ اگر ہندہ توبہ واستغفار کرلے اور اپنے والدین وخاندان سے رشتہ منقطع کرلے تب بھی کسی سنی صحیح العقیدہ عالم سے نکاح پڑھوا کر رکھوں گا ورنہ نہیں اس بات پر ہندہ راضی ہوگئی اور اس کے والدین بھی راضی ہوگئے مگر اس کے باوجود کچھ لوگوں نے کہا کہ جب تک ہفتہ عشرہ نہ گزر جائے تب تک ہم لوگ زید کے یہاں کھانا پانی نہیں کرسکتے اب حال یہ ہے کہ ڈھلمؤ شریف کے پیر صاحب نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد نکاح پڑھا دیا مگر اس کے باوجود اب بھی کچھ شرپسند کمیٹی بنا کر زید اور اس کے خاندان والوں کا بائیکاٹ کر رہے ہیں حتی کہ مسجد میں جانے سے روک بھی رہے ہیں اور اس کار بد میں کچھ عالم بھی ہیں لہٰذا آپ فیصلہ فرمائیں شریعت اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے اور کس پر کون سا حکم نافذ ہوتا ہے؟ بینوا توا جروا

المستفتی: محمد فاروق مقام برہ پور، ہریا، بستی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب وہابی دیوبندی کا نکاح سنیہ لڑکی سے یا سنی کا نکاح وہابی دیوبندی لڑکی سے ہرگز جائز نہیں اگرچہ توبہ واستغفار کرانے اور کلمہ پڑھانے کے بعد نکاح ہوا ہو کہ وہابی دیوبندی تو توبہ واستغفار کرتے ہی رہتے

ہیں اور کلمہ پڑھتے رہتے ہیں۔ البتہ اگر یہ اپنے مذہب کی کفریات سے صاف لفظوں میں بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے ان کے قائلین نیز اس کا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر ومرتد تسلیم کرلیں پھر صدق دل سے اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرلیں ساتھ ہی وہ اس پر قائم رہیں یہاں تک کہ پورا یقین ہوجائے کہ وہ واقعی سنی ہوگئے ہیں تو اب ان سے سنی کا نکاح جائز ہے کہ اب وہ خود سنی ہیں تو سنی کا نکاح سنی سے ہوا فتاوی عالمگیری میں ہے۔

"الفاسق اذا تاب فلا تقبل شهادته مالم يمض عليه زمان يظهر عليه اثر التوبة" اھ

(ص ۴۶۸، ج ۳)

لہٰذا ہندہ کے محض توبہ واستغفار کر لینے کے بعد زید کا نکاح اس کے ساتھ کردینے سے نکاح ہوا ہی نہیں اس لیے جو لوگ اس نکاح کی وجہ سے زید کا بائیکاٹ کرر ہے ہیں وہ حق پر ہیں شرعاً یہی ہونا چاہیے۔ البتہ محض اس وجہ سے زید کو مسجد سے روکنا ناجائز وگناہ ہے روکنے والا توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۱ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۷

لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح ہوگا یا نہیں؟

غیر مقلد سے نکاح کیسا ہے؟ نکاح پڑھانے والے کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) زید سنی صحیح العقیدہ عالم دین ہے اس نے ہندہ سنیہ کا نکاح بکر سنی کے ساتھ بغیر ہندہ کی اجازت کے پڑھایا تو یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

(۲) ناہیدہ سنیہ کا نکاح بکر غیر مقلد کے ساتھ کرنا کیسا ہے کیا اس صورت میں نکاح منعقد ہوگا؟

(۳) زید جس نے غیر مقلد بکر کا نکاح ناہیدہ سے پڑھایا تو اس پر کیا حکم ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: برکت علی خان، مقام موہنا پور، پوسٹ دھسوا کلاں، مہراج گنج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) اگر ہندہ بالغہ ہے ساتھ ہی بکر وہندہ دونوں ایک دوسرے کے کفو ہیں اور زید نے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ بغیر ہندہ کی اجازت کے کردیا تو یہ نکاح نکاح فضولی ہوا جو ہندہ کی اجازت پر موقوف ہے اگر وہ نکاح کی خبر سن کر اسے جائز کردے تو نکاح نافذ ہوجائے گا اور رد کردے تو رد ہوجائے گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: "لا یجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر

اذنها بكرا كانت او ثيبا فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل كذا في السراج الوهاج" اھ (كتاب النكاح ص ۲۸۷ ج ۱)

اور اگر اس نے نکاح جائز کر دیا ہو تو نکاح نافذ ہو چکا ہے اور رد کر دیا ہو تو ختم ہو چکا ہے زید عالم دین کو بلا اجازت نکاح نہ پڑھانا چاہیے تھا کہ یہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہے آئندہ اس سے احتیاط کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) آج کل کے غیر مقلد وہابی بھی ہیں جو بہت سے عقائد کفریہ رکھتے ہیں جن کی تفصیل اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے رسالہ مبارکہ "الکوکبۃ الشہابیۃ" میں ہے اس وجہ سے یہ وہابی غیر مقلد اسلام سے خارج و مرتد ہیں اور ان کے ساتھ دنیا میں کسی کا نکاح حلال و درست نہیں ہے یعنی نکاح باطل و کالعدم ہوتا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: لا يجوز للمرتد ان يتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا كافرة اصلية وكذلك لا يجوز نكاح المرتدة مع احد كذا في المبسوط" اھ (كتاب النكاح ص ۲۸۲ ج ۱)

لہٰذا بکر غیر مقلد کے ساتھ ناہیدہ سنیہ کا نکاح باطل و کالعدم ہے ایسے فرضی نکاح میں وطی زنائے خالص ہے اس لیے جس شخص نے بکر کو غیر مقلد جانتے ہوئے اس کے ساتھ اس کا نکاح پڑھایا وہ زنا کا دلال ہے اس پر لازم ہے کہ فوراً اس سے توبہ و رجوع کرے ساتھ ہی لوگوں کو اور ناہیدہ و بکر کو بتا دے کہ نکاح باطل ہے فوراً دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اگر زید نے بکر غیر مقلد کو وہابی جانتے ہوئے اس کے ساتھ ناہیدہ کا نکاح کیا ہے تو وہ سخت گنہگار، مستحق عذاب نار ہے اس پر لازم ہے کہ مجمع عام میں لوگوں کے سامنے علانیہ توبہ و استغفار کرے اور اپنی غلطی پر نادم ہو اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی حتی المقدور کوشش بھی کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، اس صورت میں اسے امامت سے الگ کر دیں۔

اور اگر لاعلمی میں نکاح پڑھا دیا ہے تو اس پر الزام نہیں کہ جسے علم نہیں وہ معذور ہے اس صورت میں اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو لیکن زید آئندہ بلا تحقیق کوئی نکاح نہ پڑھانے کا لوگوں کے سامنے پختہ عہد کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد صابر عالم قادری
۲۷ رشوال ۱۴۲۷ھ

کیا توبہ و استغفار اور کلمہ پڑھا کر دیوبندی کا نکاح پڑھانا جائز ہے؟

مسئلہ زید کہتا ہے کہ دیوبندی کے نکاح پڑھنے کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ دلہن و دولہا کو توبہ و

استغفار اور کلمہ پڑھا کر کے نکاح پڑھا دیا جائے تو نکاح ہو جائے گا اور نکاح پڑھانے والے سنی عالم پر شرعاً کوئی جرم عائد نہ ہوگا حضور والا سے گذارش ہے کہ جب دلہن سے اجازت لینے جائے تو توبہ و استغفار و کلمہ پڑھا کر کے پھر مجلس نکاح میں آنے کے بعد دولہا سے توبہ و استغفار و کلمہ پڑھا کر کے نکاح پڑھا دیا جائے تو کیا کوئی سنی عالم یا کوئی سنی پڑھا لکھا آدمی سنی لڑکی کا نکاح دیوبندی لڑکے کے ساتھ پڑھا سکتا ہے یا دیوبندی کا دیوبندی سے یا سنی لڑکے کا دیوبندی لڑکی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: مولانا امیر الحق، پکڑی آراضی، بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب وہابی، دیوبندی وغیرہ اپنے عقائد باطلہ کی بنیاد پر کافر و مرتد ہیں اور مرتد یا مرتدہ کے ساتھ کسی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ أصلیۃ و کذلك لا یجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط" اھ یعنی مرتد کا نکاح کسی مرتدہ، یا مسلمہ، یا کافرہ اصلیہ کسی کے ساتھ جائز نہیں اسی طرح مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے۔ (ج ۱، ص ۲۸۲)

لہٰذا دیوبندی کا نکاح سنیہ لڑکی سے یونہی سنی کا نکاح دیوبندی لڑکی سے ہرگز جائز نہیں اگرچہ کلمہ پڑھانے کے بعد پڑھایا جائے اس لیے کہ دیوبندی مرتد یا مرتدہ تو کلمہ پڑھتے ہی رہتے ہیں۔ البتہ اگر دیوبندی مذہب کے کفریات سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے انہیں کفر اور ان کے قائلین کو کافر تسلیم کریں پھر سابقہ معاصی سے توبہ کرلیں پھر وہ اس پر قائم رہیں اور پورا یقین ہو جائے کہ واقعی وہ سنی صحیح العقیدہ ہو گئے تو ان کے ساتھ سنی لڑکے یا لڑکی کا نکاح جائز ہے کہ اب وہ خود سنی ہیں تو سنی کا نکاح سنی کے ساتھ ہوا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "الفاسق اذا تاب لا تقبل شهادته مالم يمض عليه زمان يظهر عليه اثر التوبة۔" (ص ۴۶۸، ج ۳)

لہٰذا اگر دیوبندی جانتے ہوئے صرف کلمہ پڑھا کر یا معروف کلمات سے توبہ و استغفار کرا کر دیوبندی کا نکاح سنیہ لڑکی سے یا سنی کا نکاح دیوبندی لڑکی سے پڑھائیں گے اور وہ دیوبندی مذہب کے کفریات سے صاف لفظوں میں بیزاری کا اظہار نہ کرتے ہوں تو سخت گنہگار ہوں گے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے مذہب باطل پر قائم رہتے ہوئے روزانہ توبہ و استغفار کرتے اور کلمہ پڑھتے رہتے ہیں۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ خود علانیہ توبہ و استغفار کرے اور نکاح مذکور کے باطل ہونے کا اعلان کرے اور نکاحانہ بھی واپس کرے ورنہ اس پر فاسقوں جیسا عذاب ہوگا۔ قال الله تعالیٰ: "وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔" (س ہود، ۱۲،

آیت ۱۱۳) اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ اس کا سماجی بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ" (انعام ۶ آیت ۶۸)

اور زید کا یہ کہنا کہ "دلہن ودولہا کو کلمہ پڑھا کر اور توبہ واستغفار کرا کے نکاح پڑھا دیا جائے تو ہو جائے گا۔" یہ بے علم فتویٰ دینا ہے جب کہ فتویٰ دینا مفتی کا کام ہے جاہل کا نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: "من افتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض" یعنی جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۹۳)

لہٰذا زید غلط مسئلہ بتانے کے سبب گنہگار ہوا اس پر لازم ہے کہ علانیہ توبہ واستغفار کرے اور آئندہ بے علم مسئلہ بتانے کی ہرگز جرأت نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شمس الدین احمد علیمی

۲ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

مسلم نے کافرہ سے ہندو رسم کے مطابق نکاح کیا پھر وہ مسلمان ہوگئی تو دوبارہ نکاح ضروری ہے یا نہیں؟

مسئلہ زید نے ایک کافرہ سے ناجائز تعلقات رکھے اور زنا سے اس کی اولاد بھی ہوئی اور وہ بتاتا ہے کہ میں نے اس سے (ہندو رسم کے مطابق) نکاح کر لیا ہے ایجاب وقبول ہو چکا ہے اب اس کافرہ بیوی نے اسلام قبول کر لیا ہے تو اب اس کا نکاح پڑھانا از روئے شرع کیسا ہے جب کہ بکر کا کہنا ہے کہ دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت نہیں کہ ایجاب وقبول تو پہلے ہی ہو چکا ہے اور نکاح تو ایجاب وقبول کا نام ہے مگر عمرو کہتا ہے کہ دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت ہے کہ نکاح کے لئے دو مسلمان گواہ ضروری ہیں جو کہ کفر کے نکاح میں نہیں تھے نیز عورت کافرہ تھی تو سابقہ نکاح ہوا ہی کیسے وغیرہ۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب انھیں دوبارہ نکاح پڑھانا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: نعیم الدین برکاتی برکاتیہ بک اسٹال کول پیٹھ ہبلی کرناٹک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب صورت مذکورہ میں کافرہ لڑکی کا نکاح زید سے ہوا ہی نہیں کیوں کہ لڑکی کافرہ تھی اور مسلمان کا نکاح کافرہ سے ہرگز جائز نہیں ہے، لہٰذا یہ نکاح باطل اور کالعدم ہے شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ" (پ ۲، ع ۱۱)

لہٰذا اب جب کہ لڑکی مسلمان ہو چکی ہے تو زید دو عاقل بالغ یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کے ساتھ نکاح کر لے، ہدایہ میں ہے: " النكاح ينعقد بالايجاب و القبول" (ج ۲، ص ۲۸۵ كتاب النكاح) اور اسی میں دوسری جگہ ہے: "لا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين او رجل و امرتين" (ج ۲، ص ۲۸۶ کتاب النکاح)

اور بکر کا یہ کہنا کہ "دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں جب کہ ایجاب وقبول پہلے ہی ہو چکا ہے اور نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے" محض غلط ہے کہ نکاح کے لئے محض ایجاب وقبول اس وقت کافی ہیں جب کہ لڑکا لڑکی دونوں مسلمان ہوں اور یہاں لڑکی ہندو ہے۔ بکر غلط مسئلہ بتانے کی وجہ سے گنہگار مستحق عذاب نار ہوا کہ بغیر علم مسئلہ بتانا حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے "من افتى بغير علم لعنته ملئكة السموات و الارض" بکر توبہ واستغفار کرے اور بے علم مسئلہ بتانے سے باز رہے۔ یہاں پر ایک امر یہ تحقیق طلب ہے کہ زید نے ہندو لڑکی کے ساتھ ہندو رسم کے مطابق نکاح اگر اس رسم کو اچھا سمجھ کر کیا ہے تو وہ خود اسلام سے خارج ہو گیا فقہا فرماتے ہیں: "يكفر بتحسين امر الكفار اتفاقاً كذا في البحر و الهندية وغيرهما" اس تقدیر پر زید پر فرض ہے کہ ہندو رسم نکاح وغیرہ سے بے زاری ظاہر کرے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو پھر لڑکی کے ساتھ نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد احمد قادری مصباحی
۱۱ر ربیع الاخرہ ۱۴۲۸ھ

■❖■

کِتَابُ الطَّلَاقِ

طلاق کا بیان

نشہ میں تین بار کہا میں طلاق دیتا ہوں تو طلاق پڑی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ہذا میں
زید شراب پی کر گھر آیا اور گھر آ کر اپنی بیوی ھندہ سے لڑنے جھگڑنے لگا یہاں تک کہ خود زید نے اپنے کپڑے میں آگ لگالی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد زید پھر شراب لے کر آیا اور گھر میں پیا اور پینے کے بعد میاں بیوی دونوں جھگڑنے لگے اور نشے کی حالت میں زید نے کہا "میں طلاق دیتا ہوں پہلے ایک مرتبہ کہا پھر تھوڑی دیر کے بعد دو طلاق زید نے پھر کہا اور زید کی بیوی سامنے موجود تھی اس نے سنا اور زید نے کہا کہ مجھ کو کچھ معلوم نہیں میں ہوش میں نہیں تھا اور بیوی کہتی ہے کہ آپ نے پہلے ایک طلاق کہا پھر دو مرتبہ طلاق کے الفاظ بولے اب ایسی صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی کہ نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلہ ہذا سے آگاہ کریں عین نوازش ہوگی۔

فقط دعاؤں کا طالب

المستفتی: محمد جہانگیر بستی دارا پور، دلی نمبر ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب زید کا قول "میں طلاق دیتا ہوں" اضافت سے خالی ہے یعنی لفظ طلاق کی نسبت اس کی بیوی ھندہ کی طرف نہیں ہے اب اگر اس کی نیت میں بھی بیوی کی طرف طلاق کی اضافت نہ ہو تو حکم ہوگا کہ اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوئی فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "سکران هربت منه امرأته فتبعها ولم يظفر بها فقال بالفارسية "بسه طلاق" ان قال عنيت امرأتي يقع وان لم يقل شيئا لا يقع كذا في الخلاصة" اھ (ج ۱ ص ۳۸۲) اور اگر واقعہ یہ ہے کہ زید نے طلاق کی اضافت اپنی بیوی کی طرف کی ہے مثلاً یہ کہا ہے کہ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، مگر سوال مرتب کرنے والے نے اسے چھوڑ دیا اور ایسا بہت ہوتا ہے تو اس کی تحقیق کر لی جائے اگر واقعہ یہی ہو تو حکم ہوگا کہ صورت مسئولہ میں اس کی بیوی ھندہ پر تینوں طلاقیں

واقع ہوگئیں قرآن وحدیث کی روشنی میں میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے اجنبی واجنبیہ ہوگئے اور ہندہ زید پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی کہ اب بے حلالہ اس کے لیے کبھی حلال نہیں ہوسکتی کما قال اللہ الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف او تسریح باحسان فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ"(سورہ بقرہ آیت ۲۲۹) حلالہ کی صورت یہ ہے کہ ہندہ عدت گزارنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ شخص اس سے ہمبستری کرے پھر اگر وہ طلاق دے دے تو دوبارہ عدت گزرنے کے بعد زید ہندہ سے نکاح کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی　　　کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی　　　۱۱ر ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

حالت جنوں میں طلاق دی تو پڑے گی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید بہت دنوں سے فالج کا مریض ہے اس کی دماغی حالت بھی کمزور ہے اپنی بیوی کو فرمانبرداری کو نبھانے کے لیے تنبیہ کے طور پر طلاق دینے کی دھمکی دیتا رہتا تھا زید نے اپنی بیوی سے کسی کام کو کرنے کیلئے کہا تھا بیوی نے انکار کردیا زید نے بیوی سے کہا تونے میرا کہنا نہ مانا ہے اس لیے دوماہ تک بات نہیں کروں گا زید نے فالج کے ہاتھ سے کچھ مار دیا جیسے ہی زید ہٹا ویسے ہی بچے آگئے یہ ہماری ماں ہے انہیں ہمارے سامنے نہیں مار سکتے یہ شریعت کا قانون ہے زید نے کہا یہ تمہارا جھوٹا قانون ہے یہ میری بیوی ہے اسے میں پیار کروں یا ماروں لڑکوں نے کہا تم نہیں مار سکتے زیادہ تکرار ہوئی زید کا دماغی توازن خراب ہوگیا زید نے اپنی بیوی کو جنونی حالت میں ایک سانس میں طلاق دے دی۔ کیا یہ طلاق واقع ہوگئی؟ بینوا توا جرو۔　　المستفتی: عبدالحفیظ برکاتی کلاتھ مرچنٹ، بہادر ٹاؤن ضلع ایٹہ (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر اس نے ایک سانس میں تین یا تین سے زائد طلاقیں دیں تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اس تقدیر پر وہ بغیر حلالہ زید کے لیے حلال نہیں ہوسکتی خدائے تعالیٰ کا فرمان ہے:" فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ"(پ ۲ سورہ بقرہ نمبر ۲ آیت ۲۳)

مگر جب عادل گواہوں سے ثابت ہو کہ اس وقت وہ حالت جنون میں ہوگیا تھا تو وقوع طلاق کا حکم نہ دیں گے۔ مجدد اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔

"مگر جب کہ گواہان عادل سے ثابت ہو کہ واقعی وہ حالت جنون میں تھا یا یہ کہ معلوم ومشہور ہو کہ اسے

جب غصہ آتا ہے عقل سے باہر ہوجاتا ہے اور حرکات مجنونہ اس سے صادر ہوتی ہیں۔ اس حالت میں اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے گا کہ اس وقت میرا یہی حال تھا، اور میں عقل سے بالکل خالی تھا تو قبول کرلیں گے اور اگر جھوٹا حلف کرے گا وبال اس پر ہے"۔ اھ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۶۳۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری جونفوری
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

کیا محلل کا بالغ یا مراہق ہونا ضروری ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ
کیا محلل کے لیے بالغ یا مراھق ہونا ضروری ہے؟ **بینوا توجروا**

المستفتی: غلام سبحانی، زکریا منزل، اوجھا گنج، بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ہاں محلل کے لیے بالغ یا مراھق ہونا ضروری ہے کیوں کہ حلالہ کے لیے وطی شرط ہے اور نابالغ غیر مراھق وطی پر قادر نہیں ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے: "**حتی یطأھا غیرہ ولو الغیر مراھقا یجامع مثلہ**" اھ اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے: "**ان اشتراط الدخول ثابت بالاجماع فلا یکفی مجرد العقد (قولہ یجامع مثلہ) تفسیر للمراھق ذکرہٗ فی الجامع. وقیل ھو الذی تتحرک آلتہ ویشتھی النساء کذا فی الفتح** اھ ملخصا (باب الرجعۃ، ص ۴۱۰ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہٗ: محمد حسین رضوی جام نگری
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۲۸ھ

خط میں تین بار لکھا "میں نے یعنی زید نے اپنی بیوی زیبا کو طلاق بائن دیا" تو کون سی طلاق پڑی

مسئلہ کیا حکم ہے شریعت کا مندرجہ ذیل معاملے میں۔ جواب ارسال فرمائیں۔
نوٹس کی شکل میں لڑکی کو ایک دستاویز بھیجی گئی بذریعہ پوسٹ جس میں ذیل کی جگہ تین بار لڑکے کی طرف سے لکھا گیا۔ (۱) میں نے یعنی زید نے اپنی بیوی زیبا کو طلاق بائن دیا۔
(۲) میں نے یعنی زید نے اپنی بیوی زیبا کو طلاق بائن دیا۔

(۳) میں نے یعنی زید نے اپنی بیوی زیبا کو طلاق بائن دیا۔

سوال۔ کیا یہ طلاق بائن ہوگی یا مغلظہ؟

المستفتی: شیخ سراج الدین صاحب S.T.D باغبانپورہ نمبر 3073 ناسک سٹی M-H

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زید کی بیوی زیبا پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اب بغیر حلالہ وہ زید کے لیے حلال نہ ہوگی۔ حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عدت گزرنے کے بعد زیبا دوسرے شخص سے نکاح صحیح کرے وہ شخص اس کے ساتھ وطی کرے پھر اگر وہ مرجائے یا طلاق دیدے تو دوبارہ عدت گزرنے کے بعد زید زیبا کی رضا سے، نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ اگر دوسرے شخص نے بغیر ہمبستری کیے اسے طلاق دے دی تو شوہر اول زید اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ بلفظ دیگر صحت حلالہ کے لئے دوسرے شوہر کا وطی کرنا ضروری ہے۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" اھ (پ ۲ سورۂ بقرہ نمبر ۲۳)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ان کان الطلاق ثلاثا لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا ویدخل بھا ثم یطلقھا او یموت عنھا کذا فی الهدایة." اھ ملخصاً (ج ۱ ص ۴۷۳) درمختار میں ہے:"لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعله اخبارا عن الاول کأنت بائن بائن، او ابنتك بتطليقة فلا يقع لانه اخبار فلا ضرورة فی جعله انشاء بخلاف ابنتك بأخرى أو أنت طالق بائن، او قال نویت البینونة الکبری لتعذر حمله علی الاخبار فیجعل انشاء." (ج ۳ ص ۸۰ ۳ باب الکنایات)

اور حضور صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:" اگر یہ لفظ تین بار کہے تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں بغیر حلالہ اس کے نکاح میں وہ عورت نہیں آسکتی"۔ اھ (فتاویٰ امجدیہ ج ۲ ص ۲۰۶) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد معراج احمد مصباحی قادری
۱۰ ربیع النور ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

طلاق کی صورت میں شوہر عورت کو کیا دے گا؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید اگر اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے یا اس کی بیوی خود زید سے طلاق حاصل کرے، بہر صورت زید پر کیا دینا لازم ہوگا؟ بینوا توجروا

المستفتی: الحاج نور الزماں گنیش پور، ضلع بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب شوہر خود سے طلاق دے یا عورت کے مطالبہ پر دے دونوں صورتوں میں عورت کی عدت کا نفقہ شوہر پر لازم ہے، نیز عورت کو عدت کے لیے شوہر کے اسی گھر میں رہنا ضروری ہے جس میں وہ طلاق سے پہلے رہا کرتی تھی ورنہ نفقہ کی مستحق نہ ہوگی، اور یہ نفقہ زن وشوہر کی حیثیت کے اعتبار سے متعین ہوگا۔ جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے۔ "المعتدۃ عن الطلاق تستحق النفقۃ والسکنی کان الطلاق رجعیا او بائنا او ثلاثا، حاملا کانت المرأۃ اولم تکن کذا فی فتاوی قاضیخان" اھ (ج ۱ ص ۵۵۷)

اور درمختار ورد المحتار میں ہے "لا نفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق" (ج ۲ ص ۷۰۲ باب النفقۃ)

اور اگر مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کی ادئیگی اور جہیز کا سامان واپس کرنا بھی زید پر لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۲۶ / جمادی الآخرہ ۱۴۲۶ھ

غیر مدخولہ کو الگ الگ تین طلاق دی تو کتنی واقع ہوگی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

شرافت اور نغمہ کی شادی ۱۴ / ۴ / ۱۹۹۸ء کو ہوئی تھی، مگر خلوت صحیحہ سے پہلے شرافت نے نغمہ اختر کو تحریری طلاق دے دی جس کا تحریری ثبوت فتویٰ کے ساتھ منسلک ہے کیا اس طرح سے شریعت کے نزدیک طلاق واقع ہوگئی۔ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں تفصیلی جواب عنایت کر کے شکریہ کا موقع عنایت کریں۔

المستفتی: عبدالرحمن بن غلام محمد سندھی محلہ نگران مسجد کی گلی بیکانیر، راجستھان 334005

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب سوال سے منسلک طلاق نامہ میں شرافت نے نغمہ اختر کو الگ، الگ تین طلاق دی ہے، اس لیے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور باقی اور طلاق لغو بے کار ہے، اور عورت پر عدت بھی نہیں، درمختار میں ہے "وان فرق بوصف او خبرا وجمل بعطف او غیرہ بانت بالاولی لا الی عدۃ ولذا لم تقع الثانیۃ بخلاف الموطؤۃ حیث یقع الکل" اھ (ج ۳ ص ۲۸۶ باب طلاق غیر المدخول بہا)

اب نغمہ اختر کو اختیار ہے، جہاں چاہے نکاح کرے، اور اگر شرافت سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو دوبارہ نکاح جدید بمہر جدید ہوسکتا ہے، بہرحال حلالہ کی حاجت نہیں درمختار میں ہے "وینکح مبانتہ بما دون

الثلاث فی العدۃ وبعدھا بالاجماع" اھ (ج ۳ ص ۴۰۹) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی امجدی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی ۴ر رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

بلا نیت طلاق غصہ میں بیوی کو ڈرانے کے لئے پرچہ پر طلاق لکھی مگر معلوم نہیں کتنی مرتبہ لکھی تو طلاق پڑی یا نہیں پڑی تو کتنی؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام علمائے نظام مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو ایک کاغذ پر طلاق لکھا مگر یہ معلوم نہیں کہ کتنی بار لکھا اور نیت طلاق کی نہ تھی بلکہ ڈرانے کے طور پر لکھ رہا تھا اتنے میں زید کے باپ نے پرچہ چھین کر آگ میں جلا دیا اور زید کی بیوی کو خبر بھی نہیں ہوئی آیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگئی؟ اور بیوی بدستور آتی جاتی ہے۔

المستفتی: عبدالعزیز بن محمد یونس ڈونگری پھلیا، گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب زید نے جب طلاق دی تو اس کی بیوی پر طلاق پڑ گئی، بہار شریعت میں ہے کسی پرچہ پر طلاق لکھی اور کہتا ہے کہ میں نے مشق کے طور پر لکھی ہے تو قضاءً اس کا قول معتبر نہیں اھ (ح ۸ ص ۹) غصے کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، بلکہ عموماً لوگ غصہ ہی میں طلاق دیتے ہیں، شامی میں غایۃ البیان سے ہے: "یقع طلاق من غضب" اھ (ج ۳ ص ۲۴۴)

صورت مسئولہ میں اگر معلوم نہیں ہے کہ اس کاغذ پر کتنی طلاق لکھی تھی تو زید سے پوچھا جائے کہ کتنی لکھی تھی اگر ایک لکھی تو ایک دو لکھی تو دو تین لکھی تو تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور اگر زید کو معلوم ہی نہیں ہے بلکہ اس کو بھی شک ہے تو دل میں اچھی طرح سوچے جس مقدار پر گمان غالب ہو اتنی ہی طلاق مانے اور اگر کسی جانب گمان غالب بھی نہ ہو سکے اور شک برقرار رہے تو جس کے وقوع پر اسے یقین ہے اتنی مانے۔

درمختار: باب الصریح" میں ہے "ولو شک اطلق واحدۃ او اکثر بنی علی الاقل، ردالمحتار میں ہے وقولہ بنی علی الاقل، ای کما ذکرہ الاسبیجابی الا ان یستیقن بالا کثر او یکون اکبر ظنہ وعن الامام الثانی اذا کان لا یدری ثلاث ام اقل یتحری وان استویا عمل باشد ذلک علیہ، اشباہ عن البزازیۃ قال الطحطاوی وعلی قول الثانی اقتصر قاضیخان ولعلہ لانہ یعمل بالاحتیاط خصوصا فی باب الفروج اھ" قلت ویمکن حمل الاول علی القضا والثانی

علی الدیانة ویؤیدہ مسألة المتون فی باب التعلیق لو قال ان ولدت ذکرا فانت طالق واحدة وان ولدت انثی فانت طالق ثنتین فولدتهما ولم یدر الاول تطلق واحدة قضاء و ثنتین تنزها أی دیانة"اھ (ج ۳ص ۲۸۳)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے "عن محمد اذا شك فی انه طلق واحدة او ثلاثا فهی واحدة حتی یستیقن او یکون اکبر ظنه علی خلافه فان قال الزوج عزمت علی انها ثلاث اوهی عندی علی انها ثلاث اضع الامر علی اشده"اھ (ج ۱ص ۳۶۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۲؍ذی القعدہ ۱۴۲۵ھ

تین طلاقیں تین ماہ میں دیں تو؟ معتدہ میکے چلی جائے تو نفقہ پائے گی یا نہیں؟ طلاق کے بعد بچے کس کے پاس رہیں گے؟ کیا مطلقہ شوہر سے شادی کا خرچ لے سکتی ہے؟ جہیز کس کی ملک ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

میں شرافت علی خان والد مرحوم دانش علی خان ساکن بیاورہ راج گڑھ، ایم، پی، حال نیمچ ایم، پی، کا ہو کر میں نے اپنی اہلیہ شہناز پروین بنت مرحوم احمد ذاکر صاحب رتلام کو انتہائی مجبوری کی حالت میں تین طلاق ایک ایک ماہ کے فرق سے رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجے جو انہیں ان کے میکے میں رتلام رہتے ہوئے مل گئے، جب شہناز پروین اپنے والدین، بھائی، اور رشتہ داراروں کے ساتھ سامان جہیز لینے میرے گھر بیاورہ آئے تب میرے رشتہ داروں اور قصبہ کے معزز مسلم صاحبان نے مجھ پر اکٹھے ہو کر دباؤ بنایا اور کہا کہ گھر مت بگاڑو اور قاضی صاحب کو بلا کر قاضی صاحب کے ہاتھ سے تحریر کیے ہوئے ایک بیان پر میرے دستخط شدید دباؤ میں کروائے جس میں خصوصاً یہ لکھوایا گیا تھا کہ میں نے غصہ کی حالت میں دماغی توازن خراب ہو جانے سے طلاق دیا، میرے اس بیان پر قاضی صاحب دارالافتا بھوپال سے پھر تجدید نکاح کروا دینے کا فتویٰ لے آئے اور یہ نکاح کروا دیا گیا۔

میں نے طلاق تین ماہ لگاتار بھیجے تھے اور میری دماغی صحت بھی بہتر تھی، لیکن مجھ پر دباؤ ڈال کر دستخط کروائے گئے تھے، یہاں تک کہ قاضی صاحب نے خود یہ کہا تھا کہ کچھ غلط ہوگا تو میں گنہگار ہوں گا لیکن غلط بیان پر دستخط کرنے کا گناہ میں محسوس کرتا رہا اور دوبارہ نکاح ہو جانے کے بعد بھی حالت سدھرنے کے بجائے

بد سے بدتر ہوتے گئے، میں اور شہناز پروین ساتھ رہتے رہے ۲۰۰۲ء میں میں نے شہناز پروین سے کہا بھی کہ ہمارا نکاح دوبارہ غلط بیان پر ہوا ہے تو اس نے کہا کہ ان کے والد نے بریلی شریف سے تائید کر لی ہے اور نکاح صحیح ہے، لیکن ان کے والد نے تائید کرتے وقت شاید یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ میرے بیان کس حالت دو باؤ میں لکھوائے گئے تھے۔

اس طلاق سے پہلے ہمارے دو بچے ہو چکے تھے جن میں سے ابھی لڑکی کی عمر ساڑھے ۱۳ سال اور لڑکے کی عمر ۱۲ سال ہے لگا تار جھگڑے اور نا اتفاقی کی وجہ سے ماہ جون ۲۰۰۴ء میں جب کہ میں اندور، ایم، پی میں تھا نیچ سے شہناز پروین نے مجھے میرے موبائل پر فون کیا تب میں نے اپنے ساتھ موجود دو مسلم گواہ کے سامنے انہیں فون پر تین بار "تمہیں طلاق دیا" کے الفاظ کہے دوبار شہناز پروین نے سن کر فون رکھ دیا اس کے بعد میں نے نیچ جا کر ان سے کہا کہ ہماری طلاق ہو چکی ہے وہ اپنے بھائی کو بلائی اور فون پر طلاق دینے کے بعد اندور سے مفتی صاحب سے حاصل کیا فتوی انہیں بتایا اور فون پر ان کے بھائی کو بھی اطلاع دی لیکن وہ، ان کے بھائی اور ان کی ماں کوئی بھی طلاق ہونا نہیں مانتے ہیں نہ اپنی بہن کو لینے آج تک سال بھر سے زیادہ وقت گزر جانے کے دوران میرے چند اطلاعوں کے باوجود آئے اور ابھی دو جولائی ۲۰۰۵ء کو آئے تو پروین کہنے لگی کہ میں اپنے بچوں کو لے کر الگ رہوں گی۔ مجھے ان کے کام دھندے تک لگنے شادی ہونے تک کا تمام خرچ دو اور شادیوں کا خرچ بھی دینا، جب کہ بچوں کو میں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں، شہناز پروین بچوں کو کافر بنانے کی دھمکی بھی مجھے دے چکی ہے اور یہ بھی کہہ چکی ہے کہ وہ کوئی شرعی فتوی اور کوئی قانون نہیں مانے گی، اس حالت میں وہ میرے ہی ساتھ رہ رہی ہے اپنے بھائی کے ساتھ نہیں گئی، برائے مہربانی میرے اور شہناز پروین کے بیچ ابھی رشتے کی کیا شرعی حیثیت ہے؟ اگر طلاق ہو چکی مانا جائے تو بچوں کی عمر کے مد نظر شرعی طور پر ان کی کفالت کون فریق خود کے ساتھ رکھ کر کرے گا؟

شہناز پروین اور ان کے گھر کے افراد شرعی حکم نہ مانیں تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟

شہناز پروین کے آئندہ نان ونفقہ کے لیے کیا حکم ہے، طلاق ہو جانے کے بعد شہناز پروین میرے گھر رہے تو کون گنہگار ہے؟ بینوا تو جروا

المستفتی: شرافت علی خان اُپ ادھیکھ ضلع نیایالہ نیچ ایم اپی پن نمبر ۴۵۸۴۴۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مذکورہ میں جب شرافت علی نے اپنی بیوی شہناز پروین کو تین ماہ میں تین طلاقیں دے دیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں، فتاوی عالمگیری "الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة" میں ہے

"ان کانت مرسومة یقع الطلاق نوی اولم ینو" اھ (ص ۳۷۸ ج ۱) اور شہناز پروین کی عدت جب تک پوری نہ ہو اس وقت تک وہ شرافت علی خان کے گھر میں پردہ کے ساتھ رہے گی اور نفقہ پائے گی اور لباس بھی، فتاوی عالمگیری میں ہے "المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسکنی" اھ (ص ۵۵۷ ج ۱) واضح ہو کہ شہناز پروین نفقہ اور لباس کی حقدار اس وقت ہے جب کہ اس نے شرافت علی خاں کے گھر میں رہ کر عدت گزاری ہو، لہٰذا طلاق نامہ ملنے کے بعد شہناز پروین جتنے دن اپنے میکے رہی اتنے دنوں کا وہ خرچ نہیں پائے گی۔

رہا بچوں کا معاملہ تو مسئلہ یہ ہے کہ لڑکا سات سال کی عمر تک ماں کے پاس رہے گا اور لڑکی نو سال کی عمر تک ماں کے پاس رہے گی۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح اوبعد الفرقة الام الا ان تکون مرتدة او فاجرة غیر مامونة کذا فی الکافی" اھ (ص ۵۴۱ ج ۱) والام و الجدة احق بالغلام حتی یستغنی و قدر بسبع سنین، والام والجدة احق بالجاریة حتی تحیض و فی نوادر ھشام عن محمد اذا بلغت حد الشھوة فالاب احق و ھذا صحیح" اھ ملخصاً (ص ۵۴۲ ج ۱)

صورت مسئولہ میں جب لڑکی کی عمر ساڑھے تیرہ سال اور لڑکے کی عمر بارہ سال ہے تو شرافت علی خان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھے، اور چونکہ شہناز پروین نے بچوں کو کافر بنا دینے کی بھی دھمکی دی ہے تو شرافت علی خاں پر فرض ہے کہ اپنے بچوں کو شہناز پروین سے فوراً لے لے ورنہ وہ بھی گنہ گار ہوگا، فتاوی ہندیہ میں ہے "الا ان تکون مرتدة او فاجرة غیر مامونة کذا فی الکافی و کذا لو کانت سارقة او مغنیة او نائحة فلا حق لھا ھکذا فی النھر الفائق" اھ ملخصاً (ص ۵۴۱ ج ۱)

جن لوگوں نے تین طلاق کے وقوع کو اس غلط بیانی سے چھپانے کی کوشش کی کہ شوہر کا دماغی توازن خراب ہوگیا تھا، پھر غلط بیانی سے فتوی منگا کر شہناز پروین کا نکاح شرافت علی خان کے ساتھ حرام طور پر کردیا وہ سب لوگ سخت گنہ گار، مستحق عذاب نار، فاسق و فاجر اور حرام کاری کے دلال ہیں، اس لیے سب کے سب علانیہ توبہ و استغفار کریں اور آئندہ ایسی غلطی کرنے سے باز رہیں، سبھوں پر فرض ہے کہ قرآن و حدیث کے فیصلے کو قبول کریں اور شہناز پروین کو شرافت علی خاں سے فوراً الگ کریں، یہی حکم قاضی نکاح کا بھی ہے جب کہ اس نے دانستہ نکاح پڑھایا ہو، اور اگر مذکورہ لوگ قرآن وحدیث کے فیصلے کو قبول نہ کریں بلکہ دنیاوی حکام سے فیصلہ چاہیں تو ان سب کے کفر کا اندیشہ ہے کہ اسلام کو پس پشت ڈالنا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ"

(سورہ نساء آیت ۵۹)

اور شہناز پروین کا شرافت علی خاں سے شادی بیاہ کا خرچ مانگنا ہرگز جائز نہیں، یہ سراسر غلط ہے اور حرام مال حاصل کرنے کی کوشش ہے، شہناز پروین پر لازم ہے کہ اللہ واحد قہار کے عذاب سے ڈرے اور ناجائز طور پر شرافت علی کا مال حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" اھ (سورہ بقرہ آیت ۱۸۸) ہاں جہیز کا سامان اس کی ملک ہے اس میں سے جو موجود ہو وہ لے سکتی ہے، یہ تو مسئلہ کا حکم جو صورت سوال کے مطابق ہے، لیکن اگر اس سے تصفیہ نہ ہو سکے تو معاملہ مقامی علماو دیندار پنچوں کے درمیان رکھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی امجدی
۲۱؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ

طلاق دے دوں گا یا کہو تو طلاق دے دوں ان الفاظ سے طلاق ہو گی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ زید کے بارے میں کہ زید نے لگ بھگ ۱۰ آدمیوں کے بیچ میں یہ بیان دیا کہ میں اللہ ورسول کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں جو کچھ بھی کہوں گا وہ سچ کہوں گا کچھ گھریلو لڑائی ہونے کی وجہ سے میری بیوی مجھ سے بار بار کہتی تھی میں اپنے میکے چلی جاؤں گی تو میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر اپنے میکے چلی جاؤ گی تو میں طلاق دے دوں گا لیکن اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود میری بیوی میکے جانے سے باز نہیں آئی تو میں اپنے سسرال جا کر اپنی ساس سے کہا کہ اگر اب سے باز نہیں آئی تو آپ کہو تو طلاق دے دوں اور یہ جملہ میں نے کئی مرتبہ کہا۔ زید کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی یا نہیں اگر نکل گئی تو زید پر کیا لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد اسرائیل مرتضی حسین خادم دار العلوم نظامیہ غوث العلوم شکور پور۔ نئی دہلی نمبر ۴۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اگر شوہر نے وہی جملے کہے جو سوال میں مذکور ہیں تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ زید کا یہ قول "کہ اگر اپنے میکے گئی تو میں طلاق دے دوں گا" وعدۂ طلاق ہے اور وعدۂ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کتاب الطلاق میں ہے "سئل نجم الدين عن رجل قال لامرأته اذهبي الى بيت امك فقالت طلاق ده تابروم فقال توبرو من طلاق دمادم فرستم قال لا تطلق لانه وعد كذا في الخلاصة" اھ (ج ۱ ص ۳۸۴)

اور دوسرا جملہ "آپ کہو تو طلاق دے دوں یہ بھی الفاظ طلاق سے نہیں لہٰذا زید اور اس کی بیوی دونوں بدستور

زن وشوہر ہیں۔ ایسا ہی فتاوی فیض الرسول ج ۲ ص ۱۱۵، ۱۱۸ اور فتاوی مصطفویہ ص ۳۶۵ پر بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۶ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

بیوی سے کہا کہ ''اگر تو نے عمرو سے بات کی تو تجھے تینوں جواب، اس نے بات کرلیا تو طلاق پڑی یا نہیں؟ اگر شوہر مذکورہ قول سے انکار کرے تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ اگر تم نے عمرو سے بات کی تو تمہیں تینوں جواب ہندہ نے عمرو سے بات کرلی۔ لیکن اب زید انکار کرتا ہے اور ہندہ کہتی ہے کہ میرے شوہر زید نے یہ بات کہی ہے اور زید نے جس کی موجودگی میں کہا ہے وہ بھی گواہی دیتا ہے کہ زید نے یہ کہا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا طلاق پڑی یا نہیں اور اگر پڑی تو کون سی طلاق پڑی؟ جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔ **المستفتی: محمد خالد رضا نوری، مسجد بشیر اسٹیٹ ۱۴۶/۹۱ ہیرامن پوروا کان پور۔ یوپی**

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب جب زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ اگر تم نے عمرو سے بات کی تو تمہیں تینوں جواب پھر ہندہ نے عمرو سے بات کرلی تو اس پر طلاق پڑ گئی فتاوی عالم گیری میں ہے "قال لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق یتعلق الطلاق بالدخول" اھ (ج ۱ ص ۴۲۰) مگر یہ حکم اس صورت میں جب کہ جواب دینا'' وہاں کے عرف میں طلاق کے الفاظ صریح سے سمجھا جاتا ہو کہ جب عورت کی طرف اس کو بولا جاتا ہے، طلاق ہی مراد ہوتی ہے تو ہندہ اگر زید کی مدخولہ ہے تو اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اگر چہ زید نے طلاق کی نیت سے نہ کہا ہو اس لیے کہ یہ صریح ہے اور صریح میں نیت کی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں بغیر حلالہ ہندہ زید کے لیے حلال نہیں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں صریح وہ ہے جس سے طلاق مراد ہونا ظاہر ہو اکثر طلاق میں اس کا استعمال ہوا گر چہ وہ کسی زبان کا لفظ ہو (بہار شریعت حصہ ہشتم ص ۱۰) تنویر الابصار ودرمختار کتاب الطلاق باب الصریح'' میں ہے "صریحه مالم یستعمل الا فیه ولو بالفارسیة" اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے "فما لا یستعمل فیها الا فی الطلاق فهو صریح یقع بلا نیة"۔ (ج ۴ ص ۴۵۷)

اور اگر یہ طلاق کے الفاظ صریح سے نہ ہو بلکہ طلاق اور غیر طلاق دونوں میں استعمال ہوتا ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی یعنی ہندہ نکاح سے نکل گئی، اس صورت میں عورت کی مرضی سے نئے مہر کے ساتھ عدت

میں یا بعد عدت جب کہ اس سے قبل کبھی اس کو دو طلاقیں نہ دیا ہو اس سے نکاح جدید کر سکتا ہے۔ اس صورت میں حلالہ کی ضرورت نہیں، درمختار میں ہے البائن لا یلحق البائن۔" (ج۴، ۵۴۰، باب الکنایات) ردالمحتار میں ہے ما استعمل فیہا استعمال الطلاق وغیرہ فحکمہ حکم کنایات العربیۃ فی جمیع الاحکام بحر: (ج۴ص۴۵۷باب الصریح)

رہا زید کا انکار کرنا تو اس کا یہ انکار اللہ عزوجل کے یہاں کچھ نفع نہ دیگا دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ثقہ عادل شرعی گواہی دیں تو طلاق ثابت ہو جائے گی اور اس کا انکار کرنا دنیا میں بھی نہ سنا جائے گا اور اگر ایسے گواہ نہ ہوں اور خود زوجہ کے سامنے اس کے شوہر نے اسے تین طلاقیں دیں اور منکر ہو گیا اور اگر گواہ عادل نہیں ملتے تو عورت جس طرح ہو سکے اس سے رہائی لے اگر چہ اپنا مہر چھوڑ کر یا اور مال دے کر اور اگر وہ یوں بھی نہ چھوڑے تو جس طرح بن پڑے اس کے پاس سے بھاگے اور اسے اپنے اوپر قابو نہ دے اور اگر یہ بھی نہ ممکن ہو تو کبھی اپنی خواہش سے اس کے ساتھ زن و شوہر کا برتاؤ نہ کرے نہ اس کے مجبور کرنے پر اس سے راضی ہو پھر وبال اس پر ہے لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ایسا ہی فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۶۵۴ میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۳ر جمادالاخرہ ۱۴۲۹ھ

معتدہ سرسوں یا گری کا تیل لگا سکتی ہے؟

مسئلہ عدت وفات یا طلاق بائنہ و مغلظہ میں عورت کے لیے منع ہے کہ وہ کسی قسم کی خوشبو استعمال نہیں کر سکتی۔ سر پر خوشبودار تیل نہیں لگا سکتی۔ تو کیا ایسی حالت میں سرسوں یا گری کا تیل استعمال کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ المستفتی: قاضی اطیع الحق عثمانی، مقام علاء الدین پور، ضلع بلرام پور (یوپی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب عدت وفات یا طلاق میں عورت کو ہر قسم کی زینت سے اجتناب واجب ہے اور جس طرح خوشبو لگانا منع ہے یوں ہی تیل بھی چاہے وہ خوشبو والا ہو یا بغیر خوشبو کے ہو کہ مقصود اس سے ہر طرح کی زینت سے روکنا ہے اور یہ تیل بھی بالوں کو زینت دیتا ہے، لہٰذا عورت کے لیے سرسوں یا گری کے تیل کا استعمال جائز نہیں، اگر چہ اس میں خوشبو نہ ہو۔

البتہ اگر کوئی عذر یا مجبوری ہو تو خوشبو و غیر خوشبو ہر طرح کے تیلوں کا استعمال کر سکتی ہے، مگر اس حال میں بھی اس کا استعمال زینت کے قصد سے نہ ہو اور نہ ضرورت سے زیادہ ہو، مثلاً در دِ سر کی وجہ سے یا تیل لگانے

کی عادی ہے، جانتی ہے کہ تیل نہ لگانے میں دردسر ہوجائے گا تو لگا سکتی ہے۔

درمختار میں ہے:

(تحد مكلفة مسلمة ولو أمة منكوحة اذا كانت معتدة بت او موت بترك الزينة والطيب) وان لم يكن لها كسب الافيه (والدهن) ولو بلا طيب كزيت خالص، (الا بعذر) راجع للجميع اذالضرورات تبيح المحظورات۔ (فصل في الحداد، ج۵،ص۲۱۷،۲۱۸)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وانما يلزمها الاجتناب في حالة الاختيار أما في حالة الاضطرار فلابأس بها ان اشتكت رأسها او عينها فصبت عليها الدهن او اكتحلت لاجل المعالجة فلابأس به ولكن لاتقصد به الزينة لو اعتادت الدهن فخافت وجعاً يحل بها۔(الباب الرابع عشر في الحداد، ج۱،ص۵۳۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد انوار الحق قادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۳؍ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ

تین بار طلاق طلاق طلاق کہا تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دوسگی بہنوں کی شادی دوسگے بھائیوں کے ساتھ تقریباً دوڈھائی سال قبل ہوئی اس وقت دونوں کی گود میں بچے ہیں یہ دونوں کے شوہر کام کے سلسلہ میں باہر رہتے ہیں۔ایک سال سے آپسی رنجش کی بنیاد پر ایک دوسرے میں لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے ایک مرتبہ کی بات ہے کہ باتوں باتوں میں دونوں بہنوں میں زبان درازی ہوگئی ایک کا شوہر جو اس وقت مکان پر حاضر تھا اس سے برداشت نہ ہوسکا اس نے اپنی اہلیہ کو اٹھا کر علیحدہ کردیا اور طلاق طلاق طلاق کا لفظ استعمال کیا وہ حمل سے بھی ہے ایسی صورت میں ازروئے شرع حکم صادر فرمائیں۔ فقط والسلام۔

بینوا توجروا — المستفتی: عبدالسلام عرف مناخاں، محلہ سنیچری، نواب گنج، گونڈہ، یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب شخص مذکور کا قول طلاق طلاق طلاق اضافت سے خالی ہے یعنی لفظ طلاق کی نسبت اس کی بیوی کی طرف نہیں ہے اس صورت میں اس سے قسم لی جائے اگر وہ حلف کرے کہ ان الفاظ سے اپنی زوجہ مراد نہ تھی تو حکم ہوگا کہ اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوئی پھر واقع میں نیت کی تھی اور جھوٹ قسم کھالی تھی تو وبال اس پر

ہے اور اگر اس کی نیت میں بھی بیوی کی طرف طلاق کی اضافت ہو تو حکم ہوگا کہ صورت مسئولہ میں اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں ہو گئیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے فقال بسه "طلاق ان قال عنيت امرأتي يقع وان لم يقل شيئا لا يقع كذا في الخلاصة" اھ (ج ا ص ۳۸۲)

اب وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اس صورت میں اجنبی و اجنبیہ ہو گئے اس کی بیوی ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو گئی کہ اب بے حلالہ اس کے لیے کبھی حلال نہیں ہو سکتی خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (سورہ بقرہ آیت ۲۳۰) چونکہ اس کی بیوی حاملہ ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اس لیے وہ بچے کی پیدائش کے بعد دوسرے شخص سے نکاح صحیح کرے اور وہ شخص اس سے ہمبستری کرے پھر اگر وہ طلاق دے دے تو دوبارہ عدت گزرنے کے بعد شخص مذکور اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲ ربیع الاالنور ۱۴۲۹ھ

بیوی تعسر نفقہ کے آزار میں مبتلا ہو تو کیا کرے؟

عقیدہ معلوم کئے بغیر نیز وہابی دیوبندی سے لڑکی کا نکاح کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ ہندہ کی شادی کچھ عرصہ پہلے بکر کے ساتھ ہوئی اور بکر ذہن کے اعتبار سے بہت کمزور ہے نوبت یہ ہے کہ بکر اپنی طاقت سے کما کر اپنے بچوں کی پرورش بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنی بیوی کو خرچہ و ضرورت کی کوئی چیز پوری کی اور نہ آئندہ کرنے کی امید ہے اس کے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہے اس کا دماغی توازن بہت ہی کمزور ہے پہلے اس کے بارے میں جانکاری نہیں تھی اور ہندہ بکر کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے تیار نہیں ہے اس سے طلاق چاہتی ہے مگر وہ طلاق نہیں دیتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ بکر دیوبندی بھی ہے اس بات کی بھی جانکاری پہلے سے نہ تھی دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ بکر سے کس طرح چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے؟

المستفتی: محمد حسین انصاری موضع نگرا پوسٹ شنکر پور ضلع، بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اگر واقعی ہندہ مسلسل تعسر نفقہ کے آزار میں مبتلا ہے اور بکر محتاج ہے ہندہ کے حق میں حاجت دائمہ متحقق ہے تو بکر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے کر آزاد کردے تاکہ اس کی وجہ سے دوسری زندگی مصیبت کے بھنور میں نہ پھنسی رہے اور اگر نرمی سے بکر طلاق نہ دے تو اس کے ساتھ سختی کی جائے پھر بھی نہ مانے تو لوگ اس کا سماجی بائیکاٹ کردیں تاکہ معاشرتی دباؤ سے تنگ آکر طلاق دے دے یا پھر خلع کرالے۔

لیکن اگر بکر کسی طرح بھی طلاق دینے کے لیے آمادہ نہیں اور سرکشی پر قائم ہے تو اب فسخ نکاح سے چارہ نہیں گو اصل مذہب حنفی تو یہی ہے کہ تعسر نفقہ کی بنیاد پر نکاح فسخ نہیں ہوتا اور قاضی کو تفریق کا حق نہیں لیکن دفع ضرر کے لئے عصر حاضر میں عورت کو یہ اجازت ہے کہ قاضی حنفی کے یہاں اپنی مصیبت و پریشانی سے رہائی کے لیے درخواست دے اور اگر اس علاقہ میں سنی صحیح العقیدہ شافعی قاضی موجود ہو تو مستحسن یہ ہے کہ حنفی قاضی یہ مقدمہ شافعی قاضی کے یہاں منتقل کردے اور شافعی قاضی ضروری کارروائی کے بعد نکاح فسخ کر کے پھر حنفی قاضی کے پاس بھیج دے حنفی قاضی بعد ملاحظہ فیصلہ اسے نافذ کردے اور اگر اس کے علاقہ میں سنی صحیح العقیدہ شافعی قاضی موجود نہ ہو تو حنفی قاضی براہ راست نکاح فسخ کردے اب ہندہ عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے ایسا ہی فیصلہ فقہی سیمینار میں ہے (ماہنامہ اشرفیہ جون ۲۰۰۵ء ص ۱۷)

ہندہ کے والدین نے بکر کا عقیدہ اگر معلوم کئے بغیر اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کردیا تو وہ علانیہ توبہ و استغفار کریں پھر اگر واقعی بکر دیوبندی ہے تو اس کا نکاح ہندہ سے ہوا ہی نہیں کہ دیوبندی اپنے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص ۸ تحذیر الناس ص ۳ ص ۱۴ ص ۲۸ اور براہین قاطعہ ص ۵۱ کے سبب بمطابق فتوی حسام الحرمین کافر و مرتد ہیں کہ ان کے مصنفین کو ان کی کفری عبارات کی بنا پر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور برما وغیرہ کے سیکڑوں علمائے کرام و مفتیان عظام نے کافر و مرتد قرار دیا ہے۔ اور سارے دیوبندی درج بالا کتب کے مصنفین کو اپنا پیشوا اور مسلمان مانتے ہیں اور ان کے حامی ہیں اور یہ بھی کفر وارتداد ہے علمائے عرب و عجم اور حل و حرم نے انہیں کے بارے میں فرمایا کہ "من شك في كفره و عذابه فقد كفر" اھ جوان گستاخ مصنفین کے عقائد سے آگاہ ہوتے ہوئے ان کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

اس لیے بکر کے ساتھ سنی لڑکی ہندہ کا نکاح ہرگز جائز نہیں ہوا بلکہ باطل ہوا اور اس نکاح کی وجہ سے وہ سنیہ لڑکی ہرگز نہ اس کافر دیوبندی کی بیوی ہوگی نہ بکر اس کا شوہر ہوگا شرعاً ایسے نکاح کا کوئی وجوب نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے "لا يجوز للمرتد ان يتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا كافرة اصلية

و کذلك لا یجوز نکاح المرتدة مع احد کذا فی المبسوط"اھ (ج ۱ ص ۲۸۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۸ ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

حالت حمل میں دو طلاق بائن دیا پھر رکھنا چاہتا ہے تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مسئلہ ذیل میں کہ زید نے اپنی بیوی کو حالت حمل میں دو طلاق بائن دیا اور وہ اس کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لینا چاہتا ہے لہٰذا عند الشرع زید کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا — المستفتی: محمد رفیق عرف چھیدی، مقام جرار پور دوبولیا بازار، بستی، یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر دو طلاق بائن واقع ہو گئیں اس لیے کہ حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اب اگر زید اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے تو وضع حمل کے بعد دوبارہ اس سے نکاح کرے اس لیے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے فرمان باری تعالیٰ ہے "اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن" یعنی حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے" اھ (پارہ ۲۸ سورہ طلاق آیت ۴) حلالہ کی ضرورت نہیں باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف او تسریح باحسان" اھ (پ ۲ سورہ بقرہ آیت ۲۲۹)

البتہ زید اپنی زندگی میں کبھی بھی اس عورت کو ایک بار بھی طلاق دیگا تو وہ مغلظہ ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۸ ر محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

خط میں تین سے زائد مرتبہ طلاق لکھا مگر اسے چھپا کر بیوی کو بدستور رکھے ہوئے ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو خط میں تین سے زائد طلاقیں لکھ کر اس کے گھر روانہ کر دیا مگر اس کے باوجود اس طلاق نامہ کو لوگوں سے چھپا کر رکھا اور آج آٹھ سال کا عرصہ گزر گیا۔ زید اسی عورت کو اپنی بیوی بنا کر رکھے ہوئے ہے لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اور اس کی بیوی کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد صدیق، مقام سسوا پانڈے، گلہریا سرماں، بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی کہ اب بغیر حلالہ زید کے لیے حلال نہیں قرآن شریف میں ہے "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره" (پ ۲ ع ۱۴)

زید و ہندہ دونوں آٹھ سال سے اب تک خالص زنا میں مبتلا رہنے کی وجہ سے سخت گنہگار ولائق غضب جبار ہیں دونوں توبہ واستغفار کریں۔فوراً ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں اور نماز کی پابندی کریں قرآن خوانی ومیلاد شریف کریں اور غربا ومساکین کو کھانا کھلائیں،مسجد ومدرسہ میں امداد کریں کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں مددگار ثابت ہوں گی قرآن شریف میں ہے "من تاب وامن وعمل عملاً صالحا فأولئك يبدل الله سياتهم حسنٰت" (پ ۱۹ ع ۴، آیت ۷۰)

اب اگر زید دوبارہ ہندہ کو رکھنا چاہتا ہے تو ہندہ حلالہ کے لیے کسی سنی صحیح العقیدہ سے نکاح صحیح کرے اور وہ ہندہ سے کم از کم ایک بار ہمبستری کرے پھر وہ طلاق دے دے یا مرجائے پھر عورت عدت گزار لے تو زید ہندہ کی رضا سے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ اس سے نکاح کرسکتا ہے۔اگر شوہر ثانی نے ایک بار بھی ہمبستری نہیں کی تو ہندہ زید کے لیے ہرگز حلال نہیں ہوسکتی۔فتاوی ہندیہ میں ہے "وان كان الطلاق ثلاثالم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها" اھ (ج ۱ ص ۴۷۳،فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی
۲۱ رمحرم الحرام ۱۴۲۴ھ

بیوی طلاق کا دعوی کرے اور شوہر انکار کرے تو طلاق ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی خالہ سے فون پر کہا کہ میری بیوی ہندہ کا رشتہ آپ نے جوڑا ہے میری بیوی اور مجھ میں جمتا نہیں ہے آپ مجھے طلاق دلوادیں مجھے طلاق منگتا ہے جب کہ میری بیوی ہندہ کا کہنا یہ ہے کہ میں نے اسے چار بار طلاق دیا اور میرا کہنا ہے کہ میں نے خالہ سے فون پر بات کی ہے اور میری بیوی سامنے کھڑی تھی۔میں اللہ اور اس کے رسول کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں کہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیا ہوں اور میں حلفیہ بیان دینے کو تیار ہوں۔برائے مہربانی اس مسئلہ کا شرعی حل بیان فرما کر ممنوں ومشکور فرمائیں۔نوٹ: جس خالہ نے رشتہ لگایا

تھا اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

المستفتی: افروز الدین، سیف الدین قاضی، مقام و پوسٹ کوتول تعلقہ کولے، احمد نگر مہاراشٹر

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب اگر یہ بیان فقط ہندہ کا ہے کہ اس کے شوہر نے اسے چار بار طلاق دی ہے اور وہ اپنے اس دعویٰ پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عادل ثقہ گواہ نہیں پیش کرتی ہے اور شوہر انکار کرتا ہے تو عورت کا دعویٰ قابل قبول نہیں یعنی طلاق ثابت نہ ہوگی اس صورت میں زید چند سنی صحیح العقیدہ باشرع لوگوں اور ہندہ کے سامنے قسم کھالے کہ اس نے اپنی بیوی کو کبھی کوئی طلاق نہیں دی ہے نہ خالہ سے بات کرتے وقت نہ ہی کسی اور وقت اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کردے تو ہندہ کا دعویٰ ثابت ہوگا اور حکم ہوگا کہ اسکو طلاق ہوگئی اور اگر وہ قسم کھالے تو اس کی بات قبول کرلی جائے گی حدیث شریف میں ہے "البینة علی المدعی والیمین علی من انکر" (ترمذی ج ا ص ۲۹۴) اگر زید جھوٹی قسم کھائے گا تو اس کا وبال خود اس کے سر ہوگا بروز حشر اس کا انجام پائے گا۔ البتہ اگر ہندہ کو یقین ہے کہ اس کے شوہر نے اس کو چار طلاقیں دے دی ہے مگر اس کے پاس گواہ نہیں کہ انہیں پیش کرے تو اس پر لازم ہے کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو پیسہ وغیرہ دے کر اس سے علانیہ طلاق حاصل کرے اگر شوہر کسی طرح راضی نہ ہو تو اس سے دور رہے کبھی اس کے ساتھ میاں بیوی جیسے تعلقات نہ پیدا کرے اور نہ ہی اس کے مجبور کرنے پر اس سے راضی ہو ورنہ شوہر کے ساتھ وہ بھی سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوگی۔ فتاوی رضویہ میں ہے: پھر اگر ہندہ اپنے ذاتی یقینی علم سے جانتی ہے کہ زید نے اسے تین طلاقیں دی ہیں تو اسے جائز نہ ہوگا کہ زید کے ساتھ رہے ناچار اپنا مہر یا مال دے کر جس طرح ممکن ہو طلاق بائن لے اور یہ بھی ناممکن ہو تو زید سے دور بھاگے اور یہ بھی ناممکن ہو تو وبال زید پر ہے جب تک ہندہ راضی نہ ہو۔ (ج ۵ ص ۶۴۸) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد ابوبکر مصباحی
۵ رشعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

زید نے طلاق مغلظہ دیا حلالہ کا حکم دیئے جانے پر کہا میں اس مذہب کو نہیں مانتا تو اس پر کیا حکم ہے؟ کیا ارتداد سے حلالہ ساقط ہوجاتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ (۱) زید نے اپنی بیوی کو ایک سال قبل طلاق مغلظہ دے دیا اور پھر اس کے بعد کسی پر ظاہر نہیں کیا کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دے چکا لیکن امسال رمضان المبارک میں اس کے بھائی بکر نے اس مسئلہ کو دو عالموں کے درمیان ذکر کیا عالموں نے شریعت کا

مسئلہ بیان کر دیا کہ حلالہ کی صورت ہے۔ بعدہ عالموں نے زید سے شہادۃً پوچھا کہ کیا ایسی بات ہے تو زید نے کہا کہ ہاں مگر میں نے زبان سے کہا ہے دل سے نہیں۔ اس کے بعد عالموں نے کہا فتوی ظاہر پر لگتا ہے باطن پر نہیں اس بات سے زید نے دو عالموں کے درمیان میں کہا کہ میں اس مذہب ہی کو نہیں مانتا ایسی صورت میں جواب طلب امر یہ ہے کہ زید پر شریعت کا کیا قانون نافذ ہوتا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیا تب وہ مسلمان تھا لیکن اب وہ کافر و مرتد ہونے پر بھی اپنی بیوی ہندہ کو اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہے اور ازدواجی زندگی گزار رہا ہے۔ ہندہ عاقل، بالغ، مسلم ہے ہندہ پر حلالہ کی صورت ہے کہ نہیں اگر ہے تو وہ کس سے حلالہ کرلے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی: محمد احمد مقام و پوسٹ اٹوا کنگائی ضلع بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱) اگر واقعی ایسا ہی ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دی تھی۔ مگر جب دو عالموں نے حکم شرعی بیان کیا اس پر زید نے یہ کہا ”میں اس مذہب ہی کو نہیں مانتا“ اس جملہ سے وہ کافر و مرتد ہوگیا۔ ردالمحتار جلد ۶ ص ۳۵۸ میں ہے ”ان من تکلم بکلمة الکفر هازلاً أولاعبا کفر عند الکل“ اسی میں ایک سطر کے بعد ہے ”ومن تکلم بها عامدا، عالماً کفر عند الکل“ اھ ملخصا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) مرتد ہونے سے حلالہ ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”جو تین طلاق دے چکا ہو وہ یا جورو، یا دونوں اگر قہار کی لعنت اپنے سر لینے کو مرتد، مشرک، بت پرست کچھ بھی ہو جائیں وہ تین طلاقیں رہیں گی مسلمان ہو جانے کے بعد پھر حلالہ کی ضرورت ہوگی، بے حلالہ ہرگز ہرگز درست نہ ہوگا“ اھ (۵/۶۷۶)

لہٰذا ہندہ اگر اپنے شوہر زید ہی کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو زید کے تجدید ایمان اور توبہ و استغفار کے بعد ہندہ کسی دوسرے سنی صحیح العقیدہ سے نکاح کرے اور وہ اس سے جماع بھی کرے پھر وہ اسے طلاق دے دے یا مرجائے تو اب عدت گزر جانے کے بعد ہندہ زید سے نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری
۶ ر ذی القعدہ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

حلالہ کی حکمت کیا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت مسئلہ ذیل میں: کہ حلالہ کی کیا حکمت ہے؟

المستفتی: (مولانا) توفیق احمد امجدی دار العلوم اعجاز مصطفیٰ (گونڈہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حلالہ میں شوہر ثانی کے ہمبستر ہونے کی شرط اور محض عقد نکاح کو نا کافی قرار دینے کی حکمت لوگوں کو طلاق دینے میں جلد بازی سے روکنا ہے۔ اور یہ چیز ہمبستری کی شرط سے زیادہ حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی بیوی کے ساتھ ہمبستر ہو عموماً لوگوں کی غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس کے برخلاف محض عقد نکاح سے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی کہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا لوگوں کے لیے زیادہ نفرت وغیرت کا باعث نہیں ہوتا۔ اس حکمت کے پیش نظر حلالہ میں دوسرے شوہر کے ساتھ ہمبستری کی شرط لگائی گئی تا کہ لوگ طلاق مغلظہ دینے میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ تفسیر روح البیان میں ہے:

"ان الحكمة فی اشتراط اصابة الزوج الثانی فی التحليل وعدم كفاية مجرد العقد فيه الردع عن المسارعة الى الطلاق فان الغالب أن يستنكر الزوج أن يستفرش زوجته رجل آخر وهذا لردع انما يحصل بتوقف الحل علی الدخول وأما مجرد العقد فليس منه زيادة نفرة و تهييج غيرة فلا يصلح توقف الحل عليه رادعا و زاجرا عن الشرع الی الطلاق" اھ (ج ا ص ۳۵۹) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد معراج احمد قادری مصباحی
۳۰؍ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۸ھ

سیکڑوں بار کہا کہ "میں طلاق دیتا ہوں" اب بحلف کہتا ہے کہ بیوی کو طلاق کی نیت نہ تھی تو طلاق ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید نے بلند آواز سے یہ کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، دل جان سے طلاق دیتا ہوں اور اس طرح سے گاؤں میں گھوم گھوم کر سیکڑوں بار کہا۔ اب وہ بحلف یہ بیان دیتا ہے کہ ان الفاظ سے میری نیت اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دینے کی نہ تھی۔ پھر اسی دن اپنی ایک رشتہ داری میں جا کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو جواب دے دیا ہے جا کر لے آؤ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی بیوی ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفار، مقام پکڑی ضبتی، پور پور کھری، ضلع بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زید نے سیکڑوں بار گاؤں میں گھوم گھوم کر بغیر اضافت یہ الفاظ کہے "میں طلاق دیتا ہوں"

پھر اس نے بحلف یہ بیان دیا کہ ان الفاظ سے میری نیت اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دینے کی نہ تھی اس لیے ان الفاظ سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ''ان الفاظ میں کہ میں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں اگر اس وقت میرے ساتھ نہ بھیجیں کوئی لفظ عورت کی طرف اضافت کا نہ کہا تھا نہ نام نہ نسب نہ وصف نہ لقب نہ اشارہ مثلاً فلاں عورت یا فلاں کی بیٹی یا اپنی زوجہ کو یا اس کو وغیرہ وغیرہ کوئی لفظ اس قسم کا نہ تھا نہ یہ کلام کسی سوال کے جواب میں تھا جس سے اضافت پیدا ہو بلکہ ابتداءً یہی الفاظ اس نے مکرر کہے اس صورت میں زید سے قسم لی جائے اگر وہ حلف کرے کہ ان الفاظ سے اپنی زوجہ مراد نہ تھی تو حکم طلاق نہ دیا جائے گا۔'' (فتاویٰ رضویہ ج۵، ص۶۱۹)

البتہ اسی دن اپنی ایک رشتہ داری میں جا کر کہا ''میں نے اپنی بیوی کو جواب دے دیا ہے جا کر لے آؤ'' اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔ اگر عدت گزر گئی ہے تو اس سے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے اس صورت میں حلالہ کی کوئی حاجت نہیں۔ مگر آئندہ جب بھی زید اپنی بیوی کو دو طلاق دے گا تو اس پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی
۱۵ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

دو طلاق دیا پھر چار مہینہ بعد ایک طلاق اور دیا تو پڑی کی نہیں؟ کیا بغیر عورت کی دستخط کے طلاق نہیں پڑتی؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

میں رمضان علی بن حیات اللہ ساکن بہادر پور بستی ۴ر مہینہ پہلے ہی ان الفاظ کے ذریعہ ۲ مرتبہ طلاق دے چکا تھا ''میں نے تمہیں طلاق دیا، میں نے تمہیں طلاق دیا'' اس کے بعد اسے سدھرنے کا موقع دیا یہ کہہ کر کہ اب بھی تم نہ سدھری تو میں تیسری طلاق دیدوں گا، اس بیچ اس نے میرے گھر والوں کو تنگ کرنا جاری کر دیا، پولس میری ماں اور بھائی کو پکڑ کر بھی لے گئی مجھے فون پر ممبئی بتایا گیا میں نے وہاں سے اپنی اہلیہ کو فون کر کے تیسری طلاق دیا یہ کہہ کر کہ تمہیں طلاق کا بہت شوق ہے تو میں نے تمہیں طلاق دیا تم گھر سے نکل جاؤ وہ اپنے میکے ٹانڈہ چلی گئی پھر بھی اس نے پولس کا سہارا لیا اور پولس مجھے میرے گھر والوں کو تنگ کر رہی ہے اور طلاق کا غذ طلب کر رہی ہے اور کہہ رہی ہے بغیر عورت کے دستخط کے طلاق نہیں پڑتی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ

طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ المستفتی: رمضان علی، مقام و پوسٹ بہادر پور، کلواری، بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب سائل کے بیان کے مطابق اس نے اپنی بیوی کو چار مہینہ پہلے ہی دو طلاق رجعی دے دی تھی، اگر اس مدت میں اس نے اپنی بیوی سے رجعت نہیں کی اور عدت گزر گئی تو وہ بائن ہو کر اس کے نکاح سے نکل گئی اور جب تک نئے مہر کے ساتھ دوبارہ اس سے نکاح نہ کرے اس پر حرام رہے گی، اس تقدیر پر تیسری طلاق دینا لغو ہے کہ وہ عورت طلاق کا محل ہی نہ رہی۔

اور اگر اس مدت میں اس کی عدت نہیں گزری ہے یعنی اسے تین بار حیض آ کر ختم نہ ہوا یا حاملہ ہونے کی صورت میں وضع نہ ہوا تو اس صورت میں تیسری طلاق بھی واقع ہوگئی بغیر حلالہ شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ"
(سورۃ البقرۃ ۲/ ۲۳۰)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں: "عدت گزر کر بائن ہوگئی تو بے نکاح جدید اسی عورت سے مل جانا حرام قطعی اور اگر تین طلاقیں دے چکا جب تو بے حلالہ نکاح جدید ناممکن"
(ج ۵، ص ۶۷۴، کتاب الطلاق)

رہا پولس کا یہ کہنا کہ "بغیر عورت کے دستخط کے طلاق نہیں پڑتی" تو یہ ان کی طرف سے بلاوجہ مسائل شرعیہ میں دخل اندازی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے طلاق دینے کا حق مرد ہی کو عطا کیا ہے خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔ قرآن شریف میں ہے: "بیدہ عُقْدَةُ النِّكَاحِ" شوہر ہی کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲، الایۃ، ۲۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی
۱۳/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

نکاح کے لئے عورت کی رضا ضروری ہے اور طلاق کے لئے نہیں ایسا کیوں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ
جہاں شادی کے موقع پر دلہن (عورت) کی اجازت و رضامندی کو ملحوظ رکھ کر دو گواہوں کی موجودگی اور قاضی صاحب کے ذریعہ نکاح پڑھوا کر عورت مرد کو مستقل طور پر ایک مضبوط رشتے میں باندھ دیا جاتا ہے وہیں دوسری طرف عورت کی رضامندی اور اس کی اجازت کے بغیر مرد نے صرف تین بار طلاق کہا کہ وہ عورت

مرد کی زندگی سے خارج ہوجاتی ہے اور ایک جھٹکے میں عورت مرد کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ آخر طلاق کے وقت عورت کی مرضی و قاضی وغیرہ کی ضرورت کیوں نہیں ہوتی آخر ایسا کیوں؟ کیا شریعت میں طلاق کے وقت عورت کی مرضی کی کوئی گنجائش نہیں؟ قرآن وسنت کے حوالے سے جواب دیں عین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا

المستفتی: صغری بشیر قادری، مکند نگر، دربار کالونی، احمد نگر، جنید پور، مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب طلاق کا مالک صرف شوہر ہے وہ اپنی مرضی سے طلاق دے گا، اسے کسی کی رضامندی کی ضرورت نہیں ہے، قرآن حکیم سورۃ البقرۃ میں ہے "بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ" اھ یعنی شوہر کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے" اھ (پ ۲ ع ۱۵ آیت ۲۳۷)

لہٰذا اگر طلاق کا مالک شوہر نہ ہوتا اور اس میں عورت کی بھی رضا شامل ہوتی تو نظام زندگی درہم برہم ہوجاتا، عورت جب چاہتی معمولی سی بات پر ناراض ہوکر گھر سے بھاگ جاتی اور جہاں چاہتی چلی جاتی، جس سے چاہتی نکاح کر لیتی اور شوہر بھی عورتوں کو گھر کے راز میں شریک نہ کرتا، اور نہ ہی ان کو اپنے خزانوں کا مالک بناتا اور بے خوف وخطر سفر نہ کرتا بلکہ عورتوں کو لونڈی اور باندی کی طرح رکھتا مارتا پیٹتا انہیں ستاتا۔

طلاق کا مالک شوہر ہے یہ اللہ ورسول کا مقرر کردہ قانون ہے اس میں اللہ کی بہت بڑی حکمت ہے ضروری نہیں کہ بندہ ہر حکمت پر مطلع ہو اس حکمت الٰہیہ میں کسی کو قیل وقال کی اجازت نہیں ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ "ان الحکم یکون لحکمة ولکن العباد مامورون باتباع الحکم دون الحکمة" اھ یعنی حکم حکمت کے لیے ہوتا ہے مگر حکمت پر اس کا مدار نہیں رہتا بندہ کو حکم کا اتباع چاہیے حکمت جو اسے معلوم ہے موجود ہو یا نہیں" اھ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۲۴۴)

قرآن حکیم کی صراحت کے مطابق عورت مرد کی زوجیت میں آکر اس کی محکوم ہوجاتی ہے اور شوہر حاکم۔ عورت آزاد پیدا کی گئی ہے تو بغیر اس کی رضا کے کوئی شخص اس کا حکمراں نہیں ہوسکتا یہ اس پر زیادتی لازم آئے گی اس لیے نکاح کے وقت عورت کی رضا کو بھی لازم قرار دیا گیا مگر طلاق کے وقت شوہر عورت کے اوپر سے اپنی حاکمیت و بالادستی کو اٹھاتا ہے اور اس کے لیے اس عورت سے اجازت لینے کی قطعی حاجت نہیں یہ عقل سلیم کے مطابق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد نیاز برکاتی مصباحی
۲ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین بار یہ کہہ کر طلاق دیا "میں اپنی بیوی زینب کو طلاق دیتا ہوں" تو ہندہ پر طلاق پڑی یا نہیں؟

مسئلہ میں عبدالکریم ابن عبدالباری ساکن نرائن پور ضلع بستی کا رہنے والا ہوں۔ میری شادی زبیدہ خاتون بنت نعیم الدین مرحوم ساکن بلبھریا سے ہوئی ہے لہٰذا میں اپنی بیوی زبیدہ خاتون بنت نعیم الدین کو بلا کسی زور زبردستی کے اپنے جسمانی کمزوری کے بنیاد پر طلاق دیتا ہوں میں اپنی بیوی زبیدہ خاتون کو طلاق دیتا ہوں میں اپنی بیوی زبیدہ خاتون کو طلاق دیتا ہوں لیکن دین کے معاملے میں ذمہ دار نہیں ہوں فقط والسلام
کاتب: طفیل احمد عبدالکریم ۱۰ رشوال
عبدالکریم کی شادی سیر النساء بنت مولوی نعیم الدین مرحوم ساکن بلبھریا کے ساتھ ہوئی تھی مذکورہ بالا طلاق نامہ سیر النساء کے بجائے زبیدہ خاتون بنت مولوی نعیم الدین مرحوم درج ہے زبیدہ خاتون بنت مولوی نعیم الدین مرحوم غیر شادی شدہ ہے نام کے برابر یاد نہ رہنے کی صورت میں سیر النساء کے بجائے زبیدہ خاتون درج کیا اب اس صورت میں کونسی طلاق واقع ہوئی تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔ **المستفتی:** سراج احمد بلبھریا، ضلع بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں عبدالکریم کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اگر چہ اس نے اپنی بیوی کے نام کی جگہ دوسرے کا نام لکھا۔ کیوں کہ طلاق نامہ میں "اپنی بیوی" کا صریح لفظ اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ اس نے طلاق کی نیت سیر النساء ہی کے لیے کی ہے جو اس کی اپنی بیوی ہے۔ اس لیے دوسرے کا نام لکھنے سے کچھ فرق نہیں سیر النساء پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی فتاویٰ عالمگیری کتاب الطلاق میں ہے "اذا سمی بغیر اسمها ولانیة له فی طلاق امرأته فان نوی طلاق امرأته فی هذه الوجوه طلقت امرأته کذا فی الذخیرة" اھ (ج ۱ ص ۳۵۸) — اب بغیر حلالہ وہ عبدالکریم کے لیے حلال نہیں خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره" (پ ۲ ع ۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی
۲۲/ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

دو طلاق دے کر دوسری شادی کرلیا تو بیوی کیا کرے؟

مسئلہ دو طلاق دے کر عورت کو معلق رکھ کر دوسری شادی کر لی تو اس کے بارے میں کیا حکم شرع

ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد رئیس منگلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب شوہر نے دو طلاق دے دی تو عورت عدت گزار کر دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ نکاح کی قید سے آزادی کے لئے تین طلاق ہی ضروری نہیں ایک طلاق بھی کافی ہے۔ اس لئے شوہر نے دو طلاق دے دی تو یہ معلق رکھنا نہ ہوا اور اگر سائل کی نیت معلق رکھنے سے کچھ اور ہے تو واضح کر کے دوبارہ حکم معلوم کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد فیضل علی مصباحی

۹ ر جمادی الاخر ۱۴۳۱ھ

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم کیا ہے؟

مسئلہ قمر النساء بنت رمضان کا عقد ۳۰ ر اپریل ۱۹۹۳ء کو ہوا۔ ۲۵ ر دسمبر ۱۹۹۶ء سے پانچ ماہ قبل اس کا شوہر علی قدیر بن محمد خلیل فرار ہو گیا۔ اب تک وہ لاپتہ ہے۔ اور اس کی موت و زندگی کا کوئی علم نہیں اور لڑکی نفقہ سے پریشان ہے۔ اب وہ دوسرا عقد کرنا چاہتی ہے۔ تو اس سلسلہ میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: جمیل احمد۔ راجہ میدان پرانی بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں علی قدیر مفقود الخبر ہے۔ اور مفقود کی بیوی کیلئے مذہب حنفی میں حکم یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عمر نوے سال ہونے تک انتظار کرے اور امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ کا مختار قول یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عمر ستر (۷۰) سال ہونے تک انتظار کرے۔ مگر وقت ضرورت ملجیۂ مفقود کی عورت کو حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل کی رخصت ہے۔ ان کے مذہب پر عورت اپنے شوہر کے غائب ہونے کے بعد ضلع کے قاضی کے پاس فسخ نکاح کا دعویٰ کرے وہ قاضی اس کا دعویٰ سن کر چار سال کی مدت مقرر کرے۔ اگر مفقود کی عورت نے کسی قاضی کے پاس اپنا دعویٰ پیش نہ کیا اور بطور خود چار سال انتظار کرتی رہی تو یہ مدت حساب میں شمار نہ ہوگی بلکہ دعویٰ کے بعد چار سال کی مدت درکار ہے۔ اور اس مدت میں اس کے شوہر کی موت و زندگی معلوم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اور جس علاقہ میں شوہر کے گم ہونے کا گمان ہو اس علاقہ کے کثیر الاشاعت اخبار میں کم سے کم تین بار تلاش گمشدہ کا اعلان شائع کرے۔ جب یہ مدت گزر جائے اور اس کے شوہر کی موت و زندگی معلوم نہ ہو سکے تو وہ عورت اسی قاضی کے پاس استغاثہ پیش کرے اور تلاش گمشدہ

کے اعلانات کے اخبارات کو بطور ثبوت پیش کرے۔اس وقت وہ قاضی اس کے شوہر پر موت کا حکم کرے گا پھر وہ عورت چار ماہ دس دن عدت گزار کر کسی بھی سنی صحیح العقیدہ سے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ایسا ہی فتاویٰ فیض الرسول ج ۲ ص ۲۸۶ پر ہے اور یہی عامۂ فقہاء اہلسنت کا فتویٰ ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد ہارون رشید قادری گجراتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — (یکم ربیع النور ۱۴۲۳ھ)

کئی مرتبہ کہا میں تجھے طلاق دیتا ہوں تو ایک پڑی یا تین؟

ایک غیر مقلد ایک بتاتا ہے غیر مقلد کے فتویٰ کا رد

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ احقر عبدالکلام ابن احمد رضا، موضع چوکڑی، پوسٹ سنگرام پور ضلع بستی۔ ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء بعد نماز عشا کچھ گھریلو رنجش میں غصہ ہو کر اپنی بیوی زاہدہ خاتون بنت محمد جلیل کو کئی مرتبہ یہ کہہ دیا کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں تو ہمارے گھر میں نہیں رہ سکتی ہے غصہ ختم ہوتے ہی بڑی شرمندگی ہوئی، اور افسوس ہوا۔اب ہم لوگ پھر اپنی زندگی ایک ساتھ مل کر پہلے ہی کی طرح گزارنا چاہتے ہیں کیا صورت ہو سکتی ہے کہ زندگی گزار سکیں؟ از روئے شرع مندرجہ ذیل جواب پر عمل کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: عبدالکلام مقام چوکڑی، پوسٹ سنگرام پور ضلع بستی

نقل فتویٰ (غیر مقلد) عبیدالرحمن عابدی، امام نئی مسجد اہل حدیث پیکولیا مسلم پوسٹ پیکولیا ضلع بستی یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں عبدالکلام کے لئے جائز ہے کہ اپنی مطلقہ بیوی زاہدہ سے عدت کے اندر رجوع کرے اور ابھی عدت باقی ہے۔

ایک مجلس میں ایک طلاق یا ایک سے زائد کئی طلاقیں ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہیں شریعت مطہرہ کا یہی حکم ہے، اور اسی پر عمل تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں آپ کے بعد خلیفہ راشد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت کے پورے دور میں ایک مجلس کی کئی کئی طلاقیں ایک طلاق رجعی شمار ہوتی تھیں۔ خلافت فاروقی کے ابتدائی دور میں بھی اسی پر عمل تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تھی۔

حوالہ ملاحظہ: طلق رکانة بن عبد یزید اخو بنی مطلب امرأته ثلاثاً فی مجلس واحد فحزن علیها حزناً شدیداً قال فساله رسول الله صلی الله علیه وسلم کیف طلقتها قال طلقتها ثلاثاً قال فقال فی مجلس واحد؟ قال نعم. قال فانما تلك واحد فارجعها ان شئت

قال فراجعها۔ (مسند احمد ج ۱)

یعنی حضرت رکانہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر سخت مغموم ہوئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کس طرح طلاق دی، انہوں نے کہا میں نے تین طلاق دی ہیں۔آپ نے فرمایا کیا ایک ہی مجلس میں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا وہ سب تین طلاقیں ایک ہی ہیں، آپ چاہیں تو بیوی سے رجعت کرلیں۔حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا۔

دوسری حدیث: حضرت عبداللہ ابن عباس روایت کرتے ہیں حدیث کے الفاظ یہ ہیں!:

"کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وابی بکر و ثنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث وحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة. صحیح مسلم شریف۔

یعنی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت صدیقی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں تک تین طلاق ایک شمار ہوتی تھی (یعنی رجعت کا حق باقی رہتا تھا)

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں یعنی عبداللہ بن عباس کا فتویٰ ہے اذا قال انت طالق ثلاثاً بفم واحد فهی واحدة. ابو داؤد مع عون المعبود ج ۲۔یعنی اگر کوئی شخص بیک زبان تین بار کہے تجھ کو طلاق دی تجھ کو طلاق دی تجھ کو طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہوگی یعنی وہ بیوی سے رجعت کرسکتا ہے۔

ہندوستان کے مشہور حنفی عالم مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایۃ ج ۲ میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک رجعی ہونے کی بابت امت کے ایک گروہ کی روایت نقل فرماتے ہیں:

"والقول الثانی انه اذا طلق ثلاثاً تقع واحدة رجعیة وهذا هوا لقول عن بعض الصحابة وبه قال داؤد لظاهری واتباعه وهو احد القولین لمالك وبعض اصحاب احمد عمدة الرعایة ج۲

یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ شوہر نے اگر تین طلاق دے دی تب بھی ایک طلاق رجعی ہی پڑے گی یہ وہ قول ہے جو بعض صحابہ سے منقول ہے اور امام داؤد ظاہری اور ان کے متبعین اسی کے قائل ہیں اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب کا بھی ایک قول ہے۔

کتبہٗ: عبیدالرحمن عابدی، امام نئی مسجد اہل حدیث پیکولیا مسلم، پوسٹ پیکولیا ضلع بستی یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب صورت مستفسرہ میں عبدالکلام کی بیوی زاہدہ خاتون پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔اب

بغیر حلالہ وہ عبدالکلام کے لئے حلال نہ ہوگی قرآن پاک میں ہے: "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ" اھ (پ ۲ سورہ بقرہ آیت ۲۳۰)

عبیدالرحمن عابدی کا جواب فتویٰ نہیں ہے گمراہ گری ہے اس پر عمل کرنا حرام ہے۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں ہوجانے پر جمہور صحابہ، تابعین، اور ائمہ اربعہ مجتہدین کا اجماع ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام غلط بات پر اجماع نہیں کر سکتے۔ امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شرح مسلم شریف جلد اول ص ۴۷۸ میں تحریر فرماتے ہیں "قال الشافعی ومالك وابو حنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث۔ یعنی امام شافعی، امام مالک، امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد اور جمہور علماء سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں'' اھ

آیات واحادیث وفقہ وتفاسیر سے اس کی واضح دلیلیں ثابت ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الطلاق مرتن فامساك بمعروف أوتسریح باحسان" پھر فرماتا ہے: "فان طلقها فلا تحل له الخ" اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حکم ہے تین میں نہیں اور ''مرتن'' کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں۔ خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہی ہوگا۔

چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے تحت ہے۔ "فان طلقها الی طلقة ثلثة سواء وقع الاثنتان فی مرة أو مرتین والمعنی فان ثبت طلاقها ثلثا مرة أو مرات فلا تحل یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہوجائیں گی خواہ ایک بارگی دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی۔ آگے فرماتے ہیں "اذا قال لها انت طالق ثلثًا او البتة وهذا هو المجمع علیه"۔ یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں واقع ہوجائیں گی اس پر علمائے امت کا اتفاق ہے۔

صحاح ستہ کی مشہور کتاب ابن ماجہ شریف "باب من طلق ثلاثًا فی مجلس واحد" میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایک دم دے دیں ان تینوں کو حضور نے جائز رکھا عبارت یہ ہے "قالت طلقنی زوجی ثلثًا وهو خارج الی الیمن فاجاز ذلك رسول الله صلی الله علیه وسلم" اھ (ص ۱۴۵)

نیز ابوداؤد شریف "باب نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلث" میں ہے "ان ابن عباس واباهریرة وعبدالله بن عمرو بن العاص سئلوا عن البكر وطلقها زوجها ثلاثًا فكلهم قال لا تحل له حتی تنكح زوجا غیره قال ابو داؤد ومالك عن یحیی بن سعید عن بكر بن الاشج

عن معاویہ بن ابی عیاش انہ شھد ھذہ القصۃ" اھ (ج ا ص ۹۷)

عبید الرحمن عابدی نے تو یہ لکھ دیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں بھی اسی پر عمل تھا مگر بعد کے زمانہ میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس پر فتویٰ دیا اس کا ذکر نہ کیا تو ہم سے سنو!

مسلم شریف جلد اول ص ۴۷۸ میں ہے "عن طاؤس ان ابا الصھباء قال لابن عباس الم یکن الطلاق الثلاث علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وابی بکر واحدۃ فقال قد کان ذلک فلما کان فی عھد عمر تتابع الناس فی الطلاق فاجازہ علیھم" اھ ملخصاً۔

یعنی طاؤس سے مروی ہے کہ ابو صہباء نے حضرت عمر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کیا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور خلافت بو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تین طلاقیں ایک نہ تھیں تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں ایسا تھا لیکن حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب لوگوں نے متواتر طلاقیں دینا شروع کر دیں تو انہوں نے بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

اور عابدی نے مسند امام احمد سے جو رکانہ کی حدیث نقل کی ہے اس سے متعلق نووی شرح مسلم میں ہے:

"اما الروایۃ التی رواھا المخالفون ان رکانۃ طلق ثلاثا فجعلھا واحدۃ فروایۃ ضعیفۃ عن قوم مجھولین وانما الصحیح منھا ماقدمنا انہ طلقھا البتۃ ولفظ البتۃ محتمل للواحدۃ والثلاث ولعل صاحب ھذہ الروایۃ الضعیفۃ اعتقدان لفظ البتۃ یقتضی الثلاث فرواہ بالمعنی الذی فھمہ وغلط فی ذلک۔

یعنی امام نووی نے فرمایا کہ ابو رکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم روایت کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شاید کہ تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین کو کہتے ہیں۔ اسلئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بامعنی کر گیا جس میں اس نے سخت غلطی کی" اھ (ج ا ص ۴۷۸)

نیز عابدی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس والی جو حدیث نقل کی ہے وہ منسوخ ہے جیسا کہ ابو داؤد کے حوالے سے گزری کہ عبد اللہ ابن عباس نے خود یہ فتویٰ دیا کہ ایک جلسہ میں تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں۔ نیز یہ بھی کہ عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اخیر زمانہ میں ایک جلسہ میں تین طلاقیں پڑ جانے کا فتویٰ دیا۔

اور عابدی نے عمدۃ الرعایہ کی پوری عبارت نہ نقل کی اس کے آگے بھی تو دیکھ لیا ہوتا کہ جمہور علماء، صحابہ اور تابعین کا کیا مذہب ہے اس میں چند سطر کے بعد ہے۔

"ان الثلاث تقع بایقاعہ سواء کانت مدخولۃ أو غیر مدخولۃ وھو قول جمھور

الصحابة والتابعين والائمة الاربعة وغيرهم من المجتهدين واتباعهم فعن عمر انه قال فی رجل یطلق امرأته ثلاثاً قال هی ثلث لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره.

یعنی ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں خواہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ یہی مذہب جمہور صحابہ، تابعین، اور ائمہ اربعہ مجتہدین اوران کے متبعین کا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو آپ نے فرمایا کہ اس پر تین طلاقیں پڑ گئیں۔ عبارات بالا سے یہ امر ظاہر وباہر ہوگیا کہ ایک مجلس میں بیک زبان تین طلاق دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔ وہابی کا فتویٰ غلط اور باطل ہے اس پر عمل کرنا حرام وناجائز ہے۔ وہابی اپنے عقائد کفریہ قطعیہ کے سبب کافر ہیں اور کفار سے شرعی فتویٰ پوچھنا حرام وگناہ کبیرہ ہے۔ واللہ الهادی الی صراط مستقیم. واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد شاہ عالم قادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۹ر محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

شوہر نہ طلاق دے نہ رکھے تو بیوی کیا کرے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ

شوہر اور بیوی کا لڑائی جھگڑا چل رہا ہے۔ بیوی میکے میں اپنے والد صاحب کے پاس رہ رہی ہے۔ شوہر بیوی کو لینے نہیں جاتا ہے۔ تقریباً ایک سال ہوگیا، اور طلاق بھی نہیں دینا چاہتا ہے اور اپنے پاس رکھنا بھی نہیں چاہتا ہے۔ بیوی شوہر کے پاس رہنا چاہتی ہے، ایسی حالت میں بیوی کیا کرے؟ کیا ایسی حالت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: عبدالرشید قادری نوری، بھوپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں طرفین کے پنچوں کے ذریعہ دونوں میں مصالحت کی کوشش ہونی چاہیے۔ اگر مصالحت نہ ہوسکے تو شوہر سے طلاق حاصل کرلے یا چاہے خلع کرالے اس کے بعد عدت گزار کر کسی سنی صحیح العقیدہ سے نکاح کرسکتی ہے بغیر اس کے دوسرا نکاح باطل محض ہوگا، اور شوہر پر فرض ہے کہ یا تو بھلائی کے ساتھ اسے رکھے یا طلاق دے دے، عورت کو لٹکائے ہوئے رکھنا کہ نہ اپنے ساتھ رکھے، نہ طلاق دے حرام وگناہ ہے۔ ارشاد باری ہے "فتذروها کالمعلقة" اھ اگر شوہر دو باتوں میں سے ایک کو اختیار نہ کرے اور لٹکائے ہوئے رکھنے پر ہی بضد ہو تو تمام مسلمان اس کا سماجی بائیکاٹ کردیں اور اسے اس بات پر مجبور کردیں کہ دونوں میں سے ایک کو اختیار کرے، اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

ارشاد خداوندی ہے "فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ" پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہی حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دے کر عورت چھٹی لے، (پ ۲ سورہ بقرہ آیت ۲۲۰) خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَاَمْسِکُوْہُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْہُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِکُوْہُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ" بھلائی کے ساتھ روک لو یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دو اور انہیں ضرر دینے کے لئے روکنا نہ ہو کہ حد سے بڑھو اور جو ایسا کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ (پ ۲ سورۂ بقرہ آیت ۲۳۱)

امام الفقہاء حضور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "خلع تو جب چاہے ہو سکتا ہے مگر خلع بھی تو شوہر ہی کی رضا سے ہوگا اگر وہ خلع پر راضی نہ ہو تو کیوں کر ہوگا وہ شخص گنہگار حق اللہ وحق زن میں گرفتار ظالم جفا کار ہے، اس پر توبہ لازم، یا عورت کو رخصت کرائے اس کے ساتھ بمعروف پیش آئے بھلائی کرے اور یہ نہ کرے تو لازم ہے کہ اسے بھلائی کے ساتھ چھوڑ دے احد الامرین فرض ہے رکھنا ہے تو بھلائی کے ساتھ رکھنا، ورنہ بھلائی کے ساتھ چھوڑ دے ادھر میں لٹکانا حرام ہے" اھ ملخصا (ص ۳۷۳) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد صدیق عالم منظری امجدی
الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

۳؍ جمادی الآخرہ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

شوہر کے انتقال کے چھ مہینے بعد اس کے والد نے کہا کہ لڑکے نے ہندہ کو طلاق دے دیا تھا تو اب ہندہ زید کی وراثت اور جہیز کا سامان پائے گی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں:

کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا تھا تقریباً آٹھ ماہ بعد زید کا بیماری کی وجہ سے انتقال ہو گیا زید جو کہ سرکاری ملازم تھا جس کی وجہ سے ہندہ کو گورنمنٹ کی جانب سے کچھ رقم ملنے والی تھی لیکن زید کے والد نے زید کے انتقال کے چھ ماہ بعد ہندہ اور ہندہ کے والد کو بتایا کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دیا تھا ہندہ کا کہنا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی یہ سراسر الزام ہے۔

لہٰذا ایسی صورت میں ہندہ گورنمنٹ کی جانب سے ملنے والی رقم اور جہیز کے سامان کی حقدار ہوگی یا نہیں اور یہ بھی بتائیں کہ زید کی ملکیت کچھ پائے گی یا نہیں اگر پائے گی تو کتنا؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد ناصر ڈومن ہل ۱۴؍ بلاک ڈپوسٹ سونا دنی، ضلع کوریا چھتیس گڑھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب نکاح وطلاق ہم مسلمانوں کے دینی وشرعی معاملے ہیں ان کا ثبوت اسی طرح ہونا لازم ہے جس طرح شریعت مطہرہ میں مقرر فرمایا گیا ہے یعنی باب شہادت میں شاہد کا عاقل وبالغ، صحیح یادداشت والا، بینا اور مدعیٰ علیہ پر اپنی گواہی سے الزام قائم کرنے کی لیاقت والا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ اس شہادت میں بوجہ قرابت ولادت یا زوجیت یا عداوت وغیرہا اس پر تہمت نہ ہو۔

درمختار میں ہے: "الشهادة اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القاضي وشرطها العقل الكامل والضبط والولاية فيشترط الاسلام لو المدعى عليه مسلما وعدم قرابة ولاد أو زوجية أو عداوة دنيوية أو دفع مغرم أو جر مغنم" ملخصا (ج۸ ص۱۷۲ کتاب الشهادة)

اور یہ بھی ضروری ہے کہ گواہی کے لئے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عادل وثقہ ہوں کیونکہ شخص واحد کی گواہی ثبوت طلاق کے لئے کافی نہیں۔

درمختار میں ہے: "نصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا أو غيره كنكاح وطلاق رجلان أو رجل وامرأتان" ملخصاً (ج۸ ص۱۷۸، کتاب الشهادة)

صورت مسئولہ میں صرف زید کا باپ طلاق کے ثبوت کا گواہ بلکہ مدعی ہے اور دعویٰ بلا دلیل نامقبول اور باپ کی گواہی اولاد کے حق میں قرابت کی وجہ سے غیر مقبول ہے۔

درمختار میں ہے "لا تقبل (الشهادة) من الفرع لأصله وبالعكس للتهمة" ملخصاً (ج۸ ص۱۹۶، کتاب الشهادة في باب القبول وعدمه)

لہٰذا زید کے باپ کا یہ کہنا ہے کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دیا تھا غیر معتبر ہے اور جب شہادت نہیں پائی گئی تو طلاق ثابت نہ ہوئی اور جب طلاق ثابت نہیں تو زید وہندہ بدستور شوہر و بیوی مانے جائیں گے اور زید کے انتقال کر جانے کے بعد ہندہ رقم مذکور یعنی جو گورنمنٹ کی جانب سے ملنے والی ہے اس رقم کی حقدار ہوگی، نیز زید کی ملکیت میں وارث ہوگی بایں طور کہ ہندہ اگر اولاد والی ہو تو ثمن یعنی $\frac{1}{8}$ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں ربع یعنی $\frac{1}{4}$ پائے گی، اور جہیز کی تمام چیزیں تو بہر حال اس کی ملک ہیں وہ سب کی سب اسے دے دی جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد طاہر قادری فیضی
۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

بَابُ الْکِنَایَۃِ

کنایہ کا بیان

بیوی سے کہا گھر چھوڑ کر گئی تو اسکی بیوی نہیں رہے گی تو طلاق پڑے گی یا نہیں؟ خبر طلاق سے طلاق جدید نہیں پڑتی

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام ان مسائل میں کہ

(۱) زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ۱۰رفروری ۱۹۸۰ء کو ہوا تھا اس نکاح سے زید کے ہندہ سے دو بچے پیدا ہوئے جن میں ایک لڑکی و ایک لڑکا ہیں۔

(۲) ہندہ شادی کے بعد بھی اپنی والدہ کے ساتھ رہنا چاہتی تھی، اس لئے وہ شوہر زید پر یہ دباؤ ڈالتی تھی کہ وہ اس کے میکے میں گھر داماد بن کر رہے۔ زید اپنے والدین کو بے سہارا چھوڑ کر سسرال میں گھر داماد بن کر رہنے کے لئے تیار نہیں تھا، لہٰذا ہندہ زید سے روٹھ کر کئی مرتبہ اپنے پیہر رک چکی تھی، برادری والوں کے سمجھانے پر سسرال آتی، لیکن پھر کچھ عرصہ بعد جھگڑا کر کے پیہر چلی جاتی تھی۔

(۳) زید اس وقت جوان تھا اور اپنی بیوی کی ان حرکتوں سے بہت پریشان تھا ''مرد عورت پر قوام ہے'' اس حقیقت کو ہندہ نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ایک مرتبہ زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ اگر وہ اس کا گھر چھوڑ کر چلی گئی تو وہ اس کی بیوی نہیں رہے گی، لیکن یہ الفاظ سننے کے باوجود ہندہ شوہر کا گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ یہ واقعہ ۱۹۸۶ء کا ہے۔

(۴) انیس سال پہلے ۱۹۸۶ء میں ہندہ اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی اور واپس نہیں لوٹی۔ زید نے رشتہ داروں کے ذریعہ ہندہ کو گھر لوٹنے کو آمادہ کرنے کی کوششیں کیں لیکن ہندہ زوجیت کے لئے اپنے شوہر کے گھر واپس نہیں لوٹی، لہٰذا مجبور ہو کر زید نے ۲رجنوری ۲۰۰۰ء کو ایک مسلم لڑکی کے ساتھ نکاح کر لیا۔

(۵) زید کے نکاح کر لینے کے بعد ۲۰رمئی ۲۰۰۰ء کو ہندہ اپنے شوہر زید کے خلاف شراب پی کر مار پیٹ کرنے و جہیز کے لئے ستانے اور گھر سے نکال دینے کا جھوٹا مقدمہ مہلا تھانہ میں درج کروایا، جسے تفتیش

کرنے کے بعد پولیس نے جھوٹا پایا اور ایف آر لگا دی اس وقت بھی زید نے پولیس کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ اب بھی وہ ہندہ کو بیوی کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھنے کے لئے تیار ہے، مگر اس وقت بھی ہندہ زید کے ساتھ بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لئے نہیں آئی۔

(۶) زید اور ہندہ سے ہوئے دو بچوں میں سے لڑکی اپنی والدہ ہندہ کے ساتھ اور لڑکا اپنے والد زید کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ ۲۶؍فروری ۲۰۰۰ء کو قوم میوہ فروشان کی ایک میٹنگ میں لڑکے نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ اپنے والد اور دادا کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ زید نے کئی مرتبہ ہندہ سے لڑکی کو اس کے پاس بھیج دینے کے لئے کہا، مگر ہندہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئی۔ ہندہ نے پولیس میں درج کروائے اپنے مقدمہ میں یہ کہا تھا کہ زید نے لڑکے کو روپے پیسے کا لالچ دے کر اپنے پاس روک لیا ہے لیکن بالغ ہو چکے لڑکے نے اسی وقت اس الزام کی تردید کر دی تھی۔

(۷) زید اپنے رشتہ داروں سے کئی مرتبہ زبانی طور پر یہ کہہ چکا ہے کہ اس نے ہندہ کو طلاق دے دی ہے۔

عالی جناب سنا ہے کہ ہندہ اب برادری والوں کو یہ کہہ رہی ہے کہ زید اسے بیوی کے حقوق سے محروم رکھ رہا ہے، جب کہ عملاً وہ زید کی بیوی ہونے سے انکار کر چکی ہے۔

زید نے کبھی اپنی زندگی میں شراب جیسی حرام چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا، ایسا جھوٹا الزام لگانے والی عورت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ ہندہ پر مندرجہ بالا اس کی حرکتوں اور زید کے ذریعہ پوائنٹ نمبر ۳، ۷ میں بیان کئے گئے الفاظ کی ادائیگی کے بعد بھی کیا ہندہ زید کی بیوی ہونے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ نیز زید کی ان کوششوں کے باوجود ہندہ زید کے ساتھ رہنے پر تیار نہ ہوئی، ایسی صورت میں شرعی گناہ دونوں میں سے کس پر عائد ہوتا ہے؟ **بینوا توجروا**

المستفتی: خورشید احمد ولد عبد الشکور میوہ فروش محلہ ناگوری، سلاوٹان درزیوں کی گلی جودھپور (راجستھان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱-۷): عورت پر شوہر کی اطاعت اور فرمانبرداری واجب ہے، نافرمانی سخت ترین جرم ہے۔ حدیث شریف میں ہے **ثلثة لایقبل لھم الصلاۃ ولاتصعد لھم حسنة (الی ان قال) المراۃ الساخطة علیھا زوجھا** تین شخص وہ ہیں جن کی نہ نماز قبول ہو نہ کوئی نیکی مرتبہ قبول تک پہنچے، ان میں سے ایک وہ عورت ہے جس کا شوہر اس سے ناراض ہو، لہٰذا ہندہ سخت گنہگار ہوئی توبہ کرے۔ اور زید کا اپنی بیوی ہندہ کو یہ کہنا کہ ”اگر وہ اس کا گھر چھوڑ کر چلی گئی تو وہ اس کی بیوی نہیں رہے گی“ یہ جملہ طلاق کے الفاظ کنایہ

سے ہے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر کی نیت لفظ کنایہ سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی ہو تو طلاق پڑ جاتی ہے، جیسا کہ فتاوی عالمگیری "الفصل الخامس فی الکنایات" میں ہے "لایقع بها الطلاق الا بالنیة او بدلالة حال کذا فی الجوهرة النیرة۔" (ج۱،ص۳۷۴)

صورت مسئولہ میں جب زید نے بار بار یہ اعتراف کیا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو یہ طلاق کی خبر ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس نے کنایہ کا یہ لفظ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے کہا تھا۔ اس لئے اس لفظ کنایہ کی وجہ سے اس کی بیوی ہندہ پر ایک طلاق بائن پڑی اور نمبر ۷ کی بات اس طلاق کی خبر ہے اس لئے اس سے کوئی طلاق نہ پڑی۔

ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں امام اہل سنت تحریر فرماتے ہیں "اگر بہ نیت ایقاع طلاق کہے تھے یعنی یہ مطلب تھا کہ اگر وہ وہاں جائے تو اس پر طلاق ہے تو وہاں جانے سے عورت پر ایک طلاق بائن ہوگی۔ اھ (فتاوی رضویہ، ج۵، ص۷۹۷) اور سوال میں صراحت ہے کہ زید نے اپنے رشتہ داروں سے کئی مرتبہ کہا کہ میں نے ہندہ کو طلاق دے دی ہے۔ لہٰذا ہندہ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اب زید رجعت نہیں کر سکتا ہاں عورت کی رضا سے نئے مہر کے ساتھ عورت سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ عدت کے اندر خواہ عدت کے بعد بہر حال اس میں حلالہ کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی نظامی
۱۴/ربیع النور، ۲۶ھ

■❖■

بَابُ الْخُلْعِ

خلع کا بیان

کیا طلاق کے عوض مکان کا مطالبہ درست ہے؟

مہر سے زیادہ عوض لینا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں:

ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی تھی اور وہ تین سال تک اس کے ساتھ رہی پھر طلاق لئے بغیر بکر کے ساتھ رہنے لگی جس سے تین بچے بھی پیدا ہوئے۔ اب جبکہ وہ اپنے شوہر اول زید جس نے اپنی شادی کر لی ہے اس سے طلاق مانگتی ہے تا کہ بکر سے نکاح شرعی کرے تو زید اس کے عوض میں اس کا مکان مانگ رہا ہے اور ہندہ مکان دینا نہیں چاہتی۔ ایسی صورت میں وہ بکر کے ساتھ کس طرح نکاح کرسکتی ہے۔ بینوا بالدلیل وتوجروا اجرا جزیل۔ المستفتی: ذاکر حسین صدیقی، کپتان گنج بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں ہندہ وبکر دونوں خالص زنا میں مبتلا رہنے کی وجہ سے سخت گنہگار لائق غضب جبار، مستحق عذاب نار ہیں، فوراً ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں۔ علانیہ توبہ واستغفار کریں اگر اسلامی حکومت ہوتی تو انہیں بہت سخت سزا دی جاتی مگر اس دور میں حکم یہ ہے کہ ہندہ عورتوں کی مجلس میں اور بکر مردوں کی مجلس میں کم از کم آدھا گھنٹہ سر پر قرآن شریف لئے کھڑے ہوکر یہ عہد وپیمان کریں کہ اب آئندہ ایسا کام نہ کریں گے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کا سخت سماجی بائیکاٹ کریں ان کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سلام وکلام کرنا بند کردیں اور ان کے شادی بیاہ وغیرہ جیسی تقریبات میں شرکت نہ کریں ورنہ تمام مسلمان گنہگار رہوں گے۔ قرآن شریف میں ہے:

"وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. اھ

(پ ۷، ع ۱۴، آیت ۶۸)

اور زید کا ہندہ سے طلاق کے عوض مکان مانگنا شرعاً درست ہے اگر چہ مہر سے زیادہ کا مطالبہ کرنا مکروہ ہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو خلع پر مطلقاً عوض لینا مکروہ ہے اور اگر عورت کی طرف سے ہو تو جتنا مہر میں دیا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ پھر بھی اگر زیادہ لے گا تو قضاءً جائز ہے۔'' اھ (بہار شریعت، ح ۸، ص ۸٦)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وان کان النشوز من قبلها کرهنا له ان یاخذ اکثر مما اعطاها من المهر ولکن مع هذا یجوز اخذ الزیادة فی القضاء کذا فی غایة البیان." اھ (ج ۱، ص ۴۸۸)

اگر زید طلاق نہیں دیتا ہے تو ہندہ کے لئے دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر زید طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد بکر ہندہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "یاایها الذین آمنوا قوا انفسکم و اهلیکم نارا" اھ یعنی اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے'' اھ (پ ۲۸، سورۂ تحریم آیت ٦)

اور حدیث شریف میں ہے "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته" اھ یعنی تم میں کا ہر ایک اپنے ماتحت کا ذمہ دار ہے اور ہر ذمہ دار سے اس کے ماتحت کے بارے میں سوال ہوگا۔'' اھ

(بخاری شریف، ج ۱، ص ۱۷۱)

لہٰذا زید بھی سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے کہ اس نے اپنی بیوی ہندہ کو آزاد چھوڑ رکھا اس کی صحیح نگرانی نہیں کی جس کی بنا پر بکر سے ناجائز تعلقات ہو گئے، نیز اب تک وہ دونوں حرام کاری میں مبتلا ہیں کہ وہ نہ اسے طلاق ہی دے رہا ہے اور نہ ہی اسے ساتھ رکھ رہا ہے اس لئے زید پر لازم ہے کہ اگر وہ ہندہ کو رکھنا نہیں چاہتا تو کچھ عوض لے کر یا بلا عوض جس طرح بھی ہو سکے ہندہ کو آزاد کر دے۔ بہتر یہ ہے کہ جس قدر مہر دیا ہے اس سے زائد عوض نہ لے یا پھر بھلائی کے ساتھ اسے اپنے پاس رکھے، خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے "الطلاق مرتن فامساك بمعروف اوتسریح باحسان" اھ یعنی ''یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے'' (پ ۲، آیت ۲۲۹) زید علانیہ توبہ و استغفار کرے۔

اگر زید ایسا نہیں کرتا ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ زید کا بھی سخت سماجی بائیکاٹ کر دیں اس کے ساتھ بھی اٹھنا بیٹھنا، سلام و کلام بند کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد نیاز برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱٦ ر شوال المکرم ۲۴ ۱۴ھ

عیب چھپا کر شادی کرنا کیسا ہے؟ مطلقہ کا شوہر سے اس کے دیئے زیورات قیمتی اشیاء مزید دس لاکھ نقد مانگنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان اسلام اس مسئلہ میں کہ

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور ہندہ زید کے گھر آئی تو معلوم ہوا کہ ہندہ جلی ہوئی ہے اور اس کی پلاسٹک سرجری کرائی گئی ہے جبکہ یہ ساری باتیں زید سے اور زید کے گھر والوں سے چھپا کر کی گئی ہیں پھر زید نے اسے طلاق دے دیا اور مہر بھی ادا کر دیا اور ساتھ میں سامان جہیز بھی واپس کر دیا۔ ہندہ کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ مہر کے ساتھ ساتھ زید کی طرف سے ہندہ کو جو زیور اور قیمتی اشیاء وغیرہ دیا گیا تھا ہم اس کو بھی لیں گے اور مزید دس لاکھ روپے کا بھی مطالبہ کر رہے ہیں۔ کیا ان لوگوں کا یہ مطالبہ درست ہے اور کیا زیور وغیرہ پر بھی طلاق کے بعد ہندہ کا حق ہے جبکہ ان زیورات وغیرہ کا مالک بھی اسے نہیں بنایا گیا تھا اور جبکہ یہ شادی حقیقت کو چھپا کر کی گئی ہے اور اگر زید کو معلوم ہوتا کہ ہندہ جلی ہوئی ہے اور اس کی پلاسٹک سرجری بھی ہوئی ہے تو زید یہ شادی ہرگز ہرگز نہ کرتا۔ ان ساری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔ بینوا توجروا۔ المستفتی: محمد ممتاز احمد نظامی

دار العلوم اہلسنت فیضان رضا بلجیت نگر نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب عیب چھپا کر شادی کرنے والے گنہگار ہوئے کہ یہ دھوکا دینا ہوا جو جائز نہیں لیکن بعد نکاح مرد و عورت میں سے کسی کو بھی خیار عیب نہیں کہ اس کی بنیاد پر علیحدگی اختیار کرے، لیکن اگر زید نے طلاق دے دیا تو ہندہ صرف مہر، نفقۂ عدت اور سامان جہیز ہی پانے کی مستحق ہے۔ درمختار میں ہے "ان الجھاز للمراۃ اذا طلقھا تاخذ کلہ" (ج ۳، ص ۱۵۸) رہے وہ زیورات اور قیمتی اشیا وغیرہ جو زید نے ہندہ کو دیے تھے وہ جب بطور تملیک اس نے نہیں دیے تھے اور عرف یہی ہے کہ سسرال والے عورت کو اپنے زیورات کا مالک نہیں بناتے ہیں بلکہ عاریۃً دیتے ہیں یعنی صرف استعمال کے لئے جیسا کہ ہندوستان کا عام رواج ہے تو وہ زید ہی کے ہیں لہٰذا ہندہ کے گھر والوں کا اس کا مطالبہ کرنا ناجائز وحرام ہے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی عنہ ربہ القوی فرماتے ہیں "زیور وغیرہ کہ والدین زوج اپنی بہو کو پہننے برتنے کو بناتے ہیں جس میں نصاً یا عرفاً کسی طرح کا مالک کر دینا نہیں ہوتا وہ بدستور ملک والدین پر ہے بہو کا اس میں کچھ حق نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ج ۵، ص ۵۳۳)

یوں ہی دس لاکھ کا مطالبہ کرنا بھی ناجائز وحرام ہے۔قال اللہ تعالیٰ "ولاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔(سورۂ بقرہ،۱۸۸)
ومن یظلم منکم نذقه عذابا کبیرا "اور تم میں جو ظالم ہے ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔"(س فرقان،آیت ۱۹)اور نیز اس میں ایذائے مسلم بھی ہے جو بذات خود حرام ہے۔
لہٰذا ہندہ کے گھر والوں پر لازم ہے کہ وہ زید سے ہندہ کے شرعی حقوق پالینے کے بعد اب ناجائز مطالبات سے باز آئیں ورنہ تمام مسلمان ان کا سماجی بائیکاٹ کریں۔قال اللہ تعالیٰ ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار"(س ہود،آیت ۱۱۳)واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: شمس الدین احمد علیمی
۲۷ رربیع النور ۲۶ھ

■❖■

بَابُ التَّعْلِيْقِ بِالطَّلَاقِ

طلاق کو معلق کرنے کا بیان

زید نے ایسے معاہدہ پر دستخط کیا جس میں یہ شرط تھی کہ ''جو اس کی خلاف ورزی کرے گا اس کی بیوی کو طلاق مغلظہ'' تو خلاف ورزی کی صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں کہ علماء کرام ومفتیان شرع مسئلہ ذیل میں

زید جو کہ ایک مدرسے میں مدرس ہے اپنے چند مدرسین ساتھیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ اگر ہم موجودہ مدرسین میں سے کوئی بھی کسی بھی بنیاد پر مدرسے سے نکلے گا یا کسی کو نکالا جائے گا تو سارے مدرسین متفقہ طور پر اس کی حمایت کرتے ہوئے اس کا ساتھ دیں گے جو بھی اس تحریری معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا اس کی بیوی کو طلاق مغلظہ۔ تقریباً سارے مدرسین نے اس کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اپنے دستخط کردیے بعد میں صورت حال ایسی بنی کہ معاہدہ کرنے والے سبھی مدرسین نے استعفیٰ پیش کیا۔ کمیٹی نے ایک کا استعفیٰ منظور کرلیا اور باقی کا نہیں۔ جب وہ جانے لگے تو ایک کے علاوہ سب لوگوں نے اس کا ساتھ نکلنے میں دیا۔ زید جو کہ معاہدہ کرنے والوں میں شامل تھا ابھی بھی اسی مدرسے میں مدرس ہے کیا معاہدہ کی رو سے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوئی یا نہیں۔ وہ امامت بھی کرتا ہے اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟ عندالشرع جواب عنایت فرما کر مشکور ہوں۔

المستفتی: محمد عبدالسلام قادری فہیم بستوی، نگر بازار ضلع بستی، یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب صورت مسئولہ میں اگر کمیٹی کے دباؤ یا زبانی یا تحریری نوٹس کی بنا پر تمام مدرسین نے استعفیٰ دیا پھر ایک کا منظور کرکے باقی کو بحال کرلیا اور زید واقعی مذکورہ معاہدے میں شریک تھا تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اب وہ بغیر حلالہ زید کے لئے حلال نہیں۔ اگر زید نے اس سے ابھی تعلق زوجیت ختم نہیں کیا ہے تو وہ گنہگار مرتکب کبیرہ ہے۔ اس پر لازم ہے کہ فوراً الگ ہو جائے اور توبہ کرے۔ جب تک الگ ہوکر توبہ نہ کرلے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے نیز وقوع طلاق کے بعد سے اب تک کی اس کی

اقتدا میں پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ بھی واجب ہے۔ فتاوی ہندیہ ''کتاب الطلاق'' میں ہے "و اذا اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا" اھ (ص ۴۲۰، ج۱) اور اگر معاملہ اس کے علاوہ کچھ اور ہو تو دوبارہ اس کی وضاحت کر کے سوال کر لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی
۲۳ ربیع النور ۱۴۲۶ھ

طلاق کی دو شرطوں میں سے ایک پائی گئی تو طلاق ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ

زید ایک شرابی شخص ہے اس کی بیوی ہندہ ہے زید شراب پینے سے باز نہیں آتا ہے اور ہندہ کو نان ونفقہ کے ذریعہ تکلیف پہنچاتا ہے اور زید سزا بھی دیتا ہے۔ ہندہ نے اس کو کئی مرتبہ روکا نہیں رکا ہندہ نے اسے دھمکی دی کہ میں میکے میں بتادوں گی۔ زید نے کہا کہ اگر تو بتائے گی اور اب مجھے شراب پینے سے منع کرے گی تو تجھے طلاق طلاق طلاق۔ لیکن ہندہ کو پتہ نہیں تھا کہ اس سے طلاق واقع ہوتی ہے اس نے میکے میں ظاہر کر دیا۔ اس کے تمام عیوب کو کہ ہوسکتا ہے کہ ڈر کی وجہ سے شراب پینا چھوڑ دے۔ ہندہ نے اپنے میکے میں اس کے طلاق دینے کے بابت بھی ذکر کیا کہ زید اسے ایک بار اس طرح طلاق دے چکا ہے اور اب زید یہ کہتا ہے کہ میں نے اس عیب کو چھپانے کے لئے ہندہ کو ڈرایا تھا میری طلاق دینے کی نیت نہ تھی۔ ایسی صورت میں کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: سمیع اللہ خاں، فتح پورا ترولہ، بلرام پور، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں ہندہ پر ابھی طلاق نہیں واقع ہوئی کیونکہ طلاق دو شرطوں کے مجموعہ پر معلق ہے اور ان میں سے ایک ہی شرط موجود ہے جبکہ دوسری شرط ابھی مفقود ہے۔ درمختار میں ہے "علق الطلاق ولو الثلاث بشيئين يقع المعلق ان وجد الشرط الثانى فى الملك والا لا۔" اھ (ص ۶۱۹ تا ۶۲۱، ج ۴) ہاں اگر وہ تعلیق کے بعد شراب پینے سے منع بھی کر چکی ہے تو تین طلاق واقع ہو گئی۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: فیض محمد قادری مصباحی
۲۵ شوال ۲۷ھ

”فلاں جگہ جائے گی تو تجھے طلاق“ پھر ڈیڑھ گھنٹہ بعد کہا ”جاسکتی ہے مگر بیماری یا میت پر“ تو وہاں جانے پر طلاق ہوگی یا نہیں؟ ارتداد سے تعلیق باطل ہوتی ہے یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ”فلاں جگہ اگر جائے گی تو تجھے طلاق ہے“ پھر ڈیڑھ گھنٹہ بعد پھر کہا جاسکتی ہے مگر بیماری یا میت پر۔

(۲) میرے شوہر نے کہا کہ فلاں جگہ جائے گی تو تجھ پر طلاق ہے پھر میں وہاں نہیں گئی پھر سال بھر بعد ان کے منہ سے کلمۂ کفر نکلا ہم نے آپس میں ایجاب وقبول کرلیا۔ اس ایجاب وقبول سے سابقہ تعلیق ختم ہوئی یا نہیں؟ المستفتی: زبیدہ خاتون، سکراول پورب، ٹانڈہ، امبیڈکر نگر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱) شوہر نے جس جگہ جانے پر طلاق معلق کیا ہے اس جگہ جب بھی جائے گی طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ شوہر نے پہلے مطلقاً کہا تھا کہ ”فلاں جگہ اگر جائے گی تو تجھے طلاق ہے“ اور استثناء ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد کیا ہے لہٰذا اس استثناء کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ استثناء اس وقت معتبر ہوتا ہے جبکہ وہ کلام کے ساتھ متصل ہو۔ ہدایہ میں ہے "اذا اضافه الی شرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لامراته ان دخلت الدار فانت طالق وهذا بالاتفاق لان الملك قائم فی الحال والظاهر بقاءه الی وقت وجود الشرط فیصح یمینا او ایقاعا" اھ (ص ۳۶۵، ج ۱) اسی میں ہے "انما یصح الاستثناء اذا کان موصولا به" اھ (باب الایمان فی الطلاق ص ۳۷۰، ج ۱)

اگر تعلیق ختم کرنی ہوتو اس کا طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دے اور جب عدت گزر جائے تو عورت اس جگہ چلی جائے جس جگہ جانے پر شوہر نے طلاق کو معلق کیا ہے پھر اس سے نکاح کرے۔ اس طرح تعلیق ختم ہوجائے گی۔ اس کے بعد اگر یہ عورت اس جگہ جائے گی تو طلاق نہیں پڑے گی مگر یہ حیلہ اس صورت میں درست ہے جبکہ اس سے پہلے کبھی اس عورت کو دو طلاقیں ایک ساتھ یا الگ الگ نہ دے چکا ہو۔ ورنہ ایک طلاق دیتے ہی عورت حرام ہوجائے گی اور بغیر حلالہ حلال نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے:

"تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملك طلقت والالا فحیلة من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل الیمین فینکحها" اھ (باب التعلیق ص ۶۰۹ ج ۴)

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"لانه لما ابانها وانقضت العدة لم تبق محلا للطلاق فاذا حنث بعدة نزل الجزاء المعلق ولم يصادف محلا فمضى هملا و قد انتهى اليمين." اھ (ص ۷۸۴، ج ۵) ایسا ہی فتاویٰ عالمگیری، ص: ۴۱۶، ج: ۱ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) صورت مذکورہ میں کلمۂ کفر بولنے کے بعد نکاح کے لئے جو ایجاب وقبول کیا گیا اس سے سابقہ تعلیق ختم نہ ہوئی کیونکہ یہ تعلیق کے باطل ہونے کی صورتوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں ہے، ہاں اگر اس کے کلمہ کفر بکنے کے بعد عدت پوری ہو جاتی۔ اس کے بعد وہ عورت اس جگہ جاتی جہاں جانے پر اس نے طلاق کو معلق کی ہے تو تعلیق ختم ہو جاتی۔ اگر یہاں اس کا لحاظ کیا گیا تو ٹھیک ورنہ تعلیق ختم کرنے کے لئے مذکورہ حیلہ پر عمل کر سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

"و زوال الملك من نكاح او يمين، لايبطل اليمين فلوا بانها ثم نكحها فوجد الشرط طلقت لبقاء التعليق ببقاء محله" اھ

ردالمحتار میں ہے "و حاصله انها لم تبطل لزوال الملك ببقاء بل لفقد شرط. قيدت به اليمين." اھ (کتاب التعلیق، ص ۶۰۷ تا ۶۰۹، ج ۴)

شوہر کلمۂ کفر بولنے کے بعد اگر بغیر توبہ وتجدید ایمان کئے تجدید نکاح کر لیا تو یہ نکاح باطل ہے اور ایسے نکاح میں وطی کرنا سراسر گناہ حرام کاری ہے، کیونکہ کلمۂ کفر بولنے کی وجہ سے یہ لازم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے قائل یہ عہد کرے کہ آئندہ ایسا جملہ نہ بولے گا نیز توبہ واستغفار اور تجدید ایمان کرے ان سب کے بعد اگر عورت راضی ہو تو تجدید نکاح کرے، ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد ششم، ص ۱۵۱ و ۱۵۰ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد صدیق عالم قادری منظری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۹ رشعبان ۱۴۳۱ھ

بیوی کو لینے میکے گیا ساس کے منع کرنے پر کہا "اگر نہیں بھیجتے تو طلاق طلاق طلاق" تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ

زید کی بیوی جو حالت حمل میں ہے کسی بات سے ناراض ہو کر اپنے خالہ کے گھر چلی گئی جبکہ زید کی ساس وہیں پہلے سے تھی۔ زید اپنی والدہ کو لے کر اپنی بیوی ہندہ کو بلانے گیا۔ ہندہ سے زید کی گفتگو ہوئی دوران گفتگو

زید کی ساس نے زید کو گالی دینا شروع کر دیا۔ زید نے کہا پہلے مجھے ہندہ سے بات کر لینے دو، میری بات پوری سن لو پھر کچھ کہو مگر زید کی ساس نے اپنی بہن کے ساتھ مل کر ہندہ کو اندر کمرے میں بند کر دیا اور دروازے کے پاس ہندہ کی خالہ کھڑی ہوگئی اور دونوں بہنوں نے مل کر زید اور اس کی والدہ کو گالی گلوچ دینا شروع کر دیا۔ زید کو کمرے میں نہ جانے دیا گیا اور نہ ہی ہندہ کو باہر نکالا گیا۔ دروازے کے پاس کھڑا زید بار بار ہندہ کی خالہ سے کہتا رہا کہ ہندہ کو میرے ساتھ بھیج دو جب بار بار زید یہی کہتا رہا کہ ہندہ کو میرے ساتھ بھیج دو تو ہندہ کی والدہ اور خالہ نے زید کی والدہ کو مارنا شروع کر دیا۔ زید نے پھر ہندہ کی خالہ سے کہا کہ ہندہ کو میرے ساتھ بھیجتے ہو یا نہیں تو انہوں نے پھر گالی دینا شروع کر دیا۔ آخر میں زید نے ہندہ کی خالہ سے کہا کہ میں بار بار بھیجنے کو کہہ رہا ہوں مگر آپ دونوں گالی کے سوا کچھ اور بات ہی نہیں کرتے آخری بار میں کہہ رہا ہوں بھیجتے ہو کہ نہیں۔ اگر نہیں بھیجتے تو طلاق، طلاق طلاق۔ اس کیفیت اور اس انداز میں زید نے تین مرتبہ طلاق کہا اور والدہ کو لے کر چلا آیا۔ اب جبکہ ہندہ کے گھر والے بھیجنے پر راضی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی؟ اگر تین واقع ہوئیں تو زید ہندہ کو کس صورت میں واپس لے سکتا ہے۔ جبکہ ہندہ ایک بچے کی ماں ہے اور پھر حمل سے ہے۔ جواب مفصل و مدلل باحوالہ تحریر فرما کر مشکور و ممنون فرمائیں۔

المستفتی: جاوید احمد بن پیر احمد ہبلی

Help Council India, Ist Floor, Usha Hotel Building, Near Old Hubli. Bridge, Main Road, Old Hubli-24

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب قرائن سے ظاہر تو یہ ہے کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ پر تین طلاقیں معلق کی ہیں۔ لہٰذا نہ بھیجنے کی وجہ سے اس پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور ہندہ اپنے شوہر زید کے نکاح سے ایسے نکل گئی کہ اب بے حلالہ ان دونوں کا باہم نکاح جدید بھی نہیں ہوسکتا۔

ہاں زید کی نیت واقع میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نہ ہو اور اسی لئے اس نے اپنے لفظ میں طلاق کی اضافت بیوی کی طرف نہ کی ہو نیز وہ کہے کہ اس کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نہیں تھی تو ہندہ کے سامنے اپنے اس اقرار پر قسم کھائے۔ اگر قسم کھالے تو حکم ہوگا کہ اس کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی اور اگر قسم کھانے سے انکار یا اعراض کرے تو حکم ہوگا کہ تینوں طلاقیں پڑ گئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہ: غلام احمد رضا قادری
۱۱ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

بَابُ الْاِقْرَارِ بِالطَّلَاقِ

اقرار طلاق کا بیان

پانچ سال بعد طلاق کا اقرار کرتا ہے تو ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کب سے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان شریعت اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بیوی ہندہ کو میکے چھوڑ کر فرار ہوگیا جب اس کا کوئی سراغ نہ ملا تو ہندہ کے میکے والوں نے اس کے خلاف کورٹ میں مقدمہ قائم کردیا اور اب جبکہ تقریباً پانچ سال کا عرصہ گزر گیا تو زید کورٹ میں آکر یہ بیان لگایا کہ میں اپنی بیوی ہندہ کو ۱۹۹۵ء میں ہی طلاق دے چکا ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ پر طلاق پڑی یا نہیں۔ اگر پڑی تو کب سے نیز ہندہ گزشتہ ایام کا نفقہ پانے کی حقدار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: نعیم الدین خان، آواس وکاس کالونی، مکان نمبر ۴۶۹ کٹرہ بستی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب زید کے اس بیان سے کہ "میں اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہوں" ضرور طلاق واقع ہوجائے گی۔ "لانه يملك انشاء في الحال فلا ينازع فيما قال" البتہ زمانہ کی طرف اس کی یہ اسناد کہ "میں ۱۹۹۵ء میں ہی طلاق دے چکا ہوں معتبر نہیں بلکہ جس وقت سے اس نے بیان لگایا اسی وقت سے طلاق قرار پائے گی۔ درمختار میں ہے:

"لو اقر بطلاقها منذ زمان ماض فان الفتوى انها من وقت الاقرار مطلقا نفيا لتهمة المواضعة" اھ (الدر المختار فوق رد المختار، باب العدة، ج۳، ص۵۲۰)

اور فتاوی عالمگیری ج ۱، ص ۵۳۲ میں ہے:

"اذا اقر الرجل انه طلق امراته منذ كذا فالعدة من وقت الاقرار ولا يصدق في الاسناد وهو المختار۔" اھ ملخصا۔

اور اس صورت میں جبکہ زید نے اپنی بیوی کو اس کے میکے چھوڑ دیا تو وہ گزشتہ ایام کا نفقہ پانے کی

مستحق ہے ہاں اگراس کی بیوی بھی اس بات کو تسلیم کر لے کہ زید نے اسے ۱۹۹۵ء میں ہی طلاق دے دی تھی اور عدت بھی گزر چکی ہے تو نفقہ لازم نہ آئے گا مگر طلاق بہر حال بیان لگانے کے وقت سے لازم ہے اور اسی وقت سے اسے مطلقہ مان کر تمامی عدت تک کا نفقہ دینا بھی واجب ہوگا۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۵، ص ۴۰۲ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی　　**کتبہٗ:** محمد حبیب اللہ مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی　　۱۸؍رجب المرجب ۲۳ھ

تین طلاق کا اقرار کیا تو وقت اقرار طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، متعدد بار الفاظ کنایہ استعمال کیا تو کتنی طلاق ہوگی؟ طلاق دے کر کورٹ میں طلاق نہ دینے کا دعویٰ کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ مہ جبیں اختر جس کی شادی یکم جنوری ۱۹۹۳ء کو فاروق گھوسی کے ساتھ ہوئی تھی۔ بمشکل تمام اس نے اپنی بیوی کو ایک سال تک گھر میں رکھا۔ ایک سال کے اندر ظلم وتشدد اور بدسلوکی کے جو بھی راستے ہو سکتے تھے اس کو فاروق نے مہ جبیں اختر پر آزما ڈالا۔ آخر عاجز آکر لڑکی اپنے میکے چلی گئی۔ اس کے بعد فاروق گھوسی نے ۲۱؍دسمبر ۱۹۹۷ء میں پروین بلو بنت عبدالقیوم ردولی سے شادی کی۔ یہ شادی ایس اے اسکول پوسٹ مہرولی، نئی دہلی میں ہوئی۔ دوسری شادی کرتے وقت لڑکی، ماں یا اس کے گھر اور رشتہ داروں نے فاروق سے کہا کہ آپ نے پہلی بیوی مہ جبیں اختر کو طلاق دے دیا ہے یا نہیں؟ اگر دیا ہے تو شادی کریں گے ورنہ نہیں اور اگر نہیں دیا ہے تو شادی نہیں کریں گے۔ فاروق گھوسی نے اس پر جواب دیا کہ میں نے مہ جبیں اختر کو طلاق دے دیا ہے اب مجھ سے اس سے کوئی مطلب نہیں رہ گیا ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے پروین بلو کی شادی فاروق کے ساتھ کر دی۔ فاروق پروین کو لے کر گھر آگیا۔ اس لڑکی سے فاروق کے دو بچے بھی ہوئے اور ۲۷؍جنوری ۲۰۰۵ء کو اس نے پروین کو بھی طلاق دے دیا اور طلاق دینے کے بعد فاروق گھوسی کورٹ میں مدعی ہوا کہ ہم نے مہ جبیں اختر کو طلاق نہیں دیا ہے لہٰذا اس کو ہمارے گھر بھیجا جائے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مہ جبیں کے اوپر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور یہ شخص اس کو واپس لے جانے کا مجاز ہے یا نہیں؟ جو بھی حکم شرع ہو اس کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

(۲) جب مہ جبیں اختر فاروق گھوسی کے گھر میں تھی ایک سال تک اس کو زدوکوب کرتا رہا اور ایسے مظالم وتکالیف پہنچاتا رہا جو برداشت سے باہر ہیں اور بعض حالات وواقعات ایسے ہیں جو نا قابل بیان ہیں ان

کو زبان پر لا یا نہیں جا سکتا ہے۔ اس درمیان اکثر و بیشتر بلکہ روزانہ فاروق مہ جبیں کو گھر سے نکالتا رہا اور یہ الفاظ کہتا رہا کہ میرے گھر سے نکل، تو میرے لائق نہیں رہ گئی تو اپنے میکے چلی جائے، میں تجھے ایسے ہی پریشان کرتا رہوں گا اور ستاتا رہوں گا تو اپنا ٹھکانہ کرلے تو جس کے ساتھ چاہے چلی جا۔ اس طرح کے اور بھی الفاظ اس نے بار بار کہے ہیں ایک نہیں بلکہ متعدد بار تو اس نے نقاب پہنا کر ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر کر دیا لیکن اس کے ماں باپ اس کو واپس لے کر آئے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان الفاظ سے مہ جبیں اختر کو طلاق واقع ہوئی کہ نہیں؟ اور ہوئی تو کون سی؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟ اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اب فاروق کہتا ہے میں نے مہ جبیں اختر کو طلاق نہیں دیا ہے۔ ورلڑکی کو ۱۵ سال کے بعد ظلماً و جبراً سسرال لے جانا چاہتا ہے اور لڑکی اس کے مظالم کو دیکھ کر کسی قیمت پر سسرال جانے کو تیار نہیں ہے اور کہتی ہے اگر مجھے جانے پر مجبور کیا گیا تو میں زہر کھا کر خودکشی کرلوں گی مگر جانا پسند نہ کروں گی۔ ایسی صورت میں کیا فاروق اس ظلم و جبر اور بدسلوکی اور اتنی مدت تک ترک تعلق کے بعد دوبارہ لڑکی کو لے جانے کا یا اس کو جانے کے لئے مجبور کرنے کا حق رکھتا ہے؟

(۳) جس شخص نے ایک بے قصور لڑکی کو اتنے دنوں تک ستایا اور اس کو پریشان کیا اور نہ ہی اتنی مدت کا نان ونفقہ دیا ہے تو شریعت مطہرہ اس پر واجب نہیں کرتی کہ وہ اس کا نان ونفقہ دے اور حسن سلوک کے ساتھ اس کی گلوخلاصی کرے۔ الٹا اس کو ناجائز طریقے سے روک کر رکھا ہے۔ خود اس شخص کے والدین بھی اس سے عاجز ہیں۔ مزید برآں دوسری بیوی کے ساتھ اس کا رویہ اسی طرح کا ظالمانہ وجابرانہ ہے اور ایک بار طلاق دے کر اب دوبارہ اس کو بھی گھر میں لاکر رکھا ہے۔ حالانکہ اس کا نکاح ابھی نہیں ہوا ہے۔ اپنے بھائی کے ساتھ حلالہ کر کے رکھے ہوا ہے۔ المستفتی: انوار الحق رضوی قادری

صدر مدرس جامعہ خدیجۃ الکبری، روم نمبر ۲۰۹، سیکنڈ فلور، ایم کے پارک، سی ونگ، نو پاڑہ،
ہواسی ویلفیئر ہاؤسنگ سوسائٹی، باندرہ ایسٹ، ممبئی-۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب (۱-۲): ہمیں معلوم نہیں کہ فاروق کون ہے اور اس نے اپنی بیوی مہ جبیں اختر کو طلاق دینے کا اقرار کیا ہے یا نہیں؟ ہاں یہ بات بظاہر طے ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اقرار کیا ہے تو وقت اقرار اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اس صورت میں وہ اس پر بغیر حلالہ ونکاح صحیح کے ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی کہ وہ اس کے لئے اجنبیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره" (سورۃ البقرۃ، ۲۳۰)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقمطراز ہیں: ''صاف صاف تین طلاق کا اقرار کر چکا اب اس

سے پھرنے سے اسے کوئی اختیار نہیں عورت اس پر ہمیشہ کو حرام ہوگئی۔ مرد وعورت پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہوجائیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵، ص ۶۴۰)

رہے وہ الفاظ جنہیں بار بار شخص مذکور اپنی بیوی کو کہتا اور سناتا رہا مثلاً میرے گھر سے نکل، تو میرے لائق نہیں رہ گئی، تو اپنے میکے چلی جا، تو اپنا ٹھکانہ کرلے، تو جس کے ساتھ چاہے چلی جا۔ یہ الفاظ کنایہ سے ہیں ان سے اگر طلاق کی نیت ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے: در کنایہ بائنہ طلاق بائن کے بعد طلاق جدید نہیں ٹھہرتا بلکہ اسی طلاق اول سے اخبار ہوتا ہے۔ (ج ۵، ص ۷۳۰) درمختار میں ہے:

"لا يلحق البائن البائن اذا امكن جعله اخبارا عن الاول كانت بائن بائن او بنتك بطليقة فلا يقع لانه اخبار فلا ضرورة فى جعله انشاء بخلاف ابنتك باخرى"

(ج ۴، ص ۵۴۲ تا ۵۴۵، باب الکنایات)

اب طلاق دینے کے بعد کورٹ میں یہ دعویٰ کرنا کہ میں نے طلاق نہیں دیا ہے قابل قبول نہیں۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اس سے باز آئے اور جھوٹا مقدمہ کورٹ سے اٹھالے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو مسلمان اس سے قطع تعلق کرلیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) کسی کو بلا وجہ ستانا، پریشان کرنا اور اس کے ساتھ جابرانہ رویہ اختیار کرنا ناجائز وحرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "من اذى مسلما فقد اذانى ومن اذانى فقد اذى الله" (کنز العمال، ج ۱۶، ص ۱۰) لہٰذا اس پر لازم ہے کہ صدق دل سے توبہ واستغفار کرے اور آئندہ ایسی حرکت سے باز آئے۔" واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد وقار علی احسانی
۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

■❖■

بَابُ الْعِنِّيْنِ

عنین کا بیان

شوہر نامرد ہو تو بیوی کیا کرے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ شاکرہ بنت جمیل الدین کی شادی محمد سلیم الدین بن شفیق احمد کے ساتھ ہوئی۔ پہلی بار اپنے سسرال گئی وہاں سے آنے کے بعد دوبارہ جانے سے انکار کر دیا اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ محمد سلیم الدین نامرد ہے تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ واقعی نامرد ہے۔ اب ایسی صورت میں کیا کریں؟ بینوا توجروا

المستفتی: جمیل الدین چوڑی گر؟ راج نگر، اودے پور، راجستھان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اگر واقعی محمد سلیم نامرد ہے کہ ایک دفعہ بھی وہ شاکرہ کے ساتھ جماع پر قادر نہ ہوسکا تو اس پر فرض ہے کہ طلاق دے دے اگر یوں ہی رکھ چھوڑے گا تو گنہگار ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے "فامساك بمعروف اوتسریح باحسان (پ ۲، سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹) اور اگر زید طلاق نہ دے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس پر دباؤ ڈال کر طلاق دلوائیں اگر سلیم اس طرح بھی طلاق نہ دے تو شاکرہ اس علاقہ کے قاضی شریعت وہ نہ ہوں تو وہاں کے سب سے بڑے سنی صحیح العقیدہ، مرجع فتاوی عالم کے حضور استغاثہ پیش کرے کہ ایسے عالم بجائے خود قاضی شریعت کا درجہ رکھتے ہیں پھر وہ قاضی یا عالم سلیم کو بلا کر بیان لے اگر وہ اپنی نامردی کا اقرار کرے تو اسے استغاثہ کی تاریخ سے پورے ایک سال کی مہلت دے کہ وہ اپنا علاج کرائے اور سال بھر کی مدت میں جتنے دنوں شاکرہ باختیار خود سلیم کے یہاں نہ رہے۔ یا خود اسے یا سلیم کو نامردی کے سوا کوئی ایسا مرض ہو جائے جس میں مجامعت نہ ہو سکے تو وہ دن شمار میں نہ آئیں گے اور اگر سلیم خود ہی شاکرہ کو اپنے پاس نہ رکھے یا اس کے پاس نہ آئے تو کچھ مجرا نہ ہوگا یوں ہی ایام حیض بھی مجرا نہ ہوں گے۔

جب اس طرح ایک سال گزر جائے اور سلیم شاکرہ پر قدرت نہ پائے تو شاکرہ پھر اسی قاضی یا عالم

کے حضور فسخ نکاح کا دعویٰ کرے تو وہ قاضی یا عالم سلیم کو بلا کر پھر بیان لے۔ اگر وہ شاکرہ کے ساتھ جماع پر قادر نہ ہونے کا اقرار کرے تو وہ قاضی شاکرہ سے پوچھے کہ تو سلیم کو اختیار کرتی ہے یا اپنے نفس کو۔ اگر وہ کہے سلیم کو یا کچھ کہے بغیر چلی جائے یا کھڑی ہو جائے یا اٹھا دی جائے یا قاضی اٹھ کھڑا ہو تو اب شاکرہ کا دعویٰ باطل اور نکاح لازم ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اسی مجلس میں کہہ دے کہ میں اپنے نفس کو اختیار کیا تو قاضی سلیم کو حکم دے کہ وہ شاکرہ کو طلاق دے کہ بحکم شرع تجھ پر طلاق دینی واجب ہے اور اگر وہ طلاق دے دے تو ٹھیک ورنہ قاضی کہہ دے کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کر دی۔ اب شاکرہ فوراً سلیم کے نکاح سے نکل جائے گی اور یہ تفریق طلاق بائن مانی جائے گی پھر اگر سلیم سے اس کی خلوت ہو چکی ہے تو بعد عدت ورنہ بغیر عدت دوسرا نکاح جس سے چاہے کر سکتی ہے۔

اور اگر سلیم الدین اپنی نامردی کا اقرار نہ کرے تو قاضی ایک عورت احتیاطاً دو عورتوں سے شاکرہ کا معائنہ کرائے اگر وہ عورتیں شہادت دیں کہ شاکرہ ابھی باکرہ ہے تو قاضی شرع سلیم کو ایک سال کی مہلت دے کہ وہ علاج کرائے۔ پھر اگر ایک سال بعد شاکرہ اسی قاضی کے پاس پھر وہی دعویٰ کرے تو عالم زید کے انکار کی صورت میں بذریعہ معائنہ یہ شہادت لے کہ وہ باکرہ ہے یا ثیبہ اگر باکرہ ہے تو وہ مذکورہ بالا کارروائی کرے اور اگر ثیبہ ہو تو سلیم سے قسم لی جائے گی بعد قسم نکاح لازم ہوگا۔ اور اگر سلیم قسم سے انکار کرے تو مذکورہ کارروائی کی جائے۔ اور اگر سلیم قاضی یا عالم کے پاس آنے سے انکار ہو تو وہ قاضی یا عالم خود سلیم کے پاس جائے اور مذکورہ کارروائی کرے۔ اور اگر شاکرہ بوقت نکاح ہی ثیبہ تھی تو سلیم کے انکار کی صورت میں اسے قسم کھلائیں اگر وہ قسم کھالے تو شاکرہ کا حق جاتا رہے گا۔ اور اگر قسم سے انکار کرے تو مذکورہ کارروائی کی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: عبدالمقتدر مصباحی نظامی
۱۲؍جمادی الاولیٰ ۲۳ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

■❖■

بَابُ الْعِدَّةِ

عدت کا بیان

معتدہ کو تین حیض آنے میں ۳؍۴ سال لگ جائیں تو؟

مسئلہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے۔ بعض عورتوں کا حیض بیماری وغیرہ کی وجہ سے تین چار سال تک رک جاتا ہے تو کیا جب تک تینوں حیض نہ آئے کسی سے شادی نہیں کرسکتی اور شوہر پر نان ونفقہ تین حیض تک دینا لازم ہے اگر چہ وہ تین چار سال میں پورا نہ ہو؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد سعید احمد برکاتی، کوٹھا بازار انوپ پور، ایم پی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حیض والی عورت کی عدت تین حیض ہے اگر چہ یہ تین چار سال میں پورا ہو۔ فتاویٰ ہندیہ "الباب الثالث عشر فی العدۃ" میں ہے "اذا طلق الرجل امراته و هی حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء" اھ ملخصا (ج۱، ص ۵۲۶) درمختار میں ہے۔ الشابة الممتدة بالطهر بان حاضت ثم امتد طهرها فتعتد بالحيض الى ان تبلغ سن الاياس، جوهرة وغيرها" اھ ملخصا (ج۵، ص ۱۸۴ تا ۱۸۵)

لہٰذا جب تک تینوں حیض آکر ختم نہ ہو جائے وہ عدت میں ہے اور عدت کے اندر نکاح کرنا حرام وگناہ ہے۔ اگر کرلیا تو نکاح باطل اور وطی زنا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "والمطلقت يتربصن بانفسهن ثلثة قروء" اھ (سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸) اور جب عورت ابھی عدت میں ہے تو شوہر پر عدت کا نان ونفقہ بھی دینا ضروری ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے "المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كذا فى فتاوى قاضيخان" اھ ملخصا (ج۱، ص ۵۵۷) درمختار "باب النفقۃ" میں ہے "و تجب النفقة والسكنى والكسوة ان طالت المدة" اھ ملخصا (ج۳، ص ۶۰۹) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد صابر حسین فیضی
۲۷؍صفر ۲۶ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

مطلقہ عدت میکے میں گزارے یا سسرال میں؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دیا بعد میں اس کو رکھنے کا ارادہ بھی ہو گیا۔ زید کے گھر میں ایک مولوی بھی ہیں انہوں نے عدت گزارنے اور حلالہ وغیرہ کا مسئلہ وطریقہ بتادیا اور تاکیداً زید کو الگ رہنے اور بیوی جیسا تعلق رکھنے سے منع کر دیا اور یہ بھی کہا کہ جب اس کو رکھنا ہی ہے تو اس کو اپنے گھر میں عدت گزروا لیجئے، عدت گزارنے کے بعد حلالہ کا نکاح پڑھایا اور پھر عدت گزارنے کے بعد زید سے دوبارہ نکاح ہوا۔

اسی دوران محلہ والوں نے یہ افواہ اڑائی کہ زید طلاق دے کر اپنے گھر رکھے ہوئے ہے۔ مولوی صاحب نے غلط مسئلہ بتایا، عورت اپنے میکہ نہیں گئی عدت میکے میں گزارنا چاہیے۔ تو کیا میکے میں عدت گزارنا ضروری ہے اور مولوی صاحب کا مذکورہ عمل زید اور اس کی بیوی سے کرانا غلط ہے؟ اور محلہ والوں کی بات درست ہے؟ بینوا توجرو۔ المستفتی: قاری شبیر احمد صاحب، مدرسہ حنفیہ عالم خان جونپور یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب مولوی مذکور نے حلالہ کا جو مسئلہ بتایا پھر اس پر عمل بھی کروایا وہی صحیح ودرست ہے۔ اس پر محلہ والوں کا یہ کہنا کہ عورت کو میکے میں عدت گزارنا چاہیے صحیح نہیں اس لئے کہ عورت کو شوہر کے گھر ہی میں عدت گزارنا ضروری ہے۔ بلکہ اگر بیوی میکہ ہے اور شوہر نے طلاق دے دی تو اس پر لازم ہے کہ فوراً شوہر کے گھر آئے اور وہیں رہ کر عدت گزارے جیسا کہ درمختار فوق ردالمحتار باب العدۃ میں ہے "(طلقت) اومات وھی زائرۃ (فی غیر مسکنھا عادت الیہ فورا) لوجوبہ علیھا (وتعتدان) ای معتدۃ طلاق وموت (فی بیت وجبت فیہ) ولا یخرجان منہ." اھ (ج۵، ص۲۲۵، فصل فی الحداد)

اور فتاویٰ ہندیہ باب الحداد میں ہے "لو کانت زائرۃ اھلھا او کانت فی غیر بیتھا لامر حین وقوع الطلاق انتقلت الی بیت سکناھا بلا تاخیر و کذا فی عدۃ الوفاۃ کذا فی غایۃ البیان" اھ (ج۱، ص۵۳۵) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہٗ: محمد ارشد رضا مصباحی
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

حیض نہ آتا ہو تو عدت کیسے گزارے؟

مسئلہ ہندہ کو اپنی پوری عمر میں حیض آیا ہی نہیں قدرت خداوندی سے اس کے پاس چار اولادیں

ہیں طلاق کے بعد عدت گزارنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ بینوا وتوجروا عند الجلیل

المستفتی: نور محمد قادری، دکھن دروازہ شہر بستی، یوپی

الجواب مدخولہ عورت جس سے صحبت ہو چکی ہو اور اسے حیض نہیں آتا خواہ کسی وجہ سے نہیں آتا، اس کی عدت تین مہینہ ہے لہٰذا ہندہ اگر بعد طلاق تین مہینہ انتظار کر چکی تو اس کی عدت پوری ہو چکی۔

قرآن عظیم پارہ ۲۸، سورہ طلاق میں ہے "والیٔ یئسن من المحیض من نساء کم ان ارتبتم فعدتھن ثلثه اشھر والیٔ لم یحضن" فتاویٰ قاضی خان میں ہے لو کانت المطلقة صغیرۃ او اٰیسة و ھی حرۃ فعدتھا ثلثة اشھر" اھ (ج ۱، ص ۵۴۹) ایسا ہی بہار شریعت ح ۸، ص ۱۲۳ میں بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی

۹؍ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

عورت آئسہ نہیں مگر حیض بند ہو گیا۔ تو عدت کیسے پوری کرے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

ہندہ کو اس کے شوہر زید نے طلاق مغلظہ دی، عدت پوری ہونے کے بعد ہندہ کا نکاح عمرو کے ساتھ ہوا پھر عمرو نے بھی اسے بعد وطی طلاق مغلظہ دے دی۔ اس وقت ہندہ شوہر اول کے دو بچوں کی ماں ہے پہلے بچے کی پیدائش کے بعد ہندہ کو حیض آنا بند ہو گیا اور اب تک حیض آیا ہی نہیں اسی حالت میں دوسرا حمل ہوا اور بچے کی پیدائش بھی ہو گئی۔ بعدہ عمرو کے ساتھ نکاح اور پھر طلاق ہوئی۔ حیض جاری کرنے کے لئے دوا و علاج بھی کیا گیا مگر دوا فائدہ کے بجائے نقصان کر رہی ہے نیز ہندہ ابھی سن ایاس کو بھی نہیں پہنچی ہے۔ اب ہندہ بعد حلالہ شوہر اول کے نکاح میں جانے کے لئے عدت کس طرح پوری کرے۔ مدلل و مفصل جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: سہیل احمد، نواری بازار جہانگیر گنج، امبیڈکر نگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب طلاق والی مدخولہ عورت اگر حاملہ آئسہ اور نابالغہ نہ ہو یعنی حیض والی ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ یہ تین حیض تین ماہ تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں۔ قرآن مجید میں ہے:

"والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلثة قروء" (پ ۲، سورہ بقرہ آیت ۲۲۸)

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک (کنز الایمان)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"اذا طلق الرجل امرأته بائنا او رجعیا أو ثلاثا أو وقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق و هی حرة ممن تحیض فعدتها ثلاثة اقراء سواء کانت الحرة مسلمة او کتابیة کذا فی السراج الوهاج." (کتاب الطلاق الباب الثالث عشر فی العدة ج۱، ص۵۲۶)

ایسا ہی بہار شریعت ح۸، ص۱۳۵ میں ہے۔ (مطبع مکتبۃ المدینہ دہلی)

لہٰذا جب ہندہ بھی طلاق والی مدخولہ عورت ہے اور وہ ابھی سن ایاس کو بھی نہیں پہنچی ہے۔ پہلے بچہ کی پیدائش تک ہندہ کو حیض آتا رہا بعدہ اگر چہ کسی مرض کے باعث حیض آنا بند ہو گیا پھر بھی شرعاً وہ حیض والی ہے۔ اس لئے ہندہ پر بھی عدت تین حیض ہے۔ مذکورہ مدت عدت گزارے بغیر اسے شوہر اول کے نکاح میں جانا ہرگز جائز نہیں۔ اگر چہ تین حیض کی مدت مکمل ہونے میں اسے مدت طویلہ کیوں نہ گزر جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد آصف ملک علیمی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۴ر جمادی الاخرہ ۱۴۳۱ھ

مطلقہ شوہر سے ساٹھ ہزار کا مطالبہ کرے تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید باہر ملک میں کام کرتا ہے اور یہاں کے اعتبار سے اس کی تنخواہ پانچ ہزار روپے ہے اور اس کی بیوی ہندہ اس کے گھر میں تھی کہ ساس بہو میں اور دیگر گھر والوں سے تو تو میں میں ہو گئی اس کے بعد ہندہ اپنے میکے چلی گئی اور اپنے شوہر کے پاس فون کر کے کہا کہ مجھ کو الگ لے کر رہو اور جب شوہر اس پر راضی نہ ہوا تو بیوی نے کہا کہ مجھے طلاق دے دو تو اس نے فون پر ہی تین طلاق دے دیا اس کے بعد لڑکی کے ماں باپ اس کے گھر آئے شوہر کے گھر والوں نے کہا کہ جو ہو گیا سو ہو گیا اب جو عدت کا خرچہ ہوتا ہے اس کو ہم لوگ دینے کے لئے راضی ہیں اس پر ان لوگوں نے کہا کہ اس طریقہ سے فیصلہ نہ ہو گا وہ گاؤں کے کچھ غیر مسلم کو لے کر جمع ہوئے اور پنچایت کی اس پر لڑکی کے باپ نے ایک لاکھ روپے دینے کو کہا کہ مجھے دیا جائے اور لڑکے کے گھر والوں نے کہا کہ تیس ہزار ہم دے سکتے ہیں اس کے بعد ساٹھ ہزار پر غیر مسلم پنچ نے فیصلہ کیا۔ حضور والا سے گزارش ہے کہ لڑکے والوں پر کیا لازم آتا ہے جبکہ لڑکے کے گھر والے اس بھاری رقم کے دینے سے قاصر ہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: روزن علی بن نور محمد، کلیان پور، تھانہ کپتان گنج، ضلع بستی، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب شرعی نقطۂ نظر سے ہندہ کے مطالبات ناحق اور باطل ہیں۔ مطلقہ عدت کے، اخراجات کی حقدار ہوتی ہے جبکہ شوہر کے یہاں رہ کر عدت گزارے اور ہندہ جب میکہ چلی گئی تو وہ ناشزہ ہے اور ناشزہ عدت کا نفقہ پانے کی حقدار نہیں۔ درمختار میں ہے **لانفقة خارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود ولو بعد سفره اه ملخصا (ص ۲۸۵، ج ۵، فی باب النفقة)** ہاں زید اپنی مرضی سے جو کچھ دینا چاہتا ہے دے سکتا ہے اور اگر اس کا وعدہ کیا ہے تو اس کو پورا کرنا بھی چاہئے مگر اس کی وجہ سے جبراً مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ اشباہ میں ہے **لاجبر على الوفاء بالوعد"۔ واللہ تعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد شاہد رضا ہشامی
۷ رجمادی الاخر ۳۰ھ

عدت وفات کے بعد عورت کے رشتہ داروں کا اسے اپنے گھر بلانا دعوت کرنا کپڑا مہندی چوڑی وغیرہ دینا کیسا ہے؟

مسئلہ عدت وفات کے ایام ۴ ماہ ۱۰ دن جب ختم ہوجاتے ہیں اس کے بعد عورت کے رشتہ دار اسے اپنے گھر بلاتے ہیں اور دعوت کھلاتے ہیں کپڑے دیتے ہیں اور مہندی و چوڑی وغیرہ دیتے ہیں یہاں تک کہ اگر معتدہ کی کوئی لڑکی ہے تو اسے کپڑے وغیرہ دیتے ہیں تو شرعاً اس میں کوئی خرابی ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد صدیق نوری چوڑی والے، ۲۰ جواہر مارگ، اندور (ایم پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب شرعاً اس رسم میں کوئی خرابی نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ایک مسلمان عورت کی دلجوئی اور اس کے ساتھ شفقت ہے مندوب بھی ہے۔ عورت پر دوران عدت ہر قسم کی زیب و زینت ترک کرنا واجب ہے۔ جیسے سونے چاندی کے زیور یا چوڑی وغیرہ اگرچہ کانچ کی ہو کہ ختم عدت تک سنگار اس کے لئے ممنوع ہے تو جب عدت ختم ہوجائے تو سنگار جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں "موت شوہر پر نتھ نہ پہننا ایام عدت تک تو شرعاً ضرور ہے کہ نتھ زیور اور زینت ہے اور بیوہ کو کوئی گہنا کسی طرح کا سنگار جائز نہیں فی الدر المختار وردالمحتار تحد (ای وجوبا کما فی البحر مکلفة مسلمة اذا کانت معتدة بت او موت بترك الزينة بحلى اى بجميع انواعه بحر وفى قاضى خان المعتدة تجتنب من كل زينة"۔ اھ اور بعد ختم عدت اگر شرعاً نتھ وغیرہ پہننا ناجائز و ممنوع سمجھے گنہگار ہوگی کہ یہ معاذ اللہ شریعت مطہرہ پر افترا ہے

اور اگر جائز اور روا سمجھ کر یونہیں عادۃ نہ پہنے تو حرج نہیں۔" (فتاویٰ رضویہ، ج۹، ص ۵۷، نصف اول) ایسا ہی ج۵،ص ۸۵۷ پر بھی ہے۔

لہٰذا بعد عدت اس کے رشتہ داروں کا اپنے گھر بلانا اور دعوت کرنا کپڑے اور مہندی چوڑی وغیرہ دینا اور اس کی لڑکی ہو تو اس کو بھی دینا شرعاً جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ اس رسم کو لازم نہ جانیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

کتبہٗ: محمد شاہد رضا ہشامی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

۷؍جمادی الآخرہ ۳۰ھ

جس کی بچہ دانی نکل گئی ہو اور حیض نہ آتا ہو وہ عدت کیسے گزارے؟

مسئلہ ہندہ کی بچہ دانی کسی مرض کی وجہ سے نکال دی گئی جس کے باعث اسے حیض نہیں آتا اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہے تو ہندہ عدت کیسے گزارے کیا عادت کا اعتبار کرتے ہوئے عدت گزار سکتی ہے واضح رہے کہ ہندہ کی عمر ابھی ۳۲ سال ہے۔ بینوا توجروا۔ **المستفتی:** محمد اسد اللہ مرادآباد (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وہ عورت جس کی بچہ دانی کسی مرض کی وجہ سے نکال دی گئی ہو اور اب اس کا حیض آنا منقطع ہو گیا ہو تو وہ آئسہ کے حکم میں ہے یعنی اس کی عدت مہینوں سے شمار کی جائے گی کیونکہ اس کے حیض آنے کی کوئی امید نہ رہی چونکہ خون حیض رحم ہی سے آتا ہے اور اب وہ ہے نہیں اس لیے ہندہ اب اپنی عدت مہینوں سے گزارے گی۔ درمختار میں ہے: "فی من لم تحض لصغر او کبر او بلغت بالسن ولم تحض ثلاثة اشهر. اھ" (ج۵، ص ۱۸۴ تا ۱۸۷) ردالمحتار میں ہے "وقال فی البحر عن التاتر خانية بلغت فرأت يوما دما ثم انقطع حتى مضت سنة ثم طلقها فعدتها بالأشهر. (ج ۳، ص ۵۰۸) صورت مسئولہ میں عورت طلاق کے بعد تین ماہ قمری گزارے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

کتبہٗ: محمد احمد قادری مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

۳؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

بَابُ النَّسَبِ

نسب کا بیان

کوری نام کے ساتھ کیا لکھیں؟ جو قوم جس بزرگ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی خود کو ان کی طرف منسوب کر سکتی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

مئو ضلع کے چند گاؤں جیسے ریوڑی ڈیہہ، خالص پور، بھات کول، ولید پور اور بھرا میں کچھ ایسی مسلم برادری رہتی ہے جو سبزی کی کھیتی کا کام کرتی ہے اور لوگ انہیں کوری کہتے ہیں لیکن ہماری برادری کے پاس کوئی مستقل ٹائٹل نہیں جس کو ہم اور ہمارے بچے اپنے نام کے آگے لکھیں جیسے دھنیاں حضرات حضرت منصور علیہ الرحمہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے منصوری اور درزی حضرات حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے ہوئے ادریسی لکھتے ہیں۔

تو کیا کوئی نبی یا ولی یا کوئی بزرگ آپ کی نگاہ میں گزرے ہیں جو سبزی کی کھیتی کا کام کرتے تھے جس کی طرف ہم اپنی نسبت کریں اور ہماری برادری کا شجرہ ان بزرگوں تک پہنچ جائے یا اگر کہیں حدیث یا تاریخ میں ایسا کوئی ذکر ملتا ہو تو بتائیں اور آپ یہ بھی بتائیں کہ ہماری برادری کے لوگ اپنے نام کے آگے کون سا ٹائٹل لگائیں جو دینی لحاظ سے خوبصورت بھی لگے اور ہمارا شجرہ ان بزرگوں تک پہنچ جائے۔ واضح رہے کہ آگرہ کے مسلم بھڑ بھوج سے متعلق آپ کا ایک فتویٰ ماہنامہ 'کنزالایمان' دسمبر ۲۰۰۷ء کو شائع ہوا تھا۔ اسی طرح ہم لوگوں کو بھی کوئی راستہ بتائیں۔ فقط والسلام

المستفتی: مسلمانان ریوڑی ڈیہہ ضلع مئو، یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب ہندوستان میں اکثر قوموں نے بزرگان دین کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا ہے لہٰذا اس قوم کے لوگوں کو چاہئے کہ اپنی پرانی تاریخ پڑھیں اور پتہ لگائیں کہ ان کے آبا و اجداد کن کے ہاتھوں مشرف بہ

اسلام ہوئے اگر تحقیق ہوجائے تو یہ لوگ بطور رشتہ ولا اسی قوم سے اپنے کو منسوب کریں۔ ''فتاویٰ رضویہ'' میں ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "من اسلم من اھل فارس فھو قریشی" یعنی اہل فارس سے جو اسلام قبول کرے وہ قریشی ہے کہ قریش نے فارس فتح کیا اس کے لوگ ان کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے'' اھ (ج ۵، ص ۷۵۷) اس مذہب کی بنا پر جس کے ہاتھوں جو مسلمان ہوگا بطور رشتہ ولا اسی قوم میں گنے جانے کے قابل ہوگا۔

اور اگر اس کی تحقیق نہ ہوسکے تو وہ اپنے نام کے ساتھ بقال لکھا کریں جو عربی زبان کا لفظ سبزی فروش کا ہم معنی ہے اس سے نسب بھی نہیں بدلے گا اور برادری کا نام بھی خوبصورت ہوجائے گا۔ ایک مسلمان کے لئے یہ شرف کافی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اسلام سے مشرف کیا ہے اور سب سے افضل رسول سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی کیا ہے اب اگر پیشے کے لحاظ سے کوئی نسبت نہ ہو تو کیا ہوا اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت غلامی کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۵ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ

نومسلم اپنا نسب کس سے جوڑیں، جو لوگ ۵۰ سال سے دُھنیا کہلا رہے تھے اور اسی برادری میں شادی وغیرہ کررہے تھے انہیں اس سے روکنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ

ہمارے باپ دادا تقریباً پچاس سال قبل بریلی شریف کے کسی عالم کے ہاتھ پر مولانا عبد الباری ڈھلمو شریف کے ذریعہ مسلمان ہوئے اور آج بھی الحمد للہ ہم سبھی اہل برادری سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہیں لیکن ہم جس گاؤں میں رہتے ہیں وہاں کے مسلمان دھنیاں برادری سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہماری شادیاں بھی اسی برادری میں ہونے لگیں اور ہم بھی دھنیاں برادری کہلانے لگے۔

آج پچاس سال بعد اب کچھ لوگ ہماری شادیاں اس برادری میں نہیں ہونے دیتے۔ لوگوں کو روکتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے اور ہم دھنیاں برادری میں شادی کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: مصطفیٰ، جمنی جوت، پوسٹ ناندے کنواں، ضلع بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ہندوستان میں اکثر قوموں نے بزرگان دین کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا اور جس قوم نے

بَابُ النَّسَبِ

نسب کا بیان

کوئری نام کے ساتھ کیا لکھیں؟ جو قوم جس بزرگ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی خود کو ان کی طرف منسوب کرسکتی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

مئو ضلع کے چند گاؤں جیسے ریوڑی ڈیہہ، خالص پور، بھات کول، ولید پور اور بہرا میں کچھ ایسی مسلم برادری رہتی ہے جو سبزی کی کھیتی کا کام کرتی ہے اور لوگ انہیں کوئری کہتے ہیں لیکن ہماری برادری کے پاس کوئی مستقل ٹائٹل نہیں جس کو ہم اور ہمارے بچے اپنے نام کے آگے لکھیں جیسے دھنیاں حضرات حضرت منصور علیہ الرحمہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے منصوری اور درزی حضرات حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے ہوئے ادریسی لکھتے ہیں۔

تو کیا کوئی نبی یا ولی یا کوئی بزرگ آپ کی نگاہ میں گزرے ہیں جو سبزی کی کھیتی کا کام کرتے تھے جس کی طرف ہم اپنی نسبت کریں اور ہماری برادری کا شجرہ ان بزرگوں تک پہنچ جائے یا اگر کہیں حدیث یا تاریخ میں ایسا کوئی ذکر ملتا ہو تو بتائیں اور آپ یہ بھی بتائیں کہ ہماری برادری کے لوگ اپنے نام کے آگے کون سا ٹائٹل لگائیں جو دینی لحاظ سے خوبصورت بھی لگے اور ہمارا شجرہ ان بزرگوں تک پہنچ جائے۔ واضح رہے کہ آگرہ کے مسلم بھڑبھوج سے متعلق آپ کا ایک فتویٰ ماہنامہ 'کنزالایمان' دسمبر ۲۰۰۷ء کو شائع ہوا تھا۔ اسی طرح ہم لوگوں کو بھی کوئی راستہ بتائیں۔ فقط والسلام المستفتی: مسلمانان ریوڑی ڈیہہ ضلع مئو، یوپی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ہندوستان میں اکثر قوموں نے بزرگان دین کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا ہے لہٰذا اس قوم کے لوگوں کو چاہئے کہ اپنی پرانی تاریخ پڑھیں اور پتہ لگائیں کہ ان کے آبا و اجداد کن کے ہاتھوں مشرف بہ

اسلام ہوئے اگر تحقیق ہو جائے تو یہ لوگ بطور رشتہ ولا اسی قوم سے اپنے کو منسوب کریں۔ ''فتاویٰ رضویہ'' میں ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "من اسلم من اھل فارس فھو قریشی" یعنی اہل فارس سے جو اسلام قبول کرے وہ قریشی ہے کہ قریش نے فارس فتح کیا اس کے لوگ ان کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے'' اھ (ج ۵، ص ۴۵۷) اس مذہب کی بنا پر جس کے ہاتھوں جو مسلمان ہوگا بطور رشتہ ولا اسی قوم میں گنے جانے کے قابل ہوگا۔

اور اگر اس کی تحقیق نہ ہو سکے تو وہ اپنے نام کے ساتھ بقال لکھا کریں جو عربی زبان کا لفظ سبزی فروش کا ہم معنی ہے اس سے نسب بھی نہیں بدلے گا اور برادری کا نام بھی خوبصورت ہو جائے گا۔ ایک مسلمان کے لئے یہ شرف کافی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اسلام سے مشرف کیا ہے اور سب سے افضل رسول سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی کیا ہے اب اگر پیشے کے لحاظ سے کوئی نسبت نہ ہو تو کیا ہوا اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت غلامی کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۵ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

نومسلم اپنا نسب کس سے جوڑیں، جو لوگ ۵۰ سال سے دُھنیا کہلا رہے تھے اور اسی برادری میں شادی وغیرہ کر رہے تھے انہیں اس سے روکنا کیسا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ

ہمارے باپ دادا تقریباً پچاس سال قبل بریلی شریف کے کسی عالم کے ہاتھ پر مولانا عبدالباری ڈھلموشریف کے ذریعہ مسلمان ہوئے اور آج بھی الحمد للہ ہم سبھی اہل برادری سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہیں لیکن ہم جس گاؤں میں رہتے ہیں وہاں کے مسلمان دھنیاں برادری سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہماری شادیاں بھی اسی برادری میں ہونے لگیں اور ہم بھی دھنیاں برادری کہلانے لگے۔

آج پچاس سال بعد اب کچھ لوگ ہماری شادیاں اس برادری میں نہیں ہونے دیتے۔ لوگوں کو روکتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے اور ہم دھنیاں برادری میں شادی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: مصطفی، جمنی جوت، پوسٹ ٹانڈے کنواں، ضلع بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ہندوستان میں اکثر قوموں نے بزرگان دین کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا اور جس قوم نے

جس بزرگ کے ذریعہ اسلام قبول کیا اس کی طرف بطور رشتہ ولا اپنے کو منسوب کر سکتے ہیں۔ سوال میں مذکورہ قوم کو بھی چاہئے کہ اپنے کو انہیں کی طرف منسوب کرے اور اسی قوم سے شادی وغیرہ کا معاملہ کرے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے "نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "من اسلم من اهل فارس فهو قریشی" یعنی جو اہل فارس سے اسلام قبول کرے وہ قریشی ہے کہ قریش نے فارس فتح کیا اس کے لوگ ان کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔" (ج ۵، ص ۴۵۷)

صورت مذکورہ میں جبکہ ان لوگوں نے اپنے کو دھنیا برادری کی طرف منسوب کیا تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں کہ عجم میں سوائے ایک دو کے کسی قوم کا نسب برقرار نہیں، پھر جب یہ لوگ پچھلے پچاس سالوں سے دھنیا برادری میں بلا روک ٹوک شادی بیاہ کرتے رہے تو اب کون سی وجہ آن پڑی کہ ان کو دھنیا برادری میں شادی بیاہ سے منع کیا جاتا ہے اور جو لوگ ایسا کر رہے ہیں کیا وہ اپنے نسب کا پختہ ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟ بلکہ بہت ممکن ہے کہ ان لوگوں کے آباؤ اجداد نے بھی کسی بزرگ کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا ہو اور اپنے کو دھنیا برادری کی طرف منسوب کرتے ہوں۔

اسلام مساوات کا داعی ہے اس نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا ہمسر بنایا اگر کسی کو کسی وجہ سے فضیلت دی تو تقویٰ کی وجہ سے دی۔ قرآن پاک میں ہے "ان اکرمکم عند الله اتقکم" لہٰذا وہ لوگ دھنیا برادری سے شادی کر سکتے ہیں شرعاً کوئی حرج نہیں، جو لوگ اپنے دینی بھائیوں کو آپس میں شادی بیاہ سے روکتے ہیں اور تکلیف پہنچاتے ہیں وہ ایذاء مسلم میں گرفتار ہیں اور ایذاء مسلم حرام ہے۔ وہ لوگ توبہ کریں اور آئندہ ایسے کاموں سے باز رہیں۔ حدیث شریف میں ہے "من اذی مسلما فقد اذانی و من أذانی فقد أذی الله" یعنی جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے اللہ رب العزت کو ایذا دی۔ (کنز العمال، ج ۱۶، ص ۱۰) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہ: محمد شمیم مصباحی**

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۳ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

ہند میں رائج برادریوں کی حقیقت کیا ہے؟ یہ سلسلہ کہاں سے شروع ہوا؟ کیا ایک برادری دوسری برادری میں شادی کر سکتی ہے؟

مسئلہ مسلمانوں میں جتنی برادری کے لوگ ہیں زیادہ تر اپنا خاندانی نسب اللہ والوں کی ذات سے جوڑتے ہیں جیسے صدیقی حضرات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انصاری حضرات حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کرام سے منصوری حضرات حضرت منصور علیہ الرحمہ سے شاہ یعنی فقیر حضرات حضرت زندہ شاہ مدار علیہ الرحمہ سے اسی طرح زیادہ تر لوگ اپنا نسب کسی نہ کسی اللہ والے سے جوڑتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان تمام برادریوں کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوا ہمارے درمیان جو رائج ہے کہ آدمی جس برادری کا ہو اسی میں اپنا رشتہ کرے دوسری برادری میں نہیں کرسکتا ان مسائل میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا وتوجروا

المستفتی: محمد فخر الدین حشمتی رضا نگر مہاڈا کالونی ندی ناکہ بھیونڈی مہاراشٹر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب عربوں میں طلوع آفتاب اسلام سے قبل پشتہا پشت سے نسب محفوظ رکھنے کا عام رواج تھا برخلاف عجمیوں کے کہ اس پر ان کی کوئی خاص توجہ نہیں تھی اس لیے ان کا نسب نامہ محفوظ نہیں رہا لیکن ہندوستانی لوگ جب اسلام قبول کرتے گئے تو قوم مسلم میں انہیں اپنی شناخت و پہچان کی ضرورت پڑی اس طرح انہیں ہندوستانی مسلمانوں میں ذات برادری کا لحاظ ہونے لگا اور یہ دو اُمور سے ہوا ایک نسب سے دوسرا پیشہ سے۔

ہندوستان میں نسب کے اعتبار سے چار قومیں مشہور ہیں (۱) سید (۲) مغل (۳) خان (۴) شیخ پھر شیخ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک قریشی جنہیں شیخ صدیقی، شیخ فاروقی شیخ علوی، شیخ جعفری کہتے ہیں۔ دوسرے غیر قریشی جو شیخ انصاری کہلاتے ہیں یہ اقوام اپنا اپنا نسب ثابت کرتی ہیں اور اپنے آپ کو ان کی نسل واولاد میں سے کہتی ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے تین قومیں خاص شریف قرار دیں اور انہیں سید یا میر اور خان اور بیگ کے خطاب دئے کہ ان سب لفظوں کے معنی عربی وفارسی وترکی زبان میں سردار ہیں باقی تمام شرفاء مثل اولاد امجاد وخلفاء کرام و بنی عباس وانصار کو ایک عام لقب دیا شیخ کہ یہ بھی بمعنی بزرگ ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۵، ص:۴۵۶)

نسبی اقوام کو اپنے سلسلۂ نسب پر اعتماد کرنا ضروری ہے خواہ وہ اعتماد شجرۂ نسب کی بنا پر ہو یا بطریق شہرت وتواتر کے ہو یا کسی مشہور خاندان سے صحیح اتصال ہو۔ نیز یہ امر مسلم ہے کہ ہندوستان میں اکثر قوموں نے بزرگان دین کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا ہے اور فتاویٰ رضویہ میں ہے "نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ من اسلم من اهل فارس فهو قريشي "یعنی اہل فارس سے جو اسلام قبول کرے وہ قریشی ہے کہ قریش نے فارس فتح کیا اس کے لوگ ان کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے۔ (ج:۵، ص:۴۵۷)

اس مذہب کی بنا پر جس کے ہاتھوں جو مسلمان ہوگا بطور رشتۂ ولا اسی قوم میں گنے جانے کے قابل ہوگا

تو خارج از امکان نہیں کہ یہاں کے آباواجداد ان اللہ والوں کی اولاد کے ہاتھوں اسلام قبول کیے ہوں اور بطور رشتۂ ولا ان کو صدیقی، عثمانی، انصاری اور منصوری کہا جانے لگا ہو اور بعید نہیں کہ ان میں سے کسی کا سلسلۂ نسب ان اللہ والوں کی اولاد سے ملتا ہو اگر چہ ان کا نسب نامہ محفوظ نہ رہ گیا ہو۔

بہر حال وجہ کچھ بھی ہو جن کے آباواجداد کا تعلق ان برادریوں سے ہے اور وہ ان میں لکھتے چلے آئے ہوں تو جب تک ان کا ان برادریوں سے نہ ہونا یقین سے معلوم نہ ہو جائے انہیں اپنے آپ کو ان برادریوں میں شمار کرنے سے منع نہیں کیا جا سکتا۔

فتاویٰ حدیثیہ میں ہے:

"ان لم یثبت نسبہ شرعا وادعاہ ولم یعلم کذبہ تعین التوقف عن تکذیبہ" اھ (ج:۱،ص:۱۶۶)

شادی بیاہ میں کفو کا لحاظ ضروری ہے اور کفاءت کا مدار عرف پر ہے کہ اگر شوہر میں اتنی کمی ہے کہ اولیائے زن کے لیے باعث ننگ و عار ہو تو کفو نہیں۔

ردالمحتار میں ہے وفی الفتح ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف فیدور معہ. اھ (ج ۴، ص ۲۱۶) اور آج کل عموماً شرافت ورذالت کا انحصار ذات برادری پر رکھتے ہیں اور عام طور پر رائج ذات برادری پیشہ سے بنی ہے اور پیشہ میں کفائت منصوص ہے اس وجہ سے اس کی پابندی کا حکم دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
کتبہٗ: فیاض احمد برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
۳۰؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

جو جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے خود کو ان کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔

بھڑبھوج قوم "حماص" لکھ سکتی ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان اسلام اس مسئلہ میں کہ

آگرہ میں ایک مسلم قوم رہتی ہے جس کا کام ہے چنے، مونگ پھلی، مکئی وغیرہ بھوننا اور بیچنا صدیوں سے یہ لوگ یہی کام کرتے ہیں ۲۰۰۰ء میں آل انڈیا کانفرنس بنام بھڑبھوجا دلی میں ہوئی جس میں بھڑبھوجا نام بدل کر دلی کی اس قوم نے اپنا ٹائٹل "منیری" کر لیا ہے۔ آگرہ کی بھڑبھوجا قوم نے اس نام کو پسند نہیں کیا اب یہ لوگ کوئی دوسرا نام یعنی ٹائٹل رکھنا چاہتے ہیں جو کسی بزرگ سے منسوب ہو جائے اور شجرہ بزرگوں تک مل جائے اس

سلسلے میں قوم کی کئی میٹنگ ہوئی لیکن کامیاب نہ ہوسکی لہذا حضور والا سے امید ہے کہ آپ کوئی نام منتخب فرمائیں یا آپ یہ بتائیں کہ چنے، مونگ پھلی، مکئی وغیرہ بھوننے کا کام ہمارے بزرگوں میں سے کوئی کرتے تھے کہ نہیں؟

المستفتی: قوم مسلم بھڑ بھوجا، آگرہ، یوپی۔

حاجی نصیر بھڑ بھوجا بلد یوگنج مکان نمبر ۲۱/۴۲۵ لوہامنڈی آگرہ، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب اس قوم کے لوگوں کو چاہیے کہ اپنی پرانی تاریخ پڑھیں اور پتا لگائیں کہ ان کے آباء واجداد کس کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے ہیں اگر تحقیق ہوجائے تو یہ لوگ بطور رشتہ ولاء اسی قوم سے اپنے نسب کو گردانیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے: ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاد امام عطار حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ تھا کہ جو شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اس کی ولاء اس کے لئے ہے......اور ولاء ایک رشتہ ہے مثل رشتہ نسب کے حدیث میں ہے: **الولاء لحمة كلحمة النسب**... جس کی ولاء جس قوم کے لئے ہو وہ انہیں میں گنا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **مولى القوم من انفسهم**... اس مذہب کا ایک حدیث بھی پتا دیتی ہے "**من اسلم على يديه رجل فله ولائه**" جس کے ہاتھ پر کوئی شخص ایمان لائے تو اس کا رشتہ ولاء اسی سے قرار پائے...... عجب نہیں کہ اس حدیث کا منشا بھی یہی ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**من اسلم من اهل فارس فهو قرشي**" اہل فارس سے جو اسلام لائے وہ قرشی ہے کہ قریش نے فارس فتح کیا اس کے لوگ ان کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئے۔ (ج ۵ ص ۴۵۷)

اس مذہب کی بناء پر جو شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا بطور رشتہ ولاء اسی قوم سے گنے جانے کے قابل ہوگا۔ اور اگر اس کی تحقیق نہ ہوسکے تو وہ اپنے نام کے ساتھ "محمّاص" لکھا کریں جو عربی زبان کا لفظ جو بھڑ بھوج کا ہم معنی ہے اس سے نسب بھی نہیں بدلے گا اور برادری کا نام بھی خوبصورت ہوجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی، برکاتی

کتبہ: محمد ابوبکر مصباحی امجدی

۵ رشعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

■❖■

بَابُ الحَضَانَةِ

پرورش کا بیان

چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق کسے ہے؟ اور اخراجات کس کے ذمہ ہیں؟ ناشزہ نفقہ پائے گی یا نہیں؟ کیا بیوی ماں باپ سے الگ رہنے کا مطالبہ کرسکتی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی ہندہ سے ہوئی۔ شادی کے ڈیڑھ سال بعد ہندہ کو ایک بچی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد وہ اپنے شوہر زید سے یہ مطالبہ کرنے لگی کہ میں تمہارے ساتھ اسی صورت میں رہوں گی کہ تم اپنے والدین کو چھوڑ کر الگ رہو اور زید اس کے لئے تیار نہیں۔ اب جبکہ دوسرا بچہ ہونے کا وقت آیا تو وہ اپنے میکے چلی گئی۔ جب بچہ پیدا ہو گیا تو زید اسے لینے گیا تو وہ زید سے پھر وہی مطالبہ کرنے لگی اور آنے سے انکار کر دیا۔ جب زید اس پر راضی نہ ہوا تو وہ زید سے طلاق کا مطالبہ کرنے لگی اور اس کے بعد کورٹ میں مقدمہ بھی دائر کر دیا۔ نیز ہندہ کے والدین زید سے اپنی بیٹی کا ایک سال کا خرچ تین لاکھ روپے مانگ رہے ہیں اور کورٹ نے یہ حکم دیا ہے کہ بچہ ہندہ کو دے دیا جائے۔ مزید ہندہ نے چھ ہزار روپے ماہانہ خوراکی کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

دریافتِ طلب امر یہ ہے کہ (۱) زید کا بچوں پر کچھ حق ہے یا نہیں؟ یا صرف ہندہ ہی اس کی حقدار ہے؟ کیا زید بچوں کو بحکم کورٹ ہندہ کو سپرد کر دے؟

(۲) زید کا کورٹ کے فیصلے کے مطابق بچوں کو ہندہ کو دے کر مزید چھ ہزار روپے ماہانہ خوراکی دینا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

(۳) ہندہ کے باپ کا زید سے اپنی لڑکی کے لئے سال بھر کا خرچ تین لاکھ روپے مانگنا کیسا ہے؟

(۴) کیا زید اپنی بیوی کے مطالبے پر والدین کو چھوڑ کر الگ رہ سکتا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: عبدالسلام رضوی، بسم اللہ چوک، تانبا پورہ، جلگاؤں، مہاراشٹر

الجواب (۱-۲) عندالشرع چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے۔ اگر لڑکا ہے تو ماں کو

سات سال کی عمر تک اس کی پرورش کا حق ہے اور اگر لڑکی ہے تو نو سال کی عمر تک۔ اس کے بعد بچے باپ کے پاس رہیں گے اور بچہ جب تک ماں کی پرورش میں ہوگا صرف اسی وقت تک کا خرچہ باپ کے ذریعہ واجب ہوگا جبکہ بچے کے پاس مال نہ ہو ورنہ بچے ہی کا مال اس کے خرچ میں صرف کیا جائے گا۔ اب اگر بچے کے پاس مال نہ ہو تو باپ کے حسب حیثیت متوسط درجہ کا خرچ اس سے دلایا جائے۔ اور یہ وہاں کے دیندار، اخراجات کے واقف کار مسلم پنچوں کے ذریعہ طے کیا جائے کہ بچوں کا ماہانہ اوسط خرچ کیا ہوگا جتنا وہ مقرر کریں زید دے۔ درمختار مع شامی، ج ۳، ص ۵۵۵ پر ہے "الحضانة تثبت للام و فی القنیة الام احق بالولد مالم یعقل ذلک" اھ اور اسی میں ص ۶۱۲ پر ہے "تجب النفقة لطفله یعم الانثیٰ والجمع الفقیر فان نفقة الغنی فی ماله الحاضر فلو غائبا فعلی الاب" اھ۔ اور ردالمحتار میں ہے (قوله: فلو غائبا) ای فلو کان للولد مال لکنه غائب فنفقته علی الاب الی ان یحضر ماله۔ اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ہندہ کے باپ کا اپنی لڑکی کے لئے خرچ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں کہ مطالبہ کا حق اس وقت ہوتا ہے جبکہ ہندہ اپنے شوہر کی اذن و رضا سے اپنے میکے رہتی یا پھر اپنے شوہر کے ساتھ رہتی اور یہاں زید ہندہ کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے مگر ہندہ جانے سے انکار کر رہی ہے جس کے باعث وہ ناشزہ و نافرمان ہوئی۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۱، ص ۵۴۵ پر ہے "ان نشزت فلا نفقة لها حتی تعود الی منزله والناشزة هی الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه۔ اھ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) عموماً عورتیں اپنی خودسری کے لئے نیز اپنے شوہر کی کمائی کو اپنی ذات کے ساتھ مخصوص کرنے کے لئے شوہر پر یہ دباؤ ڈالتی ہیں کہ وہ ماں باپ سے الگ ہو کر صرف بیوی کا تابع فرمان رہے اس کے سوا اور کوئی وجہ شرعی نہیں ہوتی۔ اغلب یہ ہے کہ یہاں بھی یہی معاملہ ہے اگر واقعی ایسا ہی ہے تو ہندہ کا شوہر زید سے یہ مطالبہ کرنا جائز نہیں کہ وہ اپنے والدین کو چھوڑ کر الگ رہے۔ اور اسی شرط پر وہ زید کے ساتھ رہے گی۔ بلکہ ہندہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل کرے اور اس کی مرضی کے تابع رہے اور زید پر واجب ہے کہ جب تک والدین راضی نہ ہوں انہیں نہ چھوڑے۔ اگر چہ اس صورت میں اسے اپنی بیوی کو طلاق دینی پڑے کہ والدین کی خوشی و رضا کے لئے بیوی کو طلاق دینا مباح بلکہ ضروری ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ج ۵، ص ۶۰۳ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد عبدالمقتدر نظامی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۳ ر جمادی الاولیٰ ۲۳ھ

ڈھائی سالہ بچی کس کے پاس رہے گی

مسئلہ (۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان دین مسئلہ ذیل میں کہ زید اپنی بیوی ہندہ کو طلاق مغلظہ دے دیا جبکہ ہندہ کے پاس ڈھائی سال کی ایک بچی ہے۔ ہندہ کا قول ہے کہ لڑکی میرے پاس رہے گی اور زید کہتا ہے کہ میری بچی ہے لہٰذا میرے پاس رہے گی۔ ایسی صورت میں لڑکی کی پرورش کی ذمہ داری زید و ہندہ میں سے کس پر ہے؟

(۲) ہندہ کہتی ہے کہ شریعت کے مسئلہ کے اعتبار سے لڑکی ہمارے پاس نو سال رہے گی اور اس نو سال کا پرورش کا خرچ بھی مجھے چاہئے چونکہ مفتی صاحب نے اس طرح کا فتویٰ دیا ہے۔ لیکن زید اپنی مطلقہ بیوی کو اس لڑکی کے پرورش کا خرچہ نہ دینے پر راضی ہے بلکہ اپنی لڑکی کو اپنے پاس رکھ کر اس کی پرورش کا ذمے دار ہوتا ہے ایسی صورت میں زید اپنی لڑکی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: محرم علی ابن محمد شعبان، موضع جگر ناتھ پور، پوسٹ منڈپ، ضلع بستی

الجواب صورت مسئولہ میں ہندہ کا کہنا بالکل صحیح و درست ہے۔ بچی نو سال کی عمر تک ماں کی پرورش میں رہے گی لیکن اگر ماں پرورش کی اہل نہ ہو یعنی مرتدہ ہو جائے یا فسق میں مبتلا ہو جائے جس کی وجہ سے بچی کی پرورش میں فرق آئے یا وہ بچی کے غیر محرم سے نکاح کر لے تو حق پرورش نانی کو ہو جائے گا وہ نہ ہو تو دادی کو۔ درمختار باب الحضانۃ میں ہے "تثبت ای الحضانة للام و لوبعدالفرقة الا ان تكون مرتدة اوفاجرة او متزوجة بغير محرم الصغير ثم ای بعدالام بان ماتت او لم تقبل او اسقطت حقها او تزوجت باجنبی ام الام و ان علت ثم ام الاب. اھ ملخصاً (الدرالمختار فوق ردالمختار جلد ۵، ص ۲۵۳ تا ۲۶۲) اور اسی میں ص ۲۶۶ پر ہے۔ الام والجدة احق بها قدر بتسع وبه يفتی. اھ ملخصاً اور بچی کی پرورش کا خرچ باپ کے ذمہ ہوگا۔ درمختار باب النفقۃ میں ہے تجب النفقة بانواعها لطفله الانثی. اھ ملخصاً (الدرالمختار جلد ۵، ص ۳۳۴ تا ۳۳۶، مطلب فی نفقة المطلقة) ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص ۹۰۱ پر بھی ہے۔ اور بچی کے نو سال کا خرچ باہمی رضامندی سے جو معین ہو شوہر اسے ہر ماہ دیتا رہے یا ضرورت کے مطابق خرچ یعنی ضروری اشیاء کھانا، کپڑا اور دوا وغیرہ فراہم کرتا رہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ "بچہ جب تک ماں کی پرورش میں ہے اخراجات بچہ کی ماں کے حوالے کرے یا ضرورت کی چیزیں مہیا کر دے اور اگر کوئی مقدار معین کر لی گئی تو اس میں بھی حرج نہیں اور جو مقدار معین ہوئی اگر وہ اتنی زیادہ ہے کہ اندازہ سے باہر ہے تو کم کر دی جائے اور اگر اندازہ سے باہر نہیں تو معاف ہے اور کم ہے تو کمی پوری کی جائے۔" (بہار شریعت حصہ ۸، ص ۱۶۱ تا ۱۶۲) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کتبہٗ: محمد ہارون رشید قادری گجراتی
۲۵ رمحرم الحرام ۲۳ھ

بَابُ النَّفَقَةِ

نفقہ کا بیان

مطلقہ ایام عدت میں اپنے اور بچہ کے لئے کیا کیا حق طلب کرسکتی ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین ومفتیان کرام ذیل کے ان مسائل کے بارے میں

(۱) میری لڑکی کی شادی ایک مالدار گھرانے میں تقریباً ڈھائی سال قبل ہوئی۔ ایک بچہ بھی ہے اب انہوں نے دو طلاقیں دے دیں تو لڑکی ایام عدت میں اپنے اور اپنے بچے کے لئے شرعاً کیا کیا حق طلب کرسکتی ہے؟

(۲) کچھ علمائے کرام کا کہنا ہے کہ لڑکی اپنے بچے کو اپنا دودھ پلا رہی ہے تو اس کی کوئی اجرت نہیں لے سکتی۔ شریعت مطہرہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر لڑکے والے مالدار ہیں تو لڑکی اور بچے کے اخراجات جیسے کھانا، کپڑا، رہنے کے مکان کا بھاڑا اور دیگر ضروریات زندگی کے اخراجات کتنے مقدار میں متعین کیا جائے گا۔ لڑکے والے کہتے ہیں کہ دو ہزار بھی زیادہ ہے۔ حالانکہ وہ جس مکان میں رہتے ہیں اس کا بھاڑا پچیس ہزار ہے مہینہ کا۔ لہٰذا اس مہنگائی کے لحاظ سے بچے کے اخراجات جیسے پڑھائی لکھائی بیماری کا علاج رہن سہن کے اخراجات کو کیسے متعین کیا جائے گا؟

(۴) میری بچی پہ اس کا شوہر اور شوہر کے ماں باپ نے اور شوہر کی بہنوں نے زنا کا جھوٹا الزام لگایا ہے شریعت مطہر میں اس کا کیا حکم ہے کیا اس کا تاوان لے سکتے ہیں؟ اور اگر لے سکتے ہیں تو کتنا؟

(۵) طلاق کے بعد بچے کو ماں اپنے پاس کب تک رکھ سکتی ہے اس کے بعد اگر چہ بچہ ماں کے پاس ہی رہنا چاہے تو وہ رہ سکتا ہے یا نہیں اور بچے کے اخراجات کا ذمہ دار کون ہے؟ اور اگر بچہ اپنی ماں کے پاس رہنے کے لئے بولے تو ایسی صورت میں بچہ اپنے باپ کی میراث کا حقدار ہے یا نہیں؟ ان تمام مسائل کا حل شریعت مطہرہ کی روشنی میں وجوہات کے ساتھ بیان فرمائیں۔

المستفتی: محمد رئیس الدین، سنجری ٹریڈرس عزیز الدین روڈ اسٹیل سینٹر بلڈنگ، بندر منگلور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب (۱): شوہر نے عورت کو دو طلاقیں دیں ہیں تو تمام عدت تک نان ونفقہ اور سکنیٰ شوہر کے

ذمہ لازم ہے لہٰذا انقضاء عدت تک شوہر سے نان ونفقہ اور سکنیٰ کا سوال کرسکتی ہے۔ اگر بچے کا اپنا کوئی ذاتی مال نہ ہو تو اس کا نان ونفقہ بھی شوہر پر واجب ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے "المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا او بائنا او ثلاثا۔" اھ (ص ۴۴۰، ج۱) فتاویٰ ہندیہ میں محیط سے ہے "ارضاع الصغير اذا كان يوجد من ترضعه انما يجب على الاب اذا لم يكن للصغير مال واما اذا كان له مال فتكون مؤنة الرضاع في مال الصغير۔" اھ (ص ۵۶۰، ج۱) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر عورت طلاق رجعی کی عدت میں دودھ پلائے تو اس کی اجرت نہیں لے سکتی اور طلاق بائن کی عدت میں لے سکتی ہے۔ درمختار میں ہے "لايستأجر الاب امه لو منكوحة او معتدة رجعي وجاز في البائن في الاصح۔" اھ (ص ۳۴۸، ج۵، باب النفقة) ایسا ہی جوہرہ نیرہ ص ۱۷۰، ج ۲ و بہار شریعت، ص ۱۶۳، ح ۸ میں بھی ہے لہٰذا اگر لڑکے نے دو طلاق رجعی دی ہے تو زمانہ عدت میں دودھ پلانے کی اجرت نہیں لے سکتی ہاں اگر عدت گزرنے کے بعد بھی دودھ پلائے تو مطلقاً ان دنوں کی اجرت لے سکتی ہے۔ درمختار میں ہے "وهي احق بارضاع ولدها بعد العدة اذا لم تطلب زيادة على ما تأخذه الاجنبية" اھ (ص ۳۴، ج۵، باب النفقة)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) جب تک عدت پوری نہ ہو اس وقت تک مطلقہ عدت کا نفقہ یعنی کھانا کپڑا پائے گی مگر نفقہ کا تعین روپیوں سے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمیشہ اتنے ہی روپے دیے جائیں اس لئے کہ سامانوں کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا جب قیمت بڑھ جائے گی تو روپے زیادہ دینا ہوگا اور جب قیمت میں کمی ہوگی تو کم دینا ہوگا مگر مطلقہ مکان یا اس کا کرایہ پانے کی حقدار نہیں اس لئے کہ مطلقہ شوہر کے گھر رہ کر عدت گزارے گی۔ قرآن شریف میں ہے:

"اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ۔" اھ (پارہ ۲۸، سورہ طلاق آیت ۱)

رہا بچے کا معاملہ تو لڑکا سات سال اور لڑکی نو سال کی عمر تک ماں ہی کے پاس رہیں گے اور بچے کے کھانے پینے دوا علاج میں جو خرچ ہوگا اس کے باپ سے لیا جائے گا اگر بچے کا کوئی مال نہ ہو۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے "لايقدر نفقتها بالدراهم والدنانير على اي سعر كانت بل يقدر بها على حسب اختلاف الاسعار غلاء ورخصاً رعاية للجانبين كذا في البدائع۔" اھ (ص ۵۴۷، ج۱) نیز اسی میں ہے "ويعتبر في هذه النفقة مايكفيها وهو الوسط من الكفاية وهي غير مقدرة لان هذه النفقة نظير نفقة النكاح فيعتبر فيها ما يعتبر في نفقة النكاح" اھ (ص ۵۵۸، ج۱) نیز اسی میں ہے "ارضاع الصغير اذا كان يوجد من ترضعه انما يجب على الاب اذا لم

یکن للصغیر مال۔" اھ (ص ۵۶۰، ج۱) واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) صورت مسئولہ میں جرمانہ لینا جائز نہیں ہاں جن لوگوں نے زنا کی تہمت لگائی وہ سخت گنہگار ہیں۔ اگر یہاں حکومت اسلامیہ ہوتی تو جھوٹی تہمت لگانے والوں پر اسی اسی کوڑے لگائے جاتے۔ لیکن یہاں اسلامی حکومت نہیں ہے اس لئے یہ لوگ علانیہ توبہ استغفار کریں اور آئندہ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگانے کا عہد کریں۔ بحر الرائق میں شرح الآثار سے ہے "التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ والحاصل ان المذھب عدم التعزیر باخذ المال۔" اھ (ص ۴۱، ج ۵) واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) بچہ اس وقت تک ماں کی پرورش میں رہے گا کہ اب اسے اس کی حاجت نہ رہی یعنی اپنے آپ کھانا، پینا، پہننا، استنجا کرلیتا ہو اس کی مقدار سات برس کی عمر ہے، سات برس کی عمر سے بلوغ تک بچہ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی ماں کے پاس رہے بلکہ اب سے بلوغ تک بچہ اپنے باپ کے پاس رہے گا پھر جب بالغ ہوگیا اور سمجھ والا ہے کہ فتنہ یا بدنامی کا اندیشہ نہ ہو اور تادیب کی ضرورت نہ ہو تو جہاں چاہے وہاں رہے۔ بچہ کی ملک میں اگر کوئی مال ہے تو اس سے خرچ کیا جائے ورنہ بچہ کے تمام اخراجات کا ذمہ دار باپ ہوگا اور بچہ چاہے جس کے پاس رہے بہرحال وہ اپنے باپ کے انتقال کے بعد اس کا وارث ہوگا۔

درمختار میں ہے "والحاضنة اُما او غیرھا احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء و قدر بسبع و به یفتی لانه الغالب۔" اھ (ص ۲۶۷، ج ۵، باب الحضانة) نیز اسی میں ہے "ولا خیار للولد عندنا مطلقاً" اھ اس کے تحت ردالمحتار میں ہے "ای اذا بلغ السن الذی ینزع من الام یاخذه الاب و لا خیار للصغیر لانه لقصور عقله یختار من عنده اللعب و قد صح ان الصحابة لم یخیروا۔" اھ (ص ۵۶۷، ج ۴، باب الحضانة) درمختار میں ہے "والغلام اذا عقل واستغنی برائه لیس للاب ضمه الی نفسه الا اذا لم یکن ماموناً علی نفسه فله ضمه لدفع فتنة اوعار وتادیبه اذا وقع منه شیٔ" اھ (ص ۵۶۸، ج ۴) فتاویٰ ہندیہ میں ہے "ارضاع الصغیر اذا کان یوجد من ترضعه انما یجب علی الاب اذا لم یکن للصغیر مال و اما اذا کان له مال فتکون مؤنة الرضاع فی مال الصغیر کذا فی المحیط۔" اھ (ص ۵۶۰، ج۱، فصل فی نفقة الاولاد) فتاویٰ مصطفویہ میں ہے "گناہ کے سبب سے وراثت سے محروم نہیں ہوسکتا۔" اھ (ص ۵۴۷) واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: محمد سفیر الحق رضوی نظامی

۸ / رجب المرجب ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

کیا مطلقہ نفقۂ عدت کے علاوہ کچھ اور لے سکتی ہے؟ لڑکی تیرہ سال کی ہوگئی تو باپ اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ لڑکی کو جائداد میں حصہ نہ دینا حرام قطعی ہے

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید کا ہندہ کو طلاق مغلظہ دیے ہوئے گیارہ ماہ گزر گئے اس کے ساتھ زید کی ایک تیرہ سال کی لڑکی بھی ہے جبھی سے ہندہ اپنے میکہ ہے اس دوران زید نے ہندہ کے پاس دو مرتبہ خرچ بھیجا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ زید مہر ادا کر چکا ہے دوبارہ نکاح لوٹانے پر قطعی راضی نہیں، معاملہ کے تصفیہ کے لئے چند لوگ بیٹھے تو جو باتیں ہوئیں حسب ذیل ہیں:

(۱) ہندہ بایں طور کہ جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے گی یا تا زندگی ۲ ہزار روپے ماہانہ خرچ کا مطالبہ کیا۔ یہ رقم خود ہندہ نے متعین کی تھی۔ (۲) زید اپنے اور ہندہ کے نام سے ۴-۵ لاکھ روپے بینک یا ڈاک خانہ میں جمع کرے نفع ہندہ پائے۔ رقم دونوں کے دستخط سے نکلے، ہندہ پہلے انتقال کرے تو کل رقم زید کی بصورت دیگر ہندہ کی ورنہ اس پر مقدمہ کریں گے۔ (۳) نکاح نہ لوٹانے کی صورت میں پوری زندگی خرچہ برداشت کرنا ہوگا۔ (۴) زید کا کہنا ہے کہ میرے پاس اپنی لڑکی کے تئیں اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بالکل نہیں کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ ہی رہے تو میں اس کی شادی بیاہ کا خرچ نیز اس کے بہانے سے ہندہ کو پوری زندگی خرچ دینے کو تیار ہوں کہ شادی کے بعد لڑکی اپنی ماں کے پاس آیا جایا کرے گی۔

(۵) ہندہ کو ۲ ہزار روپے کم پڑیں گے جبکہ وہ کرائے کے مکان میں رہے گی تو زید نے جواباً کہا کیوں اپنے باپ کے پاس رہے کیا باپ کی جائیداد میں اس کا حصہ نہیں؟ اس پر ایک صاحب بولے کہ ایسا کہاں ہوتا ہے شادی کے علاوہ باپ کی جائیداد سے لڑکی کو کیا ملتا ہے؟

غرض زید، ہندہ، نفقہ کی رقم جمع کرنا، مقدمہ کرنا اور ایسا کچھ کہنا جیسا لکھا گیا ان ساری باتوں کا شرعی حکم اور حل فرمائیں نوازش ہوگی۔ **بینوا توجروا**

المستفتی: سلطان احمد، بلجیت نگر، نئی دہلی-۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب شرعی نقطہ نظر سے ہندہ کے مطالبات ناحق اور باطل ہیں مطلقہ عدت کے اخراجات کی حقدار ہے جبکہ شوہر کے یہاں رہ کر عدت گزارے یا شوہر اپنی مرضی سے دے دے۔ مہر کی رقم کی وہ بہر حال حقدار ہے زید اسے کل مہر ادا کر دے۔ زید اپنی مرضی سے جو کچھ خرچ دینا چاہے دے سکتا ہے اور اگر اس کا وعدہ کیا ہے تو اس کو پورا بھی کرنا چاہئے مگر اس کی بنا پر جبراً مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ ''اشباہ'' میں ہے "لا جبر علی

الوفاء بالوعد" (بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج ۵، ص ۹۲۰)

زید چاہے تو لڑکی کو اپنے یہاں بلالے اور اس کی دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کرے۔ پھر نکاح کر دے۔ مسئلہ یہ ہے کہ لڑکی صرف نو برس کی عمر تک ماں کی پرورش میں رہے گی اور لڑکی کے تمام اخراجات باپ کے ذمہ ہوں گے پھر اس کے باپ کے سپرد کی جائے گی۔ درمختار "باب الحضانۃ" میں ہے "الام والجدۃ احق بھا حتی تحیض وغیرھما أحق بھا حتی تشتھی وقدر بتسع و بہ یفتی" اھ ملخصا (ج ۵، ص ۲۶۸، باب الحضانۃ)

اسی میں ہے "بلغت الجاریۃ مبلغ النساء ان بکرا ضمھا الاب الی نفسہ" اھ (ج ۵، ص ۲۷۰، باب الحضانۃ) اگر زید راضی ہے تو لڑکی اپنی ماں کے ساتھ بھی رہ سکتی ہے اس کے جملہ اخراجات زید کے ذمہ ہوں گے۔

ہندہ کا اس کے باپ کی جائیداد میں حصہ ہے ہندہ کو حصہ نہ دینا حرام قطعی ہے اور قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔" اھ (اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے) (النساء آیت نمبر ۲۷)

حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ" یوم القیامۃ یعنی جو اپنے وارث کو میراث پہنچانے سے بھاگے اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے گا۔ (ابن ماجہ ص ۱۹۴)

لہٰذا یہ کہنا کہ شادی کے علاوہ لڑکی کو باپ کی جائیداد سے کیا ملتا ہے بلاوجہ کی بات ہے۔ لوگ اگر نہیں دیتے ہیں تو زیادتی کرتے ہیں انہیں حصہ دلانا چاہئے نہ یہ کہ ان کا جائز حصہ نہ دلا کر ظلم کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد علی البرکاتی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۲۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

عورت عدت کا نفقہ پائے گی جب کہ شوہر کے گھر رہے، عدت میں کسی مقدار معین پر صلح نہیں ہوسکتی نہ ہی نفقہ کا تعین روپیہ سے ہوسکتا ہے؟

مسئلہ مطلقہ ہندہ از روئے شرع کتنے یوم کی عدت کے خرچ پانے کی مستحق ہے۔ بالفرض اگر طالق روپیہ دینا چاہے تو بروقت تین حیض کے کس قدر روپے دے دے تا کہ شرعاً گناہ سے بچے۔ طلاق کے بعد سے ہندہ اپنے میکے میں ایک لڑکا ساڑھے چار برس اور ایک لڑکی ایک سال دونوں کو لے کر عدت پوری کی۔

عدت کے ایام میں شوہر نے چھ سو روپے اخراجات بچوں کے لئے دیے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو چھ سو روپے دیا وہ عدت کے اخراجات میں جوڑا جائے گا یا کہ نہیں؟ کیونکہ روپیہ ہندہ کے ہاتھ میں پہنچا ہے۔ طالق طلاق دینے کے بعد دہلی چلا گیا۔ ہندہ بجائے سسرال میں عدت گزارنے کے دونوں بچوں کو لے کر میکے چلی گئی اور وہیں عدت پورا کیا۔ طالق اپنے بچوں کو اسی وقت لینا چاہتا تھا مگر ہندہ نے نہیں دیا۔ اب بچوں کو دینا ہے۔ ہندہ کی عدت کے اخراجات مقدار میں بیان کریں اور ساتھ ہی دونوں بچوں کے اخراجات بھی۔ بینوا توجروا

المستفتی: جمیل احمد، مٹھیاں، پوسٹ ہریا بازار، ضلع بستی (یوپی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب ہندہ کی عدت جب تک پوری نہ ہو اس وقت تک وہ نفقہ پائے گی۔ فتاویٰ عالمگیری "الفصل الثالث فی نفقۃ المعتدۃ" میں ہے "المعتدۃ عن الطلاق تستحق النفقۃ والسکنی" اھ (ج ۱، ص ۵۵۷) حیض یا وضع حمل کی عدت میں کسی مقدار معین پر صلح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ معلوم نہیں کتنے دنوں میں یہ عدت پوری ہوگی۔ درمختار میں ہے "ولو صالحها عن نفقۃ العدۃ ان بالاشہر صح وان بالحیض لا للجہالۃ" اھ (ج ۵، ص ۳۳۴، باب النفقۃ) اور نفقہ کا تعین روپے سے بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہمیشہ اتنے ہی روپے دیے جائیں۔ اس لئے کہ سامانوں کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا جب قیمت بڑھ جائے گی تو روپے زیادہ دینا ہوگا اور جب قیمت میں کمی ہوگی تو کم دینا ہوگا۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے "ولا یقدر نفقتها بالدراہم و الدنانیر علی ای سعر کانت بل یقدر بها علی حسب اختلاف الاسعار غلاء ورخصًا رعایۃ للجانبین کذا فی البدائع۔" اھ (ج ۱، ص ۵۴۷، فصل فی نفقۃ الزوجۃ)

مگر یہ حکم اس وقت ہے جبکہ ہندہ شوہر کے گھر میں رہ کر عدت گزارے اور سوال میں صراحت ہے کہ شوہر جب دہلی چلا گیا تو ہندہ بچوں کو لے کر اپنے میکے چلی آئی لہٰذا عدت کے جتنے ایام وہ میکے میں گزاری ہے اتنے دنوں کا خرچ شوہر نہیں دے گا اور ہندہ مطالبہ بھی نہیں کر سکتی اور وہ گنہگار بھی ہوئی کہ یہ ناشزہ ہے اور ناشزہ کا حکم یہ ہے کہ وہ جب تک شوہر کے مکان پر پہنچ نہیں جاتی نفقہ نہیں پائے گی۔ درمختار میں ہے "لا نفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود" اھ ملخصاً (ج ۳، ص ۵۷۵، باب النفقۃ) فتاویٰ ہندیہ میں ہے "وان نشزت فلا نفقۃ لها حتی تعود الی منزلہ والناشزۃ ھی الخارجۃ عن منزل زوجها المانعۃ نفسها منہ۔" اھ (ج ۱، ص ۵۴۵، فصل فی نفقۃ الزوجۃ)

رہا بچوں کا معاملہ تو لڑکا سات سال اور لڑکی نو سال کی عمر تک ماں ہی کے پاس رہیں گے۔ خواہ وہ نکاح میں ہو یا نکاح سے نکل گئی ہو۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے "احق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح

اوبعد الفرقة الام الا ان تكون مرتدة او فاجرة غير مامونة كذا فی الكافی۔" اھ(ج۱،ص۵۴۱، باب الحضانة) ردالمحتار میں ہے:"والام والجدة احق بالغلام حتی یستغنی و قدر بسبع سنین، والام والجدة احق بالجاریة حتی تحیض و فی نوادر هشام عن محمد اذا بلغت حد الشهوة فالاب احق وهذا صحیح۔" اھ(ج۱،ص۵۴۲،باب الحضانة)اوران دونوں بچوں کے کھانے، پینے، دوا علاج میں جوخرچ ہوگا اس کے باپ سے لیا جائے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابراراحمد امجدی برکاتی

کتبہ: محمد صابر حسین فیضی نظامی
۵؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

■❖■

کِتَابُ الْاَیْمَانِ وَالنُّذُوْرِ

قسم اور نذر کا بیان

زید وبکر نے قسم کھائی کہ فلاں گاؤں تقریر کرنے نہیں جائیں گے پھر چلے گئے تو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

بکروزید ایک گاؤں میں میلاد شریف پڑھنے گئے، زید کے تقریر بولنے کے درمیان میں ایک شرابی نے زید کو برا بھلا کہا، اس کے بعد فوراً زید و بکر نے قسم کھالیا کہ اب اس گاؤں میں قدم نہیں رکھیں گے۔

اب زید و بکر کچھ دن بعد اسی گاؤں میں تقریر کرنے گئے تو اب زید و بکر کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز زید و بکر کے قسم کھانے کے بعد اسی گاؤں میں دوسرے علمائے کرام گئے تو کیا یہ دیگر علمائے کرام کے اوپر بھی شریعت کا کوئی حکم نافذ ہوگا؟ المستفتی: شکر اللہ سندوری، بستی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں اگر زید و بکر نے یہ قسم کھائی کہ "اب اس گاؤں میں قدم نہیں رکھیں گے" اور اس کے بعد مذکورہ گاؤں میں تقریر کرنے گئے تو دونوں حانث ہوگئے۔ حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر قسم کھائی کہ فلاں گاؤں میں نہ جاؤں گا تو آبادی میں جانے سے قسم ٹوٹے گی" اھ (بہار شریعت، ح ۹، ص ۱۴)

فتاویٰ عالمگیری "الباب الثالث فی الیمین علی الدخول والسکنی وغیرھما" میں ہے "و لوحلف لایدخل قریۃ کذا فدخل اراضی القریۃ لایحنث ویکون الیمین علی عمرانھا" اھ (ج ۲، ص ۷۰)

لہٰذا زید و بکر قسم کھانے کے بعد مذکورہ گاؤں میں جانے کی وجہ سے حانث ہوگئے۔ ان دونوں پر کفارہ دینا واجب ہے اور کفارہ قسم ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا ان کو کپڑے پہنانا اور اگر ان دونوں کی قدرت نہ

ہوتو مسلسل تین روزے رکھیں اور زید وبکر کے علاوہ دیگر جو بھی علمائے کرام اس گاؤں میں گئے ان پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہے کہ ایک آدمی کی قسم سے دوسرے آدمی پر کچھ بھی لازم نہیں ہوتا۔

درمختار کتاب الایمان میں ہے "وکفارته تحریر رقبة او اطعام عشرة مساکین او کسوتهم بمایستر عامة البدن" اھ ملخصاً (ج۳،ص ۷۲۵-۷۲۶) اور فتاویٰ عالمگیری "الفصل الثالث فی الکفارة" میں ہے "فان لم یقدر علی احد هذه الاشیاء الثلاثة صام ثلاثة ایام متتابعات وهذه کفارة المعسر" اھ (ج ۲،ص ٦١) واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد نیاز برکاتی مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۲؍رجب ۲۵ھ

میلاد شریف کی نذر ماننا کیسا ہے؟

مسئلہ میلاد شریف کی نذر ماننا کیسا ہے؟

المستفتی: اشرف جمال، مدرسہ غوثیہ تیغیہ رسول آباد، سلطان پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب میلاد شریف کی نذر ماننا جائز ہے اور اسے پوری کرنا اچھا ہے واجب نہیں کہ یہ نذر عرفی ہے۔ بہار شریعت حصہ ۹ ص ۳۴ منت کے بیان میں ہے ''میلاد شریف کرنے کی منت مانی تو یہ شرعی منت نہیں مگر یہ کام منع نہیں ہے کرے تو اچھا ہے'' اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — **کتبہٗ:** محمد حبیب اللہ مصباحی

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۱۸؍رجب ۲۳ھ

بکر کی والدہ نے منت مانی کہ میرا لڑکا ٹھیک ہوگیا تو ایک خصی کے ساتھ میلاد کراؤں گی وہ ٹھیک ہوگیا مگر منت پوری کرنے کی وسعت نہیں تو کیا بکر اپنی جانب سے پوری کرسکتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ بکر کے سر میں بے حد درد تھا درد سے بے چین تھا۔ بکر کی والدہ نے اس وقت منت مانی کہ اے اللہ پاک اگر میرے لڑکے کے سر کا درد ختم ہوجائے گا تو میں ایک خصی سے میلاد کراؤں گی اللہ کی مہربانی سے بکر کے سر کا درد ختم ہوگیا اور منت مانے ہوئے مہینوں گزر

گئے ہیں۔ بکر کی والدہ کے پاس اتنی وسعت نہیں کہ وہ خصی دے کر میلاد کروائے لیکن بکر اپنی والدہ کی مجبوری دیکھ کر خود خصی دے کر میلاد کرانا چاہتا ہے تو کیا ایسی صورت میں بکر کی والدہ کی منت ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ اور خصی دے کر میلاد کروا سکتا ہے یا نہیں؟ اور منت شدہ اس خصی کا گوشت عامۃ المسلمین یا بکر کے گھر والے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا و توجروا۔ المستفتی: محمد صابر حسین قادری، امام مسجد غازی روضہ گورکھپور**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب صورت مسئولہ میں یہ منت، شرعی منت نہیں کہ اس کا پورا کرنا شرعاً واجب ہو۔ فتاویٰ عالمگیری "فی مسائل النذور" ج ۲، ص ۶۶ و در المختار "باب النذور" ج ۳، ص ۶۷ میں ہے "قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لایلزمه شیئ" اھ

لہٰذا بکر کی والدہ پر خصی دے کر میلاد کروانا واجب نہیں ہاں بہتر یہ ہے کہ یہ منت بھی پوری کر دے لہٰذا بکر کو چاہیے کہ وہ ماں کو خصی کا مالک بنا دے اور ماں ہی منت پورے کرے۔ اور اس کا گوشت عامۃ المسلمین اور بکر کے گھر والے بھی کھا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد عبدالقادر رضوی ناگوری
۱۳ / رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی
الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

"کاروبار میں جو نفع ہوگا پانچ فیصد راہ خدا میں خرچ کروں گا" یہ منت شرعی ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ پانچ فیصد زکات و صدقات اور نماز روزہ کے فدیہ میں دے سکتا ہے؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے کہا کہ میرے کاروبار میں جو نفع ہوگا اس میں سے پانچ فیصد راہ خدا میں خرچ کروں گا تو یہ شرعی نذر ہے یا نہیں؟ اور کیا پانچ فیصد رقم جو نفع کی ہے، اسے زکوٰۃ ادا کرنے یا صدقہ فطر نکالنے یا نماز روزے کا فدیہ ادا کرنے میں خرچ کر سکتے ہیں؟ اگر ان کاموں میں خرچ کیا تو راہ خدا میں خرچ کرنا ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

المستفتی: محمد جابر خاں و حاجی ابوالحسن، لوہا مارکیٹ، دھولیہ (مہاراشٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب زید کا یہ کہنا کہ "میرے کاروبار میں جو نفع ہوگا اس میں سے پانچ فیصد راہ خدا میں خرچ کروں گا" یہ شرعی نذر نہیں، نہ اس کا پورا کرنا واجب۔ وجہ یہ ہے کہ جس منت شرعی کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ناذر یا تو اس منت کو کسی شرط پر معلق کرے۔ مثلاً یہ کہے کہ اگر میرے کاروبار میں نفع ہوگا تو اتنا روپیہ راہ

خدا میں صدقہ کروں گا، یا الفاظ نذر کے ذریعہ ایجاب کرے۔ مثلاً یہ کہے مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لئے واجب ہے کہ اپنے منافع کا اتنا حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پر تصدق کروں، اگر ایسا ہو تو شرعی نذر ہوگی ورنہ نہیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''اگر یہ نیاز نہ کسی شرط پر معلق تھی، مثلاً میرا یہ کام ہو جائے تو اس جانور کی نذر کروں گا نہ کوئی ایجاب تھا، مثلاً اللہ کے لئے مجھ پر یہ نیاز کرنی لازم ہے جب تو یہ نذر شرعی ہو نہیں سکتی۔'' (باب النذر، ج۵،ص۶۶۷)

ردالمحتار میں ہے:

فی الخانیۃ قال: ان برئت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ فبرئ لا یلزمہ شیء إلا ان یقول فللہ علی ان اذبح شاۃ۔ اھ وھی عبارۃ متن الدرر وعللھا فی شرحہ بقولہ لان اللزوم لا یکون إلا بالنذر والدال علیہ الثانی لا الاول اھ۔ فافاد ان عدم الصحۃ لکون الصیغۃ المذکورۃ لا تدل علی النذر ای لان قولہ ذبحت شاۃ وعد لا نذر. ویؤیدہ ما فی البزازیۃ لو قال ان سلم ولدی أصوم ما عشت فھذا وعد. (باب النذر، ج۳،ص۷۴۰)

اور نفع کی پانچ فیصد رقم کو زکوۃ ادا کرنے یا صدقہ فطر نکالنے یا نماز روزہ کے فدیہ ادا کرنے میں خرچ کرنا صحیح ہے، اس لئے جس کی نیت سے خرچ کرے گا، اس سے بری ہو جائے گا اور ان کاموں میں خرچ کرنا راہ خدا ہی میں خرچ کرنا ہے۔ ردالمحتار میں مصرف الزکوۃ والعشر کے تحت ہے:

وھو مصرف ایضا لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبۃ کما فی القھستانی۔ (باب مصرف الزکوۃ ج۲،ص۳۳۹) واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی — کتبہٗ: محمد انوار الحق قادری

الجواب صحیح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی — ۳؍ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ

غوث پاک رضی اللہ عنہ کی نیاز گیارہ کو کرنا چاہئے یا سترہ کو؟

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز ربیع الآخر کی گیارہویں تاریخ کو کرنی چاہئے یا سترہ کو پوری دنیا میں آپ کی گیارہویں ہی مشہور ہے؟

المستفتی: محمد اظہر الدین انجم، گوا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب گیارہویں ربیع الآخر کو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نیاز دلانا اس لئے زیادہ مناسب

ہے کہ عامۃ المسلمین کے عرف کے مطابق ہے ویسے تو اولیاء و بزرگان دین کے نام سے نذر و نیاز دلانا ہر دن جائز و مستحسن و باعث سعادت ہے خواہ کسی تاریخ اور دن کی تخصیص ہو یا نہ ہو بلکہ کسی خصوصیت کے سبب ایک تاریخ کا تعین جب کہ اسے شرعا واجب نہ جانے مضائقہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کو نفل روزہ رکھتے مگر اس سے کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ اگر اتوار یا منگل کو روزہ رکھتے تو نہ ہوتا نہ یہ سمجھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر اور جمعرات کا روزہ واجب سمجھا جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يصوم الاثنين والخميس رواه الترمذي والنسائي۔" (ج:۱،ص:۱۸۰)

صحیح بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: كان النبي صلى الله عليه وسلم ياتي مسجد قبا كل سبت ماشيًا و راكبا ويصلي فيه ركعتين نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شنبہ کو مسجد قبا تشریف لے جاتے کبھی سوار کبھی پیدل اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے۔

اس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین بھی جاتے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے: "عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انه كان ياتي قبور الشهداء راس كل حول فيقول سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار والخلفاء الاربعة هكذا كان يفعلون رضي الله تعالىٰ عنهم۔" اھ (تفسیر کبیر، ج:۵، ص:۲۹۵)

سال بہ سال نیز ہفتہ کے دن جانا یہ ضرور تخصیص ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں دوسرے دن جانا ناجائز ہے اسی طرح سے گیارہ ربیع الآخر کو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام فاتحہ دلانا تخصیص ہے لیکن عرفی نہ کہ شرعی کہ دوسری تاریخ مثلاً سترہ اٹھارہ وغیرہ کو فاتحہ دلانا ناجائز ہے۔ لہٰذا خاص گیارہویں تاریخ کا ہونا شرعاً ضروری نہیں اور جو شرعاً ضروری جانے محض غلطی پر ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ رضویہ ص: ۲۲۴، ج ۴، اور فتاویٰ امجدیہ ج:۱، ص ۳۵۴ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحيح: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

الجواب صحيح: محمد ابرار احمد امجدی برکاتی

كتبهٗ: سرفراز احمد فیضی

۲۹/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۲۹ھ

ترانہ مرکز تربیت افتا

از: فیض محمد قادری مصباحی

اے فقیہ ملتِ بیضا کے نورانی چمن
آبشار علم دیں اے فقہ کے گنگ وجمن

مرکز تربیتِ افتا تری کیا شان ہے
تیرا اَبر معرفت ہر سمت ہے سایہ فگن

ہے برائے طالبان فقہ تو مینار نور
تیری گودی میں پلے ہیں سیکڑوں اصحاب فن

سن ہجری چار سو سولہ پہ تھا زائد ہزار
جب تیری تاسیس کا شاہد بنا چرخ کہن

دشمنان دین کی آنکھوں کا تو شہتیر ہے
راحت جان وقرار قالب اہل سنن

تو ہے فیضان شعیب الاولیا، امجد علی
فیض ارشد ہے عطائے مصطفیٰ حیدر حسن

تجھ کو خون دل سے سینچا ہے جلال الدین نے
ان کے سوز دیں کا ہے مرہون تیرا بانکپن

تجھ سے اوجھا گنج کو یوں عالمی شہرت ملی
خون بستہ ہوگیاں ہے نافۂ مشکِ خُتن

پاسبان مسلک احمد رضا ہے بالیقیں
مذہب نعمان کی ترویج کا عمدہ مشن

معرفت کے چاند تری چاندنی بڑھتی رہے
علم کے سورج صدا دوچند ہو تیری کرن

بادِصَرصَر سے تجھ محفوظ رکھے کردگار
تیرے آنگن میں رہے اَبر بہاری خیمہ زن

فیضؔ عاصی کی یہی ہے بس تمنائے دلی
تو پھلے پھولے تیری خوشبو سے مہکیں فکر وفن


فتاویٰ نوریہ